معارف ترمذی

جلد دوم

اردو شرح

جامع ترمذی

جلد ثانی

مفتی محمد طارق
استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد

معارفِ ترمذی

اردو شرح

جامع ترمذی

جلد ثانی

جلد دوم

مفتی محمد طارق

استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند

اعظم مارکیٹ، اقبال روڈ کمیٹی چوک۔ راولپنڈی

0333-5375336

نام کتاب : معارف ترمذی جلد دوم

مصنف: مفتی محمد طارق

کمپوزنگ: محمد آصف لطیف 0343-5261568

ناشر: مکتبہ شیخ الہند، کمیٹی چوک، راولپنڈی

تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۱۱ء

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

اسلام آباد : مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد

: مکتبہ طیبہ، جامع مسجد الرحمن بلیو ایریا اسلام آباد

لاہور : اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور

: مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

: مکتبہ الحسن، اردو بازار لاہور

کراچی : ادارہ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی

: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

: مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی

: ادارۃ الانور، نیوٹاؤن کراچی

ملتان : جامعہ حقانیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

فیصل آباد : مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد

کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

اکوڑہ خٹک : مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک

: مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک

تیمرگرہ : دینی کتب خانہ، تیمرگرہ

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

فہرست

معارف ترمذی جلد دوم

ابواب الفتن، ابواب الرویا، ابواب الشهادة، ابواب الزهد، ابواب صفة القيامة، ابواب صفة الجنة، ابواب صفة جهنم، ابواب الايمان، ابواب العلم، ابواب الاستيذان والاداب، ابواب الامثال

اجمالی فہرست

فہرست

معارف ترمذی جلد دوم

عرض مؤلف

آج سے تقریباً تین سال پہلے کی بات ہے کہ معارف ترمذی جلد اوّل منظر عام پر آئی، آہستہ آہستہ علمی حلقوں میں اپنا مقام بناتی گئی، اللہ کے فضل سے علماء اور طلباء نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس جستجو میں رہے کہ اس کی دوسری جلد کب آئے گی، میں اپنے اندازے کے مطابق انہیں ایک وقت دیتا کہ اتنے عرصہ میں ان شاء اللہ معارف ترمذی جلد دوم چھپ کر آجائے گی، لیکن پھر بھی اس میں تاخیر ہوتی گئی، کیونکہ کسی بھی تحقیقی اور معیاری کام میں وقت ضرور خرچ ہوتا ہے، نہ چاہنے کے باوجود اس میں تاخیر ہو ہی جاتی ہے، یوں اس جلد کے آنے میں وقت کا اتنا عرصہ لگ گیا۔

......☆☆☆......

معارف ترمذی جلد دوم میں ابواب الفتن، ابواب الرؤیا، ابواب الشھادۃ، ابواب الزھد، ابواب صفۃ القیامۃ، ابواب صفۃ الجنۃ، ابواب صفۃ جھنم، ابواب الایمان، ابواب العلم، ابواب الاستئذان و الآداب اور ابواب الامثال کی شرح کی گئی ہے۔

......☆☆☆......

اس جلد کی تحریر و تالیف میں بھی وہی انداز اور اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جو معارف ترمذی جلد اوّل میں تھا، چنانچہ ہر حدیث پر اعراب، بامحاورہ اردو ترجمہ، مشکل الفاظ کے معنی، عنوان لگا کر احادیث کی تشریح، فقہی مسائل کا ذکر دلائل کے ساتھ، عام فہم انداز، لمبی بحثوں سے کنارہ کشی اور ہر بات کا مستند حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

یہ ابواب جن کی اس کتاب میں شرح کی گئی ہے، اس لحاظ سے انتہائی اہم اور قابل توجہ ہیں کہ ان میں مذکور احادیث انسانی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے اور اس پر استقامت اختیار کرنے کے لئے غیر معمولی طور پر اثر کرتی ہیں، ان کے مطالعہ کے بعد آدمی لامحالہ اس نتیجے پر پہونچتا ہے کہ بس یہ دنیا ایک دو کے کا گھر ہے، بالآخر اس نے ایک دن تہس نہس اور ختم ہو جانا ہے، اور پھر ہر انسان نے اپنے کیے کا حساب دینا ہے...... یہ وہ فکر ہے جو یہ احادیث پیدا کرتی ہیں، سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑ کر یہ

کہتی ہیں کہ خواب غفلت سے نکل آؤ، اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے کچھ زادِ راہ بنالو، لیکن شرط یہ ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ صدق دل سے ان احادیث کو پڑھا جائے، محض سرسری نظر ڈالنے سے یہ فکر حاصل نہیں ہوتی، تاہم اس شرح کو پڑھ کر اگر کسی محترم قاری کی عملی زندگی میں یہ فکر بیدار ہوگئی تو یہ میری بہت بڑی سعادت ہوگی، کہ یہی اس کتاب کا بنیادی مقصد ہے۔

......☆☆☆......

اپنی بساط کی حد تک اس کتاب کی تالیف میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی تشنگی باقی نہ رہے، اور ہر بات مکمل احتیاط اور تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس کے باوجود اگر کسی محترم قاری کے سامنے اس کی کوئی بات حقیقت کے خلاف معلوم ہو تو ازراہ کرم دلیل کے ساتھ اس سے مطلع فرمادیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کردی جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس معمولی سی محنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لئے، میرے والدین اور تمام اساتذہ کرام کے لئے صدقہ جاریہ، عفو و درگذر، اپنی رضاء و خوشنودی اور مغفرت کا ذریعہ بنائے اور اپنے فضل و کرم سے دین کی مخلصانہ خدمت کے لئے مزید قبول فرمائے، اور اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

طالب دعا

محمد طارق

استاذ حدیث و مفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

و مدیر جامعہ مریم للبنات F-10/3،

سٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

25 محرم الحرام 1432ھ

31 دسمبر 2010م

0333-5375336

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ

حضور ﷺ سے فتنوں سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

فتن: فتنہ کی جمع ہے اس کے مختلف معنی ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، ابتلاء، گناہ، مال و دولت، اولاد، عذاب، جنون، محنت، اور کسی چیز کو پسند کرنا وغیرہ۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ فتن (فاء پر زبر اور تا کے سکون کے ساتھ) کے معنی ہیں: سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈالا جائے تاکہ کھوٹے اور کھرے میں امتیاز ہو جائے، یہ لفظ انسان کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یوم ھم علی النار یفتنون، اور عذاب کے معنی میں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الا فی الفتنة سقطوا، اور آزمائش کے معنی میں جیسے وفتناک فتونا۔ یہ لفظ خیر و شر دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر شر میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔

فتنہ ان امور میں سے ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے اور انسان کی طرف بھی، جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو کہ اللہ نے ان کو فتنے میں ڈالا ہے تو اس وقت یہ حکمت اور مصلحت کے معنی میں ہوگا، اور اگر اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس وقت یہ شر اور برائی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے والفتنة اشد من القتل۔

کتب حدیث میں کتاب الفتن یا ابواب الفتن کے عنوان میں ان احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے جن میں مستقبل میں پیش آنے والے فتنوں اور ان کی پیشن گوئیوں کا ذکر ہوتا ہے، ان سے مسلمانوں کو ڈرانا مقصود ہوتا ہے اور یہ کہ فتنے کے دور میں مسلمان کو کیا اعمال کرنے چاہئیں تاکہ ان سے بچا جاسکے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: زِنًى بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوِ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ، أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهِ، فَوَاللهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ، وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ، فَبِمَ تَقْتُلُونَنِي؟

ابوامامہ بن سہل کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے محاصرے کے دن اوپر سے جھانکا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا

(۱) فتح الباری، کتاب الفتن ۱۳/۳، تکملة فتح الملہم، کتاب الفتن ۲۵۳/۶

ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک کی وجہ سے، محصن ہونے کے بعد زنا کرتا، یا اسلام کے بعد مرتد ہو جاتا یا کسی کو ناحق قتل کرتا تو اس کے قصاص میں قتل کیا جائیگا، (اور سن لو) اللہ کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں اور نہ زمانہ اسلام میں اور نہ میں اسلام سے پھرا ہوں، جب سے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں، اور نہ میں نے کسی ایسے نفس کو قتل کیا جسے اللہ نے حرام کیا ہے (جب ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی میرے اندر نہیں پائی جاتی) تو پھر کس وجہ سے تم مجھے قتل کرتے ہو۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ أشرف: اوپر سے جھانکا۔ یوم الدار: محاصرے کے دن اہل فتنہ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا گھراؤ کیا تا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ انشدکم: (شین پر پیش) میں تم کو قسم دیتا ہوں۔ أتعلمون: اس میں ہمزہ برائے تقریر ہے، معنی ہیں قد تعلمون تحقیق تم جانتے ہو۔ إحصان: پاکدامن اور شادی شدہ ہونا۔

شہادت عثمان

اس باب میں امام ترمذی نے وہ حدیث ذکر کی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب شرپسندوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام کے تیسرے خلیفہ اور حضرت عمر فاروق کے بعد مسلمانوں کے امیر و حکمران بنے تھے، آپ کی خلافت کا ابتدائی نصف زمانہ بڑا پرسکون، نظم وضبط اور استحکام پر مبنی تھا، بعد میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے خلافت میں استحکام نہ رہا، طرح طرح کی سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، آپ نہایت بردبار، چشم پوش اور عفو درگذر کے پیکر تھے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک میں مشہور و معروف تھے، انہوں نے اخلاص نیت کے ساتھ بعض ان رشتہ داروں کو سرکاری منصب وعہدوں پر فائز کیا جن کو وہ ان عہدوں کیلئے دیانۃً اہل اور مناسب سمجھتے تھے، رشتہ داروں کی ذاتی طور پر مالی معاونت بھی کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن سبا یمن کے شہر صنعاء کا یہودی باشندہ تھا، اس نے دیکھا کہ حضرت عثمان کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع اور مال غنیمت خوب حاصل ہو رہا ہے، تو وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا، وہ جزیرہ عرب سے اپنی جلاوطنی کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا، مدینہ میں آکر منافقانہ انداز سے اسلام قبول کر لیا، در پردہ اپنی شرارتوں میں مصروف رہا، جب کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو دیگر مختلف شہروں سے ہوتا ہوا مصر پہونچا، وہاں اس کی سازشوں کا حلقہ وسیع ہوا، وہاں سے وہ شرپسند مدینہ آنا شروع ہو گئے۔

ابن سبا نے مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے کیلئے حضرت علی کا ساتھ دینا شروع کر دیا کہ آپ پر ظلم ہوا ہے، خلافت کے اہل آپ تھے..........، اس کیلئے اس نے حضرت علی کی طرف سے اپنی حمایت کا ایک جعلی خط بھی تیار کیا تھا،.....لیکن حضرت علی نے کسی بھی طرح سے اس کی تائید اور سازش سے صاف انکار کر دیا تھا، موسم حج میں ابن سبا نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ مصر کا

گورنر تبدیل کریں کیونکہ ہم پر بہت ظلم ہو رہا ہے، حضرت عثمان نے ظلم کی تفصیل پوچھی تو وہ کچھ ثابت نہ کر سکے، مدینہ میں آ کر اس نے دوبارہ گورنر کی تبدیلی کا مطالبہ کیا اور مزید مطالبہ کیا کہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر نامزد کر دیں، حالات کو صحیح رخ پر لانے کیلئے حضرت عثمان نے اس کا یہ مطالبہ منظور کیا، اور محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔

چونکہ مخالفین کا اصل مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ختم کرنا اور انہیں قتل کرنا تھا، اس لئے وہ مسلسل اپنی سازشوں میں مصروف رہے، اس صورتحال کو بگاڑنے میں بڑا دخل مروان بن حکم کا تھا جو حضرت عثمان کا چچازاد بھائی اور ان کا وزیر تھا، اس نے حضرت عثمان کی مروت اور نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس کے رویے سے اہل مدینہ بھی دل برداشتہ تھے، اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مروان سے نجات حاصل ہو جائے، مخالفین حضرت عثمان سے یہ مطالبہ بھی کرتے تھے کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں، حضرت عثمان نے فرمایا کہ تمہیں جو اس پر اعتراض ہیں انہیں دلیل سے ثابت کرو.......... بہر حال حضرت عثمان نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں فرمایا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ مروان کو اپنے سامنے مدینہ میں قتل ہوتا دیکھیں، رفتہ رفتہ شر پسندوں نے حضرت عثمان کا گھیرا تنگ کر لیا، پانی بند کر دیا، مسجد جانے سے روک دیا، اس موقع پر حضرت عثمان نے مذکورہ حدیث انہیں دیوار کے اوپر سے سنائی کہ شرعاً قتل کے تین اسباب ہیں کہ کسی کو ناحق قتل کیا جائے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا جائے اور یا مرتد ہو جائے، یہ اسباب بحمد اللہ میرے اندر نہیں پائے جا رہے تو پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

حضرت علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ شر پسند اب حضرت عثمان کے گھر کا دروازہ توڑ کر انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو ان کی حفاظت کیلئے دروازے اور چھت پر کھڑا کر دیا، لیکن شر پسندوں نے یہ چال چلی کہ خفیہ طور پر ایک پڑوسی کے مکان میں گھس گئے اور دیوار پھاند کر حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہو گئے، اس وقت مکان کے اندر صرف حضرت عثمان تھے اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ، اندر گھستے ہی شر پسندوں نے حضرت عثمان پر تلوار چلائی جو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے، ان کی بیوی نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ سے روکا، جس سے ان کی انگلیاں کٹ کر گر گئیں، پھر دوسرا وار کیا جس سے حضرت عثمان شہید ہو گئے، مزید تشدد کر کے ان کی پسلیاں توڑ دیں، پھر شر پسندوں کا ایک ہجوم ان کے گھر داخل ہو گیا اور گھر کا سارا سامان لوٹ لیا۔

یہ المناک حادثہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن پیش آیا، مدینہ میں چونکہ شدید خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا، اس لئے تین دن تک حضرت عثمان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی، تین دن کے بعد بڑی جد و جہد کر کے رات کے وقت ان کو بغیر غسل کے انہی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا، آپ کی نماز جنازہ حضرت جبیر بن مطعم نے پڑھائی۔(۱)

---

(۱) مظاہر حق ۹۳۵/۴، چند پیشن گوئیاں، مجمع البحرین ۵۱۸/۲

قتل کے چند اسباب

اس حدیث میں قتل کے تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں، اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ روایات میں قتل کرنے کے دیگر اسباب بھی مذکور ہیں، مثلاً کوئی حملہ کردے تو دفاع کیلئے قتل جائز ہے، یا کوئی مال چھین لے تو اسے بھی مارا جاسکتا ہے، جو کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرلے تو اسے قتل کا حکم ہے،.............. بعض نے قتل کے دس اسباب ذکر کئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قتل کے دیگر اسباب بھی ہیں جبکہ حدیث باب میں بڑے حصر اور تاکید کے ساتھ صرف قتل کے تین اسباب کا ہی ذکر ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) داودی کہتے ہیں کہ حدیث باب قرآن مجید کی آیت مبارکہ: من قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الارض سے منسوخ ہے، لہذا قتل کے اسباب تین میں ہی منحصر نہیں۔

(۲) قتل کے جتنے بھی اسباب ہیں وہ سب ان تین میں داخل ہیں، بالخصوص التارک لدینہ کا لفظ جو بعض روایات میں ہے، اس کا مفہوم عام ہے، جو باغی وغیرہ کو شامل ہے، اور حدیث باب میں صرف تین اسباب کا ذکر اس لحاظ سے ہے کہ عموماً یہ تین اسباب زیادہ پیش آتے ہیں، اس لئے روایات میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالأَمْوَالِ

یہ باب (لوگوں کے) خون اور اموال کو حرام وممنوع قرار دینے کے بیان میں ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الأَحْوَصِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ: أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوا: يَوْمُ الْحَجِّ الأَكْبَرِ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ، أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ، أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَداً، وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضَى بِهِ.

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (آپ نے پوچھا) یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: یوم الحج الاکبر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت ہے تمہارے اس شہر (مکہ) میں، آگاہ ہوجائیے کوئی جرم کرنے والا جرم نہیں کرتا مگر اپنے نفس پر ہی، خبردار کوئی گناہ کرنے والا اپنے بچہ پر گناہ نہیں کرتا اور نہ بچہ اپنے والد پر، سن لو بے شک شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لئے مایوس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۱۱

ہو چکا ہے کہ تمہارے ان شہروں (یعنی مکہ، حرمین اور جزیرہ عرب) میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن اس کی ان اعمال اور امور میں اطاعت ہوگی جن کو تم حقیر اور معمولی سمجھتے ہو، اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **تحریم:** حرام اور ممنوع قرار دینا، **الدماء:** دم کی جمع ہے، خون، نفس، جان۔ **حجة:** (حاء پر زبر اور زیر کے ساتھ) حج، ایک دفعہ کا حج۔ **الوداع:** (واؤ پر زبر کے ساتھ)، اس صورت میں یہ باب تفعیل کا مصدر ہوگا، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ واؤ کی زیر کے ساتھ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، معنی ہیں: رخصت کرنا، اور حجۃ الوداع سے رسول اللہ ﷺ کا آخری حج بیت اللہ مراد ہے، اس حج میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو الوداع کیا یا حرم سے الوداع ہوئے، اس لئے اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ **أعراض:** (ہمزے کی زبر کے ساتھ) عرض (عین کی زیر کے ساتھ) کی جمع ہے: عزت و آبرو۔ **جان:** جرم کرنے والا، گناہ کرنے والا۔ **أیس:** مایوس اور ناامید ہوا۔ **تحتقرون:** تم حقیر اور معمولی سمجھتے ہو۔ **سیرضی به:** شیطان اس حقیر چیز پر ہی راضی ہو جائیگا۔

حج اکبر کا مفہوم

حج اکبر کی تفسیر میں علماء کرام کا اختلاف ہے:

(۱) اکثر حضرات کے نزدیک "حج اکبر" سے مطلق حج مراد ہے، اسے "اکبر" عمرے کے اعتبار سے کہا گیا ہے کیونکہ عمرے کو حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہا جاتا ہے، اس سے ممتاز کرنے کے لئے حج کو "حج اکبر" کہا گیا ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ "حج اکبر" صرف وہی تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے خود شرکت فرمائی تھی۔

عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ کے دن جمعہ ہو، صرف وہی حج اکبر ہے، قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ قرآنی اصطلاح میں ہر سال کا حج "حج اکبر" ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ حسن اتفاق سے جس سال نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ جمعہ کو تھا، یہ اپنی جگہ فضیلت ضرور ہے کہ ایسا حج ان سب حجوں سے افضل ہوتا ہے جو غیر جمعہ کو ادا کئے گئے ہوں، مگر حج اکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔(۱)

یوم الحج الاکبر کا مصداق

یوم الحج الاکبر سے کیا مراد ہے، اس میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس، فاروق اعظم، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر وغیرہ کے نزدیک اس سے یوم عرفہ مراد ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الحج عرفة۔

(۲) بعض کے نزدیک اس سے یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ مراد ہے، کیونکہ اس دن حج کے اکثر افعال یعنی رمی

(۱) درس ترمذی، باب ماجاء فی یوم الحج الاکبر ۳۴۵/۳، تحفۃ الاحوذی ۳۷۵/۲

صادق کے بعد وقوف مزدلفہ، جمرہ عقبہ کی رمی، ذبح، حلق اور طواف زیارت ادا کئے جاتے ہیں۔

(۳) حضرت سفیان ثوری اور بعض دوسرے آئمہ نے ان تمام اقوال کو جمع کرنے کے لئے فرمایا کہ حج کے پانچوں دن یوم الحج الاکبر کا مصداق ہیں، جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں اور لفظ "یوم" کو مفرد لانا عربی محاورے کے اعتبار سے ہے، چنانچہ لفظ یوم سے بسا اوقات مطلق زمانہ یا چند ایام مراد لئے جاتے ہیں جیسے غزوۂ بدر کے چند ایام کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" کے مفرد نام سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح عرب کی عام جنگوں کو لفظ یوم ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ ان میں کتنے ہی ایام صرف ہوئے ہوں جیسے "یوم بعاث"، "یوم احد"، "یوم الجمل" اور "یوم صفین" وغیرہ۔(۱)

حجۃ الوداع کے چند احکام

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں، جو دین کا خلاصہ ہیں، محدثین باب کی مناسبت سے اس خطبہ کا جو حصہ اس موقع کے مناسب ہو، ذکر کر دیتے ہیں، یہاں بھی اس خطبے کا کچھ حصہ مذکور ہے، ان احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور حرمت تم پر لازم ہے، جس طرح حج کا یہ دن اس شہر مکہ میں محترم ہے، کہ اس میں کسی کی جان و مال اور آبرو سے تعرض کرنا ناجائز ہے اسی طرح دیگر ایام میں بھی یہ چیزیں محترم ہیں اور ان سے تعرض کرنا حرام ہے۔

(۲) جو شخص کوئی جرم یا گناہ کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو یا بیٹے کے جرم کی سزا باپ پر یا اور کسی رشتہ دار پر نہیں ہوگی، زمانہ جاہلیت میں جرم ایک کرتا لیکن سزا اس کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کو دی جاتی، یہ طریقہ چونکہ غلط تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کی نفی فرما دی اور اس کو ناجائز قرار دیا۔

(۳) شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو، البتہ کفر کے علاوہ دیگر مختلف قسم کے گناہوں کی وہ دعوت دے گا جس میں اس کی اطاعت ہوگی مثلاً قتل و غارت گری، جھوٹ، خیانت، وغیرہ...... بعض مسلمان ان کو بظاہر معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں، لیکن شیطان بہر حال ان میں ضرور مبتلا کرے گا اور اس سے وہ خوش ہوگا۔

الا وان الشیطان قد أیس ...،

اس جملے کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اہل ایمان جزیرہ عرب میں بتوں کی عبادت کریں گے، کیونکہ بتوں کی عبادت، شیطان کی عبادت ہے، مسیلمہ کذاب اور مانعین زکاۃ گو وہ مرتد ہو گئے تھے تاہم انہوں نے بتوں کی عبادت نہیں کی۔

---

(۱) معارف القرآن، سورۃ توبہ ۳۱۴/۴، درس ترمذی ۳۲۹/۳، تحفۃ الاحوذی ۲۷۵/۶

(۲) ایسا نہیں ہوگا کہ میری امت کے مسلمان نماز بھی پڑھیں اور بت پرستی بھی کریں، جیسا کہ یہود و نصاری کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بھی شیطان کی عبادت ہے۔

(۳) شیطان اس بات سے بیزار ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں دین اسلام کی شان و شوکت اور اس کا غلبہ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ زمانہ جاہلیت کی طرح شرک و بت پرستی کا دور واپس آجائے البتہ مسلمانوں کو اللہ کی نافرمانی میں ضرور مبتلا کرے گا، اس سے وہ مایوس نہیں۔

ولکن ستکون لہ طاعۃ یعنی شیطان کی کفر کے علاوہ ان امور میں پیروی کی جائے گی جن کو بعض مسلمان معمولی سمجھتے ہیں یعنی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں مسلمان اس کی اطاعت کریں گے اور ایک روایت میں ہے ولکن فی التحریش بینھم یعنی شیطان لوگوں میں فتنہ وفساد اور اختلاف ڈالے گا، ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرے گا...... ان امور میں اس کی بات مانی جائے گی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِماً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے

عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِباً جَادًّا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ۔

یزید بن سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی نہ تو بطور مذاق کے لے اور نہ بطور سنجیدگی کے، لہذا جو شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو واپس کردے۔

مشکل الفاظ کے معنی: یروع: (یا پر پیش، را پر زبر اور واو مشدد و مکسور) ڈرائے، گھبراہٹ میں ڈال دے۔ لاعبا: لہو ولعب اور مذاق کے طور پر۔ جادا: سنجیدگی کے طور پر۔ یہ دونوں لفظ یعنی لاعبا اور جادا "لا یأخذ" کی ضمیر فاعل سے حال ہیں۔

ایذاء مسلم حرام ہے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں، خواہ وہ ہنسی مذاق میں لے یا سنجیدگی کے ساتھ، یا یہ کہ ابتداء میں تو مذاق میں لے لیکن بعد میں اس میں سنجیدہ ہو جائے اور اسے واپس نہ کرے، چونکہ یہ طرز عمل پریشانی اور تکلیف کا باعث بنتا ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیے،

حدیث میں لاٹھی کا ذکر بطور مثال کے ہے، ورنہ یہ حکم ہر چیز سے متعلق ہے، کہ کسی مسلمان کی چیز اس کی اجازت کے بغیر

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۱۴

لینا درست نہیں، چنانچہ ابوداود کی روایت میں ہے کہ "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا سامان نہ لے" لہذا اگر کسی نے دوسرے کسی مسلمان کی چیز لی ہوتو اسے ضرور واپس کر دینا چاہیے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيهِ بِالسِّلاَحِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں آدمی کا اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ کرنے کا حکم مذکور ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلاَئِكَةُ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے (دینی یا نسبی) بھائی پر لوہے یعنی ہتھیار سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دوری کی دعا کرتے ہیں)

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُولاً

یہ باب تلوار کو نیام سے نکال کر دینے اور لینے کی ممانعت کے بارے میں ہے

عن جابر قال: نَهَى رسولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولاً۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تلوار کو سونت کر دینے اور لینے سے منع فرمایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ حدیدۃ: لوہا، اس سے اسلحہ اور ہتھیار مراد ہیں۔ تعاطی: دینا، لینا، استعمال کرنا۔ مسلولا: تلوار سونت کر، نیام سے باہر نکال کر، کھلی تلوار

اسلحہ کے استعمال میں احتیاط کا حکم

مذکورہ دونوں بابوں کی احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلحہ سے نہ تو کسی بھائی کو اشارہ کیا جائے اور نہ ہی کوئی ہتھیار کھول کر دوسرے کو دیا، یا لیا جائے، کیونکہ اس طرح کی بے احتیاطی میں بسا اوقات بہت نقصان ہو جاتا ہے، جیسے آئے دن بندوق، پستول اور کلاشنکوف وغیرہ میں بے احتیاطی کی وجہ سے ہلاکتوں کا ذکر آتا رہتا ہے، اس لئے اگر اسلحہ ہو تو اسے خوب احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۶/۶

(۲) تحفۃ الاحوذی ۳۱۸/۶

بَابٌ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جو شخص نماز فجر (با جماعت) پڑھ لے تو وہ اللہ جل جلالہ کے ذمہ اور امان میں ہو جاتا ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُتْبِعَنَّكُمُ اللهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذِمَّتِهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز فجر (با جماعت) ادا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے اور امان میں ہو جاتا ہے، لہذا ہرگز اللہ تعالیٰ تم سے اپنے عہد کے بارے میں پیچھا نہ کرے (یعنی مطالبہ نہ کرے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ذمة الله: اللہ تعالیٰ کا عہد و امان، یہ اس امان کے علاوہ ہے جو کلمہ توحید سے ثابت ہوتا ہے۔ فلا يتبعنكم: (یاء پر پیش اور باء کے نیچے زیر، باب افعال سے) ہرگز اللہ تعالیٰ تم سے مطالبہ نہ کرے، تمہارا پیچھا نہ کرے۔

نماز فجر کی فضیلت

حدیث باب کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) جس شخص نے صبح کی نماز با جماعت ادا کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہو جاتا ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس شخص سے بدسلوکی نہ کریں، اسے تکلیف نہ پہونچائیں، اسے قتل نہ کریں، اس کی غیبت اور آبرو ریزی نہ کریں، اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کیلئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا، لہذا ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ سخت مؤاخذہ کرے گا، اور جس بدنصیب سے اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرے گا تو اس کیلئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "ذمہ" سے "نماز" مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ تم صبح کی نماز پابندی سے ادا کرتے رہو کہ ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن دینے کا وعدہ ہے، نماز میں اگر غفلت یا سستی کی گئی تو اللہ کا یہ عہد ٹوٹ جائیگا، جس پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرے گا، اس لئے مسلمانوں کو اس نماز میں ہرگز سستی نہیں کرنی چاہیے۔ (۱)

بَابٌ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ

یہ باب جماعت کے لازم پکڑنے کے (حکم کے) بیان میں ہے۔

عن ابن عمر قال: خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِينَا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۱۹، مرقاۃ ۲/۲۲۱، کتاب الصلاۃ باب فضیلۃ الصلوات۔

فقال: أوصیکم بأصحابی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف، ویشهد الشاهد ولا یستشهد۔ ألا لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطان، علیکم بالجماعة، وإیاکم والفرقة، فإن الشیطان مع الواحد وهو من الاثنین أبعد۔ من أراد بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة۔ من سرته حسنته وساءته سیئته فذلکم المؤمن۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے درمیان اس طرح کھڑا ہوں جس طرح آپ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنے صحابہ (کی اطاعت) کی وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تابعین کی اور پھر ان لوگوں (کی اطاعت) کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تبع تابعین کی، پھر (ان زمانوں کے بعد) جھوٹ ظاہر یعنی رائج ہو جائے گا یہاں تک آدمی (خود ہی جھوٹی) قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا، اور (جھوٹی) گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی دینے کا مطالبہ نہ ہوگا، خبردار کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہیں ہوتا مگر یہ کہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، تم جماعت کو لازم پکڑو اور اختلاف سے کنارہ کش رہو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو سے دور ہوتا ہے، جو شخص جنت کے درمیان (افضل) حصہ میں رہنا چاہے تو اسے چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑ لے جس شخص کو اس کی نیکی خوش کر دے اور برائی غمزدہ کر دے تو یہی کامل ایمان والا ہے۔

عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: إن اللہ لا یجمع أمتی۔ أو قال أمة محمد۔ علی ضلالة، ویداللہ علی الجماعة، ومن شذ شذ إلی النار۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمد کو گمراہی پر جمع نہیں کرتا، اور اللہ کا ہاتھ (یعنی اس کی مدد) جماعت پر ہے، اور جو شخص جماعت سے الگ ہو جائے تو وہ اکیلا ہی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: ید اللہ مع الجماعة۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ (یعنی اس کی مدد و نصرت، اور خصوصی حفاظت) جماعت کے ساتھ ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: ۔ أوصیکم بأصحابی: میں تم کو صحابہ کی اطاعت و اتباع کی وصیت و تاکید کرتا ہوں۔ الذین یلونهم: جو ان کے قریب ہوں۔ یفشو: ظاہر ہو جائے گا، پھیل جائے گا۔ لا یستحلف: (مضارع مجہول) اس سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ لا یستشهد: مضارع مجہول، اس سے گواہی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ لا یخلون: ہرگز خلوت اور تنہائی میں نہ ہو۔ إیاکم والفرقة: تم اپنے آپ کو اختلاف سے بچاؤ۔ بحبوحة: (دونوں جگہ باء پر پیش) ہر چیز کا درمیانی حصہ، عمدہ حصہ ج بحابح۔ من

شذ: (فعل معلوم ہے) جو شخص جماعت سے اعتقاد اور طریقہ کار میں الگ ہو جائے۔ شذ الی النار: (یہ فعل معلوم اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے): اسے جنتیوں کی جماعت سے الگ کر کے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ ید اللہ: اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور حفاظت۔

جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق کے شہر "جابیہ" میں لوگوں کے درمیان اسی طرح کھڑے ہو کر خطبہ دیا، جس طرح حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع اور اطاعت کی وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تابعین کی پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تبع تابعین کی، یہ خیر القرون ہے، ان میں اجتماعی کام سنت کے خلاف نہ ہوگا، پھر اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا، جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی وبا کی طرح عام ہو جائے گی۔ مطالبے کے بغیر ہی ایک شخص قسم اور گواہی کے لئے تیار ہو جائے گا، اور فرمایا کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، کیوں کہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے جو انہیں گناہ پر ابھارتا ہے۔

اور فرمایا جماعت کو لازم پکڑو، اس جماعت سے کیا مراد ہے، اس میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس سے سواد اعظم یعنی بڑی اکثریت مراد ہے، جن کا طرز زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو۔

(۲) اس سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

(۳) اس سے اہل علم مراد ہیں۔

(۴) طبری فرماتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کی جماعت مراد ہے جنہوں نے کسی کی امارت و خلافت پر اتفاق کر لیا ہو بشرطیکہ وہ امیر بننے کے قابل ہو، ایسے میں جو شخص اس امیر کی بیعت کو توڑے گا تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے گا، یہ خروج گناہ اور بغاوت ہوگا اور و من شذ شذ الی النار کی وعید میں آجائے گا، اور اگر مسلمانوں کا کوئی امیر نہ ہو، متفرق جماعتیں ہوں، تو پھر کوئی جماعت لازم نہیں، بلکہ الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنا لازم ہے، اگرچہ اس میں کتنی مشقت برداشت کرنی پڑے، تاکہ شر اور فتنے سے امان رہے۔(۱)

فان الشیطان مع الواحد، اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص جس قدر جماعت سے دور ہوگا شیطان اسی قدر اس کے قریب ہوگا، جماعت میں رہے گا تو شیطان اس سے دور رہے گا، اس لئے جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جمہور کو لازم پکڑا جائے۔

من سرتہ... یہ ایمان کامل کی علامت ہے کہ نیکی سے دل میں خوشی اور سرور کی کیفیت ہو، اور برائی سے دل

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین۔ ۳/۳۲۳

غمگین اور افسردہ ہو جائے۔

حجیت اجماع

ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ۔

یہ حدیث اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے، یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، مگر چونکہ اس مفہوم کی دیگر روایات کثیر ہیں، اس لئے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے، اور اجماع سے علماء امت کا اجماع مراد ہے کہ یہی حضرات دین کے ترجمان ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُوْلِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب برائی کو تبدیل نہ کیا جائے تو عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔

عن أبي بَكْرِنِ الصِّدِّيقِ أَنَّهُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هٰذِهِ الْآيَةَ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ. وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ (اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو، جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو، تو جو شخص (تمہاری اصلاح کی کوشش کے باوجود) گمراہ رہے تو اس (کے گمراہ رہنے) سے تمہارا کوئی نقصان نہیں) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں (یعنی اس کو ظلم سے قدرت کے باوجود نہ روکیں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے۔

تغییر منکر ترک کرنے پر عذاب کی وعید

مذکورہ آیت کے ظاہری الفاظ سے چونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کافی ہے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے خلاف ہے، جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کا اہم فریضہ اور اس امت کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے، اسی لئے اس آیت کے نازل ہونے پر کچھ لوگوں کو شبہات پیش آئے، رسول کریم ﷺ سے سوالات کئے گئے، آپ نے توضیح فرمائی کہ یہ آیت امر بالمعروف کے احکام کے منافی نہیں، امر بالمعروف چھوڑ دو گے تو مجرموں کے ساتھ تمہیں بھی پکڑا جائیگا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۲/۶

اسی سرسری شبہ کو ختم کرتے ہوئے حدیث باب میں حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں، صرف اپنی اصلاح ہی کافی ہے، خوب سمجھ لو کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور قدرت کے باوجود اس کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان دوسرے لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیے ہاں اگر کوئی حکمت کے ساتھ سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہیں آتا تو پھر اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تفسیر بحر محیط میں حضرت سعید بن جبیر سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ تم اپنے ذمہ واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو، جن میں جہاد اور امر بالمعروف بھی داخل ہے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں تو تم پر کوئی نقصان نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ اذا اهتديتم میں غور کریں تو یہ تفسیر خود واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم راہ پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے مضر نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کے فریضہ کو ترک کر دے وہ راہ پر نہیں چل رہا۔

تفسیر درمنثور میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے یہ سوال کیا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی سخت جھگڑا ہے، ایک دوسرے کو مشرک کہتے ہیں، تو ابن عمر نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہیں کہہ دوں گا کہ جاؤ ان لوگوں سے قتال کرو، ہرگز نہیں، جاؤ ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، قبول کریں تو بہتر اور نہ کریں تو ان کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ، پھر ابن عمر نے یہی آیت یاایها الذین علیکم انفسکم... اپنے جواب میں تلاوت فرمائی۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ باب نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے (کے حکم) کے بارے میں ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ فَتَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ.

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم لوگ ضرور بضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو ورنہ جلد ہی اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، تم اللہ سے مانگو گے مگر وہ تمہاری پکار کو قبول نہیں کرے گا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ، وَتَجْتَلِدُوا بِأَسْيَافِكُمْ، وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ.

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲۲/۶، معارف القرآن، سورۃ مائدہ ۲۵۰/۳

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کردو گے، اور اپنی تلواروں سے آپس میں جھگڑا کرو گے، اور تمہارے شریر لوگ تمہاری دنیا کے مالک بن جائیں گے (یعنی ذمہ دار ہو جائیں گے)

عن أم سلمة عن النبي ﷺ: أنه ذكر الجيش الذي يخسف بهم، فقالت أم سلمة: لعل فيهم المكره، قال: إنهم يبعثون على نياتهم.

ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس لشکر کا ذکر فرمایا جس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو ام سلمہ نے عرض کیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس لشکر میں ایسا کوئی آدمی بھی شامل ہو جس کو زبردستی لایا گیا ہو (تو کیا اسے بھی یہ سزا ملے گی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ان کو اپنی نیتوں کے مطابق (میدان حشر میں) اٹھایا جائے گا۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ لیوشکن: ضرور بضرور جلدی کرے گا، قریب ہے کہ۔ فتدعونه: تم اللہ سے مانگو گے۔ تجتلدوا: تم آپس میں ایک دوسرے کو مارو گے، لڑائی جھگڑا کرو گے۔ یرث: وارث ہوں گے، مالک ہوں گے۔ شرار: شریر کی جمع ہے، برے لوگ۔ یخسف بھم: (صیغہ مجہول) اس لشکر کو دھنسا یا جائے گا۔ المکرہ: (میم پر پیش اور راء پر زبر) مجبور، زبردستی کیا ہوا۔ یبعثون: (صیغہ مجہول) انہیں اٹھایا جائے گا۔ معروف: ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کی اچھائی عقل یا شرع سے ثابت ہو۔ منکر: (میم پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ) ہر وہ فعل جو عقل اور شریعت کی نظر میں برا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

پہلی حدیث میں آپ ﷺ نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو، اگر اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کردے گا، تم دعا کرو گے، مگر قبول نہ ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنا باعث عذاب اور فتنہ ہے۔

دوسری حدیث میں چند فتنوں کا ذکر ہے، کہ قیامت سے پہلے لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کردیں گے جیسے حضرت عثمان، عمر فاروق اور حضرت علی کو شہید کیا گیا، مسلمان آپس میں لڑائی جھگڑا کریں گے، اور لوگوں میں بدترین لوگ مال و دولت اور ملک و قوم کے مالک ہو جائیں گے، یہ تمام چیزیں چونکہ فتنے کا سبب ہیں اس لئے اس حدیث کو ابواب الفتن میں ذکر کیا۔

تیسری روایت میں ہے کہ ایک شخص بیت اللہ میں پناہ لے گا، اس کو پکڑنے کے لئے ایک لشکر بیت اللہ کا رخ کرے گا جب وہ مقام بیداء پر پہونچیں گے تو زمین میں دھنس جائیں گے، ام سلمہ نے جب یہ بات سنی تو آپ ﷺ سے پوچھا کہ اس لشکر

میں بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی لایا گیا ہوگا تو انہیں بھی زمین میں دھنسایا جائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا میں تو یہ عذاب سب پر ہوگا لیکن آخرت میں انہیں نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا، وہاں ان میں امتیاز ہو جائے گا۔

یہ روایت یہاں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ سارے فتنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوں گے اور یہ کہ جو لوگ اس فریضہ کو سرانجام دیں گے وہ امت کے بہترین افراد ہوں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ برائی کو قوت سے، یا زبان سے یا دل سے نفرت کے ذریعہ تبدیل کیا جائے۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ: خَالَفْتَ السُّنَّةَ، فَقَالَ: يَا فُلَانُ: تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے نماز عید کے خطبے کو نماز سے مقدم کیا، مروان ہے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر مروان سے کہا: تم نے سنت رسول کی مخالفت کی ہے، کہنے لگا: ارے فلاں وہ تمام چیزیں متروک ہو گئی ہیں جو اس وقت تھیں، ابو سعید نے کہا: بلاشبہ اس نے (حق بات کر کے امر بالمعروف کا فریضہ) ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کی اپنے ہاتھ سے نکیر کرے (یعنی اسے ختم کرے) اور جو شخص اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

تغییر منکر کے تین درجات

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان برائی دیکھے تو اگر وہ طاقت کے ذریعہ اسے روک سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ ایسا کرے اور گناہ کے اسباب کو ختم کر دے، یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اگر طاقت وقوت کو استعمال کرنے کا اسے اختیار نہیں یا کسی وجہ سے وہ نہیں کر سکتا تو پھر اس برائی کو زبان سے روکے، یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ دل سے اس گناہ کو برا سمجھے۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز عیدین میں پہلے نماز ادا کی جائے اور نماز کے بعد خطبہ دیا جائے، یہی جمہور فقہاء کرام کا موقف ہے، لیکن مروان نے اس میں یہ تبدیلی کی کہ خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا، لوگ چونکہ ان کے طرز حکومت سے نالاں تھے، ان

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۲۶، تکملۃ فتح الملہم، کتاب الفتن، باب الخسف بالجیش... ۶/۲۶۲

کے ظلم وستم سے تنگ تھے، جیسے ہی نماز عید ختم ہوتی تو لوگ ان کا خطبہ سنے بغیر چلے جاتے، یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ خطبہ نماز سے پہلے ہوا کرے گا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ آپ کا یہ فعل سنت کے خلاف ہے، جواب میں کہنے لگا کہ یہ طریقہ متروک ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح لوگ بات نہیں سنتے، نماز سے پہلے خطبہ دینے میں یہ فائدہ ہے کہ لوگ اسے سنا کریں گے، یہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات بہت بڑی جرأت ہوتی ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں اسے ''افضل الجہاد'' قرار دیا ہے، اس شخص نے یہی کارنامہ سرانجام دیا کہ مروان کے سامنے سنت رسول کو بیان کیا، اس لئے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے امر بالمعروف کی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔(۱)

باب منه

عن النُّعمانِ بنِ بَشِيرٍ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: مَثَلُ القَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللهِ وَالمُدْهِنِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فِي البَحْرِ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ أَسْفَلَهَا يَصْعَدُونَ فَيَسْتَقُونَ المَاءَ فَيَصُبُّونَ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا: لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُونَ فَتُؤْذُونَنَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا: فَإِنَّا نَنْقُبُهَا فِي أَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِي، فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ فَمَنَعُوهُمْ نَجَوْا جَمِيعًا، وَإِنْ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا۔

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور ان میں چشم پوشی کرنے والے کی مثال اس قوم کی مانند ہے جس نے سمندر میں کشتی پر (سوار ہونے کے لئے) قرعہ ڈالا (یعنی کشتی کے حصوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا) چنانچہ ان میں سے بعض نے کشتی کا اوپر والا حصہ پایا اور بعض نے نیچے والا حصہ، نچلی منزل کے لوگ اوپر چڑھ کر جاتے تا کہ پانی (سمندر سے کھینچ کر) حاصل کریں، اسی میں وہ ان لوگوں پر پانی گرا دیتے جو اوپر والی منزل میں ہوتے، تو اوپر والوں نے کہا: ہم تمہیں اوپر چڑھنے کیلئے نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم لوگ ہمیں (پانی گرا کر) تکلیف پہونچاتے ہو، اس پر نچلی منزل والوں نے کہا: ہم کشتی کے نیچے سے ہی سوراخ کر لیتے ہیں اور پانی حاصل کر لیتے ہیں، اگر انہوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کو نیچے سوراخ کرنے سے روک دیا تو سب نجات پا جائیں گے اور اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا (اور انہوں نے نیچے سے سوراخ کر لیا) تو سب ڈوب جائیں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: ـ مدھن: قدرت کے باوجود برائی سے نہ روکنے والا، چشم پوشی کرنے والا، گنہگار لوگوں کے حقوق ضائع کرنے والا۔ استھموا: انہوں نے قرعہ ڈالا۔ یصعدون: وہ چڑھتے ہیں۔ یصبون: پانی گرا دیتے۔ لا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۷/۶

لندعکم: ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے ۔یعنی اجازت نہیں دیں گے ۔لنقبھا: ہم اس کشتی میں سوراخ کر لیتے ہیں ۔نستقی: ہم پانی لے لیتے ہیں، حاصل کر لیتے ہیں۔

نہی عن المنکر کی اہمیت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت واضح فرمائی ہے کہ اس شخص کی مثال جو حدود اللہ پر قائم ہو یعنی لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہو اور ہر برائی سے روکتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو اور جو حدود میں سستی کرتا ہے، چشم پوشی سے کام لیتا ہے، ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو سمندر پر سفر کرنے کیلئے کشتی پر سوار ہوتے ہیں ۔قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض کے حصے میں کشتی کا اوپر والا حصہ آیا، جبکہ بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی، نیچے والے لوگ اوپر کے حصے میں جا کر سمندر سے پانی نکالتے تاکہ پینے وغیرہ کے لئے اسے استعمال کیا جائے، اس عمل میں کچھ پانی اوپر والے لوگوں پر بھی گر جاتا، انہوں نے تنگ آ کر نیچے والوں کا اوپر جانا بند کر دیا، اس پر نیچے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم کشتی کے نیچے سے سوراخ کر کے پانی لے لیں گے، دیکھئے اگر اوپر والے انہیں سوراخ کرنے سے نہ روکیں یہ سوچ کر کہ یہ لوگ اپنے حصے میں ہی سوراخ کر رہے ہیں، لہذا یہی ڈوبیں گے تو ان کی یہ سوچ غلط ہوگی کیونکہ اس طرح کرنے سے تو سب ہی ڈوب جائیں گے، اسی طرح جو لوگ شریعت کے مطابق زندگی گذار رہے ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ برائی کرنے والے کا ہاتھ پکڑیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب جس طرح گنہگار پر آئے گا، اسی طرح ان لوگوں پر بھی آنے کا جو انہیں برائی سے نہیں روکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شریعت کے پیروکار ہوں ان پر لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں، تاکہ وہ بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں(۱)، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے: واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة۔(۲)

باقی مداہنت اور مدارات کے بارے میں تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اول، باب ما جاء فی المداراۃ، ابواب البر والصلۃ میں گذر چکا ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف یعنی حق بات کہنا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۷/۶

(۲) سورۃ انفال آیت نمبر: ۲۵

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کی فضیلت

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے، یہ افضل جہاد کیسے ہے، اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ کافر سے جہاد کیا جائے تو وہاں فتح اور شکست دونوں کا احتمال ہوتا ہے، مگر دشمن کا مجاہد پر کوئی تسلط نہیں ہوتا، جب کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے والا اس کے ماتحت اور رعایا میں سے ہے، وہ بادشاہ اس کے خلاف کوئی بھی کاروائی کرسکتا ہے، گویا یہاں تکلیف کا پہونچنا یا جان کی ہلاکت یقینی ہے، اس لحاظ سے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔

(۲) علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہمت کرکے بادشاہ کو حق بات سمجھائے اور بادشاہ اس کی بات سے اپنی اصلاح کرلے تو اس کا فائدہ پوری عوام کو پہنچتا ہے، اور کافر کو قتل کرنے کا فائدہ عام مخلوق کو نہیں پہونچتا، اس لئے کلمہ حق افضل جہاد ہے۔(۱)

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگی ہیں

عن خَبَّابِ بنِ الأَرَتِّ قال: صَلَّى رسولُ اللهِ ﷺ صَلاةً فَأَطَالَهَا فقالوا: يا رسولَ اللهِ صَلَّيْتَ صَلاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيهَا، قال: أَجَلْ إِنَّهَا صَلاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ، إِنِّي سَأَلْتُ اللهَ فِيهَا ثَلاثًا فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً: سَأَلْتُهُ أَنْ لا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لا يُذِيقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيهَا۔

حضرت خباب بن ارت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک نماز پڑھی اور اسکو طویل کیا، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول: آپ نے ایسی (طویل) نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ نے ایسی نماز نہیں پڑھی، آپ نے فرمایا: جی ہاں بلاشبہ یہ امید وخوف کی نماز تھی، بے شک میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین چیزیں مانگی ہیں، اللہ تعالیٰ نے دو عطا فرمادی ہیں اور ایک کو روک لیا ہے (یعنی قبول نہیں فرمایا) میں نے اللہ سے یہ مانگا کہ میری امت کو قحط کے ذریعہ ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی، اور میں نے یہ مانگا کہ ان پر ان کے علاوہ کوئی (کافر) دشمن مسلط نہ کرنا تو اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی، اور میں نے یہ مانگا کہ ان میں سے بعض، بعض کو لڑائی کا مزہ نہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۳۰

چکھائیں، تو اللہ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَلَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا۔ أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا۔ حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھے، اور بے شک میری امت کی سلطنت زمین کے اس حصے تک پہونچے گی جہاں تک اسے میرے لئے سمیٹا گیا ہے، اور مجھے دو خزانے سرخ اور سفید (یعنی سونا اور چاندی) عطا کئے گئے، پھر میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے یہ سوال کیا کہ میری امت کو عمومی قحط سے ہلاک نہ کرنا، اور ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہ کرنا، جو ان کی اصل اور جمعیت کو ہی جڑ سے اکھیڑ دے (یعنی سب کو ہلاک کر دے) اس پر میرے رب نے فرمایا: اے محمد میں جب (کسی امر کے بارے میں) قطعی فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ رد نہیں کیا جاتا، بے شک میں نے آپ کی امت کو یہ عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا، اور ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا، جو ان کی اصل کو ہی ہلاک کر دے، اگرچہ ان کے خلاف تمام روئے زمین کے لوگ جمع ہو جائیں، لیکن (یہ ضرور ہوگا کہ) انہی میں سے بعض لوگ دوسروں کو ہلاک کریں گے اور ان میں سے بعض، بعض کو گرفتار کریں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ رغبة ورهبة: امید وبیم، رغبت وخوف۔ عدوا من غیرهم: مسلمانوں کے علاوہ اور دشمن۔ لا یذیق: مزہ نہ چکھائے۔ بأس: خوف، لڑائی جھگڑا۔ زوی: لپیٹ دیا، سمیٹ کر سامنے کر دیا، قریب کر دیا۔ ما زوی (صیغہ مجہول) لی منها: جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا اور لپیٹا گیا ہے۔ الاحمر: سرخ خزانے یعنی سونا، اس سے کسریٰ کی کرنسی دنانیر یعنی اشرفیاں مراد ہیں، یہ سونے کی ہوتی تھیں۔ الابیض: سفید خزانے یعنی چاندی، اس سے قیصر کے دراہم مراد ہیں کیونکہ وہ چاندی کے ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ فارس وروم کے ممالک تک میری امت کی فتوحات ہو جائیں گی، اور وہ میری امت کے ماتحت اور سرنگوں ہونگے، چنانچہ خلفا کے دور میں مسلمانوں کا قبضہ ان ممالک پر ہو گیا تھا۔ یستبیح: جڑ سے اکھیڑ دے یعنی ہلاک کر دے۔ بیضة: (باء پر زبر کے ساتھ) اصل، شیرازہ، اجتماعیت۔ اقطار: قطر کی جمع ہے، طرف، جانب۔ یسبی: قید اور گرفتار کریں گے۔

امت کے لئے تین اہم دعائیں

حضور اکرم ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو قبول فرمائی ہیں، ایک کو قبول نہیں فرمایا، پوری امت کو قحط کے ذریعہ ہلاک نہ کرنا، کوئی کافر دشمن ان پر مسلط نہ کرنا جو ان کی بیخ کنی کر دے، انہیں ایسا بنا دے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں، ایک دوسرے کو گرفتار نہ کریں، یہ تیسری دعا اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی۔

ما زوی لی منها اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سمیٹ کر آپ کو دکھائی یا صرف وہ زمین کہ جہاں تک اسلام پھیلے گا، پہلے قول کو علامہ خطابی نے اختیار کیا اس بنیاد پر کہ "منہا" میں لفظ "من" بعض کے معنیٰ میں نہیں بلکہ ماقبل کی تفصیل کے لئے ہے، اور دوسرے قول کو ملا علی قاری نے ذکر کیا ہے اس لحاظ سے کہ یہ "من" بعض کے معنیٰ میں ہے کہ زمین کا بعض حصہ جہاں تک اسلام پھیلے گا، صرف وہ آپ کو دکھایا گیا۔

بیضتھم، اس کی مراد میں تین احتمال ہیں:

(۱) اس کے اصل معنیٰ تو وسط دار کے ہیں، مراد اس سے طاقت اور قوت ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قوت کو ختم نہ کرے۔

(۲) یا اس سے مرغی کا انڈا مراد ہے کہ جب وہ ٹوٹ جائے تو جلد ہی خراب ہو جاتا ہے، معنیٰ یہ ہیں کہ مسلمانوں کو یک وقت ہی ختم نہ کرے۔

(۳) یا اس سے "خود" مراد ہے یعنی وہ ٹوپی جو دوران جنگ مجاہدین اپنے سر پر حفاظت کیلئے رکھتے ہیں، جب اسے ہی توڑ دیا جائے اور سر بھی محفوظ نہ ہو تو یہ مغلوبیت اور شکست کی علامت ہوتی ہے۔

ولو اجتمع علیھم من باقطارھا، مراد یہ ہے کہ اگر پوری روئے زمین کے غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر بر سر پیکار ہو جائیں، تب بھی یا اللہ انہیں مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

یہ باب اس شخص کے (حکم کے) بارے میں ہے جو فتنہ کے زمانے میں موجود ہو (کہ اسے اس وقت کیا کرنا چاہیے)

عن أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ قالت: ذَكَرَ رسولُ الله ﷺ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا، قالت: قُلْتُ يا رسولَ الله، مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيهَا؟ قال: رَجُلٌ فِي مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ، وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ يُخِيفُ الْعَدُوَّ وَيُخَوِّفُونَهُ۔

حضرت ام مالک بہزیہ کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور اس کو قریب کر دیا (گویا کہ اس کا وقوع بہت قریب ہے) فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: فتنہ کے زمانے میں سب سے بہتر کون شخص ہوگا؟

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۳۲

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے جانوروں میں ہوگا ان کے حقوق ادا کرتا ہوگا اور اپنے رب کی بھی عبادت کرتا ہوگا، اور دوسرا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کو گردن سے پکڑ کر دشمن کو ڈرا رہا ہوگا اور دشمن اسے ڈرا رہے ہوں گے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: تَكُونُ الْفِتْنَةُ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ, اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فتنہ ہوگا جو عرب کو گھیر لے گا، اس میں قتل ہونے والے جہنم میں جائیں گے، اس میں زبان تلوار سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔

لغات: ۔**قربها:** اس فتنہ کو قریب کر دیا یعنی اس فتنہ کا تذکرہ اس انداز سے کیا گویا کہ وہ بہت قریب ہے۔**ماشیته:** اپنے جانور یعنی بھیڑ بکری اور گائے وغیرہ۔**أخذ برأس فرسه:** اپنے گھوڑے کو گردن سے پکڑ کر۔ **یخیف العدو:** دشمن کو ڈرائے۔ **تستنظف:** وہ فتنہ گھیر لے گا۔**قتلاها:** قتیل کی جمع ہے: وہ شخص جو قتل ہو جائے۔

فتنہ کے دور میں دو بہترین شخص

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ کے دور میں دو قسم کے آدمی سب سے بہترین ہوں گے:

(۱) ایک وہ شخص جو شہر سے باہر اپنے جانوروں میں رہتا ہوگا، ان کو چارہ وغیرہ کھلاتا ہوگا اور ان کے حق یعنی زکوۃ وغیرہ بھی دیتا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت بھی کرتا ہوگا۔

(۲) دوسرا وہ شخص جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں مشغول ہوگا دشمن کو دہشت میں رکھے گا اور وہ اس کو دھمکیاں دیتے ہوں گے، یہ دونوں شخص اس لئے بہتر ہیں کہ یہ مسلمانوں میں پھیلے فتنوں سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کریں گے، یوں وہ فتنوں سے بھی بچ جائیں گے اور اپنے ذمہ واجب حقوق بھی ادا کر رہے ہوں گے۔

عرب میں ایک فتنہ کا ذکر

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ عرب میں ایک ایسا فتنہ رونما ہوگا جو پورے عرب کو گھیر لے گا،

اس فتنہ سے کیا مراد ہے، اس میں تین قول ہیں:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس سے علی الاطلاق کوئی فتنہ مراد ہے، اسے کسی خاص جنگ یا واقعے پر حتمی طور پر محمول نہیں کیا جا سکتا، اسے محتاط قول کہا گیا ہے۔(۱)

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے مسلمانوں کی باہمی جنگیں مراد ہیں جو محض عصبیت اور خاندانی غیرت کی بنیاد پر

(۱) الکوکب الدری ۱۲۶/۳

ہوتی ہیں، جن کا باعث کوئی شرعی نہیں ہوتا، اس معنی کے اعتبار سے فکلاھما فی النار کا مطلب یہ ہوگا کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو چونکہ عصبیت کی بنیاد پر مارنے کے درپے تھا، کوئی شرعی وجہ نہیں تھی، اس لئے قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

(۳) بعض نے اس فتنہ سے جنگ صفین یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی آپس کی لڑائی مراد لی ہے۔ اس صورت میں فقتلاھما فی النار کا کیا مطلب ہوگا جب کہ دونوں طرف صحابہ کرام حق پر تھے، اور غلطی اجتہادی تھی؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

☆ اس سے وہ منافق اور یہودی مراد ہیں جو اس لڑائی کے اصل محرک اور باعث بنے تھے وہ لوگ جہنم میں جائیں گے۔

☆ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ فکلاھما فی النار اپنے اصل معنی میں نہیں بلکہ اس سے زجر وتوبیخ اور ڈرانا مقصود ہے، کیونکہ صحابہ کرام اجتہادی غلطی پر تھے، جس پر گرفت نہیں ہوتی، اس لئے بعض صحابہ کرام اس میں شریک نہیں ہوئے، وہ آخر تک اس میں تذبذب کا شکار رہے، یہ تذبذب اس وجہ سے نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے، وہ تو خلیفہ تھے، حق پر ہی تھے اصل اختلافی مسئلہ حضرت عثمان کے قاتلین کے قصاص کا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص فوراً لینے کے قائل تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مناسب وقت کے قائل تھے، کیونکہ اگر اسی وقت قصاص لیا جاتا تو حالات مزید سنگین ہو جاتے، جن پر بظاہر کنٹرول مشکل ہو جاتا، تاہم اس موضوع پر بحث مباحثہ کرنا اور اسے موضوع سخن بنانا درست نہیں، احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے خون سے جس طرح ہمارے ہاتھ اور تلواریں محفوظ رکھی ہیں کیوں کہ ہم اس وقت موجود ہی نہ تھے اسی طرح اپنی زبانوں کو بھی ان کے خلاف بولنے سے بچانا چاہیے۔

اللسان فیها اشد من السیف

اگر اس فتنہ سے جنگ صفین مراد ہو تو پھر اس جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس جنگ میں حصہ لینے والوں کو برے کلمات سے ذکر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ ان میں اکثریت صحابہ کرام کی ہے، اور غیبت تو ایک عام انسان کی بھی حرام ہے تو صحابہ کرام جن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ان کی غیبت انتہائی سنگین جرم ہوگا، اسی کو اشد من السیف سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ اس میں اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا لازم آتا ہے۔[۱]

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

یہ باب امانت کے اٹھ جانے کے بیان میں ہے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ، قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ، حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ

---

[۱] الکوکب الدری ۱۲۷/۳، مرقاۃ المفاتیح ۲۸۲/۹ کتاب الفتن

الْأَمَانَةِ فَقَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَتْ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلَى رِجْلِهِ، قَالَ: فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَحَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجْلَدَهُ وَأَظْرَفَهُ وَأَعْقَلَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ. قَالَ: وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيهِ، لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِينُهُ، وَلَئِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دو باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات میں نے دیکھ لی اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل ہوئی، پھر قرآن مجید نازل ہوا تو انہوں نے امانت (ایمان) کا حق قرآن سے پہچانا، اور حدیث سے بھی جانا، پھر نبی کریم ﷺ نے ہم سے امانت کے اٹھ جانے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: آدمی (حسب معمول) سوئے گا تو اس کے دل سے امانت نکال لی جائے گی، اس کا اثر صرف ایک دھبہ کی طرح رہ جائے گا، پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، اس کا اثر نشان آبلہ کی طرح رہ جائے گا، جیسا کہ تم انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکا دو، اس سے آبلہ (چھالا) بن جائے، جو بظاہر تم پھولا ہوا دیکھتے ہو حالانکہ اس کے اندر (خراب اور گندے پانی کے علاوہ) کچھ نہیں ہوتا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ایک کنکری لی اور اسے اپنے پاؤں پر لڑھکا کر دکھایا اور فرمایا: لوگ صبح اٹھیں گے تو حسب معمول خرید و فروخت کریں گے اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں بس ایک شخص ہے جو امانت دار ہے (یعنی کامل ایمان والا ہے) اور (اس زمانہ میں) کسی ایک آدمی کے بارے میں (دنیاوی امور میں تیزی کی وجہ سے) یہ کہا جائے گا کہ وہ کس قدر بہادر، ہوشیار، اور عقل مند ہے حالانکہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں میرے اوپر ایسا زمانہ بھی آیا کہ میں خرید و فروخت کے معاملے میں کوئی پرواہ نہ کرتا تھا جس سے چاہا خرید لیا اور بیچ دیا، اگر کسی مسلمان کے پاس میرا حق رہ جاتا تو اس کا دین اسے یہ حق ادا کرنے پر آمادہ کرتا اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوتا تو اس کا سردار اور ذمہ دار ہمیں ہمارا حق دلوا دیتا، لیکن آج (امانت و دیانت کم ہو جانے کی وجہ سے) میں تم میں سے کسی کے ساتھ بھی کاروباری معاملہ نہیں کرتا مگر فلاں اور فلاں شخص سے کر لیتا ہوں (کیونکہ ان میں امانت پائی جاتی ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جذر: (جیم پر زبر اور زیر اور ذال کے سکون کے ساتھ) ہر چیز کی جڑ اور بنیاد۔ وکت: (واؤ پر زبر

کاف کے سکون کے ساتھ) کسی چیز پر ہلکا سا نشان، دھبہ۔ مجل: (میم پر زبر، اور جیم کے سکون اور زبر کے ساتھ) سخت کام کی وجہ سے ہاتھ میں آبلہ پڑ جانا، چھالا پڑنا۔ جمر: (جیم پر زبر اور میم کے سکون کے ساتھ) دھکتا ہوا انگارہ۔ دحرجته: آپ اس کو لڑھکائیں۔ نفطت: وہ پاؤں آبلہ والا ہو گیا۔ منتبراً: پھولا ہوا، ورم اور سوجن والا۔ یتبایعون: آپس میں خرید وفروخت کرنے لگے۔ ما أجلده: وہ کس قدر بہادر اور مضبوط ہے۔ وأظرفه: اور کس قدر ہوشیار اور چالاک ہے۔ وأعقله: وہ کس قدر زیرک اور عقلمند ہے۔ ساعی: زکوۃ وصدقات وصول کرنے والا نمائندہ، کسی امر کا والی اور ذمہ دار۔

سلب امانت کا ذکر

اس حدیث میں امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، اس کے راوی حضرت حذیفہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے راز دار صحابی تھے، ان سے زیادہ تر فتن، آئندہ پیش آنے والے واقعات اور قیامت سے متعلق روایات منقول ہیں،

نبی کریم ﷺ نے انہیں دو حدیثیں ارشاد فرمائیں، ایک میں امانت کے نزول کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً لوگوں کے دلوں میں نور امانت پیدا فرمایا، پھر قرآن اتارا گیا تو اہل ایمان نے قرآن سے علم اور سنت سے عمل حاصل کیا، دوسری حدیث میں اس امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس کے وقوع کا انتظار ہے کیونکہ اس وقت امانت کا ماحول غالب تھا، امانت میں خیانت کا زیادہ رواج نہیں تھا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جس میں آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت کو سلب کر لیا جائے گا، بس ایک ہلکا سا نشان باقی رہ جائے گا، اس کو "وکت" سے تعبیر کیا، پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت کا وہ بقیہ حصہ بھی اٹھا لیا جائے گا، اور اس کے دل پر سخت قسم کی ظلمت چھا جائے گی، اسے "مجل" سے تعبیر کیا، اس سونے سے یا تو حقیقۃً سونا مراد ہے، یا اس سے گناہوں میں انہماک اور زیادہ غفلت مراد ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اس ظلمت کے باقی رہنے کو ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے آگ کا انگارا پاؤں پر لڑھکا دیا جائے، جس سے پاؤں پر آبلہ بن جائے جو بظاہر عام جلد سے ابھرا ہوا اور بلند ہوتا ہے، لیکن اس میں فاسد مادے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسی طرح وہ شخص جس کے قلب سے امانت کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ اگرچہ بظاہر صالح اور نیک نظر آئے گا لیکن حقیقت میں اس کے باطن میں سعادت وبھلائی اور آخرت میں فائدہ پہونچانے والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔

ما اجلدہ... خیانت کرنے والے شخص کے بارے میں ہے کہ وہ چالاک وغیرہ ہوگا...... اور اس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی تعریفوں کا چرچا ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ امانت ودیانت کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا، اس لئے میں جس سے چاہتا کاروباری لین دین کر لیتا کیونکہ وہ اگر مسلمان ہوتا اسلام کی وجہ سے مجھے دھوکا نہ دے گا، اور اگر وہ غیر مسلم ہوتا تو اسے مسلمان

والی کا ڈر ہوتا، اس لئے مجھے کسی بھی شخص سے خرید وفروخت کرنے میں کوئی پریشانی اور خطرہ نہ ہوتا لیکن آج ایسا زمانہ ہے کہ میں فلاں فلاں کے علاوہ کسی سے کاروباری لین دین اور تجارت نہیں کرتا، گویا خیر القرون میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جو امانت کا صحیح طریقے سے خیال نہیں رکھتے تھے، تو بعد کے لوگوں کا کیا کہنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل چیز ایمان اور فکر وعمل کی پاکیزگی ہے، اگر یہ چیز نہ ہو تو دنیا بھر کی نعمتوں، آسائشوں اور مال ودولت کی کوئی حیثیت نہیں، اگرچہ اہل دنیا اس شخص کی کتنی ہی تعریف کریں، اس لئے تعریف اس شخص کے حق میں معتبر ہوگی جو ایمان اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو۔

امانت سے کیا مراد ہے

''امانت'' سے کیا مراد ہے، اس کے مفہوم میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) امانت سے اس کے مشہور معنی مراد ہیں یعنی خیانت کی ضد، یعنی کسی کے حق یا کسی کی ملکیت میں خیانت نہ کرنا۔

(۲) اس سے ''ایمان'' مراد ہے۔

(۳) اس سے وہ تمام شرعی ذمہ داریاں مراد ہیں جو اسلام کی وجہ سے ہر شخص پر عائد کی گئی ہیں۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، یہ تمام مراد ہو سکتے ہیں۔(۱)

بَابُ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

تم پہلے لوگوں کے طریقوں کو ضرور اختیار کرو گے

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى: اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.

حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے بعد) جب (غزوہ) حنین کیلئے روانہ ہوئے تو (راستہ میں) آپ کا گذر مشرکوں کے ایک درخت پر ہوا جس کو ''ذات الأنواط'' کہا جاتا تھا، اس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، (اور عبادت کے طور پر اس درخت کے گرد طواف کرتے اور تعظیما اس کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، انہیں دیکھ کر بعض) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہمارے لئے بھی کوئی ایسا درخت مقرر کر دیجئے جس

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۱۲۸، تحفۃ الاحوذی ۶/۳۳۶

پر ہم اپنے ہتھیار لٹکایا کریں، جیسا کہ کفار کے لئے "ذات الأنواط" ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ (یہ تم کیا کہہ رہے ہو) یہ بات تم ایسی کہہ رہے ہو جیسا کہ موسیٰ کی قوم (یہودیوں) نے اپنے نبی حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسا کہ کافروں کے معبود ہیں، (پھر حضور نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ان لوگوں کے طریقوں پر چلو گے جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: لترکبن: تم ضرور چلو گے، اختیار کرو گے۔ سنن: سنۃ کی جمع ہے: طریقہ، عادت۔ **ذات انواط:** مشرکین کے اس درخت کا نام ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اور اس کی تعظیم وتکریم اور پرستش کرتے تھے، انواط "نوط" کی جمع ہے، لٹکانا، یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے، یعنی ایسا درخت جس پر ہتھیار لٹکائے جاتے تھے۔ **یعلقون:** وہ لٹکاتے ہیں۔ **اسلحتھم:** سلاح کی جمع ہے، اپنے ہتھیار۔

پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلنے کے معنی

غزوہ حنین کے سفر میں بعض نو مسلم صحابہ کرام بھی تھے جنہیں احکام ومسائل کا زیادہ علم نہیں تھا، اور مسئلہ توحید میں بھی کامل مرتبہ پر نہیں تھے، انہوں نے مشرکین کو جب دیکھا کہ وہ ایک درخت کی تعظیم کررہے ہیں، اس کا طواف اور پرستش کررہے ہیں تو حضور اکرم ﷺ سے درخواست کرنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایک درخت مقرر کردیجئے جس پر ہم ہتھیار وغیرہ لٹکائیں.........،

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ واہ یہ تم کیا بات کررہے ہو، یہ تو قوم موسیٰ والی بات ہے، اور فرمایا: "تم ضرور ان لوگوں کے طریقوں پر چلو گے جو تم سے پہلے گذرے ہیں" اس جملے کے دو مطلب ہیں:

(۱) تم لوگ ایسی بات کرتے اور کہتے رہے تو عجب نہیں کہ تم بھی ضلالت وگمراہی کے اس راستہ پر چل پڑو جس کو پچھلی امتوں کے لوگوں نے اختیار کیا تھا اور پھر وہ اللہ کے ہاں غضب اور عذاب کے مستحق ہوگئے۔

(۲) امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ گناہ اور نافرمانی میں ان کی موافقت کرو گے نہ کہ کفر میں، چنانچہ جو گناہ پچھلی امتوں میں ہوئے ہیں، اسی طرح کے گناہ اور معصیت کا ارتکاب اس امت کے لوگ بھی ضرور کریں گے، یہ نبی کریم ﷺ کا ایک واضح معجزہ ہے کہ جیسے آپ نے پیشن گوئی کی تھی اسی طرح واقع ہورہا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السِّبَاعِ

یہ باب درندوں کے کلام کے بارے میں ہے۔

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تكلم السباع

(۱) تحفة الأحوذي ۶/۳۴۰، مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن ۹/۲۹۲

الإنسَ، وَحَتّٰى يُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ وَشِرَاكُ نَعْلِهِ وَتُخْبِرُهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ بَعْدَهُ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک درندے انسانوں سے باتیں نہ کرلیں گے اور جب تک کہ آدمی کے کوڑے کا پھندا اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے باتیں نہ کرلیں گے، اور (یہی نہیں بلکہ) انسان کی ران اس کو یہ بتایا کرے گی کہ اس کے اہل وعیال نے اس کی عدم موجودگی میں کونسے نئے کام اور کیا نئی بات کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عذبة: (عین اور ذال پر زبر کے ساتھ) کسی چیز کا کنارہ، سرا، نوک، عذبة السوط کوڑے کا کنارہ، پھندا۔ شراک: (شین کے نیچے زیر) تسمہ۔ نعل: (نون پر زبر) جوتا۔

ایک پیشن گوئی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے علامات قیامت کے بارے میں ایک پیشن گوئی فرمائی ہے کہ قیامت کے قریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ درندے انسان سے باتیں کریں گے، اور اس کے کوڑے کا پھندا، جوتے کا تسمہ اور حتی کہ اس کی ران اس سے باتیں کرے گی۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ

یہ باب شق قمر کے (ثبوت) کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اشْهَدُوْا۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دوٹکڑے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم گواہ رہو۔ (میری نبوت پر یا میرے اس معجزے پر)

شق قمر کا معجزہ

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی نبوت ورسالت کیلئے کوئی نشانی بطور معجزے کے طلب کی، حق تعالیٰ نے آپ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، قرآن کریم کی اس آیت وانشق القمر میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اور بہت سے صحابہ کرام سے صحیح احادیث میں یہ منقول ہے، یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزے کا ثبوت اور وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۳۶۱

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلا دیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان حرا پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور میری نبوت کی یا میرے معجزے کی شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو پھر یہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہوسکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد نے تم پر جادو کر دیا ہے، مگر سارے جہاں پر جادو نہیں کر سکتے، اس لئے ملک کے اطراف سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو کہ وہ کیا کہتے ہیں، عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا مگر پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

شق قمر کے واقعہ پر کچھ شبہات اور ان کا جواب

اس واقعہ پر عموماً دو شبہے کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک شبہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بناء پر کیا گیا ہے، کہ آسمان اور تمام سیارات میں یہ ممکن نہیں کہ وہ شق ہو جائیں اور پھر جڑ جائیں، مگر یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب بے بنیاد اور لغو ہیں، علماء کرام نے ان کے لغو ہونے کو تفصیل سے واضح کیا ہے، اور عقلی دلیل سے بھی آج تک شق قمر کا محال ہونا ثابت نہیں ہوسکا، کیوں کہ معجزہ تو نام ہی اس چیز کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہو، ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہوسکے، اسے کون معجزہ کہے گا۔

(۲) دوسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ شق قمر کا یہ عظیم الشان واقعہ اگر پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے، اس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا اور بعض ممالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہوگا جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے، زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جس کی وجہ سے کسی کو اس کی طرف توجہ ہوتی پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بے خبر رہتے ہیں، ان کو کچھ بھی پتہ نہیں چلتا، تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جاسکتی ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں، اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔

اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند تاریخ ''تاریخ فرشتہ'' میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا اور یہی ان کے مسلمان ہونے کا سبب بھی بنا، نیز اس واقعہ کا ذکر

ہندوؤں کی مشہور کتاب "مہا بھارت" میں بھی موجود ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَسْفِ

یہ باب خسف یعنی زمین میں دھنس جانے کے بارے میں ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ قَالَ: أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ غُرْفَةٍ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ السَّاعَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَالدَّابَّةُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوقُ النَّاسَ أَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ فَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بالاخانے سے دیکھا ہم لوگ آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم لوگ (اس سے پہلے) دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے، (وہ یہ ہیں) مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا، یاجوج ماجوج کا ظہور، جانور کا نکلنا، اور تین مقامات پر زمین کا دھنسا ہوگا ایک دھنسنے کا واقعہ مشرق کے علاقہ میں، دوسرا مغرب کے اور تیسرا جزیرہ عرب کے علاقہ میں پیش آئے گا، اور آگ ہے جو (یمن کے مشہور شہر) عدن کے آخری کنارے سے ظاہر ہوگی، اور لوگوں کو زمین حشر کی طرف ہانک کرلے جائے گی یا (فرمایا) لوگوں کو جمع کرے گی، اور وہ ان کے ساتھ ہی رات گذارے گی جہاں وہ رات گذاریں گے اور دوپہر کو ٹھہرے گی جہاں وہ ٹھہریں گے۔

عَنْ فُرَاتٍ، وَزَادَ فِيهِ: الدَّجَّالَ أَوِ الدُّخَانَ۔

حضرت فرات قزاز سے دوسری روایت میں اس قدر اضافہ ہے کہ آپ نے دجال یا دھوئیں کا ذکر فرمایا ہے۔

عَنْ فُرَاتٍ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ وَزَادَ فِيهِ: وَالْعَاشِرَةُ إِمَّا رِيحٌ تَطْرَحُهُمْ فِي الْبَحْرِ وَإِمَّا نُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

حضرت فرات ہی سے ایک دوسری روایت میں یوں اضافہ ہے کہ دسویں علامت وہ ہوا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی یا فرمایا کہ دسویں علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔

عَنْ صَفِيَّةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هَذَا الْبَيْتِ حَتَّى يَغْزُوَ جَيْشٌ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، وَلَمْ يَنْجُ أَوْسَطُهُمْ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمْ۔

(۱) معارف القرآن، تفسیر سورۃ قمر ۸/۲۲۵، تکملۃ فتح الملہم، کتاب صفۃ القیامۃ، باب انشقاق القمر ۶/۱۴۲

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ اس بیت اللہ پر چڑھائی کرنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا جب وہ مقام بیداء میں یا فرمایا سرزمین بیداء پر پہونچے گا تو اس کے اول وآخر یعنی سب کو دھنسا دیا جائے گا، اور ان کے درمیان کے لوگ بھی بچ نہیں سکیں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا اسے بھی دھنسایا جائے گا جو ان کے فعل کو ناپسند کرتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو (قیامت کے دن) ان کی نیتوں کے مطابق اٹھائیگا (مگر دنیا میں سب ضرور ہلاک ہوں گے)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: يَكُوْنُ فِي آخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَ مَسْخٌ وَقَذْفٌ، قَالَتْ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ: أَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِذَا ظَهَرَ الْخَبَثُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسنے، شکل و صورت کے بدل جانے اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا واقعہ رونما ہوگا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہم میں نیکو کار بھی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (سب ہلاک ہو جائیں گے) جب خباثت یعنی فسق و فجور غالب ہو جائیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔أشرف علینا: ہمیں اوپر سے دیکھا۔ خسف: (خاء پر زبر اور سین کے سکون کے ساتھ) زمین میں دھنس جانا۔ قعر: (قاف پر زبر اور عین کے سکون کے ساتھ) آخری کنارہ۔ عدن: یمن کا مشہور شہر ہے۔ تسوق: وہ آگ ہانک کرلے جائے گی۔ تبیت: رات گذارے گی۔ تقیل: دو پہر کو ٹھہرے گی۔ تطرحهم: وہ ہوا ان کو پھینکے گی۔ لا ينتهي: باز نہیں آئیں گے، نہیں رکیں گے۔ مسخ: (میم پر زبر، اور سین ساکن) شکل وصورت کا تبدیل ہو جانا۔ قذف: (قاف پر زبر اور ذال کے سکون کے ساتھ) آسمان سے پتھروں کا برسنا۔ الخبث: (خاء اور باء پر زبر کے ساتھ) اس کے دو معنی ہیں ا۔ فسق و فجور، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ ۲۔ زنا۔ اکثر شارحین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں کہ اس سے مطلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مراد ہے خواہ وہ زنا ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی گناہ ہو۔ بیداء: جنگل، چٹیل زمین جس پر کچھ نہ ہو، یہ ایک مخصوص میدان کا بھی نام ہے۔

قیامت کی دس نشانیاں

مذکورہ باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، اس کی تفصیل اگلے باب میں ہے۔

(۲) یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، اس کی تفصیل بھی ایک مستقل باب میں آرہی ہے۔

(۳) دابہ یعنی جانور کا نکلنا۔

اس حدیث میں قرب قیامت میں زمین سے ایک ایسے جانور کے نکلنے کا ذکر ہے، جو لوگوں سے باتیں کرے گا، یہ جانور

مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہونچ جائے گا، لوگ اسے دیکھ کر بھاگنے لگیں گے مگر ایک جماعت رہ جائے گی یہ جانور ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کردے گا، اس کے بعد زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگادے گا، کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا، یہ ہر مومن وکافر کو پہچانتے گا، بعض نے کہا کہ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی مومن کو لاٹھی مارے گا اور اس کے چہرے پر ''مومن'' لکھدے گا، اور اس انگوٹھی کے ذریعہ کافر کے چہرے پر مہر لگادے گا اور ''کافر'' لکھدے گا۔

ابن کثیر وغیرہ نے دابۃ الارض کی ہیئت اور کیفیات وحالات کے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں سے اکثر قابل اعتماد نہیں، اس لئے جتنی بات قرآن کی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ عجیب الخلقت جانور ہوگا، توالد وتناسل کے بغیر زمین سے نکلے گا، اس کا خروج مکہ مکرمہ میں ہوگا، پھر ساری دنیا میں پھرے گا، یہ مومن وکافر کو پہچانے گا اور ان سے کلام کرے گا، بس اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے، اس سے زائد کیفیات اور حالات کی تحقیق وتفتیش نہ ضروری ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔

اس جانور کا لوگوں سے کلام کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس میں دوقول ہیں:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیت ان الناس کانوا بآیتنا لا یوقنون اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو سنائے گا، کہ بہت سے لوگ آج سے پہلے ہماری آیتوں پر یقین نہ رکھتے تھے، اور مطلب یہ ہوگا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ان سب کو یقین ہوجائے گا مگر اس وقت کا یقین شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

(۲) حضرت ابن عباس اور حضرت علی وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ جانور لوگوں سے خطاب اور کلام کرے گا جس طرح کہ عام کلام ہوتا ہے۔(۱)

(۴۔۵۔۶) تین مرتبہ یعنی مشرق ومغرب اور جزیرہ عرب میں دھنسنے کے واقعات پیش آئیں گے۔

خسف کے یہ واقعات پیش آچکے ہیں یا آئندہ رونما ہوں گے، اس میں دوقول ہیں:

☆ بعض حضرات کے نزدیک یہ تینوں خسف واقع ہو چکے ہیں، ایک مغرب میں سن ۲۰۸ھ میں ہوا جس میں تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے، دوسرا خسف غرناطہ میں سن ۸۳۴ھ میں ہوا جس میں متعدد مکانات دھنس گئے اور تیسرا خسف مقام ''ری'' میں سن ۳۴۶ھ میں پیش آیا جس میں تقریباً ۱۵۰ مکان کا خسف ہوا۔

☆ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے رسالے میں اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ خسف کے یہ تینوں واقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پیش آئیں گے۔(۲)

---

(۱) معارف القرآن ۶/۶۰۵، تحفۃ الاحوذی ۶/۳۴۳

(۲) الکوکب الدری ۳/۱۳۴

(۷) عدن کے ایک کنارے سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی،

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ عدن کے ایک کنارے سے نکلے گی جب کہ دوسری روایت میں ارض حجاز کا ذکر ہے کہ وہاں سے نکلے گی، اس لئے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دو آگیں ہوں، ایک عدن سے اور دوسری حجاز کی زمین سے نکلے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آگ کی ابتداء یمن سے ہوگی اور اس کا ظہور حجاز سے ہوگا۔

مسلم کے طریق میں الی المحشر کے بھی الفاظ ہیں کہ یہ آگ محشر کی طرف لے جائے گی، بعض کے نزدیک محشر سے شام کی زمین مراد ہے۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اس میں پوری دس علامات کا ذکر نہیں ہے، اور باب کی دوسری روایات میں مزید کچھ علامات کا ذکر تو ہے، لیکن اس میں راوی نے انہیں شک کی وجہ سے "او" کے ساتھ ذکر کیا ہے البتہ یہی روایت صحیح مسلم میں تفصیل کے ساتھ ہے اور اس میں پوری دس علامات کا ذکر ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

(۸) قیامت کی علامات میں سے ہے کہ دخان یعنی دھواں نکلے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا، اس کے بارے میں دو قول مشہور ہیں:

☆ حضرت حذیفہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ یہ دھواں قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوگا، جو اطراف عالم میں پھیل جائے گا، اور چالیس دن تک رہے گا، مومن پر اس کا اثر صرف زکام کی صورت میں ہوگا، اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا۔

☆ دخان کی پیشن گوئی واقع ہو چکی ہے اور اس کا مصداق مکہ مکرمہ کا قحط ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا، وہ بھوک سے مرنے لگے، مردار جانور تک کھانے لگے، آسمان پر بجائے بادل کے ان کو دھواں نظر آتا تھا، یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دخان دو مرتبہ ہوگا ایک مجازی دخان جو کفار قریش کو پیش آیا، اور دوسرا حقیقی دخان جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔(۱)

(۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

(۱۰) دجال کا خروج ہوگا۔(۲)

والعاشرۃ اما ریح تطرحھم فی البحر و اما نزول عیسی علیہ السلام دسویں علامت: یا تو یہ ہے کہ ایک ہوا چلے گی جو مخصوص لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی، یہ اس وقت ہوگا جب عدن سے آگ کا ظہور ہوگا یا راوی نے دسویں علامت حضرت عیسیٰ کا نزول ذکر فرمایا۔

اس "عاشر" سے یہ مراد نہیں کہ حدیث باب میں ذکر کردہ علامتوں میں سے دسویں علامت ہے، کیونکہ یہاں اس

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۴/۶

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۳۰۷/۶ کتاب الفتن، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ

روایت میں ان تمام کو بیان نہیں کیا گیا، یہ باب کی روایت کے علاوہ دوسری ایک روایت کا ذکر ہے۔

ان علامات کے وقوع میں کیا ترتیب ہوگی، اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلے دخان ہوگا، پھر دجال کا خروج ہوگا پھر نزول عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا۔

(۲) بعض کے نزدیک پہلے خسف ہوں گے پھر دجال کا خروج اور نزول عیسیٰ ہوگا پھر یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، اور ہوا چلے گی۔

(۳) بعض نے اس میں توقف اختیار کیا ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ پہلے کس چیز کا ظہور ہوگا، یہی قول راجح ہے۔(۱)

حتی یغزو جیش... حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ پر حملہ کرنے کے واقعات متعدد بار پیش آئیں گے بعض مرتبہ تو کعبہ پر حملے سے پہلے ہی حملہ آوروں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض مرتبہ بیت اللہ کو گرانے کے بعد جب وہ واپس جائیں گے تو اس وقت انہیں دھنسا دیا جائے گا۔

خسف باولهم وآخرهم

تمام کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا البتہ صرف ایک شخص بچ جائے گا جو اس واقعے کی اطلاع دوسروں کو دے گا، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ کعبہ کا واقعہ امام مہدی کے زمانے میں پیش آئے گا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

یہ باب سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ: أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ؟ قَالَ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ يَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: اطْلُعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا وَقَالَ: ذٰلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ.

حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آفتاب غروب ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا اے ابوذر: تم جانتے ہو کہ یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آفتاب جاتا ہے (عرش رحمن کے نیچے) تاکہ سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرے چنانچہ اسے سجدہ کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے (یعنی اسے دوبارہ مشرق سے طلوع ہونے کی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۴۶/۶، الکوکب الدری ۱۳۴/۳

(۲) الکوکب الدری ۱۳۵/۳ تکملۃ فتح الملہم ۲۶۴/۶ کتاب الفتن باب الخسف بالجیش الذی یوم البیت

اجازت مل جاتی ہے، اور پھر ایک وقت آئے گا کہ اسے سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی) اور گویا اس کو کہا جاتا ہے: تم وہاں سے طلوع ہو جاؤ جہاں سے تم آئے ہو، چنانچہ وہ مغرب سے طلوع ہوگا، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی وذلک مستقر لھا اور حضرت ابوذر نے فرمایا: یہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ سورج کا روزانہ عرش کے نیچے جانے اور اگلے دورے کے لئے اجازت طلب کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت سے چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع وغروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے، اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، گویا آفتاب اپنے مدار پر حرکت کے درمیان ہر لحہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے، اور آگے چلنے کی اجازت بھی مانگتا رہتا ہے، اور اس سجدے اور اجازت کے لئے اس کو کسی سکون اور وقفے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آفتاب اپنے پورے دورے میں زیر عرش اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قرب قیامت تک چلتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آجائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو جائے گا۔ اور پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا لہذا اس روایت میں جو غروب آفتاب کی تخصیص اور اس کے بعد زیر عرش جانے اور وہاں سجدہ کرنے اور اگلے دورے کی اجازت مانگنے کے واقعات بتلائے گئے ہیں، سمجھانے کے لئے بطور مثال کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ سورج اپنی حرکت میں اللہ کا تابع فرمان ہے۔[1]

"وذلک مستقر لھا" یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے، ورنہ عام قرأت **والشمس تجری لمستقر لھا** ہے، اور یہی متواتر قرأت ہے۔

اشکال وجواب

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کا مستقر تحت العرش ہے جب کہ قرآن مجید کی آیت میں ہے **حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ**، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ایک چشمہ میں ڈوبتا ہے، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟

---

(۱) معارف القرآن سورۃ یسین ۷/۳۹۱

حقیقت میں ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ سورج کا اصلی مستقر تو زیر عرش ہے، لیکن جب دور سے غروب آفتاب کو دیکھا جائے اور نیچے سمندر ہو تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب اس میں ڈوب رہا ہے، کیوں کہ آگے آبادی یا کوئی خشکی سامنے نہیں ہوتی، جیسے آپ کسی ایسے میدان میں غروب کے وقت ہوں جہاں دور تک مغرب کی جانب میں کوئی پہاڑ، درخت اور عمارت نہ ہو تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج زمین کے اندر گھس رہا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوْجِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ

یہ باب یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ نَوْمٍ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ وَهُوَ يَقُوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ، مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ وَعَقَدَ عَشْرًا، قَالَتْ زَيْنَبُ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ: أَفَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ۔

حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا، اور آپ فرما رہے تھے: لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) تین بار آپ نے یہ جملہ دہرایا، خرابی ہے عرب کے اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یاجوج ماجوج کی ردم یعنی بڑے بند میں اپنا سوراخ کھل گیا ہے، اور آپ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا، حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسے حال میں ہلاک کئے جاسکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ خبث یعنی شر کی کثرت ہو جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **محمراً وجهه:** آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔ **یرددھا:** کلمہ طیبہ کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ **ویل:** خرابی، ہلاکت۔ **اقترب:** قریب ہو چکا ہے۔ **ردم:** (را پر زبر اور دال کے سکون کے ساتھ) بڑا بند، آہنی دیوار۔ **عقد عشرا:** حلقہ عشر بنایا یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنایا۔ **خبث:** (خاء اور باء پر زبر کے ساتھ) ہر بے فائدہ کام یا چیز، زنا، فسق و فجور اور معاصی، یہاں حدیث میں اس سے مطلق گناہ اور نافرمانی مراد ہے۔

کچھ یاجوج ماجوج کے بارے میں

یہ ذہن میں رہے کہ یاجوج ماجوج کے متعلق بعض اسرائیلی اور تاریخی کہانیاں ایسی ہیں، جو بالکل بے سروپا ہیں، اور جن پر مفسرین اور محدثین نے اعتماد بھی نہیں کیا، ہاں بعض نے انہیں نقل کر دیا ہے، قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۳۸/۶، معارف القرآن ۴۳۲/۵

رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت ان کی تفصیلات سے آگاہ فرمادیا ہے، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

صحیح احادیث میں جو تفصیل یاجوج ماجوج کے بارے میں منقول ہے، اس میں سے کچھ یہ ہے:

قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلا شبہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں، عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، قیامت کے قریب مخصوص حالات میں ان کا خروج ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہوں گے، وہ جب دجال کو مقام "لُد" پر قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں، لہٰذا آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں، (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالیں گے، تو وہ تیز رفتاری کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرۂ طبر یہ سے گذریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے، اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا، اس اذیت کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائیں گے اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور پر سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، سخت تعفن پھیلا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اور بہت بھاری بھر کم پرندے بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کی مانند ہوں گی وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی، اور شیشہ کی طرح صاف ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے، اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا، اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور............ غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آ جائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی، اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرۃ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہونچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگتی ہے، مگر یہ کہکر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کردیں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کردیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یاجوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس دن آخر میں یوں کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کرلیں گے، تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کرلیں گے۔

ابن عربی نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت وارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کردے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے۔(۱)

مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہونچ چکی ہے، ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہیے، وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً، معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہونچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادے ومشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، بہرحال ان شاء اللہ کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

سد ذوالقرنین کا محل وقوع

سد ذوالقرنین جغرافیائی اعتبار سے کہاں واقع ہے، اس پر بحث ہے، کیونکہ وحشی قوموں کے شر سے بچنے کے لئے زمین پر ایک نہیں، بہت سی جگہوں میں سدیں یعنی دیواریں بنائی گئی ہیں، جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں۔

مؤرخین کے نزدیک اس کا محل وقوع یا تو علاقہ داغستان کا کیشیا کے دربند باب الابواب میں ہے یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ نے "عقیدہ اسلام" میں کوہ قاف یا قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ دیوار ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے، اس کے پیچھے یاجوج ماجوج ہے جو قرب قیامت میں نکلیں گے۔(۲)

---

(۱) اشراط الساعۃ للسید محمد ص: ۱۵۴

(۲) اس ساری بحث کے لئے دیکھیے: معارف القرآن سورۃ کہف ۵/۶۵۲

حدیث میں "شر" سے کیا مراد ہے

اس حدیث میں لفظ "شر" سے کیا مراد ہے، اس میں تین قول ہیں:

(۱) اس شر سے وہ فتنہ مراد ہے جو شہادت عثمان کے وقت اور اس کے بعد واقع ہوا اور اب تک قائم ہے۔

(۲) اس سے وہ فتنے مراد ہیں جن کی اس حدیث میں نشاندہی کی گئی ہے ما ذا أنزل اللیلة من الفتن؟ وما ذا أنزل من الخزائن۔

(۳) اس سے یاجوج ماجوج کا فتنہ مراد ہے۔

ویل للعرب، اس میں عرب کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان سے خطاب کیا جارہا تھا یا وہ اصل تھے اور غیر عربی یعنی عجمی ان کے تابع ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ

یہ باب خارجی فرقہ کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو نوجوان اور بے عقل ہوگی جو قرآن مجید (تو) پڑھیں گے (لیکن) یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ مخلوق میں سے سب سے بہتر یعنی نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کریں گے لیکن دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ مارقة: اطاعت سے نکلنے والے، دائرۂ مذہب سے نکلنے والے، گمراہ، یہاں اس سے خوارج مراد ہیں۔ احداث الاسنان: احداث حدث کی جمع ہے: نوعمر، اور اسنان سن کی جمع ہے: عمر، ان الفاظ سے نوجوان مراد ہیں۔ سفہاء: سفیہ کی جمع ہے بیوقوف، کم عقل۔ احلام: حلم (حاء کے نیچے زیر) کی جمع ہے: عقل۔ لایجاوز: نہیں تجاوز کرے گا نہیں اترے گا، تراقی: ترقوۃ کی جمع ہے: ہنسلی کی ہڈی، مراد اس سے "گلا" ہے۔ خیر البریة: مخلوق میں سے سب سے بہتر یعنی نبی کریم ﷺ۔ یمرقون من الدین: دین و مذہب سے نکل جائیں گے۔ السھم: تیر۔ رمیة: (راء پر زبر اور میم کے نیچے زیر) تیر پھینک کر جسے شکار کیا جائے، شکار۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۵۲/۶

خارجی فرقہ

اس حدیث میں خارجی فرقہ کا ذکر ہے، یہ اسلام میں سب سے پہلا بدعتی اور گمراہ فرقہ ہے، حضرت علی کے دور خلافت میں یہ رونما ہوا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ جنگ جمل جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوئی، اس فتنہ سے بچنے کے لئے فریقین نے اپنے حکم اور فیصل مقرر کئے، وہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن عاص تھے، خارجی لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ان الحکم الا للہ کہ حکم تو صرف اللہ کا ہوگا، اللہ کے علاوہ کسی اور کا حکم اور فیصلہ قبول نہیں، ان کے نزدیک کسی کو حکم بنانا گویا باعث کفر تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت علی کی اطاعت سے خارج ہوگئے، اسی وجہ سے ان کو خوارج بھی کہا جاتا ہے، اور معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے لگے اور خوارج کے تین سرداروں نے کہا کہ ہم ایک ایک آدمی کو قتل کریں گے، ایک نے کہا میں حضرت علی کو، دوسرے نے حضرت معاویہ کو اور تیسرے نے حضرت عمرو بن العاص کو قتل کرنے کا کہا، ان میں حضرت علی کا قاتل تو کامیاب ہوا لیکن باقی دونا کام ہوئے۔

فی اخر الزمان اس سے خلافت راشدہ کا آخری دور مراد ہے، چنانچہ یہ لوگ ۳۸ھ میں پیدا ہوگئے تھے، پہلے یہ شیعان علی تھے، بعد میں حضرت علی کی اطاعت سے نکل گئے اور مقام "حروراء" میں پناہ لے لی، اسی وجہ سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

یقرأون القرآن نبی کریم ﷺ نے ان کی ایک صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ بظاہر بڑے اچھے لب ولہجہ اور تجوید سے قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن اس پر نہ تو ان کا عمل ہوگا اور نہ ہی قرآن ان کے حلق کے نیچے اترے گا بلکہ قرآنی آیات پیش کرکے اپنے غلط عقائد ونظریات کو درست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ جس طرح تیر شکار کے اندر سے گذر جاتا ہے اس پر خون اور نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان لوگوں کے دین سے نکلنے کے بعد ان پر دینداری، اسلام کی وابستگی اور مسلمانوں کی محبت کا ذرا بھی کوئی اثر نہیں دکھائی دے گا حالانکہ بظاہر وہ بڑے نمازی، قرآن کی بہت تلاوت کرنے والے اور تہجد گزار ہوں گے۔(۱)

خوارج کے بارے میں علماء کا فتویٰ

خوارج گو کہ حضرت علی کی اطاعت سے نکل گئے تھے اس وجہ سے یہ فاسق اور گمراہ تو ضرور ہیں لیکن کافر نہیں، لہذا ان سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا شرعاً جائز ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ خوارج کافر ہیں اے امیر المؤمنین؟ آپ نے فرمایا نہیں، یہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں، پھر پوچھا کہ کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں، جبکہ یہ لوگ اللہ تعالی

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۵۳/۶

کو صبح وشام خوب یاد کرتے ہیں، پھر پوچھا گیا کہ پھر یہ لوگ کیا ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی ہی ایک گمراہ جماعت ہے، جسے گمراہی نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، یوں وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَثَرَةِ

یہ باب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے بیان میں ہے

عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ نے فلاں شخص کو حاکم بنایا ہے اور مجھے نہیں بنایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے انصار تم میرے بعد اثرہ یعنی ناجائز ترجیح دیکھو گے، ایسے میں صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے ملاقات کرلو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الَّذِي لَكُمْ۔

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ میرے بعد ناجائز ترجیح اور (دین میں) ناپسندیدہ امور دیکھو گے، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ہمیں اس وقت کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم ان حاکموں کا حق ادا کرو، (یعنی جائز امور میں ان کی اطاعت کرنا) اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اثرۃ: (ہمزہ اور ثاء پر زبر کے ساتھ) نفس کو ترجیح دینا، اپنے آپ کو فضیلت دینا، ذاتی مفاد کو سامنے رکھنا، ناجائز ترجیح دینا۔ لم تستعملنی: آپ نے مجھے حاکم نہیں بنایا۔ أمور أتنکرونها: ایسے امور جن کو تم ناپسند کرو گے۔

ترجیح دینے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص جس کام کا اہل ہو، اس میں اس کی صلاحیت ہو، تو وہی کام اور منصب اس کے سپرد کیا جائے، اہلیت کے بغیر کسی کو ترجیح دینا اور منصب وعہدہ دینا ظلم اور سراسر زیادتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اہلیت اور صلاحیت دیکھ کر ایک شخص کو حاکم نامزد فرمایا، اس پر دوسرے نے عرض کیا کہ مجھے آپ نے منصب نہیں دیا اور فلاں کو دیدیا، نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا کہ میرے دور میں کسی کو ناجائز ترجیح نہیں ہوگی، ہاں میرے جانے کے بعد حقدار کو حق نہیں ملے گا، مفاد کے لحاظ سے ترجیحات ہوں گی..........اس موقع پر صبر کرنا، بغاوت نہ کرنا، تم اپنے ذمے کے

(۱) حاشیہ جامع ترمذی ۴۲/۲، تحفۃ الاحوذی ۳۵۳/۶

حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حق کا اللہ سے سوال کرنا، پھر جب آخرت میں حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات ہوگی تو اس موقع پر تمہیں اجر وثواب اور انصاف مل جائے گا۔

آپ ﷺ نے اپنے جواب میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ میں جس کو کسی منصب کے لئے نامزد کرتا ہوں تو اس میں مسلمانوں کا مفاد اور ان کی مصلحت سامنے رکھ کر کرتا ہوں، لہذا جس میں اس کام کی اہلیت معلوم ہوتی ہے اس کو اس کام پر مامور کردیا جاتا ہے، کسی کو بلاوجہ ترجیح نہیں دیتا، ہاں میرے بعد ذاتی مفاد کے لحاظ سے ترجیحات ہوں گی اس موقع پر تم لوگ صبر سے کام لینا۔(۱)

بَابُ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان تمام امور کی خبر دیدی ہے جو قیامت تک پیش آئیں گے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْماً صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ ثُمَّ قَامَ خَطِيباً فَلَمْ يَدَعْ شَيْئاً يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَنَا بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ، وَكَانَ فِيمَا قَالَ: إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، وَكَانَ فِيمَا قَالَ: أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلاً هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ۔ قَالَ: فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ: قَدْ وَاللهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهِبْنَا۔ وَكَانَ فِيمَا قَالَ: أَلَا إِنَّهُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامِ عَامَّةٍ يُرْكَزُ لِوَاؤُهُ عِنْدَ اسْتِهِ۔ وَكَانَ فِيمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ: أَلَا إِنَّ بَنِي آدَمَ خُلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى، فَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِناً وَيَحْيَى مُؤْمِناً وَيَمُوتُ مُؤْمِناً، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِراً وَيَحْيَى كَافِراً وَيَمُوتُ كَافِراً، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِناً وَيَحْيَى مُؤْمِناً وَيَمُوتُ كَافِراً، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِراً وَيَحْيَى كَافِراً وَيَمُوتُ مُؤْمِناً، أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمُ الْبَطِيءَ الْغَضَبِ، سَرِيعَ الْفَيْءِ، وَمِنْهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ، فَتِلْكَ بِتِلْكَ۔ أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ سَرِيعَ الْغَضَبِ بَطِيءَ الْفَيْءِ أَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطِيءُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ وَشَرُّهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ بَطِيءُ الْفَيْءِ۔

أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ حَسَنَ الْقَضَاءِ حَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ حَسَنُ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ حَسَنُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ، فَتِلْكَ بِتِلْكَ۔ أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمُ السَّيِّئَ الْقَضَاءِ السَّيِّئَ الطَّلَبِ أَلَا وَخَيْرُهُمُ الْحَسَنُ الْقَضَاءِ الْحَسَنُ الطَّلَبِ أَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ أَلَا وَإِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ أَمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ، فَمَنْ أَحَسَّ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْأَرْضِ، قَالَ وَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ إِلَى الشَّمْسِ هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْءٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَلَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيمَا مَضَى مِنْهَا إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا فِيمَا مَضَى مِنْهُ۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۵۵

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے، جس میں آپ نے قیامت تک واقع ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، (تمام کو بیان فرمایا) اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جو بھول گیا، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: بے شک دنیا بڑی سرسبز و شاداب اور میٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے واقعی تم لوگوں کو اس میں خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو، خبردار: دنیا اور عورتوں سے بچ کر رہنا، اور آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: خبردار کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جب کہ اسے حق بات کا علم ہو، راوی کہتے ہیں کہ ابو سعید (روایت بیان کرتے کرتے) رونے لگے اور فرمایا: اللہ کی قسم ہم نے بہت سی چیزیں (خلاف شرع) دیکھیں اور ہم (حق بات کہنے سے) ڈر گئے، اور آپ ﷺ نے اس میں فرمایا: خبردار ہر غدار کے لئے قیامت کے دن اس کی بے وفائی کی بقدر جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور امام عام یعنی حاکم کی غداری سے بڑھ کر اور کوئی غداری نہیں، اس کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں اس دن ہم نے جو چیزیں یاد کیں، ان میں یہ بھی تھا: آگاہ ہو جاؤ: بے شک انسان مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے ہیں اور مومن ہی زندہ رہتے ہیں اور ایمان کی حالت میں ہی وفات پاتے ہیں، اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں اور کافر ہی زندہ رہتے ہیں اور کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں جو مومن ہوتے ہیں اور ایمان کی حالت میں ہی زندگی گذارتے ہیں لیکن کافر ہو کر مرتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ جو کافر پیدا ہوتے ہیں، کفر پر ہی زندگی گذارتے ہیں لیکن خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

خبردار: انسانوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں دیر سے غصہ آتا ہے، اور جلد ہی اتر جاتا ہے، اور بعض ایسے ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آجاتا ہے اور جلد ہی زائل ہو جاتا ہے تو یہ اس کا بدلہ ہو گیا، یعنی یہ دونوں برابر ہیں، اور بعض ایسے ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آجاتا ہے اور دیر سے جاتا ہے، ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے دیر سے غصہ آتا ہو اور جلد ہی اس کا اثر زائل ہو جائے اور سب سے برے وہ لوگ ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آجاتا ہے اور دیر سے جاتا ہے، آگاہ ہو جاؤ: ان میں سے بعض ایسے ہیں جو قرض ادا کرنے اور اس کا مطالبہ کرنے میں بھی اچھے ہیں (جب کسی کو قرض دیدیں) اور بعض ایسے ہیں جو قرض کی ادائیگی میں برے ہیں مگر مطالبہ کرنے میں اچھے ہیں، (تنگ نہیں کرتے) اور بعض قرض کی ادائیگی میں تو اچھے ہیں مگر قرض مانگنے میں برے ہوتے ہیں۔

جان لو: ان میں بعض ایسے ہیں جو قرض کی ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برے ہیں، آگاہ ہو جاؤ: ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی اور مانگنے میں بھی اچھا ہو اور سب سے برا وہ ہے جو ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برا ہو، خبردار: بے شک غصہ ابن آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے، کیا تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھتے، لہذا جو شخص اپنے اندر غصہ محسوس کرے، اسے زمین پر لیٹ جانا چاہیے، ابو سعید خدری

فرماتے ہیں کہ ہم سورج کی طرف دیکھنے لگے کہ آیا کچھ باقی ہے (یا غروب ہو چکا ہے)؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سن لو دنیا کی باقیات، گذرے ہوئے زمانے کی بنسبت اتنی ہی رہ گئی ہیں جتنا تمہارا آج کا دن گذرے ہوئے پورے دن کی بنسبت ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:۔ فلم یدع: (ودع سے ہے) نہیں چھوڑا۔ مستخلفکم: تمہیں خلیفہ بنانے والا ہے یعنی خلیفہ بنایا ہے۔ ھیبۃ الناس: لوگوں کا خوف اور دہشت۔ غادر: غدار، بے وفا، دھوکہ دینے والا۔ یرکز: (مجہول) گاڑا جائے گا۔ عند استہ: اس کی سرین کے پاس۔ فتلک بتلک: یہ اس کے بدلے میں ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔ جمرۃ: (جیم پر زبر) چنگاری۔ انتفاخ: پھول جانا، سوجن۔ اوداج: "ودج" کی جمع ہے، گردن، وہ رگ جسے ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، اور اس سے دم نکل جاتا ہے۔ فلیلصق: اسے چمٹ جانا چاہیے، مراد ہے لیٹ جانا چاہیے۔ فلتفت: ہم ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

چند ہدایات وتعلیمات

حدیث باب سے بہت سی ہدایات اور تعلیمات ثابت ہوتی ہیں، جن میں سے چند کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے۔

(۲) آدمی بھول سکتا ہے۔

(۳) دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ بظاہر بہت پر لطف، سرسبز وشاداب اور میٹھی معلوم ہوتی ہے لیکن اللہ کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۴) زمین پر تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا جانشین بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تمہیں دیکھے کہ تم کس طرح کا عمل کرتے ہو۔

(۵) عورتوں کے فتنے سے اپنے آپ کو بچا کر رکھا جائے۔

(۶) لوگوں کی ہیبت اور دبدبہ حق بات کہنے سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔

(۷) ہر غدار کی سرین پر قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا تاکہ اس کی رسوائی ہو۔

(۸) سب سے بڑا غدر اپنے حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا ہے، اس سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ اس میں فائدے کے بجائے نقصان یقینی ہے، جائز امور میں اس کی پیروی کی جائے کیونکہ ناجائز اور ممنوع چیزوں میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔

(۹) غصے کے آنے اور زائل ہونے میں انسانوں کے مختلف مزاج حدیث میں بیان فرمائے گئے ہیں، سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے دیر سے غصہ آئے اور جلد ہی ختم ہو جائے، اور سب سے برا وہ شخص ہے جسے جلد ہی غصہ آجاتا ہو اور دیر سے زائل ہوتا ہو۔

(۱۰) ایمان وکفر کے اعتبار سے انسان مختلف قسم کے ہیں جب اللہ نے محض اپنے فضل سے ایمان عطا فرما دیا ہے تو اس کے تقاضے کے مطابق زندگی گذاری جائے تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

(۱۱) قرض کی ادائیگی اور اس کا مطالبہ کرنے میں مختلف مزاج ہیں، سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں اچھا ہو (تنگ نہ کرتا ہو)، اور سب سے برا وہ شخص ہے جو ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برا ہو۔

(۱۲) غصہ ایک چنگاری ہے، اس کی وجہ سے آدمی لال پیلا اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، ایسی صورت میں زمین پر لیٹ جانا چاہیے تاکہ اسے اپنی تخلیق یاد آجائے اور پھر تکبر وغرور نہ کرے۔

(۱۳) دنیا کا بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے، قیامت قریب ہے، اس لئے اس کی تیاری کی فکر کرنی چاہیے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ

یہ باب اہل شام (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

عن قُرَّةَ بنِ إِيَاسٍ قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. قَالَ محمدُ بنُ إسماعيلَ: قَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِينِيِّ: هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ.

حضرت قرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل شام میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر تمہارے لئے اس (شام میں ٹھہرنے یا ادھر جانے) میں کوئی خیر وبھلائی نہیں، میری امت میں ایک گروہ ایسا ضرور رہے گا جس کی مدد و نصرت ہوتی رہے گی اور انہیں وہ لوگ ضرر نہیں پہونچا سکیں گے جو ان کی مدد چھوڑ دیں گے، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ علی بن مدینی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ محدثین کی جماعت ہے۔

أخبرنا بَهْزُ بنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: أَيْنَ تَأْمُرُنِي؟ قَالَ هَاهُنَا. وَنَحَا بِيَدِهِ نَحْوَ الشَّامِ.

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا یعنی معاویہ بن حیدہ سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ: جب فساد ہوگا تو آپ مجھے کہاں کا حکم دیں گے؟ فرمایا: اس طرف، اور اپنے دست مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ اذا فسد: جب بگاڑ پیدا ہو جائے۔ منصورین: جن کی مدد کی جائے۔ من خذلهم: جو ان کی مدد و نصرت چھوڑ دے۔ نحا بیدہ: اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۲۰

ارض شام کی فضیلت

اس حدیث میں ارض شام کی فضیلت کا ذکر ہے، اس سرزمین کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کئی امتیاز حاصل ہیں، یہ انبیاء کی سرزمین ہے، اسی میں قبلہ اولی بھی ہے، اکثر انبیاء علیہم السلام کا مدفن ہے، حشر ونشر بھی یہیں پر ہوگا، اسی کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا بارکنا حولہ ایسی بابرکت جگہ میں اگر بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے تو پھر وہاں رہنے یا اس کی طرف ہجرت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، جیسے اس وقت شام میں غلط حکمران مسلط ہیں، ایسے میں وہاں جانے میں کوئی خیر وبھلائی نہیں۔

طائفہ منصورین سے کون مراد ہیں

اس میں مختلف اقوال ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی مراد لئے جاسکتے ہیں:

(۱) علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس سے محدثین کی جماعت مراد ہے۔

(۲) امام بخاری کے نزدیک اس سے اہل علم مراد ہیں۔

(۳) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے اہل سنت والجماعت مراد ہے۔

(۴) علامہ نووی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ طائفہ مومنین کی مختلف انواع واقسام پر مشتمل ہو، ان میں سے بعض مجاہد ہوں، بعض فقہاء، بعض محدثین، بعض مبلغین، بعض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے، اور بعض دیگر نیکی کے کام کرنے والے، اور اس میں یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ یہ سب ایک ہی جگہ پر ہوں بلکہ متفرق طور پر دنیا کے کسی خطے پر بھی ہوسکتے ہیں۔(۱)

اشکال وجواب

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اہل حق کی رہے گی، جو منصور ہوگی جن کی مدد کی جاتی رہے گی، جب کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب روئے زمین پر صرف شریر اور فسادی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ان احادیث میں دو الگ الگ مقامات کا ذکر ہے، ایک علاقے میں شریر قسم کے لوگ ہوں گے، جن کے اعتبار سے قیامت آئے گی، جب کہ دوسرے علاقے یعنی بیت المقدس میں سر بکف مجاہد ہوں گے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کریں گے، اس لحاظ سے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲) یہ خروج دجال یا حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات تک ہے کہ طائفہ منصورین رہے گا پھر جب حضرت عیسی کی وفات کے بعد

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۰/۶

ایک مخصوص ہوا چلے گی جس سے اہل ایمان سب کے سب مرجائیں گے، تو اس وقت زمین اہل اسلام سے یکسر خالی ہوجائے گی، صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے، انہی پر بالآخر قیامت قائم ہوگی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا ہے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ میرے بعد تم لوگ کافر نہ ہوجانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگ جائیں۔

عن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم لوگ دوبارہ کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو یعنی قتل کرنے لگو۔

حجۃ الوداع کا ایک حکم

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ میری وفات کے بعد یا میدان عرفات سے جانے کے بعد دوبارہ کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

''کفارا'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) اگر اس سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کے قتل کو حلال اور جائز نہ سمجھنا کہ اس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

(۲) یا مراد یہ ہے کہ کافروں والے کام نہ کرو، اور قتل وقتال میں ان سے مشابہت اختیار نہ کرو۔[2]

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

یہ باب اس بڑے فتنہ کے بیان میں ہے کہ جس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔

عن بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَيَّ بَيْتِي وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي، قَالَ: كُنْ كَابْنِ آدَمَ۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۶۰/۶، فتح الباری ۳۴۴/۱۳ کتاب الاعتصام بالکتاب باب: قول النبی ﷺ: لا تزال طائفۃ من أمتی ...

(۲) تحفۃ الاحوذی ۳۶۲/۶

حضرت بسر بن سعید سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے حضرت عثمان غنی کے خلاف فتنہ کے موقع پر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک عنقریب ایک بڑا فتنہ ہوگا، جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑے ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، حضرت سعد نے عرض کیا: یہ بتا دیجئے اگر میرے گھر میں کوئی داخل ہو اور مجھ پر اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کردے (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تو حضرت آدم کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جا (کہ وہ اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گئے لیکن اپنے بھائی پر ہاتھ نہ اٹھایا)

حتی الامکان فتنہ سے اجتناب کیا جائے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جس قدر فتنہ سے دور ہوگا، اسی قدر وہ بہتر ہوگا، چنانچہ بیٹھنے والا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کیوں کہ بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے کے مقابلے میں فتنہ سے زیادہ دور ہوتا ہے، کیوں کہ کھڑے ہونے والا دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ قاعد سے وہ شخص مراد ہے جو فتنہ کے دور میں الگ تھلگ ہو کر اپنے گھر میں رہے، اس کا داعی اور محرک نہ ہو، جب کہ قائم سے وہ شخص مراد ہے جو فتنہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، اس کا داعی اور محرک ہو۔

علامہ داودی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عام فتنہ برپا ہوگا کہ ہر شخص اس میں کسی نہ کسی درجہ میں ضرور مبتلی ہوگا، لہذا جو شخص بیٹھ کر فتنہ و فساد کر رہا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو کھڑے ہو کر فتنہ میں ہے اور قائم اس سے بہتر ہے جو چل کر فتنہ کر رہا ہے، اور ماشی اس سے بہتر ہے جو دوڑ کر فتنہ میں مصروف ہے، غرض یہ کہ جس کا فتنہ و فساد جس قدر کم ہوگا اسی قدر وہ دوسرے کے مقابلے میں بہتر ہوگا۔

کن کابن آدم معنی یہ ہیں کہ جس طرح آدم کے بیٹے ہابیل نے ظلم کو برداشت کیا، مگر اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ خود قتل ہو گئے، اسی طرح فتنہ کے زمانے میں ظلم و زیادتی برداشت کرلی جائے لیکن اس ظلم اور فتنہ کا ساتھ نہ دیا جائے، کیوں کہ اس طرح وہ فتنہ و فساد مزید پھیلتا چلا جاتا ہے۔

فتنہ کے وقت قتال کا حکم

اس میں اختلاف ہے کہ فتنہ کے زمانے میں اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل و قتال شروع کردیں تو ان کا ساتھ دیا جائے یا کنارہ کشی اختیار کی جائے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فتنہ میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر وہ فتنہ اس کے گھر میں

داخل ہو جائے اس وقت بھی بطور دفاع کے قتل و قتال درست نہیں۔

(۲) عبداللہ بن عمر اور عمران بن حصین وغیرہ کے نزدیک قتال میں ابتداء شرکت تو جائز نہیں لیکن دفاع کے طور پر قتل و قتال درست ہے، گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک فتنہ میں داخل ہونا جائز نہیں البتہ اپنے دفاع میں قتال کیا جا سکتا ہے،

(۳) جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک فتنہ کے زمانے میں بھی حق کا ساتھ دینا چاہیے، اور باغیوں کے خلاف برسر پیکار ہونا چاہیے، کیونکہ اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو فتنہ مزید پھیل جائے گا، اس کی سرکوبی کرنا ضروری ہے، قرآن کہتا ہے **فقاتلوا اللتي تبغي حتى تفيء إلى امر الله**۔ یہ صحیح قول ہے

جمہور کے نزدیک حدیث باب اس صورت پر محمول ہے جس میں حق کسی جانب واضح نہ ہو یا یہ کہ دونوں جماعتیں شرعی اعتبار سے ظالم ہوں، حق پر نہ ہوں، ایسی صورت میں کسی جماعت کا ساتھ دینا جائز نہیں بلکہ کنارہ کشی اختیار کی جائے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عنقریب ایسے فتنے آئیں گے جو اندھیری رات کی طرح ہوں گے

عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: بادروا بالأعمال فتناً كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمناً ويمسي كافراً، ويمسي مؤمناً ويصبح كافراً، يبيع أحدهم دينه بعرض من الدنيا.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک اعمال میں جلدی کرو، اس سے پہلے کہ اندھیری رات کی طرح فتنے رونما ہو جائیں، جن میں انسان صبح مومن اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا، اور آدمی اپنا دین سامان دنیا کے بدلے فروخت کر دے گا۔

عن أم سلمة: أن النبي ﷺ استيقظ ليلة فقال: سبحان الله، ماذا أنزل الليلة من الفتنة؟ ماذا أنزل من الخزائن؟ من يوقظ صواحب الحجرات؟ يا رب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات میں (گھبرا کر) بیدار ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ آج رات کس قدر فتنے نازل کئے گئے اور کتنے ہی خزانے اتارے گئے، کون ہے جو ان حجرے والیوں یعنی ازواج مطہرات کو بیدار کر دے، بہت سی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

عن أنس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال: تكون بين يدي الساعة فتن كقطع الليل المظلم يصبح الرجل فيها مؤمناً ويمسي كافراً، ويمسي مؤمناً ويصبح كافراً، يبيع أقوام دينهم بعرض من الدنيا.

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت سے پہلے ایسے بڑے فتنے ہوں گے جو اندھیری

(۱) تحفة الاحوذي ۶/۴۳۳ فتح الباري ۱۳/ ۳۸ كتاب الفتن باب تكون فتنة القاعد . . .

رات کی طرح ہوں گے، ان میں انسان صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوگا، اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا، اور بہت سے لوگ دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض اپنا دین بیچ ڈالیں گے۔

عن الحسن قال: كان يقول في هذا الحديث: يصبح الرجل مؤمناً ويمسي كافراً، ويمسي مؤمناً ويصبح كافراً، قال: يصبح محرماً لدم أخيه وعرضه وماله ويمسي مستحلاً له، ويمسي محرماً لدم أخيه وعرضه وماله ويصبح مستحلاً له۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم ﷺ کے اس قول: "یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا" کے متعلق فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال سمجھنے لگے گا اور شام کے وقت اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا لیکن صبح کو حلال سمجھنے لگے گا۔

عن وائل بن حجر قال: سمعت رسول الله ﷺ ورجل يسأله فقال: أرأيت إن كان علينا أمراء يمنعونا حقنا ويسألونا حقهم؟ فقال رسول الله ﷺ: اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وإنما عليكم ما حملتم۔

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص کو سوال کرتے ہوئے سنا کہ اگر ہم پر ایسے حکمران حکومت کرنے لگیں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں اور ہم سے اپنا حق طلب کریں تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی بات سنو اور اطاعت کرو، اس لئے کہ ان پر وہ چیز لازم ہے جس کے وہ مکلف ہیں اور تم پر وہ کچھ لازم ہے جس کے تم مکلف ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قطع: (قاف کے نیچے زیر اور طا پر زبر) قطعۃ کی جمع ہے: ٹکڑے، معنی یہ ہیں کہ جس طرح اندھیری رات میں کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ایسے شدید فتنے ہوں گے کہ ان میں صلاح و فساد اور نیک و بد کا امتیاز نہیں ہو سکے گا۔ بادروا: جلدی کرو، سبقت کرو۔ ماذا انزل: کس قدر نازل کیے گئے۔ الخزائن: خزینۃ کی جمع ہے، خزانے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حدیث میں خزائن سے رحمتیں اور اس کے بالمقابل فتنہ سے اللہ کا عذاب مراد ہے۔ من یوقظ: کون بیدار کرے گا۔ حجرات: حجرۃ کی جمع ہے، کمرے یہاں صواحب الحجرات سے نبی کریم ﷺ کی ازواج مراد ہیں۔ یارب: "یا" حرف ندا ہے، اس کا منادی محذوف ہے، ای یا سامعین، عاریۃ فی الآخرۃ، آخرت میں ننگی ہوں گی، لفظ "عاریۃ" پر ترکیبی اعتبار سے دو طرح کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے۔ (۱) یہ مجرور ہو، اس صورت میں یہ "کاسیۃ" کی صفت ہوگا۔ (۲) اسے مرفوع پڑھا جائے، اور اس کا مبتدا یعنی "ھی" محذوف ہوگا، اور لفظ "عاریۃ" اس کی خبر واقع ہوگا۔[1]

مستحلا له: اس کو حلال سمجھنے لگے گا۔ ما حملوا: وہ ذمہ داری جو ان پر ہے یعنی عدل و انصاف کرنا، اور رعایا کو حقوق دینا۔ ما

(۱) فتح الباری ۱۳/۲۸ کتاب الفتن، باب لا یأتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ۔

حاصلہ: وہ ذمہ داری جو تم پر ہے یعنی جائز امور میں ان کی اطاعت کرنا اور مصائب و آفات پر صبر کرنا۔

فتنوں کا ذکر

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں فتنوں کے ظہور کا ذکر ہے، ان میں نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ قبل اس کے کہ بڑے بڑے فتنے رونما ہو جائیں، نیک اعمال کرلو، کیوں کہ فتنوں کے دور میں پوری یکسوئی سے عبادت نہیں ہو سکتی، وہ فتنے اس قدر شدید ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر، اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر، اور آدمی اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال ومتاع اور منافع کے عوض فروخت کر دے گا۔

یصبح مومنا ویمسی کافرا

اس سے کیا مراد ہے، کیا واقعتاً وہ کافر ہو جاتا ہے، اس میں کئی احتمال ہیں:

(۱) بعض کے نزدیک وہ حقیقتاً کافر ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ اس میں کفران نعمت یعنی ناشکری مراد ہے۔

(۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کافروں کے مشابہ ہو جائے گا یا اس کا یہ عمل کفار کی طرح ہوگا۔

(۴) حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال اور اس کے برعکس، غرض یہ کہ انسان کے عقائد و نظریات بہت جلدی جلدی تبدیل ہوں گے۔

صواحب الحجرات سے ازواج مطہرات مراد ہیں، ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس وقت وہی حاضر تھیں یا اس وجہ سے کہ اپنے بعد اپنے اہل وعیال کی دینی زندگی کی فکر کرنے کا حکم ہے۔

رب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة

اس کے مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) بہت سی خواتین دنیا میں لباس پہنیں گی لیکن عمل نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں ثواب سے تہی دست ہوں گی۔

(۲) کپڑے پہنے ہوں گے لیکن ان سے ان کا ستر نہیں ہوگا اس لئے آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔

(۳) اللہ کی نعمتوں کا لباس پہنا ہوگا مگر ان کا شکر ادا نہیں کریں گی جس کی وجہ سے آخرت میں انہیں ثواب نہیں ملے گا۔

(۴) جسم پر لباس ہوگا لیکن دوپٹہ پشت پر ہونے کی وجہ سے سینہ ننگا ہوگا، اس کی وجہ سے آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔

(۵) نیک شوہر کا لباس اسے حاصل ہوگا مگر پھر بھی آخرت میں اسے کوئی نفع نہیں ہوگا کیوں کہ اعمال کے بغیر محض شوہر کے نیک ہونے سے بیوی کو کوئی نفع یا اجر وثواب نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا انساب بینهم۔ علامہ طیبی نے اس مقام کے لحاظ سے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ حدیث اگرچہ ازواج مطہرات سے متعلق ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال و دولت میں فراوانی باعث فتنہ ہے اس سے قتل و قتال، لڑائی جھگڑے اور حسد جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں، حق تلفی اور ظلم و زیادتی کی فضا بن جاتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اور تمام امت کو اس بارے میں آگاہ فرمایا۔

نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے زمانے میں دعاؤں کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔

فانما علیهم ما حملوا . . . علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس میں جار مجرور یعنی علیہم کو مقدم کر کے کلام میں حصر اور تاکید کرنا مقصود ہے کہ حکمرانوں پر وہی کچھ لازم ہے جس کے وہ مکلف ہیں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو گنہگار ہوں گے، ایسے ہی رعایا پر جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ماخوذ ہوں گے۔(۱)

مسئلہ یہ ہے کہ اگر حکمران فاسق ہو جائے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ معزول یعنی برطرف ہو جاتا ہے اور احناف کے نزدیک وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص امام کی اطاعت سے روگردانی کر دے تو بظاہر اسے بغاوت نہیں کہنا چاہیے بلکہ اسے اس اقدام پر اجر و ثواب ملنا چاہیے؟

لیکن نبی کریم ﷺ نے اس قسم کی صورتحال میں بھی اسمعوا و اطیعوا کا حکم دیا ہے کہ جائز امور میں حاکم کی اطاعت کی جائے، علم بغاوت نہ بلند کیا جائے کیوں کہ چھوٹی جماعت اگر حکومت کے خلاف آواز اٹھائے گی تو وہ حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے تو رہی، لیکن اس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے اور نہ جانے کتنے ہی لوگ مارے جائیں گے، جیسا کہ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؓ کے افسوسناک واقعات اس پر شاہد ہیں، ہمارے اس دور میں بھی کئی سارے واقعات اسی قسم کے پیش آئے ہیں، جن میں بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوا ہے، اس لئے فتنوں کے دور میں کنارہ کش ہو کر زندگی گذارنا چاہیے، تاکہ کسی اقدام سے اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت کو نقصان نہ پہونچے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَرْجِ

یہ باب قتل کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ۔

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں علم اٹھا لیا جائے گا اور اس میں ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ "ہرج" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۳۴۲ قدیمی کراچی

(۲) الکوکب الدری ۳/۱۴۰

عَنْ مَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ، رَدَّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ۔

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے انہوں نے اسے منسوب کیا رسول اللہ کی طرف کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایام قتل میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے۔

۳۔عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو پھر قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی (یعنی جب ایک مرتبہ قتل وخونریزی شروع ہوگی تو پھر کبھی بھی ختم نہیں ہوگی)

قتل کی کثرت ہوگی

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ اس میں قتل وخونریزی بہت کثرت سے ہوگی اور علم کو اٹھالیا جائے گا: یرفع العلم کے معنی یہ ہیں کہ اہل علم سے اس علم پر عمل اٹھالیا جائے گا یعنی وہ علم ان کے لئے نافع نہیں رہے گا۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے والے کو جو اجر وثواب ملتا تھا اسی طرح فتنہ وفساد اور قتل وخونریزی کے زمانے میں عبادت کرنے پر بھی اجر وثواب ملتا ہے، کیوں کہ عموماً ایسے حالات میں بہت سے لوگ عبادت سے غافل اور طرح طرح کی الجھنوں میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں عبادت کرنا فضیلت کا باعث ہے۔

تیسری حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں جب قتل کا سلسلہ شروع ہوگا تو پھر تا قیامت جاری رہے گا، کبھی بند نہ ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ

یہ باب لکڑی کی تلوار بنانے کے بارے میں ہے

عن عُدَيْسَةَ بِنْتِ أُهْبَانَ بنِ صَيْفِيٍّ الْغِفَارِيِّ قالت: جاءَ عَلِيُّ بنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى أَبِي فَدَعَاهُ إِلَى الْخُرُوجِ مَعَهُ، فقال له أبي: إِنَّ خَلِيلِي وابنَ عَمِّكَ عَهِدَ إِلَيَّ إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ أَنْ أَتَّخِذَ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ فَقَدِ اتَّخَذْتُهُ، فَإِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ، قالت: فَتَرَكَهُ۔

عدیسہ بنت اہبان بن صیفی غفاری کہتی ہیں کہ حضرت علی میرے والد کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں چلنے کو کہا، میرے والد نے کہا: بے شک میرے دوست اور آپ کے چچازاد بھائی یعنی نبی کریم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ جب لوگوں میں اختلاف ہوجائے تو میں لکڑی کی تلوار بنالوں، چنانچہ میں نے وہ بنوالی ہے، اگر آپ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۷۰/۶

چاہتے ہیں تو میں اس سمیت آپ کے ساتھ نکلنے کو تیار ہوں، عدیسہ کہتی ہیں کہ حضرت علی نے پھر انہیں چھوڑ دیا (یعنی ساتھ لے کر نہ گئے)

عن أبي موسى عن النبيﷺ أنه قال في الفتنة: كسروا فيها قسيكم، وقطعوا فيها أوتاركم، والزموا فيها أجواف بيوتكم، وكونوا كابن آدم۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ حضور اکرمﷺ نے فرمایا کہ فتنہ کے زمانے میں اپنی کمانیں توڑ دینا، کمان کی تانتیں کاٹ دینا اور اپنے گھروں کے اندرونی حصوں کو لازم پکڑنا اور آدم کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جانا (کہ جس طرح انہوں نے قتل پر صبر کیا تھا، اسی طرح تم بھی مصائب ومشکلات پر صبر کرنا)

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ اتخاذ السيف من خشب: لکڑی کی تلوار بنانا، یہ عربی زبان میں بطور محاورے کے ترک قتال سے کنایہ ہے۔ کسروا: تم توڑ ڈالو۔ قسي: (قاف کے نیچے زیر) قوس کی جمع ہے: کمان۔ اوتار: وتر کی جمع ہے: کمان کی تانت۔ قطعوا: تم کاٹ ڈالو۔ الزموا: تم لازم پکڑو۔ اجواف: جوف کی جمع ہے: اندرونی حصہ۔ عهد إلي: مجھے وصیت کی۔

لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ صحابی نے نبی کریمﷺ کے فرمان کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے لکڑی کی تلوار بنوائی تھی تا کہ کسی کے ساتھ قتال نہ کرنا پڑے، کیونکہ لکڑی کی تلوار بنانے سے مراد ترک قتال ہے، حضرت علی کے بلانے کے وقت انہوں نے یہ حدیث سنادی اور بتادیا کہ میں نے نبی کریمﷺ کے حکم کی تعمیل میں لکڑی کی تلوار بنوالی ہے، آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں مگر میرا جانا بے فائدہ ہوگا، اس لئے کہ لکڑی کی تلوار سے قتال نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت علی انہیں پھر نہیں لے گئے۔

دوسری روایت میں جنگ وجدال اور فتنوں کے موقع پر یکسو رہنے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ فتنوں سے محفوظ رہا جا سکے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

یہ باب قیامت کی علامات کے بیان میں ہے

عن أنس بن مالك أنه قال: أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثاً سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِﷺ لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِﷺ قال: ۔ قال رسول اللّٰهِﷺ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَفْشُوَ الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيِّمٌ وَاحِدٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے سامنے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے نبی

[1] تحفة الاحوذی ۶/۴۴۶، قدیمی، کراچی

کریم ﷺ سے سنا ہے، اب میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا، اور جہالت ظاہر و غالب ہوگی، اور زنا عام ہو جائے گا، شراب پی جائے گی، عورتوں کی کثرت ہوگی اور مرد کم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک ہی مرد ہوگا۔

عن الزُّبَيْرِ بنِ عَدِيٍّ قال: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قال فَشَكَوْنَا إِلَيهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ، فقال: مَا مِنْ عَامٍ إلَّا وَ الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُ هٰذَا مِن نَبِيِّكُمْ ﷺ۔

حضرت زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہتے ہیں پھر ہم نے ان سے حجاج بن یوسف کے ان مظالم کی شکایت کی جو اس کی طرف سے ہمیں پہونچ رہے تھے تو انس بن مالک نے فرمایا: ہر آنے والا سال گذرے ہوئے سال کے مقابلے میں برا ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلو گے، میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔

عن أنسٍ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الأَرْضِ: اللهُ اللهُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ اللہ نہ کہا جائے گا (یعنی قیامت کا وقوع شریر لوگوں پر ہوگا اور جب تک کوئی اللہ کا نام لینے والا ہوگا، اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی)

عن حُذَيْفَةَ بنِ الْيَمَانِ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بنُ لُكَعٍ۔

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لکع بن لکع یعنی کمینہ کا بیٹا کمینہ دنیا میں لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند شمار ہونے لگے گا۔

عن أبي هُرَيْرَةَ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: تَقِيءُ الأَرْضُ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا أَمْثَالَ الأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ، قَالَ: فَيَجِيءُ السَّارِقُ فَيَقُولُ: فِي هٰذَا قُطِعَتْ يَدِي، وَيَجِيءُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هٰذَا قَتَلْتُ، وَيَجِيءُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِي، ثُمَّ يَدَعُونَهُ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین اپنے جگر کے ٹکڑے "خزانے" یعنی سونا چاندی ستون کی مانند اگل دے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: چور آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے، قاتل آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا (یا مجھے قتل کیا گیا) قاطع رحم آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے (رشتہ داروں سے) قطع تعلق کیا، پھر وہ سب اسے چھوڑ دیں گے اور اس میں کچھ بھی نہیں لیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ :۔ اشراط: شرط (شین اور را پر زبر) کی جمع ہے، علامت، نشانی۔ قیم: (قاف پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر) نگران، منتظم۔ لکع: (لام پر پیش اور کاف پر زبر) کمینہ، بیوقوف، جھوٹا، جسکی اصل معلوم نہ ہو، یہاں پر کمینہ کے معنیٰ میں ہے۔ تقئ: یہ قئ سے ہے، اگل دے گی، نکال دے گی۔ افلاذ: فلذة (فا کے نیچے زیر) کی جمع ہے: کسی چیز کا وہ ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا گیا ہو، اور فلذ کے معنیٰ ہیں اونٹ کا جگر، جبکہ فلذة (ۃ کے ساتھ) کے معنیٰ ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا، اور گوشت کا ٹکڑا، افلاذ کبدالارض سے زمین کی معدنیات مراد ہیں، انہیں ''جگر کے ٹکڑوں'' کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی زمین کا خلاصہ اور جوہر ہوتی ہیں جس طرح کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے، یہ زمین ان تمام معدنیات کو باہر نکال دے گی۔ کبد: (کاف پر زبر اور با کے نیچے زیر) جگر، کلیجہ۔ اسطوان: ستون، کھمبا۔ ثم یدعونه: (یا اور دال پر زبر کے ساتھ) یہ سب اس مال وخزانے کو چھوڑ دیں گے، کچھ نہیں لیں گے۔

علامات قیامت

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی بعض علامتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح میں ان سے خلل پڑتا ہے۔ چنانچہ رفع علم وظہور جہل سے دین تباہ ہو جاتا ہے، شراب خوری سے عقل، زنا سے نسب اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے فتنوں کی کثرت ہوگی جو جان ومال کی تباہی کا باعث ہیں، ان امور کی وجہ سے چونکہ خلل واقع ہوتا ہے، ہر طرف فساد پھیل جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں پیش آجائیں تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے۔

یفشوا الزنا، زنا اس طرح عام ہو جائے گا کہ اس کی قباحت بھی دلوں سے نکل جائے گی چنانچہ آج مسلم معاشرہ کی یہی صورتحال ہے کہ سرعام مختلف انداز سے یہ کام ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

یکثر الفساد، عورتوں کی کثرت یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ مرد مختلف معرکوں میں شہید ہو جایا کریں گے، عورتیں بچ جایا کریں گی اور یا اس وجہ سے کہ ان کی پیدائش ہی زیادہ ہوگی، دوسرے معنیٰ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔

لخمسین امرأة قیم واحد،

یہ کلام یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہوگا، یا اس سے محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک مرد کے تحت زیادہ عورتیں ہوں گی۔

- لا یحدثکم احد بعدی حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے سن لو، میرے بعد کسی اور سے یہ روایت تم نہیں سن سکو گے، یہ جملہ انہوں نے کس لحاظ سے کہا ہے، اس کی وجہ:

(۱) یہ بصرہ شہر کے اعتبار سے ہے کہ اس شہر میں میرے بعد چونکہ اور کوئی صحابی موجود نہیں ہے، اس لئے یہ روایت یہاں

میرے بعد تم کسی اور صحابی سے نہ سن سکو گے۔

(۲) یا یہ مطلب ہے کہ تم کسی اور سے یہ روایت اس سند کے ساتھ نہیں سنو گے کہ یہ بلاواسطہ ہے کیوں کہ میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے براہ راست سنی ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت انس کے سامنے لوگوں نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے حدیث رسول سے ان کی راہنمائی کی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور اس کے بعد کے زمانے میں جب کسی مجرم کو پکڑا جاتا تو سر عام اس کی پگڑی اتار دی جاتی تھی، زیاد کے دور میں جرائم پر کوڑوں کا سلسلہ شروع ہوا، مصعب بن زبیر نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ مجرم کی داڑھی بھی کاٹی جاتی، بشر بن مروان ہتھیلی پر میخ گاڑتے پھر جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا تو اس نے کہا کہ یہ سب سزائیں لہو ولعب اور فضول ہیں چنانچہ اس نے تلوار سے قتل کرنا شروع کیا، جب اس کے یہ مظالم شدید ہو گئے تو حضرت انس کی خدمت میں لوگوں نے شکایت کی تو انہوں نے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر سال پہلے سال کے مقابلے میں برا ہوتا ہے، اس لئے تم مصائب پر صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلو، وہ انصاف کر دے گا۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ شر کے اعتبار سے حجاج بن یوسف کے زمانے سے کم ہے، تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) مجموعی طور پر زمانے کا خیر ہونا مراد ہے، اس لحاظ سے حجاج کا زمانہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد موجود تھی، جب کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں صحابہ نہیں تھے، لہذا جو زمانہ صحابہ پر مشتمل ہو وہ اس زمانے سے بہتر ہے جس میں صحابہ کرام نہ ہوں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "شر" سے مراد "علم کا کم ہونا" ہے، معنی یہ ہیں کہ ہر زمانہ پہلے زمانے کے مقابلے میں شر ہوگا کہ اس میں پہلے کے مقابلے میں علم کم ہو جائے گا، کیوں کہ علماء وفات پا جائیں گے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ دجال کے بعد کا ہے، وہ زمانہ پہلے کے مقابلے میں بہرحال بہتر ہے، تو پھر اس حدیث کے ہیں معنی ہیں؟ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس سے وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔

(۲) یا وہ زمانہ مراد ہے، جو حکمرانوں اور امراء کا ہے، جس میں عموماً شر غالب ہوتا ہے۔

(۳) یا اس سے وہ زمانہ مراد ہے، جو قیامت کی علامتیں ظاہر ہونے سے پہلے کا ہے۔(۱)

باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں جب تک اللہ کا نام لیا جائے گا، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۴۷/۶ فتح الباری ۲۴/۱۳، ۲۵ کتاب الفتن باب لا یأتی زمان إلا الذی بعدہ شر منہ

جب کوئی بھی اللہ کا نام لیوا نہیں ہوگا، ہر طرف شر ہی شر ہو جائے گا، تو اس وقت قیامت واقع ہوگی۔

حدیث حذیفہ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب دنیا میں فساد اعلیٰ درجہ کا ہو جائے گا، جو شخص جس قدر کمینہ ہوگا، اتنا ہی اس کو بلند مرتبہ شمار کیا جائے گا، آج دنیا میں ہر طرف یہی حال ہے۔

آخری روایت کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب زمین اپنے اندر کے تمام خزانے سونا، چاندی، معدنیات اور دیگر چیزیں باہر نکال دے گی، ستونوں کی طرح ان کے ڈھیر ہوں گے، چور اس مال کو دیکھ کر کہے گا کہ اس مال کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا، قاتل کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا یا مجھے قتل کیا گیا، رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کرنے والا کہے گا کہ میں نے اس مال کی وجہ سے قطع رحمی کی، وہ گویا حسرت سے یہ باتیں کریں گے، پھر اس مال کو یوں ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے، کیوں کہ اس وقت اس مال کی کوئی وقعت اور قدر و منزلت نہیں ہوگی۔(۱)

باب

عن عليّ بن أبي طالب قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فعلت أمّتي خمس عشرة خصلة حلّ بها البلاء، قيل: وما هي يا رسول الله؟ قال: إذا كان المغنم دولاً، والأمانة مغنماً، والزكاة مغرماً، وأطاع الرجل زوجته، وعقّ أمّه، وبرّ صديقه وجفا أباه، وارتفعت الأصوات في المساجد، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شرّه، وشربت الخمور، ولبس الحرير، واتّخذت القيان والمعازف، ولعن آخر هذه الأمّة أوّلها، فليرتقبوا عند ذلك ريحاً حمراء، أو خسفاً أو مسخاً۔

حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ عادتیں آ جائیں گی تو ان پر مصیبتیں نازل ہوں گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جانے لگے گا، امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے گا، زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا، شوہر بیوی کی اطاعت اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، دوست کے ساتھ احسان اور باپ کے ساتھ بے رخی کرے گا، مسجدوں میں لوگوں کی آوازیں (شور وغل) بلند ہوں گی، قوم کے لیڈر رذیل قسم کے لوگ ہوں گے، آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لئے کیا جائے گا، شراب پی جائے گی، ریشمی کپڑا پہنا جائے گا، لوگوں میں گانے والی لڑکیوں اور گانے کے ساز و سامان اور باجوں کا دور دورہ ہو جائے گا، اور جب امت کے آخری لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے تو اس وقت لوگ (ان عذابوں کا) انتظار کریں سرخ آندھی کا یا زمین میں دھنس جانے یا پھر چہرہ مسخ ہو جانے والے عذاب کا۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا اتّخذ الفيء دولاً، والأمانة مغنماً، والزكاة مغرماً، وتعلّم لغير

---

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۳۷۶

الدِّيْنِ، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ، وَأَدْنَى صَدِيْقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحاً حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفاً وَمَسْخاً وَقَذْفاً، وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مالِ غنیمت کو ذاتی دولت قرار دیا جانے لگے گا، امانت کو غنیمت، زکوٰۃ کو تاوان، علم کو دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے سیکھا جائے گا، شوہر اپنی بیوی کی اطاعت اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، اپنے دوست کو قریب اور والد کو دور کرے گا، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں گی، فاسق وفاجر آدمی قبیلہ کا سردار ہوگا، قوم کے لیڈر رذیل قسم کے لوگ ہوں گے، آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لئے کرا جاتے لگے گا، لوگوں میں گانے والی لڑکیاں اور گانے کے آلات عام ہوجائیں گے، شراب پی جائے گی، اور امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے تو اس وقت ان عذابوں کا جلد ہی ظاہر ہونے کا انتظار کرو سرخ ہوا (یعنی تیز وتند اور شدید ترین طوفانی آندھی) کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ وتبدیل ہوجانے کا، آسمان سے پتھر برسنے کے عذاب کا، اور ان علامات کا انتظار کرو، جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی جس طرح پرانے ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور موتی یکے بعد دیگرے گر پڑیں (یعنی مسلسل اور نئے سے نئے فتنے واقع ہوں گے)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِيْ هٰذِهِ الأُمَّةِ خَسْفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَتٰى ذٰلِكَ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت میں تین عذاب خسف، مسخ اور قذف آئیں گے، ایک مسلمان نے پوچھا یا رسول اللہ کب؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والی لڑکیوں اور ڈھول باجوں کا رواج ہوجائے گا اور شرابیں پی جائیں گی (تو اس وقت یہ عذاب واقع ہوں گے)

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ مغنم: مالِ غنیمت۔ دولاً: (دال پر پیش، واؤ پر زبر) اول بدل ہونے والی چیز، کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس آنے جانے والی چیز جیسے مال ودولت اور اقتدار ومنصب۔ مغرماً: تاوان، جرمانہ۔ بر: نیکی اور حسنِ سلوک کرے۔ جفا: بے رخی کرے، دور کرے۔ اصوات: صوت کی جمع ہے، آوازیں۔ ارذلھم: ان میں سب سے ذلیل اور گھٹیا۔ القیان: (قاف کے نیچے زیر) قینۃ کی جمع ہے گانا گانے والی باندیاں، لڑکیاں۔ معازف: معزف کی جمع ہے: باجا، ساز، آلہ موسیقی، سارنگی وغیرہ۔ فلیرتقبوا: انہیں چاہیے کہ وہ انتظار کریں۔ ریحاً حمراء: سرخ ہوا یعنی تیز وتند اور شدید آندھی۔ خسف: زمین میں دھنس جانا۔ مسخ: شکل وصورت کا تبدیل ہوجانا۔ أدنی: قریب کرے۔ اقصی: دور کرے۔ قذف: پتھروں کا گرنا۔ آیات تتابع: پے درپے نشانیاں۔ نظام: (نون کے نیچے زیر) ہار۔ بال: پرانی۔ سلکہ: (سین کے نیچے زیر) ہار کی لڑی، دھاگہ۔

خمور: خمر کی جمع ہے: شراب۔

پندرہ خصلتیں...... بہت سے عذابوں کا سبب

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی بعض علامتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ جب میری امت میں یہ چیزیں پیش آئیں گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب نازل ہوں گے۔ ان علامات کی تفصیل:

(۱) مال غنیمت کو ذاتی حق سمجھا جائے گا، اسے مجاہدین اور غازیوں کے درمیان شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کرنے کے بجائے بعض سرکردہ لوگ آپس میں ہی بانٹ لیں گے۔

(۲) امانت کو مال غنیمت شمار کیا جائے گا، معنی یہ ہیں کہ اس مال میں خیانت کی جائے گی اور اسے اپنا مال سمجھ لیا جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی خوشدلی کے ساتھ نہیں ہوگی بلکہ اسے اپنے اوپر بوجھ اور جرمانہ قرار دیا جائے گا اور ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ کسی نہ کسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائیں جیسا کہ بعض لوگوں کا رویہ اس زمانے میں بھی یہی کچھ نظر آتا ہے اور بعض لوگ تو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بنک میں اپنے آپ کو شیعہ یا قادیانی لکھوا دیتے ہیں، دیکھیے کس قدر شاطرانہ چالیں ہیں، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(۴) علم دین سیکھنے اور سکھانے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی نشر و اشاعت مقصود نہیں ہوگی بلکہ یہ کام محض دنیا طلبی، نام و نمود اور شہرت کے لئے کیا جائے گا۔

(۵) بیوی کی اطاعت کی جائے گی اگرچہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہو۔

(۶) ماں کا دل بغیر کسی شرعی وجہ کے دکھایا جائے گا اور اس کی خدمت سے لاپرواہی کی جائے گی، ماں کے ذکر میں والد بھی داخل ہے اور ماں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کر دیا کہ والد کے مقابلے میں والدہ بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتی ہے۔

(۷) آدمی اپنے والد کی خدمت میں بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست کو ترجیح دے گا، اور اس کے رویے سے ظاہر ہوگا کہ اس کا تعلق دوستوں کے ساتھ زیادہ ہے۔

(۸) مسجدوں میں شور و غل اور لڑائی جھگڑے ہوں گے، حالانکہ مسجد میں ذکر اللہ کے لئے آواز بلند کرنا بھی مناسب نہیں۔

(۹) قبیلہ کا سردار فاسق و فاجر ہوگا، اس کی وجہ سے پورے خاندان میں بے حیائی اور اللہ کی نافرمانی پھیل جائے گی۔

(۱۰) ذلیل اور گھٹیا قسم کے لوگ قوم کے لیڈر ہوں گے، ان کی ناجائز حرکتوں کی وجہ سے پوری قوم اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجائے گی۔

(۱۱) کسی شخص کا اکرام و احترام اس کی فضیلت اور ادب کے اعتبار سے نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لئے کیا جائے گا، مثلاً وہ خاندان میں بڑا ہے یا کسی بڑے منصب پر فائز ہے اور ہے وہ بدکردار اور بدمعاش، ایسے میں اس کا اکرام صرف

اس کے شر سے بچاؤ کے لئے کیا جائے گا۔

(۱۲) گانے بجانے کے آلات سارنگیاں، ڈھول وغیرہ عام ہو جائیں گے۔

(۱۳) گانے والے لڑکے اور لڑکیاں بہت عام ہو جائیں گے، ہر گھر میں یہ چیزیں داخل ہو جائیں گی جیسا کہ اس وقت پوری دنیا میں ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ، اور موبائل میں فحش تصاویر ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، کوئی گھر اس سے محفوظ نہیں الا ماشاء اللہ۔

(۱۴) مختلف قسم کے شراب اور نشہ آور مشروبات بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ پیے جائیں گے۔

(۱۵) اس امت کے آخر کے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اپنے گذشتہ بزرگوں کو برا بھلا کہنا اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتداء نہ کرنا یہ لعنت ہی کے درجہ میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں پر اس کلام کے حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہے، اسلئے مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ روافض نے حضرات صحابہ پر سب وشتم کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، حالانکہ یہ حضرت علی کا حق تھا، ان کے خرافات بہت زیادہ ہیں، جن کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۱۶) اور مرد حضرات کسی شرعی وجہ کے بغیر ریشم استعمال کریں گے۔

جب یہ علامتیں قیامت کے قریب پائی جائیں گی، تو پھر دنیا میں مختلف عذاب آئیں گے، کہیں تیز وتند آندھی آئے گی، کہیں زلزلہ، کہیں خسف، کہیں مسخ اور کہیں قذف کا عذاب نازل ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح متصل بھیجا گیا ہے

عن المُسْتَوْرِدِ بنِ شَدَّادٍ الفِهْرِيِّ، عن النبيِّ ﷺ قال: بُعِثْتُ أَنَا فِي نَفَسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هَذِهِ هَذِهِ، لِأُصْبُعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔

مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قیامت کے بالکل قریب بھیجا گیا ہے لیکن میں کچھ سبقت لے گیا جیسا کہ سبابہ انگلی درمیانی انگلی پر سبقت لے گئی ہے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں یعنی سبابہ اور وسطی کی طرف اشارہ فرمایا۔

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ. وَأَشَارَ أَبُو دَاوُدَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔ فَمَا فَضَلَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح (متصل) بھیجا گیا

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ: ۹/۳۴۳، تحفۃ الاحوذی: ۶/۵۴۴، قدیمی، کراچی

ہے، اور امام ابوداود راوی نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا، پھر ان میں سے ایک (لمبائی میں) دوسری پر کیا فضیلت رکھتی ہے (یعنی بہت تھوڑا فرق ہے)۔

مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا

حضور اکرم ﷺ نے ان احادیث میں قیامت کے قرب کو بیان فرمایا کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان ہے "کھاتین" کے کیا معنی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان لمبائی کے اعتبار سے فرق ہے، بس اتنا ہی فرق ہے نبی کریم ﷺ اور قیامت کے وقوع کے درمیان۔

(۲) بعض نے یہ کہا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی خلل نہیں، اسی طرح میرے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

(۳) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے قیامت کے قرب کو بتانا مقصود ہے۔

ان روایات میں قیامت کے قرب کو بیان کیا گیا ہے، وقت کی تعیین نہیں کی گئی، کیوں کہ وقت کی تعیین کا علم صرف اللہ جل شانہ کو ہے کسی اور کو نہیں، اسی چیز کو دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ما المسؤل عنها باعلم من السائل اس میں تعیین وقت کی نفی کی گئی ہے، اس لئے ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

فما فضل... مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں میں لمبائی کے اعتبار سے معمولی سا فرق ہے، اسی طرح میری آمد اور قیامت کے وقوع میں بھی بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ ہے۔

نفس الساعة: (نون اور فا پر زبر کے ساتھ) قیامت کے قریب۔(۱)

بعثت انا والساعة میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال

"بعثت" ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے اور الساعة کے اعراب کے بارے میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف بعثت کی ضمیر متکلم پر ہے اور درمیان میں "انا" ضمیر موجود ہے اس لئے اس کا عطف درست ہے۔

بعض حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا ہے کہ ضمیر متکلم پر عطف درست نہیں کیونکہ عربی میں بعثت الساعة (قیامت مبعوث کی گئی) نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ اس وقت کہا جا سکتا ہے جب پہلے سے کوئی چیز موجود ہو اور پھر اسے بھیجا جائے اور

---

(۱) تحفة الاحوذی ۴۵۹/۶ فتح الباری ۴۲۵/۱۱ کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ......

اٹھایا جائے جبکہ قیامت تو آئندہ آئیگی، پہلے سے موجود نہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قیامت کا آنا چونکہ یقینی ہے اس لئے اسے موجود قرار دے کر اس پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ ابوالبقاء عکبری کے نزدیک "والساعة" میں واؤ "مع" کے معنی میں ہے اور الساعة مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، لیکن قاضی عیاض نے رفع والی صورت کو "احسن" قرار دیا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِتَالِ التُّرْكِ

یہ باب ترکوں سے جنگ کرنے کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ نہیں کرلو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے، (پھر فرمایا) اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم ایک ایسی قوم سے قتال نہیں کرو گے جن کے چہرے گویا تہ بتہ ڈھال کی طرح ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نعال: نعل کی جمع ہے: جوتے۔ وجوههم: وجہ کی جمع ہے: چہرے۔ المجان: (میم پر زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ) مجن کی جمع ہے: ڈھالیں۔ المطرقة: (میم پر پیش اور را پر زبر) تہ بتہ چمڑا چڑھایا ہوا۔ المجان المطرقة سے وہ گول چہرے مراد ہیں جو گوشت سے بھرے ہوئے ہوں۔

ترکوں سے لڑائی ہوگی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ پیشن گوئی دی ہے کہ قیامت سے پہلے ترکوں سے لڑائی ہوگی۔

"ترکوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ نسب یافث بن نوح تک پہونچتا ہے ان کے مورث اعلیٰ کا نام "ترک" تھا، اس لئے پوری قوم کو ترک کہا جانے لگا، علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے، اکیس قبیلے دیوار ذوالقرنین کے پیچھے بند کر دیے گئے، ایک باقی بچ گیا، اسی کو "ترک" کہا جاتا ہے، کیوں کہ انہیں باہر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

حدیث میں اس قوم کے لوگوں کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوں گے گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو مطرقہ یعنی اس ڈھال

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۵۹/۶ قدیمی

کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن دو قوموں کا ذکر فرمایا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس سے دو الگ الگ قومیں مراد ہیں، چنانچہ پہلی قوم سے ترک اور دوسری سے اصحاب بابک خرمی مراد ہیں، "اصحاب بابک" یہ وہ مرتدین کی جماعت ہے جنہوں نے بہت سی محرمات کو جائز قرار دیا ہوا تھا، مامون الرشید کے زمانے میں ان کا بڑا دبدبہ اور شان و شوکت تھی، اکثر بلاد عجم طبرستان اور ری وغیرہ میں ان کا تسلط قائم ہو گیا تھا، پھر معتصم کے زمانے میں یہ بابک قتل ہو گیا تھا، اس فتنہ کا آغاز ۲۰۱ ہجری میں ہوا اور ۲۲۲ ہجری میں بابک قتل ہو گیا۔(۲)

نعالھم الشعر

بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کے بال اس قدر لمبے ہوں گے کہ ان کے اطراف ان کے پاؤں میں جوتوں کی جگہ ہوں گے۔

بعض نے یہ کہا کہ ان کے جوتے بالوں کی مینڈیوں سے بنے ہوں گے۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسریٰ (شاہ ایران) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر (شاہ روم) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ضرور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے گا۔

فارس وروم کی فتح کی پیش گوئی

کسری: (کاف کے نیچے زیر) فارس کے بادشاہ کا لقب تھا۔ قیصر: روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۹۹/۹، باب الملاحم

(۲) فتح الباری، کتاب الجہاد، باب قتال الترک، ۱۲۹/۶، تکملۃ فتح الملہم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل ۳۲۷/۶

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۸۲/۶

نبی اکرم ﷺ نے یہ حدیث اس لئے ارشاد فرمائی کہ قریشی لوگ فارس وروم کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے، جب ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان کے لئے سفر میں مشکلات پیش آنے لگیں، انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں یہ سفر ہمارا بند ہی نہ ہو جائے کیوں کہ وہ دونوں حکومتیں اس وقت غیر مسلم تھیں، اس وقت آپ ﷺ نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ عنقریب یہ دونوں ملک فتح ہو جائیں گے، ان کی شان وشوکت اور دبدبہ سب ختم ہو جائے گا، اس کے بعد نہ تو اور کوئی کسریٰ ہوگا اور نہ قیصر بلکہ یہ ملک مسلمانوں کے پاس آ جائیں گے، اور ان کے خزانے راہ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

سن ۷ھ میں حضور اکرم ﷺ نے قیصر وکسریٰ دونوں کی طرف دعوتِ اسلام کا خط بھیجا، بدبختی سے کسریٰ نے اس خط کو پھاڑ دیا تھا اور قیصر نے اس کو چوما تھا، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا یا اللہ جس طرح اس نے خط کو پھاڑ دیا ہے، اسی طرح اس کی حکومت کو بھی تتر بتر اور ریزہ ریزہ کردے چنانچہ اس کا ملک فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کیوں کہ اس نے آپ کے خط مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور ملک روم باقی رہا، کیوں کہ اس نے آپ کے خط کو چوما تھا اور سر پر رکھا تھا، اور حضرت عمر کے زمانے میں ایران اور روم دونوں ہی فتح ہو گئے، اور پھر ہمیشہ کے لئے غلبۂ اسلام کی وجہ سے قیصر وکسریٰ کے لقب ختم ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے قیصر وکسریٰ کے بعد اور کوئی قیصر وکسریٰ نہ ہوگا، حالانکہ اس زمانہ کے قیصر وکسریٰ کے بعد بھی ان کی حکومتیں باقی رہیں؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ کے زمانے سے ہی ان کی طاقت ختم ہونا شروع ہو گئی تھی اور پھر حضرت عمر فاروق کے زمانے میں یہ دونوں ملک مکمل فتح ہو گئے۔

(۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیصر وکسریٰ نہیں رہیں گے، حکومتوں کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔(۱)

بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ حجاز کی طرف سے آگ نکلے گی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب حضرموت یا فرمایا حضرموت کے سمندر کی طرف سے قیامت سے پہلے ایک آگ نکلے گی، جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی، صحابہ کرام نے پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ملک شام میں سکونت اختیار کر لینا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸۳/۶

ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ کا ظہور ہوگا

احادیث میں قیامت سے پہلے دو مقامات یعنی ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ نکلنے کا ذکر ہے، چنانچہ حدیث باب میں اس آگ کا ذکر ہے جو قعر عدن سے نکلے گی، اسے بعض روایات میں تخرج من الیمن، بعض میں تخرج من قعر عدن اور حدیث باب کی روایت میں تخرج..... من حضرموت کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ وہ آگ ہے جو قرب قیامت میں قعر عدن سے نکلے گی، لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل جائیں گے، اور اس کی شدت کی وجہ سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیں گے، مہاجرین مختلف گروہوں کی صورت میں جائیں گے، بعض سواریوں پر بڑے خوشحالی سے سفر کریں گے، بعض کیلئے سواریوں میں تنگی ہوگی اور بعض پیدل چل کر دوسری جگہ کا رخ کریں گے، یہ آگ ان لوگوں کے ساتھ ہوگی رات کو جہاں سوئیں گے وہاں وہ آگ بھی رات گذارے گی، اور جس مقام پر یہ سارے لوگ جمع ہوں گے۔ اسے حدیث میں "محشر" کہا گیا ہے، اس سے قیامت کا حشر مراد نہیں ہے۔

پھر علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی حقیقی معنی پر محمول ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ بعض حضرات نے اس سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں، جب کہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے آگ مراد نہیں بلکہ شدید فتنے مراد ہیں۔(۱)

دوسری آگ وہ ہے جو ارض حجاز سے نکلے گی جس سے بصری شہر کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، مورخین اور محدثین کے نزدیک قیامت کی یہ علامت جمادی الثانی ۶۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔(۲)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ باب میں ارض حجاز کی آگ کا ذکر ہے اور اس کے تحت جو روایت ہے، اس میں حضرموت کی آگ کا ذکر ہے، بظاہر حدیث کو باب کے ساتھ مناسبت اور مطابقت نہیں ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) وفی الباب میں جو حدیث ابی ہریرہ ہے اس میں نار حجاز کا ذکر ہے، اس وجہ سے باب میں نار حجاز کو بیان کیا ہے۔

(۲) بعض روایات میں یمن کا ذکر ہے، یمن اور حضرموت حجاز کی جہت میں ہیں تو آگ یمن سے شروع ہو کر حضرموت سے گذر کر حجاز آئے گی، اس جواب کے لحاظ سے اس روایت کو بھی باب سے مطابقت ہو جائے گی۔(۳)

---

(۱) تکملة فتح الملهم، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا ۶/۲۲۲/۳۰۸

(۲) تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من أرض الحجاز ۶/۴۱۰

(۳) مجمع البحرین ۲/۵۳۳ باب لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من قبل الحجاز

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار نکلیں گے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْبَعِثَ كَذَّابُونَ دَجَّالُونَ، قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ: أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال نبوت کے دعویدار بن کر ظاہر نہیں ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا یہی دعوی ہوگا کہ وہ رسول اللہ ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَ حَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کئی قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق کریں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں ہی آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

نبوت کے جھوٹے دعویدار

قیامت سے پہلے کچھ لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے، جن کی تعداد تقریباً تیس ہوگی، بعض روایات میں سبعون (ستر) کی تعداد ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کثرت مراد ہے کوئی مخصوص تعداد بیان کرنا مقصود نہیں، معنی یہ ہیں کہ قیامت سے پہلے بہت سے لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے، بعض نے کہا کہ تیس کذاب تو مشہور معروف ہوں گے جن کی اتباع کی جائے گی اور باقی صرف لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

''قریب'' یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اس کا مبتدا ''عددھم'' محذوف ہے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَ مُبِيرٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ہلاک کرنے والا ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَ مُبِيرٌ۔قَالَ أَبُو عِيسَى: وَيُقَالُ: الْكَذَّابُ:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۸۵

اَلْمُخْتَارُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، وَالْمُبِيْرُ: اَلْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبیلۂ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاک کرنے والا یعنی قاتل (پیدا) ہوگا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ کذاب سے مختار بن ابی عبید اور مبیر سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ: أَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَ عِشْرِيْنَ أَلْفَ قَتِيْلٍ۔

ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے جس قدر لوگوں کو (جنگ و معرکہ یا غلطی سے نہیں بلکہ) یوں ہی ظلماً پکڑ پکڑ کر اور قید خانہ میں ڈال کر قتل کیا ہے ان کی تعداد لوگوں نے شمار کی ہے جو ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔

قبیلۂ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیش گوئی

حضور اکرم ﷺ نے قبیلۂ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیشن گوئی دی تھی کہ اس میں ایک کذاب اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا، کذاب سے مختار بن ابی عبید ثقفی اور مبیر سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔

مختار یہ مشہور صحابی حضرت ابو عبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اس کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی، اس کے باوجود اسے صحابی بننے کا شرف حاصل نہ ہو سکا، ابتدا میں یہ شخص علم و فضل اور نیکی و تقویٰ میں مشہور تھا لیکن بعد میں اس کا خبث باطن سامنے آیا، کہ یہ سب کچھ اپنی شہرت اور منصب کے لئے تھا، پہلے اہل بیت سے بہت بغض رکھتا تھا، اچانک حضرت حسین کی شہادت کے بعد ان کی حمایت میں یزیدیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا، بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نے خون حسین کے قصاص میں موت کے گھاٹ بھی اتارا، بہت ہی فتنہ انگیز شخص تھا، آئے دن نئے سے نئے فتنے کھڑے کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا، پھر مزید آگے بڑھ کر پوری اسلامی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنالیا، کوفہ پر قابض ہو گیا، ساتھ ہی نبوت کا دعوی بھی کر دیا، اور کہنے لگا کہ جبرائیل امین میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، آخر کار حضرت مصعب بن زبیر نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھا گیا، اور پھر ۱۴ رمضان ۶۷ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔(۱)

حجاج بن یوسف تاریخ اسلام کا مشہور ظالم شخص ہے، جس نے ہزاروں کے حساب سے اچھے اور نیک لوگوں کو جن میں صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں، ناحق قتل کیا، عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا، بے گناہ لوگوں کو جیل میں رکھتا تھا، اس کی ظالمانہ کارروائیوں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بغیر کسی وجہ کے محض ظلم و بربریت کی وجہ سے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، جو لوگ جنگوں اور لڑائی جھگڑے میں مارے گئے، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، اس کا جیل خانہ دنیا کا ایک عجیب قید خانہ تھا،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸۸/۶

اس کی کوئی چھت نہ تھی چنانچہ تمام قیدی کھلے آسمان کے نیچے سردی، گرمی، دھوپ اور بارش کی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

حجاج بن یوسف ثقفی، اموی امیر عبدالملک بن مروان کا خاص آدمی تھا، حکومت کے امور میں بڑی بصیرت اور گہری نظر کا حامل تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو عراق وخراسان کا گورنر بنایا تھا، اور عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاز کا بھی والی بنا، اس کی ظالمانہ داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، ماہ شوال ۹۵ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔(۱)

"صبرا" معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جنہیں بغیر کسی جنگ وجدال کے قصداً قتل کیا گیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَرْنِ الثَّالِثِ

یہ باب تیسری صدی کے حالات کے بارے میں ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُونَ وَيُحِبُّونَ السِّمَنَ، يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوهَا۔

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد (یعنی صحابہ) ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں (یعنی تابعین) پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے، اور وہ لوگ گواہی کے مطالبے کے بغیر ہی گواہی دیں گے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، قَالَ: وَلَا أَعْلَمُ، أَ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا، ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَفْشُو فِيهِمُ السِّمَنُ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لوگوں میں سب سے بہتر اس زمانے کے لوگ ہیں جس میں مجھے بھیجا گیا ہے، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، عمران راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے قرن ثالث کا ذکر فرمایا یا نہیں (یعنی ثم الذین یلونھم ایک بار ذکر فرمایا یا دو بار) پھر فرمایا: ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، خیانت کریں گے اور وہ امین نہیں بنائے جائیں گے (یعنی لوگ ان پر اعتماد نہیں کریں گے)، اور ان میں موٹاپا عام ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔قرن: (قاف پر زبر اور را ساکن) سو سال کا عرصہ، صدی، ایک صدی کے لوگ، نسل۔ یلونھم: جوان

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۰ کتاب المناقب باب مناقب قریش وذکر القبائل

(۲) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۸۸

کے ساتھ متصل ہیں۔ یتسمنون: موٹا ہونا چاہیں گے۔ سمن: (سین کے نیچے زیر اور میم پر زبر) موٹاپا۔ یفشو: ظاہر ہوگا، عام ہوگا۔ یفشو فیھم السمن کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے میں ایسا توسع اختیار کریں گے، جو موٹاپے کا باعث ہوگا۔

خیر القرون کا ذکر

اس باب کی احادیث میں اس امت کے بہترین زمانوں کا ذکر ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر زمانہ میرا اور میرے صحابہ کا ہے، پھر تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا، حدیث میں قرنی سے عہد رسالت اور عہد صحابہ مراد ہے، یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک کا ہے کیوں کہ آخری صحابی حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔

ثم الذین یلونھم سے تابعین کا دور مراد ہے اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰ھ تک کا ہے، اور پھر ثم الذین یلونھم سے تبع تابعین کا دور مراد ہے اور یہ دور ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلَفَاءِ

یہ باب خلفاء کے بیان میں ہے

عن جابر بن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا قال: ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ، فَسَأَلْتُ الَّذِي يَلِينِي؟ فقال: قال: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بارہ امیر ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی لیکن میں اسے سمجھ نہ سکا، لہذا میں نے اس شخص سے پوچھا، جو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ (امیر) سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

عن زیاد بن کسیب العدوی، قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَقَالَ أَبُو بِلَالٍ: انْظُرُوا إِلَى أَمِيرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ: اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللهُ۔

حضرت زیاد بن کسیب عدوی کہتے ہیں کہ میں ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، اور وہ خطاب کر رہے تھے اور ان (کے جسم) پر باریک کپڑے تھے، ابو بلال کہنے لگے: ذرا ہمارے امیر کو تو دیکھو، فاسقوں والے کپڑے پہنتا ہے، ابوبکرہ نے کہا: خاموش رہ، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی طرف سے بنائے ہوئے حاکم کی زمین میں توہین کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کریں گے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۰/۶

بارہ خلفاء کا ذکر

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے، جو سارے کے سارے قریش سے ہی ہوں گے، ان بارہ خلفاء سے کون مراد ہیں، ان کی تعیین میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے وہ خلفاء مراد ہیں، جن پر سب لوگ متفق ہوں گے، جن کے دور میں مسلمانوں کے ظاہری حالات اور معاملات رعایا کے مفاد میں ہوں گے، نظام حکومت مستحکم اور مضبوط ہوگا، اگر چہ ان میں سے بعض ظالم اور زیادتی کرنے والے بھی ہوں گے لیکن حکومت کے مسئلے میں وہ اپنے گذشتہ بزرگوں کی ہی اقتداء کریں گے، وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۵) معاویہ (۶) یزید بن معاویہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے: (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید۔ سلیمان اور یزید کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ بھی گذرا ہے، (۱۱) ہشام (۱۲) ولید بن یزید بن عبدالملک، ہشام کے قتل کے بعد اس پر لوگوں کا اتفاق ہوا، چار سال کے بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا، پھر ایسے فتنے شروع ہوئے کہ پھر قیامت تک چلتے رہیں گے اور کسی کی حکومت پر مسلمان متفق نہیں ہوں گے۔

ان کے دور میں مسلمان آپس میں متفق تھے، سب نے ان کی خلافت پر اجماع کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئی ان کے بارے میں درست ثابت ہوئی، پھر اس کے بعد کسی پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا قتل وقتال اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، ان خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء کی خلافت، خلافت راشدہ اور نبوت کے اسلوب کے مطابق تھی، بعد میں یہ خلافت امارت میں بدل گئی۔(۱)

شیعہ کہتے ہیں کہ ان بارہ امیروں سے اہل بیت مراد ہیں، ان میں سے بعض خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے اور بعض نہیں، وہ بارہ یہ ہیں:

(۱) علی (۲) حسن (۳) حسین (۴) زین العابدین (۵) محمد باقر (۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظم (۸) علی رضا (۹) محمد تقی (۱۰) علی نقی (۱۱) حسین عسکری (۱۲) اور پھر آخر میں حضرت مہدی آئیں گے۔(۲)

ثیاب رقاق ایسا باریک کپڑا جس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں تھا، جیسے ریشم کا لباس، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ریشم کا

---

(۱) فتح الباری، کتاب الاحکام، باب، ۲۶۴/۱۳، تکملة فتح الملهم، کتاب الإمارة، باب: الناس تبع لقریش، ۲۸۴/۳

(۲) مرقاة المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب قریش ۱۳۵/۱۱

لباس نہ ہو، بلکہ اعلیٰ اور قیمتی قسم کا لباس ہو، جو عموماً امیر استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس کو لباس فاسق کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔

''سلطان اللہ'' اللہ کی طرف نسبت اعزاز و اکرام اور شرافت کے طور پر ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ وغیرہ۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِلَافَةِ

یہ باب خلافت (کی مدت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ سَفِينَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ: أَمْسِكْ عَلَيْكَ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ وَخِلَافَةَ عُمَرَ وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: أَمْسِكْ خِلَافَةَ عَلِيٍّ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً. قَالَ سَعِيدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْخِلَافَةَ فِيهِمْ، قَالَ: كَذَبَ بَنُو الزَّرْقَاءِ، بَلْ هُمْ مُلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ۔

حضرت سفینہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی، سعید راوی کہتے ہیں کہ سفینہ نے مجھے فرمایا کہ تم ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کی مدت شمار کرو (چنانچہ ہم نے جب شمار کی) تو ہم نے اسے تیس سال ہی پایا، سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ سے عرض کیا کہ بنوامیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے، سفینہ نے فرمایا کہ بنوزرقاء جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: لَوِ اسْتَخْلَفْتَ؟ قَالَ: إِنْ أَسْتَخْلِفْ، فَقَدِ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ لَمْ أَسْتَخْلِفْ لَمْ يَسْتَخْلِفْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ۔ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر سے عرض کیا گیا کہ کاش آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے تو حضرت عمر نے فرمایا اگر میں خلیفہ نامزد کرتا ہوں تو (کوئی حرج نہیں، کیوں کہ) صدیق اکبر نے بھی خلیفہ بنایا تھا اور اگر خلیفہ مقرر نہ کروں تو (یہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے، کیوں کہ) آپ ﷺ نے بھی کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا، اور حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خلافۃ: نیابت، قائم مقامی، امامت۔ امسک: تم شمار کرو، منضبط کرو۔ بنو الزرقاء: زرقاء کی اولاد، خاندان بنوامیہ کی دادی کا نام ہے۔ لو استخلفت: کاش آپ اپنا جانشین نامزد کر دیتے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۹۳

خلافت راشدہ کی مدت

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس خلافت راشدہ کی مدت کا ذکر فرمایا ہے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق تھی، وہ عرصہ تیس سال ہے، اس کے بعد بادشاہت آجائے گی، نبوت کے طریقے پر خلافت باقی نہیں رہے گی اگرچہ بعض حکمران اسلامی احکامات کی طرف خصوصی توجہ دیں گے، خلافت کے تیس سال اس طرح بنتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کی مدت خلافت دوسال تین ماہ دس دن، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دس سال، چھ ماہ اور آٹھ دن، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گیارہ سال گیارہ مہینے نو دن، اور حضرت علی کی خلافت چار سال، نو ماہ اور سات دن ہے۔

بعض حضرات نے ایام کا ذکر نہیں کیا، اور مدت کو تھوڑے فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر تیس سال میں جو کمی ہوتی ہے، اسے حضرت حسن کی مدت خلافت سے پورا کیا ہے، جو چھ ماہ ہے۔

کذب بنو الزرقاء حضرت سفینہ فرماتے ہیں کہ بنو امیہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ان کی خلافت نبوت کے طرز پر ہے بلکہ ان کی حکومتیں بادشاہت کے طرز پر تھیں۔

خلیفہ نامزد کرنے کا مسئلہ

باب کی دوسری حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اگر خلیفہ اپنی وفات سے پہلے کسی کو خلیفہ نامزد کردے یا اس کے لئے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادے، جو خلیفہ کا تعین کرسکے، تو اس طرح کرنا جائز ہے، کیوں کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنا خلیفہ حضرت عمر فاروق کو نامزد کردیا تھا اور حضرت عمر فاروق نے کسی کو متعین نہیں کیا تھا لیکن اس کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک شوریٰ بنادی، تا کہ وہ باہمی مشورے سے کسی کو نامزد کردے، اور اگر خلیفہ نہ تو کسی کو جانشین بنائے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی شوریٰ بنائے تو یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی کو باقاعدہ خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا، ایسے میں مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ جس کو مناسب سمجھیں، باہمی مشورے سے اسے متعین کردیں۔

(۲) اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ کے بعد صحابہ کرام نے باہمی صلاح ومشورے سے پہلے صدیق اکبر کو پھر عمر فاروق، عثمان غنی اور حضرت علی کو خلیفہ نامزد کیا، لہذا روافض کا یہ کہنا کہ خلافت کا اصل استحقاق اور حضور ﷺ کی وصیت حضرت علی کے لئے تھی، اس پر حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق نے ناجائز قبضہ کیا ہے، یہ سراسر بہتان، جھوٹ اور بے اصل بات ہے، قرآن وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہے، اس لئے اس قسم کا نظریہ رکھنا شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں اگر

حضور ﷺ نے کوئی وصیت کی ہوتی تو صحابہ کرام اسے ضرور نقل کرتے اور اس کے مطابق اپنا نظام حکومت چلاتے، جب ایسا نہیں ہے، تو پھر اس طرح کی الزام تراشی کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔[۱]

وفی الحدیث قصۃ طویلۃ، اس حدیث میں ایک طویل واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اپنی بہن حضرت حفصہ نے بتایا کہ ہمارے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے، ابن عمر نے کہا، ایسا نہیں ہوگا، وہ ضرور کسی کو خلیفہ بنائیں گے، اور قسم کھائی کہ میں اس موضوع پر اپنے والد سے ضرور بات کروں گا، فرماتے ہیں کہ والد کے ساتھ اس طرح کی بات کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا، گویا میں نے اپنے ہاتھ میں پہاڑ اٹھا رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے، جب کہ خلیفہ نامزد کرنا چاہیے، یوں رعایا میں انتشار اور فتنے پھیلیں گے کچھ توقف کے بعد حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے، اور فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نہیں بنا رہا تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا اور نامزد کردوں تو یہ بھی درست ہے، صدیق اکبر نے ایسا ہی کیا ہے، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کی گفتگو سے سمجھ گیا کہ والد صاحب حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں گے تاہم اپنے بعد خلیفہ کی نامزدگی کے لئے عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرام کی کمیٹی بنا دی، جو باہمی صلاح و مشورے سے تیسرے خلیفہ کا تعین کر سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[۲]

بَابُ مَاجَاءَ أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ خلفاء قیامت تک قریش سے ہی ہوں گے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي الْهُذَيْلِ يَقُوْلُ: كَانَ نَاسٌ مِنْ رَبِيْعَةَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ لَتَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ أَوْ لَيَجْعَلَنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ فِي جُمْهُوْرٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: كَذَبْتَ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: قُرَيْشٌ وُلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

عبداللہ بن ابی الہذیل کہتے ہیں کہ قبیلہ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے کہا: قریش کو (فسق و فجور سے) ضرور باز رہنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ اس امر کو یعنی خلافت کو ان کے علاوہ جمہور عرب کے سپرد کر دیں گے، حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو (ایسا نہیں ہوگا) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قریش قیامت تک خیر و شر (یعنی اسلام اور جاہلیت کے زمانے) میں لوگوں کے حکمران ہوں گے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۹۷

(۲) تکملۃ فتح الملھم، کتاب الإمارۃ، باب الاستخلاف وترکہ ۳/۲۹۲

عن أبي هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: لا يذهب الليل والنهار حتى يملك رجل من الموالي يقال له: جهجاه۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات اور دن ختم نہیں ہوں گے (یعنی قیامت نہیں آئے گی) یہاں تک کہ غلاموں میں سے ایک آدمی حاکم ہوگا، جس کو جہجاہ کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔لتنتهين: قریش باز آ جائیں، رک جائیں۔ ولاة: (واؤ پر پیش) والی کی جمع ہے: حاکم، گورنر۔ موالي: مولی کی جمع ہے، مملوک، غلام۔ الخير: اس سے زمانہ اسلام مراد ہے۔ الشر: اس سے زمانہ جاہلیت مراد ہے۔

قریش کے لئے خلافت کا استحقاق

ان احادیث سے قریش کا استحقاقِ خلافت ثابت ہوتا ہے، وہ اسلام سے پہلے بھی مذہبی معاملات وغیرہ میں سردار مانے جاتے تھے، ایسے ہی وہ زمانہ اسلام کے بعد بھی بدستور خلافت کے حقدار ہیں، جائز امور میں ان کی اطاعت لازم ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ قریش میں سے منصب خلافت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا جائے جس میں خلافت کی اہلیت وصلاحیت اور ضروری شرائط پائی جائیں، ایسے میں کسی دوسرے کا زبردستی خلافت کے عہدے پر فائز ہونا درست نہیں، تاہم قریش کے علاوہ اگر دوسرا کوئی منصب خلافت پر کسی بھی طرح آ جائے تو جائز امور میں اس کی اطاعت بھی لازم ہوگی، ایک دوسری روایت میں ہے: ما أقاموا الدين جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اس وقت تک خلافت ان کے ہاں ہی رہے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قریش نے جب تک دینی تعلیمات کو اپنا شعار بنائے رکھا، دین کی نشر واشاعت اور خدمت میں مصروف رہے تو یہ منصب بھی ان کے خاندان میں برقرار رہا، لیکن جب انہوں نے حکومت کو دین پر ترجیح دی اور اسلام کو نظر انداز کیا تو پھر یہ خلافت بھی ان میں باقی نہ رہی، دوسروں میں منتقل ہوگئی، البتہ اگر قریش اب بھی اپنی اصلاح کر لیں، اور دینی تعلیمات پر مکمل طریقے سے واپس آ جائیں تو ان کا استحقاق خلافت دوبارہ لوٹ سکتا ہے۔

قريش ولاة الناس في الخير والشر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں میں حاکم ہوں گے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہوگی، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور اسامہ وغیرہ کو مختلف غزوات میں امیر بنایا ہے۔

(۲) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش بھی امیر بن سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں خلافت عظمی کا ذکر نہیں بلکہ ذیلی عہدے کا ذکر ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ اصل خلافت تو قریش کے پاس ہی ہو، لیکن ان کے ماتحت کسی مہم یا کسی علاقے کا اس شخص کو بھی امیر بنا دیا جائے جو قریش سے نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں اپنی موت کے قریب ابوعبیدہ کو اپنا خلیفہ نامزد کروں گا، وہ زندہ نہ ہوئے تو معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا، حالانکہ معاذ بن جبل تو قریشی نہیں، وہ تو انصاری ہیں، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش کو بھی امیر بنایا جاسکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہ کے حل کے لئے دو احتمال ذکر کئے ہیں:

(۱) ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کے بعد اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہو کہ خلافت کا استحقاق صرف قریش کا ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر کی رائے بدل گئی ہو۔(۱)

ایک قحطانی شخص کے بارے میں پیشن گوئی

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک قحطانی شخص کے بارے میں پیشن گوئی دی، جس کا نام جھجاہ ہے، اس کا ظہور بھی قیامت کی ایک ایسی علامت ہے جس کا ابھی تک وقوع نہیں ہوا۔

یہ شخص امام مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آئے گا، جو امام مہدی کے نقش قدم پر ہوگا، بیس سال تک اس کی حکومت ہوگی، اس کے تقویٰ، نیکی اور حسن انتظام کی وجہ سے سب لوگ اس کی اطاعت کریں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہم امور میں انہیں اپنا نائب بھی بنائیں گے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ

یہ باب گمراہ کن آئمہ (کی مذمت) کے بارے میں ہے

عن ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ. قَالَ: و قَالَ رسول الله ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِيْنَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ.

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے آئمہ کا ڈر ہے۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، (باطل پر) غالب ہوگی، انہیں وہ شخص ضرر نہیں پہونچا سکے گا، جو ان کی مدد نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ ائمة: امام کی جمع ہے پیشوا، امام، حاکم۔ مضلین: مضل کی جمع ہے: گمراہ کرنے والے۔ ظاہرین:

---

(۱) فتح الباری ۱۳/۱۳۹، ۱۴۵، کتاب الاحکام باب الأمراء من قریش، تحفة الاحوذی ۶/۳۹۸

(۲) فتح الباری، کتاب المناقب، باب ذکر قحطان ۶/۶۷۶، تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل ۶/۳۲۵

باطل پر دلائل کے ذریعہ غالب آنے والے۔ من خذلھم: جو ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، ان کی مدد و نصرت نہ کرے۔

گمراہ کن اماموں کا اندیشہ

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کے بارے میں ایسے اماموں کا اندیشہ ذکر فرمایا، جو لوگوں کو فسق و فجور، نافرمانی، بے حیائی اور بدعات کی طرف دعوت دیں گے، مقصد یہ ہے کہ امت محمدیہ کو ایسے گمراہ کن رہنماؤں سے اجتناب کرنا ہوگا، لہذا ان کی مجلسوں میں شریک ہونا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا کسی بھی طرح درست نہیں۔

طائفہ منصورہ کا ذکر

اور فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق و صداقت پر برقرار رہے گی، ان کی کوئی مدد و نصرت کرے یا نہ کرے، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت یا مومنین کی روح قبض کرنے والی ہوا آجائے۔

اس طائفہ سے کون مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس سے اہل ایمان کا کوئی مخصوص طبقہ مراد نہیں بلکہ یہ مومنین کی مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ایک جماعت ہوگی، ان میں بعض سر بکف مجاہد، بعض فقہاء، بعض محدثین، بعض زاہد لوگ، بعض مبلغ اور بعض دیگر نیکی کے کام کرنے والے ہوں گے، ان سب کا کسی ایک جگہ مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ دنیا کے مختلف علاقوں میں متفرق طور پر بھی ہو سکتے ہیں۔

"امر اللہ" اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱) امر سے "قیامت" مراد ہو۔

(۲) اس سے وہ "ہوا" مراد ہو جو قرب قیامت میں چلے گی جس سے اہل ایمان کی روحیں قبض کر لی جائیں گی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں امام مہدی کا ذکر ہے

عن عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي۔

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی، جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم نہ بن جائے، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم، کتاب الامارۃ باب قولہ لا تزال طائفۃ من امتی ظاہرین...... ۳/۴۶۸

عن عبد اللہ، عن النبی ﷺ قال: یلی رجل من أھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی، قال عاصم: أخبرنا أبو صالح عن أبی ھریرۃ قال: لو لم یبق من الدنیا إلا یوم لطول اللہ ذلک الیوم حتی یلی۔

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے ایک شخص (دنیا کا) حکمران ہوگا، اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا، عاصم، ابو صالح کے واسطے سے ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے لمبا کر دیں گے، یہاں تک کہ امام مہدی حکمران بن جائیں۔

عن أبی سعید الخدری قال: خشینا أن یکون بعد نبینا حدث، فسألنا نبی اللہ ﷺ فقال: إن فی أمتی المھدی یخرج یعیش خمسا أو سبعا أو تسعا۔ زید الشاک۔ قال: قلنا: وما ذاک؟ قال: سنین، قال: فیجیء إلیہ رجل فیقول: یا مھدی أعطنی أعطنی، قال فیحثی لہ فی ثوبہ ما استطاع أن یحملہ۔

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی بدعت نہ شروع ہو جائے تو ہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک میری امت میں ایک مہدی آئے گا، جو پانچ یا سات یا نو۔ زید راوی کو شک ہے۔ تک حکومت کرے گا، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یہ (پانچ، سات، نو) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ سال ہیں، آپ نے فرمایا: مہدی (کے جود و سخاوت کی یہ حالت ہوگی کہ ان) کے پاس ایک شخص آئے گا اور عرض کرے گا کہ مجھے کچھ عطا کیجئے، مجھے کچھ دیدیجئے، چنانچہ امام مہدی اسے دونوں ہاتھوں سے بھر کر کپڑے میں اتنا دیں گے جتنا وہ اسے اٹھا سکے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔یملک: مالک ہوگا یعنی حکومت کرے گا۔یواطئ: موافق اور مطابق ہوگا۔یلی: والی وحاکم ہوگا۔ حدث: (حا اور دال پر زبر) بدعت۔یعیش: زندگی گذارے گا یعنی حکومت کرے گا۔یحثی: دونوں ہاتھوں سے ڈالے گا، چلو بھر بھر کے دے گا۔

امام مہدی

امام مہدی کا اصل نام محمد، لقب مہدی (راہنمائی کرنے والا) اور والد کا نام عبد اللہ ہوگا، اولاد فاطمہ سے ہوں گے، باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت حسن سے اور ماں کی طرف سے حضرت حسین سے ملتا ہے، اس سے شیعہ کی تردید ہو جاتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی، حسن عسکری کی اولاد میں سے ہوں گے۔

امام مہدی قیامت کے قریب تشریف لائیں گے، یہ مدینہ منورہ کے باشندہ ہونگے، خلیفہ کے انتقال کے بعد انہیں یہ خطرہ محسوس ہوگا کہ کہیں لوگ مجھے خلیفہ نامزد کر دیں، چپکے چپکے سے مکہ مکرمہ آ جائیں گے، مگر یہاں بھی دوران طواف لوگ انہیں

علامات کے ذریعے پہچان لیں گے کہ یہ امام مہدی ہیں، چنانچہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگی، اور ان کی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے گا، سات سال تک ان کی حکومت ہوگی، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان کے بعد ہوگا، اور وہ امام مہدی کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، یہ زمانہ خوب برکتوں والا ہوگا، مال و دولت کی فراوانی، فتوحات اور مال غنیمت میں کثرت، غلبہ اسلام اور عدل و انصاف کا چرچا ہوگا، امام مہدی خوب سخی ہوں گے، وہ سائل کو اس کے سوال سے کہیں زیادہ عطا کریں گے، تاکہ اسے استغناء ہو جائے۔(۱)

حدیث باب میں راوی کو شک ہے کہ امام مہدی کا عرصہ حکومت پانچ سال ہوگا یا سات یا نو سال، لیکن ایک دوسری روایت میں پورے یقین کے ساتھ سات سال کا ہی ذکر ہے، اور یہی راجح ہے۔

یملک العرب، اس میں عرب کی تخصیص دو وجہ سے ہے:

(۱) اصل مخاطب چونکہ عرب تھے، اس لئے عرب کو ذکر کیا ہے، ورنہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ امام مہدی کی حکومت پوری دنیا پر ہوگی۔

(۲) ساری دنیا کے مسلمان روحانی طور پر عرب کے تابع ہیں، لہذا جب ان کی حکومت عرب پر ہوگی، تو غیر عرب یعنی عجم پر بطریق اولیٰ ہوگی۔(۲)

لطول اللہ... اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ امام مہدی کی سلطنت ضرور قائم ہوگی خواہ اس ایک دن کو اللہ تعالیٰ طویل ہی کیوں نہ فرما دیں۔

خشینا ان یکون بعد نبینا حدث

صحابہ کے سوال کا منشا یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں بدعات اور نئی نئی باتیں پیش نہ آجائیں، آپ ﷺ نے ان کے جواب میں حضرت امام مہدی کے آنے کا ذکر فرمایا، بظاہر سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ نے جب صحابہ کرام کو خیر القرون کا بتایا کہ عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین یہ شاندار دور ہے، تو صحابہ کو فکر ہوئی کہ ان زمانوں کے بعد بدعات پیدا ہو جائیں گی، اور پھر یوں ہی قیامت آجائے گی، گویا صحابہ نے یہ سمجھا کہ اس غفلت کے زمانے میں اچانک قیامت آجائے گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ یوں ہی حالت غفلت میں اچانک قیامت آجائے بلکہ اس سے پہلے امام مہدی آئیں گے، جو ان بدعات وغیرہ کو ختم کریں گے، اور اسلام پورے آب و تاب کے ساتھ پوری دنیا پر غالب ہوگا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۰۲، سنن ابی داود، کتاب الفتن، باب فی ذکر المهدی ۲/۲۴۰

(۲) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۰۲

(۲) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کو جب پتہ چلا کہ آنے والا ہر دن پہلے سے برا ہوتا ہے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ آخر میں لوگ بہت زیادہ ضلالت وگمراہی میں بھٹک جائیں گے، کیوں کہ وہ زمانہ شرور وفتن کا ہوگا، تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قیامت سے پہلے امام مہدی کا زمانہ آئے گا، جس میں خیر ہی خیر ہوگی، اس میں ہر قسم کی بدعات اور فتنے ختم ہو جائیں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

یہ باب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے بارے میں ہے

عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا، مُقْسِطًا، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عنقریب اس امت میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، جو عدل وانصاف کے ساتھ شریعت محمدیہ کے مطابق حکومت کریں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کردیں گے اور مال ودولت کی فراوانی ہوگی کہ کوئی اس کا خواہش مند نہیں رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔لیوشکن: عنقریب ضرور ہوگا۔حکماً: (حا اور کاف پر زبر) حاکم، فیصلہ کرنے والا۔مقسطا: عدل وانصاف کرنے والا۔یکسر: توڑیں گے۔صلیب: وہ مثلث لکڑی جس کی شکل ”جمع“ کی طرح ہوتی ہے، یہ شکل ایسی لگتی ہے جیسے کسی کو پھانسی پر لٹکایا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے پھانسی پر چڑھا دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر کے اپنے پاس بلا لیا، اس لئے انہوں نے صلیب کو اپنا مذہبی نشان بنالیا، بعض نے اس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی بنائی ہے تاکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھائے جانے کی یادگار کامل شکل وصورت کے ساتھ ان کے سامنے رہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب کو توڑیں گے اور عیسائیت کو باطل قرار دیں گے۔(۲)

یضع: ختم کردیں گے۔جزیہ: وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت اپنے ماتحت کافروں سے وصول کرتی ہے۔یفیض المال: (یاء پر زبر اور فاء کے نیچے زیر) مال بہ پڑے گا یعنی مال ودولت کی کثرت اور فراوانی ہوگی۔

---

(۱) الکوکب الدری ۱۵۱/۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۹۲/۱۰ کتاب الفتن، باب: نزول عیسیٰ علیہ السلام، مظاہر حق: ۱۰۰/۵،

نزول عیسیٰ علیہ السلام

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونا، قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے، نزول کے بعد وہ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے، وہ عدل وانصاف کا دور ہوگا، ہر شخص اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ کیوں تشریف لائیں گے، اس کی کیا حکمت ہے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہات لکھی ہیں:

(۱) یہودیوں کا عقیدہ باطل کرنے کے لئے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کو واضح کر دیں گے، اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کو قتل کریں گے۔

(۲) ان کی طبعی موت کا وقت قریب آ گیا ہے، تا کہ زمین میں ہی انہیں دفن کر دیا جائے۔

(۳) ان کی دعا کی برکت سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے امت محمدیہ کے ساتھ اٹھنے کی فرمائی تھی۔

(۴) دجال کو قتل کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔

یضع الجزیۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں فرمائیں گے، بلکہ حکم ہوگا، اسلام قبول کرو ورنہ تلوار، اس لئے جزیہ ختم فرما دیں گے، کیوں کہ اس وقت کوئی کافر ہی نہ ہوگا، گویا جزیہ کا حکم نزول عیسیٰ کے وقت کے ساتھ مقید ہے، اس کے بعد یہ حکم باقی نہیں ہوگا، اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس حکم کو منسوخ کر دیں گے۔

ویفیض المال: اسلامی نظام کی برکت کی وجہ سے مال ودولت کی خوب فراوانی ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّجَّالِ

یہ باب دجال کے بارے میں ہے

عن أبي عُبَيدَةَ بنِ الجَرَّاحِ قَالَ: سَمِعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ قَومَهُ الدَّجَّالَ، وَإِنِّي أُنذِرُكُمُوهُ، فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعضُ مَنْ رَآنِي أَوْ سَمِعَ كَلَامِي، قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ: فَكَيفَ قُلُوبُنَا يَومَئِذٍ؟ فَقَالَ: مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ أَوْ خَيْرٌ۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نوح کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال (کے فتنہ) سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں، اس کے بعد آپ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۰۵/۶

نے ہمارے سامنے دجال کے (کچھ) احوال بیان کئے، اور پھر فرمایا شاید کہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے مجھے دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہے، کوئی اسے دیکھ لے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس دن ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: بالکل ایسی ہی کیفیت ہوگی جیسے آج کے دن ہے یا اس سے بھی بہتر۔

عن ابن عمر قال: قام رسول الله ﷺ في الناس فأثنى على الله بما هو أهله، ثم ذكر الدجال فقال: إني لأنذركموه، وما من نبي إلا وقد أنذر قومه، ولقد أنذر نوح قومه ولكن سأقول فيه قولا لم يقله نبي لقومه: تعلمون أنه أعور وإن الله ليس بأعور. قال الزهري: وأخبرني عمر بن ثابت الأنصاري أنه أخبره بعض أصحاب النبي ﷺ: أن النبي ﷺ قال يومئذ للناس وهو يحذرهم فتنته: تعلمون أنه لن يرى أحد منكم ربه حتى يموت، وإنه مكتوب بين عينيه: كافر يقرؤه من كره عمله۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، جس کے وہ لائق ہیں، پھر دجال کا ذکر کیا، اور فرمایا: بے شک میں تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں، اور (مجھ سے پہلے) ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس (کے فتنہ) سے ڈرایا ہے، لیکن میں تمہیں اس سے متعلق ایسی بات بتاؤں گا، جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی، وہ یہ کہ تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں، زہری کہتے ہیں کہ عمر بن ثابت انصاری نے مجھے بعض صحابہ سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس دن لوگوں سے فرمایا، جب کہ آپ دجال کے فتنہ سے انہیں ڈرا رہے تھے: تمہیں معلوم ہے کہ تم میں سے کوئی بھی (اپنی زندگی میں) اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا، یہاں تک کہ وہ مرجائے، اور یہ کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا، اسے ہر وہ شخص پڑھ سکے گا، جو اس کے عمل کو برا سمجھتا ہوگا۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: تقاتلكم اليهود، فتسلطون عليهم، حتى يقول الحجر يا مسلم: هذا اليهودي ورائي فاقتله۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودی تم لوگوں سے جنگ کریں گے، اور تمہیں ان پر مسلط کردیا جائے گا (یعنی تم غالب آجاؤ گے) یہاں تک کہ پتھر کہے گا اے مسلمان: میرے پیچھے یہ یہودی (چھپا ہوا) ہے، اسے قتل کردو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ دجال: دجل سے ہے، جس کے معنی چھپانے کے ہیں، اور دجال کو اسی لئے دجال کہا جاتا ہے کہ وہ باطل کے ذریعہ حق کو چھپائے گا۔ انی لأنذركموه: بے شک میں تمہیں دجال سے ڈرا رہا ہوں۔ سیدرکہ: عنقریب اس کو پالے گا، یعنی دیکھ لے گا۔ مثلها: تمہارے دلوں کی طرح جیسے آج ان کی کیفیت ہے۔ اعور: کانا۔ فتسلطون: (یہ مجہول کا صیغہ ہے) تمہیں ان پر مسلط کردیا جائے گا یعنی تم لوگ ان پر تسلط اور غلبہ حاصل کرلو گے۔

دجال کا ذکر

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دجال کے فتنہ کا ذکر فرمایا ہے، یوں تو ہر نبی نے ہی اپنی قوم کو اس فتنہ سے ڈرایا ہے لیکن چونکہ خوب شدت اور مبالغہ کے ساتھ حضرت نوح کے بعد دوسرے انبیاء نے ڈرایا ہے، اس لئے یہ فرمایا کہ حضرت نوح کے بعد ہر نبی نے دجال سے ڈرایا ہے، اس لئے حضور نے فرمایا کہ میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں پھر آپ نے اس کے اوصاف ذکر فرمائے، یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء نے دجال سے کس طرح ڈرایا، جب کہ یہ طے ہے کہ دجال کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کو دجال کی آمد کا وقت اور زمانہ نہیں بتایا گیا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو بھی اس کا زمانہ بعد میں بتلایا گیا کہ وہ قیامت کے قریب آئے گا

سیدرکہ بعض من رانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دجال کا خروج جلدی ہو گیا تو میرے بعض صحابہ دیکھ لیں گے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت خضر علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ زندہ ہوں گے۔

سمع کلامی: میرا کلام اس نے خواہ براہ راست سنا ہو یا بالواسطہ یعنی امت محمدیہ اس وقت ضرور ہوگی۔

آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں دجال کے جھوٹا ہونے کی تین باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) وہ کانا ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں، اس لئے دجال کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ میں خدا ہوں۔

(۲) اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو موت کے بعد دیکھ سکیں گے، اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، جب کہ دجال کو لوگ دیکھیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دجال خدا نہیں ہے، آپ ﷺ نے معراج کے موقع پر جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۳) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" یا "ک،ف،ر" لکھا ہوگا، جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا یعنی مؤمن، وہ اس لفظ کو پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، یہ خرق عادت کے طور پر ہوگا، اس زمانے میں بہت سے خرق عادت امور ظاہر ہوا کریں گے، اور کافر کو یہ علامت نظر نہیں آئے گی۔(۱)

باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب مسلمان یہود پر غالب آئیں گے، یہاں تک کہ شجر و حجر چھپے ہوئے یہودی کے بارے میں بتائیں گے کہ اے مسلمان: یہ یہودی ہے، جو میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اسے قتل کر دو۔

دجال کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں

اشکال یہ ہے کہ دجال کا اتنا بڑا فتنہ ہے کہ تمام انبیاء نے اس سے ڈرایا ہے، احادیث میں بھی اس کے بارے میں بہت تفصیلات ہیں، اس کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں ہے؟

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۳۴۱/۶ کتاب الفتن، باب ذکر الدجال

اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) اس کا ذکر صراحت کے ساتھ تو نہیں ہے لیکن قرآن کریم کی آیت یوم یاتی بعض ایات..... کی تفسیر میں امام ترمذی نے ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ جب تین چیزوں کا ظہور ہو جائے گا تو اس وقت کا ایمان نافع نہیں ہوگا، دجال، سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی بعض آیات میں دجال بھی داخل ہے۔

(۲) قرآن مجید میں نزول عیسیٰ کا ذکر ہے، تو اس سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دجال بھی آئے گا، کیوں کہ احادیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔

(۳) تفسیر بغوی میں ہے کہ قرآن مجید کی آیت لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس میں "الناس" سے دجال مراد ہے، لفظ "ناس" گو کہ عام ہے لیکن یہاں سے ایک فرد یعنی دجال مراد لیا گیا ہے، گویا کل بول کر اس سے جزء مراد لیا گیا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دجال کہاں سے نکلے گا

عن عَمْرِو بنِ حُرَيْثٍ، عن أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا: خُرَاسَانُ، يَتْبَعُهُ أَقْوَامٌ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ

حضرت عمرو بن حریث، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال روئے زمین کے ایک ایسے حصے سے نکلے گا، جو مشرق میں واقع ہے، جسے خراسان کہا جاتا ہے، اس کے پیروکار ایسے لوگ ہوں گے، گویا ان کے چہرے چمڑے کی تہ بتہ ڈھال کی مانند ہوں گے۔

دجال خراسان سے نکلے گا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال مشرقی سرزمین خراسان سے نکلے گا، خراسان سے ایران، عراق اور ماوراء النھر کا سارا علاقہ مراد ہے، دجال کے پیروکار، ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے چپٹے یعنی چوڑے اور رخسار ڈھال کی طرح ابھرے ہوئے ہوں گے جیسا کہ چینی، ازبک اور ترکیوں کے چہرے ہوتے ہیں، ان کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے چوڑے، گولائی کے ساتھ پھیلے ہوئے اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو "مطرقہ" یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی، جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔

حدثنا رسول اللہ ﷺ قال، اس میں قال یا تو حدثنا کی تاکید ہے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۰۶/۶ فتح الباری ۱۱۴/۱۳ کتاب الفتن، باب ذکر الدجال

حضور اکرم ﷺ نے ہمیں بہت سے امور بیان فرمائے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ دجال خراسان سے نکلے گا......(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَّالِ

یہ باب دجال کے نکلنے کی علامات کے بارے میں ہے

عن مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: المَلْحَمَةُ العُظْمَى وَفَتْحُ القُسْطُنْطِينِيَّةِ وَخُرُوجُ الدَّجَّالِ فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنگ عظیم، قسطنطنیہ (یعنی استنبول) کا فتح ہونا، اور دجال کا نکلنا، یہ سب کچھ سات ماہ میں ہوگا۔

عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: فَتْحُ القُسْطُنْطِينِيَّةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ، قَالَ محمودٌ: هذا حديثٌ غريبٌ وَالقُسْطُنْطِينِيَّةُ هِيَ: مَدِينَةُ الرُّومِ، تُفْتَحُ عِنْدَ خُرُوجِ الدَّجَّالِ۔ وَالقُسْطُنْطِينِيَّةُ قَدْ فُتِحَتْ فِي زَمَانِ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ قیامت کے قریب فتح ہوگا، محمود کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، اور قسطنطنیہ روم کا ایک شہر ہے، جو دجال کے نکلنے کے وقت فتح ہوگا، اور قسطنطنیہ بعض صحابہ کرام کے زمانے میں بھی فتح ہوا۔

مشکل الفاظ کے معنی: الملحمة: گھمسان کی جنگ، خونریز اور الملحمة العظمی کے معنی ہیں: بڑی خونریز جنگ، جنگ عظیم۔ قسطنطينية: (قاف پر پیش، سین ساکن، پہلی طا پر پیش اور دوسری طا کے نیچے زیر، درمیان میں نون ساکن) استنبول، جو موجودہ ترکی کا دارالحکومت ہے۔

جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی تین علامتوں کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) ملحمہ عظمیٰ یعنی خونریز جنگ ہوگی، اس کی تفصیل امام ابوداود نے حضرت ذی مخبر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تم لوگ عنقریب رومیوں یعنی عیسائیوں کے ساتھ صلح کرو گے، پھر عیسائی اور مسلم دونوں فوجیں مل کر ایک مشترکہ دشمن سے برسرپیکار ہوں گے، فتح کے بعد دونوں فوجیں ایک سرسبز وشاداب جگہ پر پڑاؤ ڈالیں گی تو اتنے میں ایک عیسائی "صلیب" کو بلند کر کے اعلان کرے گا کہ ہمیں یہ فتح اس صلیب کی برکت سے ہوئی، ایک مسلمان غصے میں آ کر اس صلیب کو توڑ دے گا، اس پر عیسائی جذبات میں آ کر اپنا عہد توڑ دیں گے، مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہونا شروع کر دیں گے، مختلف

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۱۰

گروپوں کی صورت اختیار کرلیں گے، اس سے جنگ عظیم کا آغاز ہو جائے گا۔(۱)

(۲) ''قسطنطینیہ'' ایک مشہور شہر ہے، اسے ۳۳۱ء میں قسطنطین بادشاہ نے آباد کیا تھا، اسی لئے اسے قسطنطینیہ کہا جاتا ہے، یہ اپنے زمانہ میں رومیوں کا دار الخلافہ تھا، اور اس وقت یہ شہر ترکی کا دار الحکومت ہے جسے ''استنبول'' کہا جاتا ہے، امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ یہ شہر صحابہ کے زمانے میں فتح ہو گیا تھا، اور تاریخی روایات کے مطابق دوسری مرتبہ یہ شہر ۱۴۵۳ء میں عثمانی ترکوں کے ذریعہ فتح ہوا اور اب تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، لیکن اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اور پھر آخری زمانہ میں جب کہ قیامت قریب ہوگی، مسلمان اس کو فتح کرلیں گے، اور صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں کہ امام مہدی اس شہر کو فتح کریں گے، اور اسی زمانے میں کانے دجال کا ظہور ہوگا۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ دجال کا خروج ہوگا۔

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث ترمذی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں واقعات سات ماہ میں ہوں گے، جب کہ سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت میں سات سال کا ذکر ہے، اس اعتبار سے دونوں حدیثوں میں بڑا تعارض ہے؟ اسلئے بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ کسی مدت کو یقینی طور پر نہیں لیا جاسکتا، البتہ بعض شارحین یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت چونکہ سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے، اس لئے حدیثِ ترمذی سے وہ راجح ہوگی، لہذا یہی صحیح ہے کہ یہ تینوں اہم واقعات سات ماہ کے بجائے سات سال میں وقوع پذیر ہوں گے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

یہ باب دجال کے فتنہ کے بارے میں ہے

عن النَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ، فَخَفَّضَ فِيهِ، وَرَفَّعَ حتى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، قَالَ: فَانْصَرَفْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَيْهِ، فَعَرَفَ ذٰلِكَ فِينَا، فَقَالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ: ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ الْغَدَاةَ فَخَفَّضْتَ وَرَفَّعْتَ، حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، قَالَ: غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ لِي عَلَيْكُمْ، إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ، وَاللهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، إِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ، عَيْنُهُ قَائِمَةٌ، شَبِيهٌ بِعَبْدِ الْعُزَّى بنِ قَطَنٍ، فَمَنْ رَآهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ فَوَاتِحَ سُورَةِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن، باب فتح قسطنطنية ۲۹۵/۶، سنن ابی داود: کتاب الملاحم، باب ما یذکر من ملاحم الروم ۲۴۱/۲

(۲) تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن، باب فی فتح قسطنطنية ۲۹۶/۶، تحفة الاحوذی ۴۱۲/۶

قَالَ: يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِيناً وَشِمَالاً، يَا عِبَادَ اللهِ اثْبُتُوا. قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ: وَمَا لُبْثُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: أَرْبَعِينَ يَوْماً، يَوْمٌ كَسَنَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قَالَ: قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ: أَرَأَيْتَ الْيَوْمَ الَّذِي كَالسَّنَةِ: أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنِ اقْدُرُوا لَهُ. قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ: فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: كَالْغَيْثِ، اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوهُمْ، فَيُكَذِّبُوْنَهُ، وَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ، فَتَتْبَعُهُ أَمْوَالُهُمْ وَيُصْبِحُوْنَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ. ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوهُمْ، فَيَسْتَجِيبُوْنَ لَهُ، وَيُصَدِّقُوْنَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ فَتُمْطِرُ، وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ أَنْ تُنْبِتَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ كَأَطْوَلِ مَا كَانَتْ ذُرًى وَأَمَدِّهِ خَوَاصِرَ وَأَدَرِّهِ ضُرُوعاً، ثم يأتي الْخَرِبَةَ، فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكِ فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا، فَتَتْبَعُهُ كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُو رَجُلاً شَابّاً مُمْتَلِئاً شَبَاباً فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جِزْلَتَيْنِ، ثُمَّ يَدْعُوهُ، فَيُقْبِلُ يَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ إِذْ هَبَطَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِشَرْقِيِّ دِمَشْقَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ وَاضِعاً يَدَهُ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ، قَالَ: وَلَا يَجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ. يعني أحد. إلا مات، وَرِيحُ نَفَسِهِ مُنْتَهَى بَصَرِهِ، قَالَ: فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ.

قَالَ: فَيَلْبَثُ كَذَلِكَ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ: ثُمَّ يُوحِي اللهُ إِلَيْهِ أَنْ حَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ فَإِنِّي قَدْ أَنْزَلْتُ عِبَاداً لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ، قَالَ وَيَبْعَثُ اللهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ كَمَا قَالَ اللهُ "مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ"، قَالَ: وَيَمُرُّ أَوَّلُهُمْ بِبُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ، فَيَشْرَبُ مَا فِيهَا، ثم يمر بها آخرهم، فَيَقُوْلُوْنَ: لَقَدْ كَانَ بِهَذِهِ مَرَّةً مَاءٌ، ثُمَّ يَسِيرُوْنَ، حَتَّى يَنْتَهُوا إِلَى جَبَلِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَيَقُوْلُوْنَ: لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ، فَهَلُمَّ: فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، فَيَرْمُوْنَ بِنُشَّابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرُدُّ اللهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مُحْمَرّاً دَماً، وَيُحَاصَرُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُوْنَ رَأْسُ الثَّوْرِ يَوْمَئِذٍ خَيْراً لَهُمْ مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ. قَالَ فَيَرْغَبُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى اللهِ وَأَصْحَابُهُ،

قَالَ: فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسَى، مَوْتَى، كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، قَالَ: وَيَهْبِطُ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ، فَلَا يَجِدُ مَوْضِعَ شِبْرٍ، إِلَّا وَقَدْ مَلَأَتْهُ زَهَمَتُهُمْ، وَنَتَنُهُمْ، وَدِمَاؤُهُمْ. قَالَ: فَيَرْغَبُ عِيسَى إِلَى اللهِ وَأَصْحَابُهُ قَالَ: فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمْ طَيْراً، كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ بِالْمَهْبِلِ، وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ، وَنُشَّابِهِمْ، وَجِعَابِهِمْ، سَبْعَ سِنِينَ، وَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمْ مَطَراً، لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ وَبَرٍ وَلَا مَدَرٍ، قَالَ: فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ، فَيَتْرُكُهَا كَالزَّلَفَةِ، قَالَ: ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: أَخْرِجِي ثَمَرَتَكِ، وَرُدِّي بَرَكَتَكِ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ الرُّمَّانَةَ، وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ، حَتَّى إِنَّ

الفئام من الناس لیکتفون باللقحۃ من الابل وان القبیلۃ لیکتفون باللقحۃ من الغنم، فبینما ھم کذالک، إذ بعث اللہ ریحاً، فقبضت روح کل مؤمن ویبقی سائر الناس، یتھارجون کما یتھارج الحمر، فعلیھم تقوم الساعۃ۔

حضرت نواس بن سمعان کلابی فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، آپ نے اس کو پست کیا اور پھر بلند کیا (یعنی اس کی ذلت وحقارت اور اس کے فتنے کی بڑائی بیان کی) یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا، کہ دجال کھجوروں کی ایک جانب میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے، پھر دوبارہ خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سمجھ گئے کہ ہمارے دلوں میں دجال کا خوف ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کل دجال کا ذکر کیا، تو آپ نے اس کی ذلت و حقارت اور اس کے فتنے کی اتنی بڑائی بیان کی کہ ہم گمان کرنے لگے کہ وہ کھجوروں کی ایک جانب میں موجود ہے، آپ نے فرمایا: دجال کے علاوہ بھی ایسی کئی چیزیں ہیں جن کا مجھے دجال کے فتنے سے کہیں زیادہ تم پر خوف ہے، کیوں کہ اگر میرے ہوتے ہوئے دجال آگیا تو میں تمہارے سامنے اس پر غالب آؤں گا اور اگر وہ میری غیر موجودگی میں آیا تو ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے، (اس کی صفات یہ ہیں کہ) وہ چھوٹے گھنگریالے بالوں والا، ایک جوان ہوگا، جس کی ایک آنکھ ہوگی اور عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا، اگر تم میں سے کوئی اسے دیکھے، تو اسے چاہیے کہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، فرماتے ہیں کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، اور دائیں بائیں ہر طرف فساد پھیلائے گا۔

(لہذا) اے اللہ کے بندو! تم (اپنے دین پر) ثابت قدم رہنا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ زمین میں کتنی مدت تک ٹھہرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس دن تک، پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک جمعہ یعنی ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے، راوی کہتے ہیں پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: زمین پر اس کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی؟ فرمایا: وہ اس بارش یعنی بادل کی طرح تیز رفتار ہوگا، جس کے پیچھے ہوا ہو، پھر وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں (اپنی خدائی کی طرف) دعوت دے گا لیکن وہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے اور اس کی بات کو رد کر دیں گے، پھر دجال ان سے پھرے گا تو ان لوگوں کے اموال، دجال کے پیچھے چل پڑیں گے، اور وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

پھر وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں (اپنی خرافات کی طرف) دعوت دے گا، تو وہ اس کی بات مان لیں گے اور

اس کی (باتوں کی) تصدیق کریں گے، تب وہ (اپنے پیروکاروں کو نوازنے کے لئے) آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا، تو وہ بارش برسا دے گا، اور زمین کو (سبزہ، درخت) اگانے کا حکم دے گا تو وہ اگا دے گی، شام کو ان کے جانور (چراگاہوں سے) اس طرح واپس ہوں گے، کہ ان کے کوہان لمبے، کوکھ چوڑے، اور پھیلے ہوئے، اور تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، پھر وہ دجال ویران جگہ پر آ کر زمین سے کہے گا کہ تم اپنے خزانے نکال دو، جب وہ وہاں سے لوٹے گا تو وہ خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کے سرداروں کی طرح (کثرت کے ساتھ) چل پڑیں گے۔

پھر وہ ایک بھرپور جوان کو بلائے گا، اس کو تلوار مار کر، دو ٹکڑے کر دے گا، اس کے بعد دجال اس نوجوان (کے جسم کے ان ٹکڑوں) کو بلائے گا تو وہ زندہ ہو کر دجال کی طرف متوجہ ہوگا، اس وقت اس کا چہرہ نہایت ہشاش بشاش، خوش وخرم اور مسکراتا ہوگا، (دجال ان ہی خرافات میں مصروف ہوگا کہ) اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہلکے زرد رنگ کا جوڑا پہنے، دمشق کی جامع مسجد کے سفید مشرقی مینارے پر، اس حالت میں (آسمان سے) اتریں گے کہ ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوں گے۔

جب وہ اپنا سر جھکائیں گے تو قطرات ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو ان کے سر سے چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے، جو موتیوں کی طرح ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہونچے گی، مر جائے گا اور ان کے سانس کی ہوا، ان کی حد نظر تک جائے گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد پر پائیں گے اور اسے وہاں قتل کر دیں گے، پھر آپ نے فرمایا: پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح رہیں گے، جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر جمع کر دیں، کیوں کہ میں نے اپنے ایسے بندے اتارے (یعنی پیدا کئے) ہیں جن سے جنگ کرنے کی کسی میں بھی مجال نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا، وہ ارشاد خداوندی کے مطابق، ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا پہلا گروہ بحیرۂ طبریہ سے گذرے گا، تو اس کا سارا پانی پی جائے گا، پھر ان کے بعد والے اس پر سے گذریں گے تو (اسے خشک دیکھ کر) کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوا کرتا تھا، پھر وہ لوگ آگے چل دیں گے، یہاں تک کہ بیت المقدس کے پہاڑ پر پہونچ کر کہیں گے، کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا ہے، آؤ، اب آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا، (تاکہ وہ اس بھرم میں رہیں کہ ہم نے آسمان والوں کا کام تمام کر دیا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہ طور پر) محصور ہوں گے، یہاں تک کہ (معیشت کی تنگی کا یہ حال ہوگا کہ) ان کے نزدیک بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا، (جب یہ حالت ہو جائے گی تو) حضرت عیسیٰ اور آپ کے

ساتھی (یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی) اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا کر دیں گے، جس سے وہ سب ایک ہی دفعہ، اس طرح مرجائیں گے، جس طرح کوئی ایک شخص مرجاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اب حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی کوہ طور سے اتریں گے مگر یاجوج ماجوج کی چربی، بدبو اور ان کے خون سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہ پائیں گے، (اس مصیبت سے نجات کے لئے) حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کریں گے، تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹ کی گردنوں جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جوان (کی لاشوں) کو اٹھائیں گے اور انہیں مقام مہبل (یا پہاڑ کی غاریا گہرے گڑھے) میں ڈال دیں گے، اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو (بطور ایندھن کے) سات سال تک جلاتے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان پر ایسی بارش برسائے گا، جس سے کوئی گھر پوشیدہ نہیں رہ سکے گا، خواہ وہ دیہات کا ہو یا شہر کا گھر ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ بارش زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف کر دے گی، پھر زمین سے کہا جائے گا، اپنے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں دوبارہ واپس لاؤ، (چنانچہ زمین ایسا ہی کرے گی) اس دن ایک پوری جماعت ایک انار کو کھائے گی (اور سیر ہو جائے گی) اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں برکت پیدا کر دی جائے گی (یعنی تھنوں میں بہت زیادہ دودھ ہوگا) یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی، لوگوں کے بہت سے گروہوں (کی سیرابی) کے لئے کافی ہوگی، اور بے شک ایک قبیلہ دودھ دینے والی ایک گائے کے دودھ پر اکتفاء کرے گا، اور چھوٹا خاندان ایک بکری کے دودھ پر گذارا کرے گا، وہ لوگ اسی طرح زندگی گذار رہے ہوں گے، کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا، جو ہر مومن کی روح قبض کر لے گی، اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح سرعام جماع کریں گے، ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔**خفض**: (خاء پر زبر اور فا پر زبر اور تشدید) اس کے دو معنی ہیں (۱) اس کی حقارت و ذلت کو بیان کیا (۲) طویل گفتگو کے بعد آواز کو آپ نے پست فرمایا۔**رفع**: (را پر زبر اور فا پر زبر اور تشدید) اس کے بھی دو معنی ہیں: (۱) فتنہ دجال کی بڑائی بیان کی (۲) آپ نے آواز کو بلند فرمایا تاکہ سب حاضرین تک آواز صحیح طریقے سے پہونچ جائے۔**طائفة**: کنارہ، جانب۔**حجیج**: دلائل کے ذریعہ غالب آنے والا۔**دونکم**: تمہارے سامنے۔**قطط**: (قاف اور طا پر زبر کے ساتھ) چھوٹے شدید گھونگریالے بال۔**قائمة**: موجود ہے۔**عاث**: فساد پھیلائے گا۔**اثبتوا**: تم ٹھہرے رہو یعنی دین پر ثابت قدم رہنا۔**ما سرعته**: دجال کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی۔**غیث**: بادل، بارش۔**استدبرته**: اس کے پیچھے ہوا ہو۔**تتبعه**: وہ اموال دجال کے پیچھے چل پڑیں گے۔**یستجیبون له**: وہ لوگ دجال کی بات مان لیں گے۔**تروح**: شام کے وقت لوٹیں گے۔**سارحة**: مویشی، چوپائے۔**ذری**: ذروۃ کی جمع ہے، بلندی، چوٹی، اونچی کوہان، یہ کنایہ ہے کہ ان پر چربی زیادہ ہوگی، خوب موٹے ہو جائیں گے۔**امده خواصر**: ان کے کولہے چوڑے اور دراز ہوں گے، یعنی زیادہ کھانے کی وجہ خوب موٹے ہوں گے، خواصر جمع

ہے خاصرۃ کی: کوکھ، اور ''امَدّ'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے: زیادہ پھیلے ہوئے اور چوڑے۔ أدرہ ضروعا: ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، ''أدرّ'' اسم تفضیل ہے: زیادہ دودھ والے اور ضروعا جمع ہے ضرع کی: تھن۔ خربۃ: (خاء پر زبر اور را کے نیچے زیر) ویران زمین۔ یعاسیب: یعسوب کی جمع ہے: شہد کی مکھیوں کی سردار۔ ممتلیا شباباً: بھرپور جوان۔ جزلتین: (جیم پر زبر اور زیر کے ساتھ اور زا ساکن) دو قطعے، دوٹکڑے، دوقسمیں۔ یقبل: (یاء پر پیش اور با کے نیچے زیر) وہ آگے بڑھے گا۔ یتھلل: اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہوگا، جگمگائے گا۔ مھرودتین: مھرودۃ کا تثنیہ ہے: ہلکے زرد رنگ کا جوڑا۔ أجنحۃ: جناح کی جمع ہے: فرشتے کا پر۔ طأطأ: اس نے جھکایا۔ تحدر: گرنے لگے، ٹپکنے لگے۔ جمان: (جیم پر پیش) موتی، چاندی کا ڈھالا ہوا موتی۔ منتھی بصرہ: حضرت عیسیٰ کی حد نظر تک۔ لد: (لام پر پیش اور دال کی تشدید کے ساتھ) فلسطین کا ایک مشہور شہر ہے، اس وقت یہاں اسرائیل حکومت کا ائیرپورٹ ہے۔ حوز: جمع لے جاؤ۔ حدب: (حا اور دال پر زبر) بلند زمین۔ ینسلون: دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ نشاب: (نون پر پیش) نشابۃ کی جمع ہے: تیر۔ محمرا دما: خون آلود۔ یحاصر: مجہول کا صیغہ ہے، محصور ہوں گے۔ نغف: (نون اور غین پر زبر) بکریوں اور اونٹوں کی ناک کے کیڑے، اس کا واحد نغفۃ ہے۔ فرسی: (فا پر زبر، را ساکن اور سین پر زبر) فریس کی جمع ہے: مقتول، شیر وغیرہ کا چیرا پھاڑا ہوا۔ موتی: میت کی جمع ہے مردہ۔ موضع شبر: ایک بالشت کے برابر جگہ۔ زھمۃ: چوپائے وغیرہ میں موجود چربی۔ نتن: بدبو۔ طیر: طائر کی جمع ہے، پرندے، اور کبھی لفظ طیر مفرد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اعناق البخت: بختی اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے۔ تطرح: پھینک دیں گے، ڈال دیں گے۔ مھبل: اس کے مختلف معنی ہیں: گہرا گھڈ، پہاڑ کی غار، ایک جگہ کا نام۔ یستوقدون: جلاتے رہیں گے۔ قسی: (قاف اور سین کے نیچے زیر اور سین پر تشدید) قوس کی جمع ہے: کمان۔ جعاب: جعبۃ کی جمع ہے: ترکش، تیر رکھنے والا تھیلا۔ لا یکن: (یا پر زبر اور کاف پر پیش اور نون کی تشدید کے ساتھ) کن سے ہے: پوشیدہ نہیں ہوگا یعنی باقی نہیں بچے گا۔ وبر: اون، بیت الوبر سے گاؤں اور خیمے مراد ہیں۔ مدر: مٹی اور بیت المدر سے شہر مراد ہے۔ زلفۃ: (زا اور لام پر زبر کے ساتھ) آئینہ، شیشہ۔ ردی: تو واپس لوٹا۔ العصابۃ: (عین کے نیچے زیر) بڑی جماعت۔ الرمانۃ: انار۔ یستظلون: سایہ حاصل کریں گے۔ قحفھا: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) اس کا چھلکا۔ رسل: (را کے نیچے زیر اور سین کے سکون کے ساتھ) دودھ۔ فئام: بڑی جماعت، اس لفظ کا مفرد نہیں ہے۔ لیکتفون: اکتفاء کریں گے، گذارا کریں گے۔ لقحۃ: (لام کے نیچے زیر) دودھ والی گائے، بکری۔ یتھارجون: سرعام کھلم کھلا جماع کریں گے۔ حمر: حمار کی جمع ہے: گدھے۔ فخذ: (فا پر زبر اور خا کے نیچے زیر) قبیلہ کی ایک شاخ۔

دجال کے بارے میں مفصل حدیث

اس باب کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے دجال سے متعلق مفصل روایت ذکر کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو دجال کے بارے میں بتایا تو صحابہ کو خوف محسوس ہوا اور یوں گمان ہونے لگا کہ وہ کھجوروں

کی ایک جانب چھپا ہوا ہے، آپ ﷺ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا کہ اگر میری موجودگی میں دجال آیا تو میں تمہارے سامنے، اس پر دلائل کے ذریعہ غالب آجاؤں گا، لہذا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس پر علامہ تورپشتی نے یہ اشکال کیا ہے کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دجال آخری زمانے میں امام مہدی کے بعد آئے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے، تو پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں خروج دجال کا احتمال کیسے ذکر فرمایا؟

شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

☆ دجال کے فتنہ سے اس انداز سے ڈرانے کا مقصد، صرف یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ کو خروج دجال کا وقت معلوم نہیں تھا، اس لئے آپ نے اس طرح کا کلام فرمایا، پھر بعد میں آپ کو اس کا وقت بتایا گیا۔

☆ سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام میں جب دجال کا خوف دیکھا تو ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر دجال میری زندگی میں بالفرض نکل آیا تو میں اس کے لئے کافی ہوں، یہ بات بطور فرض کے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں، کیوں کہ اسی حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام لد کے دروازے میں دجال کو قتل کریں گے۔

(۲) وہ دجال ایک گھونگھریالے بالوں والا جوان ہوگا، جس کی ایک آنکھ موجود ہوگی اور وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ عبدالعزیٰ ایک یہودی تھا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ مشرک تھا، کیوں کہ "عزیٰ" بت کا نام ہے۔

(۳) سورۂ کہف یا اس کی ابتدائی آیات پڑھنے سے دجال کے فتنے سے انسان محفوظ رہے گا۔

(۴) دجال، شام وعراق کے درمیان یعنی خراسان کے علاقہ سے ظاہر ہوگا۔

(۵) دجال، ہوا اور بارش کی طرح تیز رفتاری سے زمین پر گردش کرے گا، کچھ لوگ اس کی تصدیق اور کچھ اس کی تکذیب کریں گے، جو تصدیق کریں گے ان پر نوازشات کرے گا، اور جو تکذیب کریں گے، ان پر آزمائشیں آئیں گی، ان کے مال، دجال کے پیچھے چل پڑیں گے، یہ خالی ہاتھ ہو جائیں گے، دجال طرح طرح کے خرق عادت امور دکھائے گا، ویران اور بنجر زمین سے خزانے نکل کر اس کے پیچھے چل پڑیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنی سردار کے پیچھے جاتی ہیں، سرعام ایک نوجوان کے دو ٹکڑے کر کے دوبارہ اسے زندہ کرے گا، تاکہ لوگ اس کی تصدیق کریں۔

اللہ تعالیٰ جو دجال کو خرق عادت امور پر قدرت دیں گے، اس میں مومنین کے لئے آزمائش ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ دجال خدا نہیں، بلکہ یہ ایک فتنہ ہے، اگر یہ خدا ہوتا تو سب سے پہلے اپنی آنکھ کا عیب دور کرتا، چہرے سے "کافر" کا لفظ مٹاتا،...... جب یہ ان چیزوں پر قادر نہیں، تو پھر خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

(۶) یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا، حضرت عیسیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے ان مخصوص بندوں کو لے کر کوہ طور پر جمع ہو جاؤ، یاجوج ماجوج جہاں سے گذریں گے، اس جگہ کا صفایا کردیں گے، بحیرہ طبریہ سے اس کا پہلا دستہ گذرے گا تو وہ سارا پانی پی جائے گا، ان کے فساد اور تباہی کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ان کے خاتمے کی دعا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائیں گے، ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے، جس سے یہ سارے کے سارے یکدم مر جائیں گے، زمین پر ہر طرف بدبو، خون اور ان کی چربی دیکھ کر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر پہاڑ کی غار میں پھینک دیں گے، پھر پوری دنیا میں خوب بارش ہوگی جس سے زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گی۔

(۷) پھر زمین میں برکات کا ظہور ہوگا۔

(۸) پھر ایک ہوا چلے گی، جس سے اہل ایمان وفات پا جائیں گے، اور ہر طرف شریر قسم کے لوگ رہ جائیں گے جو سر عام زنا کریں گے، انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

دجال زمین پر کتنا عرصہ رہے گا

صحیح مسلم کی حدیث باب میں ہے کہ دجال چالیس دن رہے گا، پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک ماہ اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔

جب کہ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں چالیس یوم کے بجائے چالیس سال دجال کی مدت قیام ذکر کی ہے، لیکن علماء حدیث نے صحیح مسلم کی روایت کو جس میں چالیس یوم کا ذکر ہے، راجح قرار دیا ہے۔(۱)

ان چالیس دنوں میں پہلے تین دن جو غیر معمولی طور پر بڑے ہوں گے، اس سے کیا مراد ہے، شارحین حدیث کے اس میں تین قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ تین دن حقیقت کے اعتبار سے بڑے ہوں گے، چنانچہ پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور ایسا ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک لیل ونہار حقیقت میں بڑے نہیں ہوں گے، بلکہ غموم وافکار اور شدت ابتلاء کی وجہ سے پہلا دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا، اور دوسرے دن میں چونکہ دجال کا مکر وفریب ذرا کم ہو جائے گا، اس لئے یہ ایک مہینے کے برابر لگے گا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر معلوم ہوگا، لیکن اس قول کو رد کیا گیا ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو حدیث دجال میں صحابہ کرام، آپ ﷺ سے نمازوں کے بارے میں سوال نہ کرتے۔

(۳) علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ تین دن حقیقت کے اعتبار سے بڑے نہیں ہوں گے، بلکہ دجال لوگوں پر جادو کر دے گا،

---

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۱۵

انہیں ایسے ایسے خرق عادت امور دکھائے گا، کہ لوگ یہ سمجھیں گے، کہ ہمارا دن ایک سال کے برابر ہو گیا ہے، صرف اس کی جادوگری اور شعبدہ بازی کی وجہ سے ہوگا، اس قول کو ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے۔(۱)

ان علاقوں میں نماز روزے کا حکم جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں

دنیا کے وہ علاقے جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں، بلکہ دن طویل ہو، جیسا کہ حدیث دجال میں ہے، یا رات لمبی ہو، یا عشاء کا وقت داخل نہ ہوتا ہو، یا اتنا مختصر وقت ہو، کہ اس میں نماز کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو، ایسی جگہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہاں پر قریب کے اس علاقے کے شب و روز کا اعتبار کیا جائے، جہاں دن رات معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں، لہذا صبح صادق کے بعد، جب اتنا وقت گذر جائے، جو عام دنوں کے اعتبار سے فجر اور ظہر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے اور جب ظہر کے بعد اتنا وقت گذر جائے، جو عام دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس وقت عصر کی نماز پڑھی جائے......... غرض یہ کہ پانچوں نمازیں اسی اندازے اور حساب سے پڑھی جائیں گی اگرچہ دن کتنا ہی بڑا ہو۔

لہذا بعض حضرات جو یہ اشکال کرتے ہیں کہ نماز تو وقت یعنی سورج کے طلوع وغروب وغیرہ کے اعتبار سے مقرر ہوتی ہے اور جب دن سال کا ہو یا چھ ماہ دن یا چھ ماہ رات ہو تو پھر طلوع وغروب کا وقت ہی نہیں ہوگا، تو پھر نمازیں کس طرح فرض ہوں گی؟ یہ اشکال درست نہیں کیوں کہ اصل چیز شریعت کا حکم ہے، وقت ایک ظاہری سبب ضرور ہے لیکن سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حدیث باب میں صحابہ کے سوال کے جواب میں یہی فرمایا کہ جب دن طویل ہوں گے تو قریبی علاقے کے ایام کے اعتبار سے وقت کا اندازہ لگا کر نمازیں ادا کی جائیں، انہیں ترک کرنا درست نہیں ہے۔

یہی حکم روزے کا ہے کہ وہ علاقے جہاں دن طویل ہو، رات بالکل نہ ہو، یا طویل رات ہو، دن نہ ہو، ایسے لوگ بھی قریبی جگہ کے ایام کا حساب کر کے رمضان کے روزے رکھیں، کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں، تو قضا کرنا ضروری ہوگا اور اگر چوبیس گھنٹے میں رات تو آئے لیکن بہت چھوٹی ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اس طویل دن میں روزہ رکھنے کی طاقت اور ہمت ہو، تو روزہ رکھ لیا جائے، لیکن اگر ہمت نہ ہو، اس وجہ سے کہ رات میں اتنا وقت بھی نہ ملتا ہو کہ وہ کھا پی سکیں یا چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا کافی نہ ہو، تو پھر ایسے لوگ بھی اس قریبی علاقے کے اعتبار سے دن اور رات کے اوقات مقرر کر سکتے ہیں، جہاں شب و روز معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں۔(۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال ۳۷۱/۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم، كتاب الفتن، حكم الصلوات في بلاد غير معتدلة ۳۷۳/۶

نزول عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہوگا

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں ہوگا، جب کہ ایک دوسری روایت میں بیت المقدس، ایک میں اردن اور ایک روایت میں معسکر المسلمین یعنی مسلمانوں کی چھاؤنی اور اجتماع گاہ میں اترنے کا ذکر ہے، ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر شارحین حدیث کے اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ علامہ سیوطی نے ''مصباح الزجاجہ'' میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے ''الکوکب الدری'' میں ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ سنن ابن ماجہ کی روایت راجح ہے، جس میں بیت المقدس میں اترنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کو باقی روایات کے ساتھ تعارض بھی نہیں، کیوں کہ بیت المقدس امام سیوطی کی نظر میں دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے، اور بیت المقدس مسلمانوں کا مرکز بھی ہے، اور بیت المقدس اس وقت اگرچہ فلسطین کا حصہ ہے اردن کا نہیں، لیکن یہ سارا علاقہ اردن ہی کا ہے، ہاں بیت المقدس میں اس وقت اگرچہ کوئی مینار نہیں، ہوسکتا ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے وہاں بنادیا جائے۔(۱)

حدیث میں جو ''بشرقی دمشق'' منقول ہے، اس سے کیا مراد ہے:

امام سیوطی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے کہ وہ دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک ''شرقی'' سے ''بیت المقدس کی شرقی جانب'' مراد ہے کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، گویا اس لفظ نے بتادیا کہ ان کا نزول بیت المقدس کی کسی اور جانب نہیں ہوگا بلکہ مشرقی جہت میں ہی ہوگا، شیخ کی تاویل کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس دمشق کی مغربی جانب میں ہو اور امام سیوطی کی تاویل کے مطابق اس کے برعکس ہو یعنی دمشق کی مشرقی جانب میں ہو، شیخ کی تاویل میں تھوڑا تکلف ضرور ہے کہ لفظ ''شرقی'' سے بیت المقدس کی شرقی جانب مراد ہے، اور لفظ ''دمشق'' لفظ ''شرقی'' سے بدل یا اس کا عطف بیان ہے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو محل وقوع کے اعتبار سے شیخ کی تاویل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیت المقدس دمشق کی مشرقی جانب میں نہیں ہے بلکہ جنوب غربی کی جانب واقع ہے اور ''دمشق'' بیت المقدس کی شمال مشرقی جانب میں واقع ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ اکثر حضرات نے اس مشہور روایت کو راجح قرار دیا ہے کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی مشرقی جانب سے سفید مینار کے پاس اترنے کا ذکر ہے، اور یہ مینار آج بھی موجود ہے۔(۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کفار مر جائیں گے مگر دجال کو وہ قتل کریں گے، صرف ان کی سانس سے وہ نہیں مرے گا، اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۱۷۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۶/۳۸۵ کتاب الفتن، باب ذکر الدجال۔ الکوکب الدری ۳/۱۴۲

(۱) تاکہ مومنین کے سامنے دجال کا ساحر وجادوگر ہونا واضح ہوجائے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی یہ کرامت نزول کے وقت ہو، پھر یہ کرامت ختم ہوجائے۔

(۳) بعض نے کہا کہ ان کی یہ کرامت ہر سانس سے متعلق نہیں ہوگی، بلکہ اس کا تعلق صرف اس مخصوص سانس سے ہوگا، جس کے ذریعہ کسی کافر کو ہلاک کرنا مقصود ہوگا۔

سبحان اللہ حضرت عیسی علیہ السلام کا معجزہ دیکھئے، کہ ایک وہ وقت تھا، جب وہ اپنی پھونک سے مردہ کو زندہ کر دیتے تھے، اور ایک وہ وقت ہوگا، کہ ان کے سانس کی ہوا سے کافر موت کی نذر ہوجائیں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَّالِ

یہ باب دجال کی صفت کے بارے میں ہے

عن ابن عمر، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ سُئِلَ عن الدَّجَّالِ؟ فَقَالَ: أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنَى، كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ.

عبداللہ بن عمر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: آگاہ ہوجاؤ، بے شک تمہارا رب کانا نہیں، جب کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے، گویا کہ وہ ایک پھولا ہوا انگور (کا دانا) ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اعور: کانا، عیب دار۔ عنبة طافية: خوشہ، انگور میں ابھرا ہوا ایک دانہ، حدیث میں لفظ "طافیة" ہمزے اور یا دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ "یا" کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس کی آنکھ نمایاں، ظاہر اور اٹھی ہوئی ہوگی، اور ہمزے یعنی طافئة کی صورت میں معنی ہوں گے کہ اس آنکھ کی روشنی جاتی رہے گی یعنی وہ کانا ہوگا، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جمہور نے بغیر ہمزے کی لغت کو درست قرار دیا ہے یعنی طافیة، مطلب یہ ہے کہ وہ آنکھ انگور کے دانے کی طرح اٹھی اور ابھری ہوئی ہوگی، اس کا حلقہ نہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود، وہ اس سے دیکھ سکے گا۔

دجال کی آنکھیں کس طرح ہوں گی؟

حدیث باب سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اللہ تعالی کانا نہیں، جب کہ دجال کانا ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ دجال خدا نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ کانا نہ ہوتا۔

(۲) دجال کی آنکھوں کے بارے میں روایات مختلف اور متعارض ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث باب سے معلوم ہوتا

(۱) تکملة فتح الملهم ۳۸۷/۶

ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی، جب کہ حضرت حذیفہ کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی، اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی.........۔

قاضی عیاض وغیرہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی، دائیں آنکھ بالکل سپاٹ اور مسخ ہوگی، اور بائیں آنکھ عیب دار، اوپر اٹھی ہوئی اور کانی ہوگی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ جو معیوب ہوگی، وہ کبھی دائیں جانب، اور کبھی بائیں جانب دکھائی دے گی، گویا یہ اس کے دجال ہونے کی ایک مزید دلیل ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی اور دائیں آنکھ اوپر اٹھی ہوئی، نمایاں اور کانی ہوگی جس سے وہ دیکھ سکے گا۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَّالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْتِي الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا، فَلَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ إِنْ شَاءَ اللهُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ (کی طرف) آئے گا، تو فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتا ہوا پائے گا، پس نہ تو طاعون مدینہ میں داخل ہو سکے گا اور نہ دجال، ان شاء اللہ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْكُفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْخَيْلِ وَأَهْلِ الْوَبَرِ، يَأْتِي الْمَسِيحُ (أَيِ الدَّجَّالُ) إِذَا جَاءَ دُبُرَ أُحُدٍ صَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان یمن کی طرف سے نکلا ہے اور کفر اہل مشرق سے ظاہر ہوگا، اور سکون و وقار بکری والوں کے لئے ہے، اور فخر و ریا و تکبر کے ساتھ چلنے والوں یعنی گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہوتا ہے، اور مسیح دجال (مدینہ میں داخل ہونے کے لئے) جب (مدینہ کے) احد پہاڑ کے پیچھے آئے گا تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے، پھر وہیں (مقام لد) پر وہ ہلاک ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یحرسونها: مدینہ کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ یمان: اصل میں "یمنی" ہے، یاء کو گرا کر اس کی جگہ الف کو لایا گیا تو یمان ہوگیا۔ سکینة: سکون و وقار، اطمینان اور عجز و انکساری۔ أهل الغنم: بکریوں والے، بعض نے کہا ہے کہ

---

(۱) فتح الباری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال ۱۲۱/۱۳، تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن باب ذکر الدجال ۳۲۰/۶ تحفة الاحوذی ۵۰۷/۶، قدیمی

اس سے اہل یمن مراد ہیں، کیوں کہ ان کی بکریاں زیادہ ہوا کرتی تھیں۔ فدادین: (دال پر تشدید کے ساتھ) فداد کی جمع ہے: اونٹ اور گائے بیل کے مالکان، جن کی آوازیں اپنے جانوروں پر بلند ہوتی ہیں، حدیث میں اس کی تفسیر أهل الخيل وأهل الوبر سے کی گئی ہے۔ وبر: (واؤ اور با پر زبر کے ساتھ) اون، اونٹ کے بال، اور اهل الوبر کے معنی ہیں: اونٹ والے، اس سے اہل عرب "گاؤں والے لوگ" مراد لیتے ہیں، کیوں کہ عموماً گاؤں، دیہات والوں کے خیمے اون اور بال کے بنے ہوتے تھے۔

مسیح: یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، البتہ لفظ مسیح، دجال، کے لئے اضافت کے ساتھ یعنی مسیح الدجال اور حضرت عیسیٰ کو مطلق "مسیح" کہا جاتا ہے، دونوں کو مسیح کہنے کی وجوہات مختلف ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہیں یہ ہیں: (۱) اندھے اور کوڑھے کو حضرت عیسیٰ مسح فرما دیتے تو وہ ٹھیک ہو جاتے تھے۔ (۲) رحم مادر سے پاک صاف پیدا ہوئے (۳) دونوں پاؤں کے تلوے ہموار تھے خم دار اور باریک نہیں تھے (۴) زمین پر کثرت سے سیاحت فرمائیں گے، اس وجہ سے ان کو مسیح کہا جاتا ہے۔ دجال کو "مسیح" کہنے کی وجہیں: (۱) وہ کانا ہوگا (۲) اس کی ایک آنکھ مسخ ہوگی (۳) خیر سے محروم ہو گا (۴) زمین میں ادھر ادھر زیادہ پھرے گا۔ (۱) دبر: (دال اور با پر پیش) پیچھے۔

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دجال جب مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو پہرے دار فرشتے اسے مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے، اور فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے، یہ بات دجال کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی دلیل بنے گی، اور اس کے عجز و نقصان کی علامت ہوگی کہ وہ اپنی اتنی زبردست طاقت وقدرت کے دعوے کے باوجود اس مقدس شہر میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا، جب دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا تو مکہ مکرمہ میں بدرجہ اولی داخل نہیں ہو پائے گا۔

الایمان یمان کے معنی

اس حدیث میں ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ ایمان کا اصل مبدا مکہ اور مدینہ ہیں، اس لئے شارحین نے "الایمان یمان" کے ظاہری معنی کے بارے میں متعدد تاویلیں کی ہیں:

(۱) روایت میں "یمن" سے "مکہ" مراد ہے، کیوں کہ مکہ تہامہ میں ہے، اور تہامہ کا تعلق یمن سے ہے، معنی یہ ہیں کہ اصل ایمان تو اہل مکہ کا ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد تبوک میں یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، مراد اس سے مکہ اور مدینہ ہیں، کیوں کہ مکہ و مدینہ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۱۰۸ کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال۔ مظاہر حق ۵/۵۱

تبوک سے یمن کی طرف ہیں، مطلب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اہل مکہ اور اہل مدینہ کا ہے، یہی وجہ ہے کہ کعبہ کے ایک رکن کو رکن یمانی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ یمن کی جہت میں ہے، حالانکہ وہ رکن تو مکہ مکرمہ میں ہے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک اہل یمن سے انصار صحابہ مراد ہیں، کیوں کہ وہ بھی اصل میں یمن کے باشندے ہیں، انہوں نے ایمان لا کر اہل ایمان کی خوب مدد و نصرت کی، اس لئے ان کے ایمان کی تعریف کی گئی۔

(۴) بعض شارحین فرماتے ہیں کہ الایمان یمان اپنے ظاہر پر ہے، اس سے اہل یمن ہی مراد ہیں، اس سے ان کے کمال ایمان کی مدح کی گئی ہے، جیسے حضرت اویس قرنی اور ابو مسلم خولانی وغیرہ، اس سے اہل مکہ و مدینہ کے کمال ایمان کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث اس حدیث یعنی الایمان فی اھل الحجاز کے منافی نہیں ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اہل یمن سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت موجود تھے، ان کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، لہٰذا ہر زمانے کے یمنی لوگ مراد نہیں۔(۱)

"الکفر من قبل المشرق" مدینہ سے مشرق کی طرف کفر ہوگا، اس سے عراق، خراسان اور روس کے علاقے مراد ہیں، ہمارا یہ علاقہ بھی مشرق میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ خاص مجوسیوں کی حکومت کی طرف اشارہ ہے، جو فارس میں تھے، نیز دجال کا خروج بھی مدینہ سے مشرق کی طرف ہوگا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى بنِ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ

یہ باب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کے بیان میں ہے

عَنْ مُجَمِّعِ بنِ جَارِيَةَ الأَنْصَارِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: يَقْتُلُ ابنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ۔

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابن مریم دجال کو مقام "لد" کے دروازے پر قتل کریں گے۔

بَابٌ

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ وَقَدْ أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الأَعْوَرَ الكَذَّابَ، أَلاَ إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی نے اپنی امت کو کانے اور کذاب (کے فتنے) سے ڈرایا ہے، آگاہ ہو جاؤ، بے شک وہ کانا ہے، اور تمہارا رب کانا نہیں، دجال کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔

(۱) شرح مسلم للنووی ۵۳/۱، کتاب الایمان، باب تفاضل أهل الایمان فیه۔

(۲) تحفة الاحوذی ۴۲۳/۶

فائدہ: اس کی مزید تفصیل "باب ما جاء فی الدجال" میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ ابْنِ صَيَّادٍ

یہ باب ابن صیاد کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: صَحِبَنِي ابْنُ صَائِدٍ إِمَّا حُجَّاجاً وَإِمَّا مُعْتَمِرِينَ فَانْطَلَقَ النَّاسُ وَتُرِكْتُ أَنَا وَهُوَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ اقْشَعْرَرْتُ مِنْهُ وَاسْتَوْحَشْتُ مِنْهُ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَلَمَّا نَزَلْتُ قُلْتُ لَهُ: ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةِ. قَالَ: فَأَبْصَرَ غَنَماً فَأَخَذَ الْقَدَحَ، فَانْطَلَقَ، فَاسْتَحْلَبَ، ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا سَعِيدٍ، اشْرَبْ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئاً لِمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَقُلْتُ لَهُ: هٰذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ، وَإِنِّي أَكْرَهُ فِيهِ اللَّبَنَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آخُذَ حَبْلاً فَأُوثِقَهُ إِلَى الشَّجَرَةِ ثُمَّ أَخْتَنِقَ لِمَا يَقُولُ النَّاسُ لِي وَفِيَّ، أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيثِي فَلَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ، أَلَسْتُمْ أَعْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهُ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهُ عَقِيمٌ، لَا يُولَدُ لَهُ، وَقَدْ خَلَّفْتُ وَلَدِي بِالْمَدِينَةِ، أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ؟ أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقُ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ؟ قَالَ: فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيءُ بِهٰذَا، حَتَّى قُلْتُ: فَلَعَلَّهُ مَكْذُوبٌ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّكَ خَبَراً حَقّاً، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُهُ وَأَعْرِفُ وَالِدَهُ، وَأَيْنَ هُوَ السَّاعَةَ مِنَ الْأَرْضِ، فَقُلْتُ: تَبّاً لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں اور ابن صیاد سفر حج یا عمرے میں ساتھ ہو گئے، تو لوگ چلے گئے (لیکن) میں اور وہ پیچھے رہ گئے، جب میں اس کے ساتھ تنہا رہ گیا، تو اس سے ڈر کی وجہ سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور مجھے اس سے وحشت ہونے لگی، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے، جب میں (سواری سے) اترا (یعنی ایک جگہ ٹھہرا) تو اس سے کہا کہ تم اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھو، راوی کہتے ہیں: اتنے میں اس نے کچھ بکریاں دیکھیں تو پیالہ لے کر اس کے پاس گیا اور دودھ نکال لیا، پھر میرے پاس دودھ لے کر آیا، اور کہنے لگا اے ابو سعید: اسے پی لو، لیکن مجھے اس کے ہاتھ سے کوئی چیز پینے میں کراہت محسوس ہوئی، کیوں کہ لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ کہتے تھے (یعنی یہ دجال ہے وغیرہ) لہذا میں نے اس سے کہہ دیا کہ آج گرم دن ہے، اس میں دودھ پینا میں پسند نہیں کرتا، ابن صیاد نے کہا: اے ابو سعید: میں نے قصد کیا ہے کہ میں ایک رسی لے کر درخت سے باندھوں اور گلا گھونٹ کر مر جاؤں، ان باتوں سے تنگ آ کر جو لوگ میرے لئے اور میرے بارے میں کہتے ہیں، دیکھو تو: اگر میری حیثیت کسی اور پر پوشیدہ رہے، تو رہے، تم لوگوں پر تو پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے، کیا تم لوگ رسول اللہ

ﷺ کی احادیث کو تمام لوگوں سے زیادہ نہیں جانتے؟ اے انصار کی جماعت، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا اور میں تو مسلمان ہوں، کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نا قابل تولد ہوگا کہ اس کی اولاد نہ ہوگی، جب کہ میں نے اپنی اولاد مدینہ میں چھوڑی ہے، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا، جبکہ میں اہل مدینہ میں سے ہوں اور اس وقت تمہارے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہا ہوں، ابو سعید فرماتے ہیں کہ اس نے اس قسم کی دلیلیں پیش کیں کہ میں سوچنے لگا، کہ شاید لوگ اس کے متعلق جھوٹی باتیں کہتے ہوں گے، پھر اس نے کہا اے ابو سعید: میں تمہیں ایک سچی خبر بتاتا ہوں کہ اللہ کی قسم: میں دجال اور اس کے والد کو جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت زمین کے کس خطے پر ہے، جب اس نے یہ بات کہی تو میں نے کہا: تجھ پر سارے دن کی ہلاکت ہو (کیوں کہ تو نے پھر معاملہ مشتبہ کر دیا)۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ مر بابن صياد في نفر من أصحابه، منهم عمر بن الخطاب وهو يلعب مع الغلمان عند أطم بني مغالة وهو غلام، فلم يشعر حتى ضرب رسول الله ﷺ ظهره بيده، ثم قال: أتشهد أني رسول الله ﷺ؟ فنظر إليه ابن صياد، قال: أشهد أنك رسول الأميين. قال: ثم قال ابن صياد للنبي ﷺ: أتشهد أني رسول الله؟ فقال النبي ﷺ: آمنت بالله ورسله، ثم قال النبي ﷺ: ما يأتيك؟ قال ابن صياد: يأتيني صادق وكاذب. فقال النبي ﷺ: خلط عليك الأمر، ثم قال رسول الله ﷺ: إني قد خبأت لك خبيئا وخبأ له {يوم تأتي السماء بدخان مبين}. فقال ابن صياد: هو الدخ. فقال رسول الله ﷺ: اخسأ فلن تعدو قدرك. قال عمر: يا رسول الله: ائذن لي فأضرب عنقه. فقال رسول الله ﷺ: إن يك حقا فلن تسلط عليه، وإن لا يك فلا خير لك في قتله. قال عبد الرزاق: يعني الدجال.

حضرت عبد اللہ بن عمر سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ، جن میں حضرت عمر فاروق بھی تھے، ابن صیاد کے پاس سے گذرے، وہ بنو مغالہ کے قلعے کے پاس لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، وہ خود بھی ایک لڑکا تھا (بعض روایات میں ہے کہ وہ بالغ ہونے کے قریب یعنی مراہق تھا) اسے (ان سب حضرات کی آمد کا) احساس نہ ہوا (بلکہ وہ اپنی کھیل میں ہی مصروف رہا) یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا (تو اس وقت اسے احساس ہوا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ابن صیاد نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امیوں کے یعنی ناخواندہ لوگوں کے رسول ہیں۔

راوی کہتے ہیں ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس کس قسم کی خبریں آتی ہیں؟ ابن صیاد نے کہا: میرے پاس صادق و کاذب یعنی سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے معاملے کو تجھ پر خلط ملط کر دیا گیا ہے، پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے (امتحان کے) لئے اپنے دل میں ایک بات چھپا رکھی ہے (لہذا تم بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟) اور آپ ﷺ نے اس کے لئے یہ آیت یوم تاتی السماء بدخان مبین دل میں سوچی تھی، ابن صیاد نے کہا: وہ پوشیدہ بات ''دخ'' ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: دھتکارا ہو تم پر، تو اپنی قدر سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکے گا، حضرت عمر فاروق نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ابن صیاد واقعی دجال ہو تو اس (کے قتل) پر تمہیں مسلط نہیں کیا جائے گا، اور اگر وہ دجال نہیں، تو اسے مارنے میں تمہارے لئے بھلائی نہیں ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ اس سے دجال ہی مراد ہے۔

عن أبي سعيد قال: لقي رسولُ اللهِ ﷺ ابنَ صائدٍ في بعضِ طُرُقِ المدينةِ، فاحتبسه وهو غلامٌ يهوديٌّ، وله ذؤابةٌ، ومعه أبو بكرٍ وعمرُ، فقال له رسولُ اللهِ ﷺ: أتشهدُ أنّي رسولُ اللهِ ﷺ؟ فقال: أتشهدُ أنتَ أنّي رسولُ اللهِ؟ فقال النبيُّ ﷺ: آمنتُ باللهِ وكتبِه ورسلِه واليومِ الآخرِ. فقال له النبيُّ ﷺ: ما ترى؟ قال: أرى عرشًا فوقَ الماءِ. قال النبيُّ ﷺ: ترى عرشَ إبليسَ فوقَ البحرِ، قال: فما ترى؟ قال: أرى صادقًا وكاذبين أو صادقين وكاذبًا، قال النبيُّ ﷺ: لُبِسَ عليه فدعاه.

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک راستہ میں، رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ابن صیاد سے ہوئی تو آپ نے اسے روک لیا، وہ ایک یہودی لڑکا تھا، اس کے سر پر بالوں کی چوٹی تھی، نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور عمر بھی تھے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو میری رسالت کی گواہی دیتا ہے، ابن صیاد نے کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں رسول اللہ ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہوں، پھر آپ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتا کہ تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک تخت کو پانی پر دیکھتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ سمندر پر شیطان کا تخت دیکھ رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا اور کیا دیکھتا ہے؟ ابن صیاد نے کہا: ایک سچا اور دو جھوٹے یا دو سچے اور ایک جھوٹا دیکھتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے (حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق سے مخاطب ہو کر) فرمایا: اس کے لئے صورتحال (یعنی کہانت) کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے، لہذا تم دونوں اسے چھوڑ دو۔

عن أبي بكرةَ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: يمكثُ أبو الدجالِ وأمُّه ثلاثين عامًا، لا يولدُ لهما ولدٌ، ثم يولدُ لهما غلامٌ أعورُ، أضرُّ شيءٍ وأقلُّه منفعةً، تنامُ عيناه، ولا ينامُ قلبُه۔ ثم نعتَ لنا رسولُ اللهِ ﷺ أبويه فقال: أبوه طُوالٌ، ضربُ اللحمِ، كأنّ أنفَه منقارٌ، وأمُّه امرأةٌ فرضاخيةٌ، طويلةُ الثديين، قال أبو بكرةَ: فسمعتُ بمولودٍ في اليهودِ بالمدينةِ، فذهبتُ أنا والزبيرُ بنُ العوامِ حتى دخلنا على أبويه فإذا نعتُ رسولِ اللهِ ﷺ

فِيهِمَا۔ قُلْنَا: هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَكَثْنَا ثَلَاثِينَ عَامًا، لَا يُولَدُ لَنَا، ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضَرُّ شَيْءٍ وَأَقَلُّهُ مَنْفَعَةً، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ: فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا، فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي قَطِيفَةٍ، وَلَهُ هَمْهَمَةٌ، فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ: مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا: وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔

حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال کے والدین، تیس سال اس طرح گذاریں گے کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی، پھر ان کے ہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوگا جس کا ضرر زیادہ اور نفع کم ہوگا، اس کی دونوں آنکھیں تو سوئیں گی لیکن دل نہیں سوئے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے والدین کا حلیہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: اس کا باپ کافی لمبا، تڑنگا اور دبلا، پتلا ہوگا، اور اس کی ناک مرغ کی چونچ کی طرح (لمبی اور پتلی) ہوگی، اور اس کی ماں خوب موٹی چوڑی اور لمبے لمبے پستان والی ہوگی، ابوبکرہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہودیوں کے ہاں ایک (عجیب وغریب) بچے کی ولادت کا سنا، تو میں اور زبیر اسے دیکھنے کے لئے گئے، جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہونچے، تو انہیں نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق پایا، ہم نے ان سے پوچھا: کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تیس سال تک بے اولاد رہے، پھر ہمارے ہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوا، جس میں نفع کم اور ضرر زیادہ ہے، اس کی دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا، فرمایا: پھر ہم دونوں ان کے پاس سے نکلے، تو اچانک اس لڑکے پر نظر پڑ گئی، جو دھوپ میں چادر اوڑھے ہوئے پڑا تھا، اور وہ کچھ گنگنا رہا تھا (جو سمجھ میں نہیں آرہا تھا، ہم نے وہاں کھڑے ہوکر آپس میں اس کے متعلق کوئی بات کہی یا کچھ اور کہا ہوگا) اس نے سر سے چادر ہٹا کر، ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ ہم نے (حیرت سے) کہا: کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا کہ: ہاں، میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔لما خلصت به: جب میں اس کے ساتھ اکیلا ہوا۔ اقشعررت منه: اس سے خوف کی وجہ سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ استوحشت منه: مجھے اس سے وحشت ہونے لگی۔ استحلب: اس نے دودھ نکالا۔ فأوثقه: میں اس رسی کو (درخت سے) باندھ دوں۔ أختنق: میں اپنا گلا گھونٹ دوں۔ عقیم: بانجھ پن، ناقابل تولد۔ فما زال یجیئ بهذا: وہ مسلسل اس قسم کی دلیلیں پیش کرتا رہا۔ لعله مکذوب علیه: شاید کہ لوگ اس کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ تبًا لک: تمہاری ہلاکت اور تباہی ہو۔ أطم: (ہمزے اور طاء پر پیش) ہر وہ قلعہ، جو پتھر سے بنایا گیا ہو، اس کی جمع آطام اور آطوم ہے۔ فلم یشعر: ابن صیاد کو احساس نہ ہوا، پتہ نہ چلا۔ خلط: (صیغہ مجہول) اس پر معاملہ خلط ملط اور مشتبہ کردیا گیا کہ کبھی اس کے پاس صادق آتا ہے اور کبھی کاذب۔ قد خبأت: میں نے دل میں پوشیدہ رکھا ہے۔ دخ: دھواں۔ اخسأ: تجھے دھتکار ہو، تو ذلیل ہو جا۔ قدرک: (قاف اور دال پر زبر کے ساتھ) اس کے دو معنی ہیں: تقدیر اور مقدار، اب اس جملے (لن تعدو قدرک) کے معنی

یہ ہوں گے کہ تو ہرگز اللہ کی تقدیر سے یا اس مقدار سے تجاوز نہیں کرسکتا، جو عموماً کاہنوں کو معلومات کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ ائذن لی: مجھے اجازت دیجئے۔ لن تسلط علیہ: تجھے اس پر ہرگز مسلط نہیں کیا جائے گا۔ فاحتبسہ: اس کو روک لیا، پکڑ لیا۔ ذوابۃ: بالوں کی لٹ، گیسو، چوٹی، ہر شئ کا بالائی حصہ۔ دعاہ: یہ "ودع" سے امر کا تثنیہ کا صیغہ ہے، اس کی ضمیر حضرت ابوبکر اور عمر فاروق کی طرف لوٹ رہی ہے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ابن صیاد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یمکث: ٹھہرے رہے۔ أضر شیء واقلہ منفعۃ: وہ ایسا لڑکا ہے، جس کا ضرر زیادہ اور نفع کم ہے۔ طوال: (طا پر پیش) مبالغہ کا صیغہ ہے، خوب لمبا تڑنگا۔ ضرب اللحم: وہ ہلکے گوشت والا یعنی دبلا اور پتلا۔ منقار: چونچ۔ فرضاخیۃ: (فا کے نیچے زیر) بہت زیادہ موٹی۔ طویلۃ الثدیین: لمبے لمبے پستانوں والی۔ فاذا نعت رسول اللہ فیھما: اس کے والدین انہی صفات کے مطابق تھے، جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ذکر فرمائے تھے۔ منجدل فی الشمس: دھوپ میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ قطیفۃ: چادر۔ ھمھمۃ: بڑبڑاہٹ، منہ ہی منہ میں کچھ کہنا جو سمجھا نہ جاسکے، گلے میں پھنس کر نکلنے والی آواز، گنگناہٹ۔ فکشف عن راسہ: اس نے اپنے سر سے چادر ہٹائی۔

ابن صیاد کی حقیقت

ابن صیاد کا اصل نام "صاف" اور بعض نے "عبداللہ" کہا ہے، وہ ایک یہودی تھا، جو مدینہ منورہ کا باشندہ تھا، یا کسی اور جگہ سے آکر مدینہ کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا، ابن صیاد جادوگری اور کہانت میں بہت ماہر تھا، اسی وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پر اسرار بن کر رہ گئی تھی، اس کی بعض صفات اور کچھ حرکتیں دجال کے مشابہ تھیں، اس لئے صحابہ کرام کے ہاں بھی اس کی حیثیت کی تعیین میں قدرے اختلاف تھا، بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ یہ وہی دجال ہے، جو دنیا میں آنے کے بعد لوگوں کو گمراہ کرے گا، حضرت عمر فاروق اس پر قسم بھی کھاتے تھے، لیکن اکثر صحابہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ وہ اصل دجال نہیں، جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا، بلکہ یہ ان چھوٹے دجالوں میں سے ایک دجال ضرور ہے، جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے رہیں گے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچے گا، دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد ابتداء میں، اگرچہ کافر و کاہن تھا، لیکن آخر میں مسلمان ہو گیا تھا، پھر اس نے حج بھی کیا، جہاد میں شریک ہوا، اس کی اولاد ہوئی، اور حرمین میں رہا کرتا تھا، جب کہ دجال کافر ہوگا، کفر کی حالت میں ہی قتل ہوگا، اس کی اولاد نہیں ہوگی اور مکہ و مدینہ میں اس کا داخلہ تک ممنوع ہوگا۔

ابتداء میں نبی کریم ﷺ پر بھی اس کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے بھی اس کی اصل حیثیت کے بارے میں کوئی واضح ارشاد نہیں فرمایا تھا، بلکہ آپ ﷺ ابن صیاد کو ہی دجال سمجھتے تھے اس گمان پر کہ شاید دجال کی ولادت میرے زمانے میں ہو لیکن اس کا خروج قرب قیامت میں ہوگا، بعد میں وحی کے ذریعہ آپ کو یہ بتادیا گیا کہ یہ اصل دجال نہیں ہے، جو آخری زمانے میں آئے گا، ہاں ابن صیاد کے والدین اور اصل دجال کے والدین کی صفات اتفاقاً ایک ہی طرح ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ والدین کی صفات ایک ہونے سے، اولاد کا ایک ہی طرح کا ہونا لازم نہیں آتا، اور حضرت عمر فاروق نے بھی

قسم اس وقت کھائی تھی جب تک اصل دجال کے بارے میں تفصیلی حالات سامنے نہیں آئے تھے، جب اصل صورتحال واضح ہو گئی، تو پھر صحابہ کرام کے درمیان کوئی بات پوشیدہ نہ رہی۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت جابر سے جو یہ قسم منقول ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، اس کے بارے میں شارحین نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

☆ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ قسم اس وقت کھائی ہو جب انہوں نے تمیم داری والی حدیث نہ سنی ہو کہ جس میں ابن صیاد کا نہیں بلکہ حقیقی مسیح الدجال کا تفصیلی ذکر ہے۔(۱)

☆ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس قسم سے مراد یہ ہو کہ ابن صیاد بھی دجالوں میں سے ایک دجال ہے، قرب قیامت میں جس دجال نے آنا ہے، وہ مراد نہ ہو اور حضرت جابر نے حضور ﷺ کے سامنے جب حضرت عمر کی قسم کو سنا اور یہ کہ آپ نے اس پر کوئی نکیر بھی نہیں فرمائی تو حضرت جابر نے یہ سمجھا کہ یہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا اور پھر انہوں نے بھی قسم کے ساتھ یہ بیان کر دیا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، حالانکہ حضرت عمر کی یہ مراد نہیں تھی۔ واللہ اعلم۔(۲)

سوال یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کرایا، بلکہ مدینہ میں ہی وہ رہتا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ نابالغ تھا، اس لئے اسے قتل نہیں کرایا۔

(۲) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ یہودیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا، اور ابن صیاد بھی انہی میں سے تھا، یا ان میں شامل ہو گیا تھا، اس وجہ سے ابن صیاد کو قتل نہیں کرایا گیا۔

یاتینی صادق وکاذب، میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں، کاہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ شیطان ان کے پاس دونوں طرح کی باتیں لاتا ہے۔

أتشهد انک رسول الأميين آپ ﷺ تو عرب وعجم سب ہی کے رسول ہیں، ابن صیاد نے صرف ''امیین'' کی تخصیص کر کے یہودیوں کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا، جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف امیوں کے رسول ہیں، اور ابن صیاد چونکہ یہودی تھا، اس لئے اس نے یہ غلط بات کہی۔

فقال النبی ﷺ آمنت باللہ ورسلہ

سوال یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے جب کہا أتشهد أنی رسول اللہ تو آپ ﷺ نے اس کی بات کو رد کیوں نہیں فرمایا، حالانکہ وہ اپنے رسول ہونے کی شہادت طلب کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: امنت باللہ ورسلہ... ؟ شارحین حدیث نے

---

(۱) فتح الباری ۱۳/۳۰۲ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب من رأی ترک النکیر من النبی ﷺ حجة

(۲) تکملة فتح الملهم ۲/۳۵۲، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد

اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱)　آپ نے اس جملہ میں اس پر مضمناً رد فرمایا، معنی یہ ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، اور تو چونکہ ان میں سے نہیں ہے، اس لئے میں تم پر ایمان نہیں لاتا۔(۱)

(۲)　بعض محققین فرماتے ہیں کہ ابن صیاد نے اپنی اس بات میں نبوت کے دعوی کی تصریح نہیں کی بلکہ سوالیہ انداز میں آپ سے پوچھا ہے، کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس نے از راہِ مذاق پورے سوال کو لوٹا دیا ہو، رسالت کا دعوی مقصود نہ ہو، اس لئے نبی کریم ﷺ نے بڑے احتیاط سے جواب دیا اور صراحۃً اس کی بات کو رد نہیں فرمایا۔(۲)

فقال ابن صیاد: هو الدخ

ابن صیاد کو یہ کیسے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کے دل میں آیت دخان ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱)　ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت دل میں پڑھی ہو، جس سے اس نے اسے سن لیا، یا آپ نے صحابہ کرام کو بتائی ہو، اور اس نے سن لی ہو۔

(۲)　یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان پر اس آیت کا تذکرہ ہوا ہو، اور شہاب ثاقب سے پہلے ہی شیطان نے لفظ "دخ" چوری کر لیا ہو، پھر یہ ناقص لفظ ابن صیاد کے دل پر القا کر دیا ہو، اس لئے اس نے جواب میں "دخ" کہا ہے۔

تنام عيناه ولا ينام قلبه، دجال اور ابن صیاد کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا، یہ صفت نبی کریم ﷺ کی بھی ہے مگر دونوں کی کیفیت میں فرق ہے، نبی کریم ﷺ کا دل نیک افکار، وحی اور الہام میں مشغول رہتا تھا، جب کہ ابن صیاد اور دجال کا دل کثرت وساوس، تخیلات، شرارتوں اور طرح طرح کے فتنوں میں مشغول ہوگا۔(۳)

بَابٌ

عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: مَا عَلَى الأَرْضِ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٌ. يَعْنِي الْيَوْمَ. يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج کے دن زمین پر جو نفس بھی موجود ہے، اس پر سو سال نہیں گذریں گے (یعنی اس مدت کے اندر اندر ضرور مر جائے گا)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ: أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ أَحَدٌ. قال ابن عُمَرَ: فَوَهَلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللهِ تِلْكَ فِيمَا يَتَحَدَّثُونَهُ بِهَذِهِ الأَحَادِيثِ نَحْوَ مِائَةِ سَنَةٍ، وإنما قال

(۱)　الكوكب الدري ۱۷۵/۳، تحفة الاحوذي ۵۱۵/۶ قديمي

(۲)　تكملة فتح الملهم، كتاب الفتن، باب ذكر ابن صياد، ۳۴۵/۶

(۳)　تحفة الاحوذي ۴۲۹/۶، تكملة ۳۴۳/۶

رسول اللہ ﷺ: لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ، يُرِيدُ بِذَالِكَ أَنْ يَنْخَرِمَ ذَلِكَ الْقَرْنُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں، ہمیں نماز عشاء پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ آج کی اس رات میں زمین پر زندہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا، ابن عمر فرماتے ہیں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات کے سمجھنے میں غلطی کی، جو وہ اس قسم کی احادیث میں سو سال کے بارے میں بیان کرتے (یعنی لوگوں نے ان سے یہ سمجھا کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی) حالانکہ آپ ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ سو سال کے بعد اس صدی کے لوگ ختم ہوجائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔نفس منفوسة: وہ نفس جو پیدا ہو چکا ہے۔أرأيتكم: کیا تمہیں معلوم ہے، کیا تمہیں پتہ ہے۔وھل: (ھاء پر زبر کے ساتھ) غلطی کی۔ینخرم: ختم ہوجائے گا۔

حیات خضر کا مسئلہ

اس باب کی احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس وقت روئے زمین پر موجود ہے، وہ سو سال کے اندر ضرور مرجائے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی، اسی وہم کا ازالہ دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر نے کیا ہے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے ٹھیک سو سال کے بعد آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ ایک قول کے مطابق سن ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے ہیں،

کیا نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں حضرت خضر علیہ السلام بھی داخل ہیں یا نہیں، وہ زندہ ہیں یا وفات پاچکے ہیں؟ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے،

امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حضرت خضر وفات پاچکے ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل امور سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ہم نے کسی انسان کے لئے خلد نہیں بنایا یعنی ایسا نہیں ہے کہ کوئی ہمیشہ باقی رہے۔

(۲) حدیث باب

(۳) عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے، تو ضرور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لاتے، اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں، ان کا استدلال درج ذیل احادیث اور واقعات سے ہے:

(۱)......وہ تمام روایات، واقعات اور مشاہدات جن سے حضرت خضر سے ملاقات معلوم ہوتی ہے، یا جن سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) ابن عبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ کوئی چل رہا ہے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ حضرت خضر ہیں، جو اس بات کی بشارت دینے آئے تھے، کہ عمر بن عبدالعزیز عدل وانصاف کے ساتھ نظام حکومت چلائیں گے۔

جمہور علماء امام بخاری کے دلائل کا جواب یہ دیتے ہیں:

(۱) آیت میں "خلد" یعنی ہمیشہ رہنے کی نفی ہے، طویل عمر اس میں داخل نہیں، اور حضرت خضر کے لئے خلد نہیں بلکہ ان کے لئے طویل عمر کا ذکر ہے۔

(۲) اس حدیث سے اس صدی کے لوگوں کا خاتمہ مراد ہے۔

(۳) تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضری ضروری نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی کسی قطعی دلیل سے نہ تو حضرت خضر کی حیات ثابت ہے اور نہ ہی وفات، اور یہ مسئلہ چونکہ عقیدے سے متعلق نہیں ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کے بارے میں سکوت اور خاموشی اختیار کی جائے۔(۱)

"ما علی الارض..." زمین کی قید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان نکل جاتے ہیں، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور شیطان کا تخت پانی پر ہوتا ہے، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت خضر بھی اس قید سے نکل جاتے ہیں، کیوں کہ وہ بھی اس وقت زمین پر نہیں تھے، بلکہ پانی پر تھے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ

یہ باب ہواؤں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کے بارے میں ہے

عن أبيّ بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ.

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہوا کو برا بھلا مت کہو، جب تمہیں ایسی ہوا محسوس ہو جو تمہیں ناگوار ہو، تو یوں کہو: اے اللہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اس ہوا کی بہتری اور اس چیز کی بہتری جو اس میں ہے اور اس چیز کی خیر جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں، اس ہوا کے شر سے اور اس چیز کے

---

(۱) تکملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب فضائل خضر ﷺ ۵/۴۰۰، تحفة الاحوذي ۶/۳۳۲

(۲) تحفة الاحوذي ۶/۳۳۲

شر سے، جو اس ہوا میں ہے اور اس بات کے شر سے، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

ہوا کو برا بھلا مت کہا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تیز وتند، سرد، گرم، فصلوں کو تباہ و برباد اور نقصان پہونچاتے والی طوفانی ہوائیں چلیں تو انہیں برا بھلا مت کہا جائے، یہ ہوائیں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، انہیں جیسے حکم ہوتا ہے، اسی طرح چلتی ہیں، ایسے موقع پر یہ مسنون دعا پڑھی جائے، جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

بَابٌ

عن فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَضَحِكَ، فقال: إِنَّ تَمِيماً الدَّارِيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيثٍ، فَفَرِحْتُ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ بِهِ، أَنَّ نَاساً مِنْ أَهْلِ فِلَسْطِينَ رَكِبُوا سَفِينَةً فِي الْبَحْرِ، فَجَالَتْ بِهِمْ حَتَّى قَذَفَتْهُمْ فِي جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ، فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ، لَبَّاسَةٍ، نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا، فَقَالُوا: ما أَنْتِ؟ قالت: أَنَا الْجَسَّاسَةُ. قالوا: فَأَخْبِرِينَا. قالت: لا أُخْبِرُكُمْ ولا أَسْتَخْبِرُكُمْ، وَلَكِنِ ائْتُوا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِنَّ ثَمَّ مَنْ يُخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُكُمْ، فَأَتَيْنَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُوثَقٌ بِسِلْسِلَةٍ فقال: أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ؟ قلنا: مَلْأَى تَدْفُقُ. قال: أَخْبِرُونِي عن الْبُحَيْرَةِ؟ قلنا: مَلْأَى تَدْفُقُ. قال: أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ الذي بَيْنَ الْأُرْدُنِّ وَفِلَسْطِينَ، هَلْ أَطْعَمَ؟ قلنا: نَعَمْ. قال: أَخْبِرُونِي عَنِ النَّبِيِّ، هَلْ بُعِثَ؟ قلنا: نَعَمْ. قال: أَخْبِرُونِي كَيْفَ النَّاسُ إِلَيْهِ؟ قلنا: سِرَاعٌ. قال: فَنَزَّى نَزْوَةً حَتَّى كَادَ. قلنا: فَمَا أَنْتَ؟ قال: أَنَا الدَّجَّالُ وَإِنَّهُ يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا، إِلَّا طَيْبَةَ، وَطَيْبَةُ: الْمَدِينَةُ۔

فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے اور مسکرا کر فرمایا کہ تمیم داری نے مجھ سے ایک قصہ بیان کیا ہے، جس سے میں بہت خوش ہوا، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی وہ بتا دوں (وہ واقعہ یہ ہے کہ) کچھ فلسطینی لوگ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے، وہ کشتی انکو لے کر گشت کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے انہیں سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرے تک پہونچا دیا، تو اچانک انہوں نے ایک جانور یعنی ایک عورت دیکھی، جو بہت زیادہ لباس والی یعنی بہت زیادہ بالوں والی تھی اور وہ بال بھی بکھرے ہوئے تھے، انہوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں، انہوں نے اس سے کہا کہ تم اپنے بارے میں ہمیں بتاؤ (کہ تم کیا ہو)؟ وہ کہنے لگی نہ میں تمہیں کچھ بتاتی ہوں اور نہ ہی پوچھتی ہوں، ہاں تم لوگ بستی کے کنارے پر چلے جاؤ، وہاں پر ایک ایسا شخص ہے، جو تمہیں بتائے گا بھی، اور تم سے پوچھے گا بھی، چنانچہ ہم لوگ بستی کے کنارے پر گئے، تو دیکھا کہ ایک شخص ہے جو

زنجیروں میں باندھا ہوا ہے، اس نے پوچھا کہ تم لوگ مجھے چشمۂ زغر کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: وہ پانی سے بھرا ہوا ہے اور اس سے پانی چھلک رہا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ: بحیرۂ طبریہ کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا وہ بھی بھرا ہوا ہے اور جوش مار رہا ہے، پھر اس نے پوچھا: بیسان کے گلستان کے بارے میں، جو اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، کہ کیا وہ پھل دیتا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں پھر اس نے پوچھا کہ: تم مجھے نبی آخر الزمان کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ مبعوث ہو چکے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں، کہنے لگا مجھے بتاؤ کہ لوگوں کا میلان اس کی طرف کیسا ہے؟ ہم نے کہا بہت تیزی سے لوگ اس کی طرف جا رہے ہیں (یعنی ایمان قبول کر رہے ہیں) راوی کہتے ہیں پھر وہ کود پڑا، قریب تھا کہ زنجیروں سے نکل جائے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگا میں دجال ہوں، اور دجال، طیبہ کے علاوہ تمام شہروں میں داخل ہوگا، اور طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:۔ جالت بهم: وہ کشتی سواروں کو لے کر گھومتی رہی، گشت کرتی رہی، کیوں کہ وہ بھنور میں پھنس گئی تھی۔ قذفتهم: اس نے ان کو ڈال دیا، پہونچا دیا۔ لباسة: مبالغہ کا صیغہ ہے، زیادہ لباس والی، اس سے زیادہ بالوں سے کنایہ ہے۔ ناشرة شعرها: اس کے بال منتشر اور بکھرے ہوئے تھے یہ "لباسة" کا بیان ہے۔ جساسة: دجال کی جاسوس۔ لا اخبركم: میں تم کو کوئی خبر نہیں دوں گی۔ ولا استخبركم: اور نہ تم سے میں کچھ پوچھوں گی۔ اقصى: کنارہ، طرف۔ موثق بسلسلة: زنجیروں سے جکڑا ہوا۔ ملأى: پانی سے بھرا ہوا۔ تدفق: (فا پر پیش) پانی خوب بہہ رہا ہے، اس کا پانی چھلک رہا ہے۔ زغر: (زا پر پیش اور غین پر زبر) ملک شام کا ایک شہر ہے۔ بیسان: (باء پر زبر اور یا ساکن) ملک شام کا ایک شہر ہے۔ هل اطعم: کیا وہ پھل دیتا ہے۔ سراع: سریع کی جمع ہے، بہت تیزی سے لوگ نبی پر ایمان لا رہے ہیں۔ نزی: وہ اچھلا، کود پڑا۔ حتی كاد: قریب تھا کہ وہ زنجیروں سے نکل جائے۔

جساسہ کا ذکر

اس حدیث میں "دابہ" کا لفظ ہے، اور ابوداود کی روایت میں "امراة" کا لفظ ہے، ہو سکتا ہے کہ دجال کے دونوں ہی جاسوس ہوں ایک جانور اور دوسری عورت، اور بعض نے کہا ہے کہ دابہ سے بھی عورت ہی مراد ہے۔

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ دجال اس وقت بھی موجود ہے، جو سمندر کے کسی جزیرے میں زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، جب حضرت تمیم داری اس کے سامنے ہوئے، تو اس نے چند سوالات کئے، جواب سن کر قریب تھا کہ وہ زنجیروں سے باہر آ جائے، صحیح مسلم کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے تصریح فرما دی ہے کہ وہ دجال ہے، اور حدیث باب میں بھی آپ نے تمیم داری کی تائید فرمائی ہے۔[1]

---

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۷۳، تکملة فتح الملهم، کتاب الفتن، باب قصة الجساسة: ۶/۴۱۲، الکوکب الدری ۳/۱۶۸

حضرت تمیم داری

نام: تمیم بن اوس ابو رقیہ داری، سن ۹ ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، اسلام سے پہلے اہل فلسطین کے راہب اور عبادت گذار تھے، مدینہ میں آگئے تو آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے، آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مسجد میں سب سے پہلے چراغ جلایا ہے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام منتقل ہو گئے تھے، بقیہ زندگی وہیں پر گذاری، راتوں میں جاگ کر عبادت کرنے میں معروف ومشہور تھے، ایک دفعہ ساری رات نماز تہجد میں یہ آیت پڑھتے رہے ام حسب الذین اجترحوا السیئات... بالآخر علم وعمل کا یہ چراغ بھی فلسطین کے شہر "بیت جبرین" میں غروب ہو گیا۔(۱)

بَابٌ

عن حذَيْفَةَ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ، قالوا: وكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ؟ قال: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، صحابہ نے عرض کیا کہ کوئی شخص اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈال دے، جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اسی کام میں ہاتھ ڈالنا چاہیے، جسے کرنے کی اس میں ہمت ہو، اپنی طاقت سے بڑھ کر کوئی کام کرنا جائز نہیں۔

بَابٌ

عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال: انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً۔ قِيلَ: يا رسولَ اللهِ: نَصَرْتُهُ مَظْلُوماً، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِماً؟ قال: تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ، فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی مدد و نصرت کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کیا گیا یا رسول اللہ: مظلوم کی تو میں مدد کر سکتا ہوں، ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اسے ظلم و زیادتی کرنے سے روک دو، بس تمہاری طرف سے یہی اس کی مدد ہوگی۔

---

(۱) تکملۃ ۶/۲۰۸

بَابٌ

عن ابنِ عبَّاسٍ عن النَّبِيِّ ﷺ قال: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنگل یعنی دیہات میں رہے، تو وہ سخت دل اور بد خلق ہو جاتا ہے، اور جو شخص شکار کا پیچھا کرے، وہ غافل ہو جاتا ہے، اور جو حاکم کے دروازوں پر جائے، تو وہ فتنوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

عن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُودٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّكُمْ مَنْصُورُونَ وَمُصِيبُونَ وَمَفْتُوحٌ لَكُمْ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْكُمْ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ، وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَمَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تم لوگ مدد کئے جاؤ گے، اور تم لوگ مال و دولت اور غنیمتوں کو حاصل کرو گے، اور تمہارے لئے بہت سے شہر فتح ہوں گے اور تم میں سے جو شخص مذکورہ چیزوں میں سے کوئی پالے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرے، اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے (یعنی جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے) تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔البادیۃ: جنگل، گاؤں، بستی۔ جفا: بے رحم، سخت دل اور بد خلق ہو جاتا ہے۔ افتتن: (مجہول کا صیغہ ہے) فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔مصیبون: مال و دولت اور غنیمتیں حاصل کرو گے۔ من أدرک: جو شخص پالے۔

جہالت وغفلت وغیرہ کے اسباب

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱) جو شخص گاؤں، دیہات میں مستقل رہائش اختیار کرلے، دینی پروگراموں اور مجلسوں میں حاضر نہ ہوتا ہو، تو وہ بے رحم، بد اخلاق اور سخت مزاج ہو جاتا ہے، اس لئے اس طرح کی صورتحال میں آدمی کو دینی تعلیم اور نیک لوگوں اور اچھی محفلوں میں ضرور شرکت کرتے رہنا چاہیے۔

(۲) جو شخص شکار کا خوگر ہو جائے، اسی میں محو اور منہمک ہو جائے تو وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، نماز با جماعت میں سستی، عبادات میں لاپرواہی اور بہت سی خرافات پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے اگر شکار کرنا ہی ہے تو شرعی حدود کا ضرور لحاظ رکھا جائے۔

(۳) جو شخص حکمرانوں کے دروازے پر جائے گا، تو وہ ضرور فتنے میں مبتلا ہو جائے گا، کیوں کہ اگر وہ اسے خلاف شرع امور پر

روک ٹوک کرے گا، تو دنیاوی اعتبار سے اس کے لئے خطرات پیدا ہو جائیں گے، اور اگر روک ٹوک نہ کرے بلکہ مداہنت کرے، تو اخروی اعتبار سے اس کے لئے نقصان دہ ہے، تاہم جو شخص مداہنت نہ کرے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے، تو یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔

دوسری حدیث میں اسلامی فتوحات کا ذکر ہے اور یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو تقویٰ کی زندگی گزارنی چاہیے اور دوسروں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہیں، اور کبھی بھی کوئی شخص حضور ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات منسوب نہ کرے، کیونکہ ایسے شخص کا انجام جہنم ہے۔[1]

بَابٌ

عن حذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ مَا قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ في الْفِتْنَةِ؟ فَقَالَ حذَيْفَةُ: أَنَا۔ قَالَ حذَيْفَةُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ في أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالأَمْرُ بِالمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ قَالَ عُمَرُ: لَسْتُ عَنْ هٰذَا أَسْأَلُكَ، وَلٰكِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ۔ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ: إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَاباً مُغْلَقاً۔ قَالَ عُمَرُ: أَيُفْتَحُ أَمْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: بَلْ يُكْسَرُ قَالَ: إِذَنْ لَا يُغْلَقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

قَالَ أَبُو وَائِلٍ فِي حَدِيثِ حَمَّادٍ: فَقُلْتُ لِمَسْرُوقٍ: سَلْ حذَيْفَةَ عَنِ "الْبَابِ"، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: عُمَرُ۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے، جس نے آپ سے فتنہ کے بارے میں حدیث زیادہ محفوظ کی ہو، حذیفہ نے عرض کیا: میں ہوں، پھر حضرت حذیفہ نے بیان کیا کہ آدمی کا فتنہ اس کے اہل، مال، اولاد اور پڑوسی میں ہو (یعنی اگر ان کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے)، تو نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: میں اس فتنہ کے متعلق نہیں پوچھ رہا، میں تو اس فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، جو سمندر کی موج کی طرح جوش مارے گا، متلاطم ہوگا، حضرت حذیفہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین: بے شک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے، حضرت عمر نے فرمایا: کیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حذیفہ نے عرض کیا: بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر نے فرمایا: پھر تو وہ دروازہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔

ابو وائل اپنی حدیث میں حماد کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ میں نے مسروق سے کہا کہ حذیفہ سے پوچھئے کہ وہ دروازہ کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے پوچھا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: کہ وہ دروازہ عمر کی ذات ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۴۰

ایک خاص فتنہ کا ذکر

اس حدیث میں ایک خاص فتنہ کا ذکر ہے، حضرت عمر نے پوچھا کہ کون شخص ایسا ہے جو فتنہ سے متعلق احادیث کو زیادہ محفوظ رکھتا ہو، حضرت حذیفہ نے عرض کیا: میں زیادہ محفوظ رکھتا ہوں، پھر انہوں نے تفصیل بیان کی کہ آدمی مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا ہو سکتا ہے، اہل، مال، اولاد اور پڑوسیوں کے فتنوں میں، اپنے اہل وعیال کے حقوق میں کوتاہی کرے، یا بعض کی طرف زیادہ میلان رکھے، یہ بھی فتنہ ہے، مال میں فتنہ یہ ہے کہ اس میں اس قدر زیادہ مشغول ہو جائے کہ عبادات کی ادائیگی بھی صحیح طریقے سے نہ ہو سکے، اور نہ ہی اسے صحیح طریقے سے خرچ کیا جائے۔

اولاد کا فتنہ یہ ہے کہ بعض کے ساتھ زیادہ لگاؤ رکھے، اور پڑوسیوں کا فتنہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات صحیح نہ ہوں، حقوق کی ادائیگی صحیح طریقے سے نہ ہو، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضا نہ ہو، ان فتنوں میں اگر مبتلا ہو جائے تو عبادات نماز، روزہ، صدقات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ان کا کفارہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ کوتاہیاں صغائر کی حد تک ہوں، لیکن اگر یہ کوتاہیاں کبیرہ گناہوں کی حد تک پہونچ جائیں، تو پھر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گی۔

حضرت عمر فاروق نے فرمایا: میں اس فتنہ کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، بلکہ میری مراد وہ فتنہ ہے، جو سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم ہوگا، حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے، حضرت عمر فاروق نے پوچھا کہ اسے کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا، حضرت حذیفہ نے عرض کیا، کہ اسے توڑا جائے گا، تب حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تو قیامت تک اسے بند نہیں کیا جا سکے گا، حضرت حذیفہ کے اس جواب میں حضرت عمر کی شہادت کی طرف اشارہ تھا، کیوں کہ اس دروازے سے حضرت عمر فاروق مراد ہیں، معنی یہ ہیں کہ جب اس دروازے کو توڑ دیا جائے گا، تو پھر فتنوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگا، جو قیامت تک بند نہیں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کی شہادت کے بعد اس امت میں قتل وغارت گری اور طرح طرح کے فتنے ایسے شروع ہوئے، جو تا قیامت چلتے رہیں گے۔

سوال یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں اس چیز کی صراحت موجود ہے کہ وہ دروازہ حضرت عمر ہی ہیں اور ان کے علم میں بھی یہ بات تھی تو پھر دوبارہ حضرت حذیفہ سے اس کا سوال کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق اسے بھول گئے ہوں یا شدت خوف کی وجہ سے دوبارہ پوچھ لیا ہو۔

تکفرها الصلاة والصوم ... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام عبادات مجموعی طور پر سابقہ فتنہ کا کفارہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالترتیب یہ کفارہ ہوں، اہل میں فتنہ کے لئے نماز، مال میں فتنہ کے لئے روزہ، اولاد کے فتنہ کے لئے امر بالمعروف اور پڑوسی کے فتنہ کے لئے نہی عن المنکر معافی کا ذریعہ ہوں۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۴۲

بَابٌ

عن كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ تِسْعَةٌ، خَمْسَةٌ وَأَرْبَعَةٌ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْآخَرُ مِنَ الْعَجَمِ، فَقَالَ: اسْمَعُوا، هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ۔

حضرت کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم نو آدمی تھے جن میں سے پانچ عربی اور چار عجمی یا اس کے برعکس، آپ ﷺ نے فرمایا: سنو: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے بعد (ظالم) حکمران آئیں گے، جو شخص ان کے پاس جائے گا، اور ان کے جھوٹ کی تصدیق اور ان کے ظلم پر مدد کرے گا، تو وہ مجھ سے نہیں ، اور نہ میں اس سے ہوں (یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں) اور نہ ہی وہ میرے حوض کوثر پر آئے گا، اور جو شخص ان حکام کے پاس نہ جائے، ان کے ظلم پر اعانت اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے، تو وہ مجھ سے ہے، اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے حوض پر بھی آئے گا۔

عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والا، اس شخص کی طرح تکلیف اور شدت میں ہوگا، جس نے اپنے ہاتھ میں انگارے پکڑے ہوں۔

تشریح:۔ ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ناجائز امور میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے۔

(۲) فتنوں کے زمانے میں بھی دین پر ثابت قدم رہا جائے، اس سے اسے بلند درجات حاصل ہوں گے۔

بَابٌ

عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟ قَالَ: فَسَكَتُوا، فَقَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا؟ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجَى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میں

تمہیں اچھے اور برے لوگوں کی خبر نہ دوں؟ راوی کہتے ہیں: سب صحابہ خاموش رہے تو آپ ﷺ نے یہی سوال تین مرتبہ دہرایا، تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہمیں اچھے اور برے کے بارے میں ضرور بتا دیجئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے لوگ مامون ہوں، اور تم میں سے برا وہ ہے جس سے خیر کی کوئی امید نہ ہو، اور نہ ہی لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

اچھے اور برے کی پہچان

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اچھے اور برے کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے کہ سب سے بہتر وہ شخص ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو، اس سے خیر کی امید ہو، اور اسکی طرف سے شر اور تکلیف پہونچنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور برا وہ شخص ہے جس سے نہ تو خیر کی کوئی امید ہو، اور لوگ اس کے شر سے بھی محفوظ نہ ہوں۔

بَابٌ

عن ابن عمر قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: إذَا مَشَتْ أُمَّتِي المُطَيْطَاءَ وَخَدَمَتْهَا أَبْنَاءُ المُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا.

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت اکڑ اکڑ کر چلے گی اور بادشاہوں یعنی فارس و روم کی اولاد، ان کی خدمت کرے گی، تو ان کے نیک لوگوں پر، ان کے بدترین لوگ مسلط کر دیے جائیں گے۔

عن أبي بَكْرَةَ قَالَ: عَصَمَنِي اللهُ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، لَمَّا هَلَكَ كِسْرَى، قَالَ: مَنِ اسْتَخْلَفُوا؟ قَالُوا: ابْنَتَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْبَصْرَةَ، ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَعَصَمَنِي اللهُ بِهِ.

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنگ جمل میں شامل ہونے سے) اس حدیث کی وجہ سے بچا لیا، جسے میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، کہ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا، کہ اس کا جانشین لوگوں نے کس کو بنایا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا: اس کی بیٹی کو (خلیفہ نامزد کیا ہے) تو آپ نے (اس وقت) فرمایا: ہرگز وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی، جس نے اپنے معاملہ کا ذمہ دار، کسی عورت کو بنایا ہو، ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ بصرہ آئیں تو مجھے حضور ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ گیا، یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اصحاب جمل کی معیت سے بچا لیا۔

عن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ أُمَرَائِكُمْ وَشِرَارِهِمْ: خِيَارُهُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتَدْعُونَ لَهُمْ، وَيَدْعُونَ لَكُمْ، وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ، وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ

، وَيَلْعَنُوْنَكُمْ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تم لوگوں کے بہترین اور بدترین حکمران نہ بتاؤں؟ اچھے حاکم وہ ہیں، جن سے تم محبت کرو گے، اور وہ تم سے محبت کریں گے، تم ان کے لئے دعا کرو گے، اور وہ تمہارے لئے دعا کریں گے اور تمہارے برے حاکم وہ ہوں گے، جن سے تمہیں بغض ہوگا، اور وہ تم سے بغض رکھیں گے، تم ان پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے۔

عن أم سلمة عن النبي ﷺ قال: إنه سيكون عليكم أئمة تعرفون وتنكرون، فمن أنكر فقد برئ، ومن كره فقد سلم، ولكن من رضي وتابع، فقيل يا رسول الله: أفلا نقاتلهم؟ قال: لا، ما صلوا۔

ام سلمہ آپ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: عنقریب تم پر ایسے حکمران آئیں گے، جنہیں تم (بعض اعمال کی وجہ سے) پسند بھی کرو گے، اور (بعض برے کاموں کی وجہ سے) ناپسند بھی کرو گے، لہذا جو شخص (اپنی زبان سے) ان کے برے اعمال کو برا سمجھے گا تو وہ (نفاق اور مداہنت سے) بری ہو جائے گا، اور جو شخص (صرف دل سے) ان کے برے کاموں کو برا سمجھے گا، تو وہ عذاب سے محفوظ رہے گا، لیکن جو شخص ان سے رضامندی ظاہر کرے گا اور ان کا ساتھ دے گا (تو وہ ہلاک ہوگا) پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ: کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كانت أمراؤكم خياركم، وأغنياؤكم سمحاءكم، وأموركم شورى بينكم، فظهر الأرض خير لكم من بطنها۔ وإذا كانت أمراؤكم شراركم، وأغنياؤكم بخلاءكم، وأموركم إلى نسائكم، فبطن الأرض خير لكم من ظهرها۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے حکام اچھے لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں، تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اس کے باطن سے، اور جب تمہارے حاکم شریر لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو (ایسے میں) زمین کا نچلا حصہ تمہارے لئے زمین کے اوپر کے حصے سے زیادہ بہتر ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مطیطاء: (میم پر پیش اور طا پر زبر) اکڑ، متکبرانہ چال۔ سلط: (مجہول کا صیغہ ہے) مسلط کر دیئے جائیں گے۔ من استخلفوا: لوگوں نے کس کو خلیفہ بنایا۔ لن یفلح: ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے۔ تعرفون: تم انہیں بعض کاموں کی وجہ سے اچھا سمجھو گے۔ تنکرون: برا سمجھو گے۔ سمحاء: سمیح کی جمع ہے: سخی لوگ۔ عصمنی: اللہ نے مجھے بچایا، محفوظ رکھا۔

ایک معجزہ کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو پیشن گوئی فرمائی تھی، وہ بعینہ اسی طرح ہوئی، چنانچہ جب فارس و روم کو مسلمانوں نے فتح کرلیا، مال و دولت کی فراوانی ہوئی اور بادشاہوں کی اولاد، ان کی خادم ہوگئی، تو شریر لوگ نیک لوگوں پر مسلط ہو گئے، چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ اور بنو امیہ کے مظالم بھی، اسی تسلط کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔

کسریٰ کی ہلاکت کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا نامہ مبارک کسریٰ پرویز کے پاس بھیجا، اس نے وہ خط پھاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب یہ بنایا کہ خود پرویز کا بیٹا "شیرویہ" اپنے باپ کا دشمن بن گیا، "شیرویہ" پرویز کی بیوی "شیریں" پر عاشق ہوگیا تھا، اس کے لئے اس نے کسریٰ پرویز کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے والد پرویز کو جب اس سازش کا پتہ چلا، تو اس نے اپنی الماری میں ایک ڈبیہ میں زہر رکھا، اور اس پر لکھ دیا "یہ دوا جماع کے لئے بہت مفید ہے" منصوبے کے مطابق شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کیا اور خود تخت نشین ہوگیا، شیرویہ نے اپنے تمام بھائیوں کو بھی قتل کردیا، تاکہ کوئی ان میں سے کہیں اقتدار کا دعویٰ نہ کردے، ایک دن اس نے پرویز کی الماری کھولی، تو اس کی نظر اس مخصوص ڈبیہ پر پڑی، اس نے طاقت کی دوا سمجھ کر اسے کھالیا، جس سے وہ بھی چھ ماہ کے اندر ہی ہلاک ہوگیا۔

اب ان کے خاندان میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا، جو مسند اقتدار سنبھال سکے، اور لوگ چاہتے تھے کہ بادشاہت اسی خاندان میں رہے، اس لئے لوگوں نے زمام حکومت اس کی بیٹی "بوران" کے سپرد کی، اور وہ ان کی بادشاہ بن گئی، اس کی ایک اور بہن تھی جس کا نام "آرزمیدخت" تھا کچھ عرصہ اس نے بھی حکومت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة، وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کردی ہو۔

عورت کی حکمرانی کا مسئلہ

جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث اور دیگر شرعی دلائل کی وجہ سے عورت ملک کی حکمران نہیں بن سکتی، امور مملکت کی ذمہ داری مردوں کے ساتھ خاص ہے۔

بعض لوگ عورت کی حکمرانی کے جواز پر جنگ جمل کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہ نے اس میں قیادت کی تھی، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ نے ان کی زیر قیادت جنگ میں حصہ لیا تھا، لہٰذا اس سے عورت کی حکمرانی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یہ کوئی وزنی دلیل نہیں، کیوں کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ نے نہ حکومت وخلافت کا دعویٰ کیا تھا، اور نہ اس مہم کے لئے امارت ان کے سپرد کی گئی، واقعہ یہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حج کے لئے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں، پیچھے مدینے میں حضرت عثمان کی شہادت کا افسوسناک حادثہ پیش آ گیا تھا، حضرت عثمان کے قصاص کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا تھا، اس نازک موقع پر بعض اکابر صحابہ نے مکہ ہی میں حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ ان کی محترم شخصیت اس وقت امت کا اختلاف وانتشار ختم کر سکتی ہے، حضرت عائشہ نے چاہا کہ مدینہ منورہ جا کر حضرت علی کو قصاص پر آمادہ کریں، لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ پہلے بصرہ جا کر، وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کر لینی چاہیے، اس حمایت کے بعد حضرت علی کے لئے قصاص لینا آسان ہو جائے گا، اور وہ اس پر آمادہ بھی ہو جائیں گے، حضرت عائشہ اس مشورہ سے متاثر ہو کر بصرہ روانہ ہو گئیں، وہاں پہونچ کر بعض اسلام دشمن عناصر کی سازش کی وجہ سے جنگ جمل کا المناک حادثہ پیش آ گیا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت عائشہ کو جن صحابہ نے بصرہ جانے کا مشورہ دیا تھا، ان کا مقصد امت کو انتشار سے بچانے کی ایک تدبیر اور حکمت عملی تھی، حضرت عائشہ کو خلیفہ یا امیر بنانا ہرگز مقصود نہ تھا، چنانچہ بصرہ پہونچنے پر جب قعقاع بن حکیم نے حضرت عائشہ سے ان کی تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو فرمانے لگیں ای بنی لاصلاح بین الناس، بیٹے میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔

بعد میں وہ اپنے اس سفر پر اتنی نادم تھیں کہ جب یہ واقعہ یاد آتا، تو اس قدر روتیں، کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا، جس واقعہ میں حضرت عائشہ نہ خلیفہ تھیں نہ حکمران، اور جس کے پیش آنے پر وہ اس درجہ نادم تھیں، اس کو نسوانی قیادت کے جواز پر کس طرح دلیل بنایا جا سکتا ہے۔(۱)

فلما قدمت عائشة ... فعصمني الله به

ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرہ کی رائے حضرت عائشہ کے موافق نہیں تھی، جب کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، دونوں کی رائے ایک ہی تھی کہ لوگوں کو اصلاح کی طرف بلایا جائے، ان کا مقصد نہ تو قتل وقتال تھا اور نہ ہی حضرت عائشہ خلافت کی خواہشمند تھیں لیکن جب سازش کی وجہ سے فریقین کے درمیان لڑائی کی فضا ہموار ہو گئی، تو اس موقع پر حضرت ابوبکرہ کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ گیا، جو آپ نے اہل فارس کی حکومت کا قصہ سن کر ارشاد فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاتی، جس کی حکمران عورت ہو، اس لئے حضرت ابوبکرہ نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی۔(۲)

وأمور کم إلی نساء کم۔

جب معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو پھر زمین پر رہنے کے بجائے زمین کے اندر چلے جانا بہتر ہے، کیوں کہ

---

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۴۷ کشف الباری (ص: ۶۵۵) کتاب المغازی، عورت کی حکمرانی

(۲) فتح الباری، کتاب الفتن، باب، ۱۳/۷۰

خواتین ناقصات عقل ہیں، معاملات کی ذمہ داری کو وہ صحیح طور پر نہیں نبھا سکتیں، چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ خواتین سے مشورہ ضرور کرو لیکن ان کی رائے سے اتفاق نہ کرو بلکہ مخالفت کرو، اس میں برکت ہوگی، ہاں اگر کوئی خاتون فاضلہ ہو، عقل و دانش میں مہارت کی حامل ہو، تو اس کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے خاص طور پر گھریلو معاملات میں بسا اوقات عورت کو مرد کے مقابلے میں زیادہ مہارت اور معلومات ہوتی ہیں، ایسے میں اس کی رائے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

بَاب

عن أبي هُرَيْرَةَ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ، مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو کہ جو شخص تم میں سے اس چیز کے دسویں حصے کو چھوڑ دے گا، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، تو وہ ہلاک ہو جائے گا، پھر ایک زمانہ آئے گا، جس میں جو شخص ماموربہ کے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا، تو وہ نجات پا جائے گا۔

عن ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَامَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى المِنْبَرِ فَقَالَ: هَاهُنَا أَرْضُ الفِتَنِ وَأَشَارَ إِلَى المَشْرِقِ، حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ: قَرْنُ الشَّمْسِ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا: یہاں فتنوں کی زمین ہے، اور مشرق کی طرف اشارہ فرمایا، جہاں شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے (یعنی جہاں اس کا تسلط ہوتا ہے)

عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسولُ اللّٰهِ ﷺ: يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُودٌ، فَلَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِإِيلِيَاءَ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خراسان سے کالے جھنڈے نکلیں گے پھر ان کو کوئی چیز رد نہیں کر سکے گی، یہاں تک کہ انہیں ایلیاء (شہر) میں گاڑا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: عشر: (عین پر پیش اور شین کے سکون کے ساتھ) دسواں حصہ۔ رایات: رایۃ کی جمع ہے: جھنڈے، سود: سوداء کی جمع ہے: کالے۔ حتی تنصب: (مجہول کا صیغہ ہے) یہاں تک کہ ان جھنڈوں کو گاڑا جائے گا۔ ایلیاء: اس کے معنی ہیں: بیت اللہ، اس سے بیت المقدس شہر مراد ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۴۲، قدیمی کراچی

(۲) معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع حرف الهمزة ط: بیروت ۱/۲۰۰۔

فتنہ کے زمانے میں اعمال کا ثواب

صحابہ کرام سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جس میں تم چل رہے ہو، یہ امن وسلام، اور اسلام کی عظمت وشوکت کا زمانہ ہے، اس میں اعمال پر صحیح طریقے سے عمل کرنا ہوگا، اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دسویں حصے کو ترک کر دیا، تو ہلاک ہو جاؤ گے، لیکن ایک زمانہ آئے گا، جس میں ظلم وستم کی کثرت، فسق وفجور کی فراوانی، اور طرح طرح کے فتنے ہوں گے، اس میں جو شخص اسلام کے دسویں حصے پر بھی اگر عمل کرے گا، تو وہ نجات پا جائے گا، اس لئے اے صحابہ کی جماعت، اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر، اس سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔

ارض الفتن

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مشرق کی سرزمین فتنوں کی زمین ہے، اس میں شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے، یعنی اس میں شیطان کے ہمنوا، پیروکار اور اس کا خوب تسلط ہوگا۔

خراسان سے کالے جھنڈوں کا ظہور ہوگا

خراسان سے سیاہ جھنڈے والا ایک لشکر نکلے گا، اس میں اللہ کا خلیفہ امام مہدی ہوگا، وہ علاقے فتح کرتا ہوا ایلیا شہر میں پہونچے گا، جہاں ان کے جھنڈوں کو نصب کیا جائے گا، ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب خراسان کی جانب سے کالے جھنڈوں والا لشکر نمودار ہو، تو تم بھی اس میں شامل ہو جانا، کیونکہ اس میں امام مہدی ہوگا۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۳۵/۶، قدیمی کراچی

أبواب الرؤيا عن رسول الله ﷺ

یہ ابواب ان احادیث پر مشتمل ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے خواب کے بارے میں منقول ہیں۔

باب أَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا اقترب الزمان، لم تكد رؤيا المؤمن تكذب، وأصدقهم رؤيا أصدقهم حديثا، ورؤيا المسلم جزء من ستة وأربعين جزءا من النبوة، والرؤيا ثلاث: فالرؤيا الصالحة بشرى من الله، والرؤيا من تحزين الشيطان، والرؤيا مما يحدث بها الرجل نفسه، فإذا رأى أحدكم ما يكره فليقم وليتفل ولا يحدث بها الناس قال: وأحب القيد في النوم، وأكره الغل. القيد: ثبات في الدين۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا، تو مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا، لوگوں میں سب سے سچا خواب، اس شخص کا ہوگا، جو باتوں میں سب سے سچا ہوگا، اور مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، اور خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک نیک خواب، جو اللہ کی طرف سے بشارت ہے، دوسرا وہ خواب ہے، جو شیطان کی طرف سے پریشان کرنے کے لئے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہے، جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناگوار ہو، تو اسے چاہیے کہ اٹھ جائے اور بائیں جانب تھوک دے، اور لوگوں سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرے، اور فرمایا: میں خواب میں بیڑی کو دیکھنا پسند کرتا ہوں اور طوق کو دیکھنا ناپسند کرتا ہوں، اور بیڑی کی تعبیر دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔

عن عبادة بن الصامت: أن النبي ﷺ قال: رؤيا المؤمن جزء من ستة وأربعين جزءا من النبوة۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رؤیا: وہ شکل وصورت اور چیز جو نیند میں نظر آئے۔ تحزین: پریشان اور غمگین کرنا۔ لیتفل: چاہیے کہ وہ تھوک دے۔ القید: (قاف پر زبر) بیڑی، یہاں حدیث میں دین پر استقامت اور ثابت قدمی مراد ہے۔ الغل: (غین پر پیش) طوق۔

خواب کی قسمیں اور ان کا درجہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خواب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) نیک خواب، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے بشارت ہوتے ہیں، یہ ایک قسم کا الہام ہوتا ہے، جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۲) شیطانی خواب جس میں شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، اس کو "تسویل شیطانی" بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) نفسانی خواب کہ بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے، یا جو صورتیں اور چیزیں دیکھتا رہتا ہے، وہی خواب میں نظر آجاتی ہیں، اسے "حدیث النفس" بھی کہا جاتا ہے۔

لہذا جب انسان کوئی نامناسب اور برا خواب دیکھے، تو بائیں جانب تھوک دے، اور ہوسکے، تو دو رکعت نماز نفل پڑھ لے، اور اس خواب کا کسی کے سامنے ذکر بھی نہ کرے۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اسی لئے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے، ان کے خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہوجاتی ہے، اور بعض اوقات گناہوں کی تاریکی صحیح خواب پر چھا جاتی ہے یوں وہ اسے ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے، اور بعض اوقات صحیح تعبیر سمجھ میں ہی نہیں آتی،

خواب کی مذکورہ اقسام میں سے دوسری اور تیسری دونوں قسمیں باطل ہیں، جن کی نہ کوئی حقیقت واصلیت ہے، اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہوسکتی ہے، اس لئے یہ دونوں قسمیں ناقابل اعتبار ہیں۔

خواب میں جزء نبوت ہونے کے معنیٰ

حدیث کے شروع میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذا اقترب الزمان، جب زمانہ قریب ہوجائے گا، اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) اس سے قرب قیامت مراد ہے، اس لئے کہ جب چیز کم ہوجائے، تو اس کی تعبیر قرب سے کی جاتی ہے جیسے جب اونٹ کم ہوجائیں تو کہتے ہیں تقاربت ابل فلان، لہذا اقترب الزمان کا مطلب ہوگا کہ زمانہ کم ہوجائیگا، یہی قرب قیامت ہے۔

(۲) اس سے سال کا وہ موسم مراد ہے، جس میں دن اور رات بالکل معتدل اور برابر ہوں، ان ایام میں، جو خواب نظر آئے، تو وہ سچی ہوتی ہے۔

(۳) تقارب زمان سے دن اور رات کا جلدی گذرنا مراد ہے، چنانچہ قرب قیامت میں سال مہینہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح ہوگا، یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے، اس زمانے میں سچے خواب نظر آئیں گے۔

جزء من ستة وأربعين جزءا اس روایت میں چھیالیس جزء کا ذکر ہے، جب کہ بعض میں چالیس، چوالیس، پینتالیس، انچاس......اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے،

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں، بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ درست ہے، اور تعدد اجزاء کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا، اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے اسی قدر قریب ہوگا، اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے بعید ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ سچے خواب جزء نبوت کیسے ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نبوت کی وحی کا سلسلہ تیئس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے چھ ماہ میں یہ وحی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بیداری کی حالت میں انسانی صورت میں وحی لاتے رہے، تو ابتدائی چھ ماہ کی نسبت ۲۳ سال کی طرف کی جائے تو وہ چھیالیسواں حصہ بنتا ہے، اس طرح سچے خواب وحی نبوت کا چھیالیسواں جزء ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ کی وفات سے منقطع ہو چکا ہے، تو پھر مومن کا خواب جزء نبوت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر نبی کا خواب، نبوت کا جزء بطور مجاز ہے، معنی یہ ہیں کہ نبوت کی ایک صفت اور عادت اس میں پائی جا رہی ہے، اس سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔

قادیانیوں کا ایک غلط استدلال

اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے، گویا نبوت بھی باقی ہے، ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے، کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے، اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے اگر کسی شخص کا ایک ناخن، یا ایک بال کہیں موجود ہو، تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، اگر کوئی ایسا کہنے لگے تو دنیا بھر کے انسان اس کو یا جھوٹا کہیں گے یا اسے بے وقوف سمجھیں گے، اس لئے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، کیوں کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔(۱)

واحب القید فی النوم... نبی کریم ﷺ خواب میں بیڑی کو پسند فرماتے کیوں کہ اس کی تعبیر دین پر ثابت قدمی ہے، چنانچہ جو بندہ بیڑی میں جکڑا ہوا ہو تو وہ چل نہیں سکتا اسی طرح ایمان، مسلمان کو باطل اور گمراہی کی طرف جانے سے بچاتا ہے، اور خواب میں طوق کو ناپسند فرماتے تھے، کیوں کہ یہ اہل جہنم کی صفت ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: اذ الأغلال فی أعناقهم (۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم، کتاب الرؤیا، باب الرؤیا ۴/۴۲۳، معارف القرآن ۵/۲۰،

(۲) تحفة الاحوذی ۶/۴۵۳

بَابُ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور مبشرات یعنی نیک خواب باقی ہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ، قَالَ: فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: لٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ. فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے، اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول آئے گا، اور نہ کوئی نبی، راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کو گراں معلوم ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن بشارت دینے والی چیزیں اب بھی باقی ہیں، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ: مبشرات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کا خواب، جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ: (لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) فَقَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ، مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ أُنْزِلَتْ، هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى لَهُ.

ایک مصری شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء سے، اللہ تعالیٰ کے اس قول لهم البشرى في الحياة الدنيا کے بارے میں پوچھا (کہ اس سے کیا مراد ہے) تو انہوں نے فرمایا: کہ مجھ سے اس آیت کے بارے میں آپ کے علاوہ سوائے ایک شخص کے اور کسی نے نہیں پوچھا، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: آپ کے علاوہ کسی اور نے اس بارے میں نہیں پوچھا، جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے، وہ (یعنی بشریٰ) نیک خواب ہے، جس کو مسلمان خود دیکھے، یا اس کے لئے کسی اور کو دکھایا جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے سچا خواب سحری کے وقت کا ہوتا ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: {لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا} قَالَ: هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ أَوْ تُرَى لَهُ.

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لهم البشرى في الحياة الدنيا کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ نیک خواب ہے، جسے مومن خود دیکھے یا اس کے لئے کسی اور کو دکھایا جائے۔

صرف مبشرات باقی ہیں

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبوت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے، صرف مبشرات یعنی نیک خواب باقی ہیں، جو مسلمان کے لئے ایک بشارت ہوتی ہے، مؤمن کے خواب کو مبشرات تغلیبا کہا ہے، کیوں کہ اس کا ہر خواب باعث خوشی نہیں ہوتا، ایسے خواب بھی دیکھ سکتا ہے، جو اس کے لئے خوفناک ہوں۔

دوسری اور چوتھی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیت لھم البشری میں بشری سے نیک خواب مراد ہیں، جنہیں مؤمن خود دیکھتا ہے یا دوسرا کوئی اس کے بارے میں دیکھتا ہے۔

تیسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے سچے خواب سحری کے وقت کے ہوتے ہیں، کیوں کہ اس وقت معدہ خالی اور طبیعت پر سکون ہوتی ہے، فرشتوں کے نزول کا وقت ہوتا ہے، اس بناء پر اس وقت کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔(۱)

رسول اور نبی کی تعریف میں فرق

رسول: اس پیغمبر کو کہتے ہیں، جو نئی شریعت لے کر آئے، خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا صرف ان کی امت کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت، وہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی قدیم شریعت تھی لیکن قوم جرہم جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا، ان کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا، اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں، جیسے فرشتے کہ وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں یا جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کے فرستادہ قاصدین، جن کو آیت قرآن اذ جاءھا المرسلون میں رسول کہا گیا ہے، حالانکہ وہ انبیاء نہ تھے۔

نبی: وہ ہوتا ہے جو صاحب وحی ہو، خواہ وہ نئی شریعت کی تبلیغ کرے، یا شریعت قدیمہ کی، جیسے بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي

یہ باب حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۳۵۵

(۲) معارف القرآن ۶/۴۲

مجھے ہی دیکھا ہے کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

من رآنی فی المنام کے معنی

آپ ﷺ کو خواب میں کس طرح دیکھا جائے، تو آپ ہی کو دیکھنا شمار ہوگا، اس میں محدثین کے دو قول ہیں:

(۱) محمد بن سیرین، امام بخاری، قاضی عیاض اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک خواب میں آپ ﷺ کو اصلی اور معروف شکل وصورت میں دیکھا جائے تو یہ درست خواب ہوگی، جس میں شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس صورت میں اس نے واقعی آپ ﷺ ہی کو دیکھا ہے۔

(۲) اکثر حضرات کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں کہ آپ کو معروف شکل وصورت میں ہی دیکھا جائے، بلکہ اگر معروف شکل و صورت کے خلاف ہیئت میں خواب میں دیکھے تو بھی وہ خواب درست ہوگا، وہ شکل وصورت خواہ جوانی سے متعلق ہو یا بڑھاپے اور آخری عمر سے، کیوں کہ شکل وشباہت کے اختلاف سے آپ کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا تعلق خواب دیکھنے والے سے ہے، جو شخص آپ ﷺ کو اچھی شکل وصورت میں دیکھے تو یہ اس کے ایمان کے کامل اور عقیدے کے درست ہونے کی علامت ہے، اور جو شخص اس کے خلاف دیکھے، تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری اور فساد عقیدہ کی علامت ہوتی ہے۔

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی اصلی ذات دکھائی دیتی ہے یا آپ کی مثالی صورت، راجح یہی ہے کہ آپ کی مثالی شکل وصورت دکھائی جاتی ہے۔

اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں، مختلف ملکوں اور مختلف لوگوں کو ہوتی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی ہر جگہ دیکھا جاسکے؟

اس زمانے میں اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں، کیوں کہ یہ ٹی وی اور کمپیوٹر کا دور ہے، جب ان میں ایک ہی چیز کو بیک وقت کئی جگہوں پر دیکھا جاسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے، کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت بیک وقت مختلف جگہوں پر دکھا دیں۔(۱)

شیطان خواب میں نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت میں تو نہیں آسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں ہادی اور مضل (ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا) اضلال یعنی گمراہ کرنے کا عمل چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے صفت ضلالت کے بل بوتے پر وہ یوں گمراہ کرسکتا ہے کہ خواب میں کسی کو

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۲/۴۵۱

یوں کہے کہ میں اللہ ہوں، جبکہ نبی کریم ﷺ ہادی محض ہیں، مضل نہیں، اس لئے شیطان آپ کی شکل وصورت میں نہیں آسکتا۔[۱]

حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق دو اہم باتیں

(۱) اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو خواب میں دیکھے، تو اس پر بیداری کی حالت کے احکام جاری نہیں ہوں گے، یعنی اسے صحابی نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس نے حضور ﷺ کو بیداری میں حالت اسلام میں دیکھا ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

(۲) خواب میں حضور اکرم ﷺ کسی امر کا حکم فرمائیں یا کسی چیز سے منع کریں، تو یہ حجت نہیں، یعنی اس پر عمل کرنا لازم نہیں، یہ دیکھا جائے کہ وہ امر یا نہی شریعت کے اصول وضوابط کے موافق ہے یا نہیں، اگر موافق ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، ضروری نہیں، اور اگر وہ خلاف شرع ہو، تو اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خواب کے مطابق اس حکم پر عمل کرنا اس لئے ضروری نہیں کہ خواب میں بہت سے احتمالات ہوتے ہیں کہ اسے پوری بات یاد ہے یا نہیں، اس کی کیا تفصیل تھی،...... ان تمام چیزوں کا ذہن میں رہنا کوئی ضروری نہیں، اس لئے خواب میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری نہیں، جیسے منقول ہے کہ ایک شخص کو زیارت ہوئی تو اس نے بتایا کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: اشرب الخمر، شراب پی لیا کرو، اس نے ایک عالم سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اصل میں حضور ﷺ نے لا تشرب الخمر (کہ شراب مت پینا) فرمایا تھا، لیکن اسے مکمل جملہ یاد نہیں رہا تھا، یا شیطان نے اس پر خلط ملط کر دیا، اس لئے خواب میں حضور کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں۔[۲]

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا رَأَى فِي الْمَنَامِ مَا يَكْرَهُ، مَا يَصْنَعُ؟

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب آدمی خواب میں کسی ناگوار چیز کو دیکھے تو کیا کرے

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ.

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہذا تم میں سے کوئی جب ایسی کوئی چیز خواب میں دیکھے، جو اسے ناگوار ہو، تو اسے اپنی

---

(۱) تقریر بخاری ۱/۳۸ کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، فتح الباری ۱۲/۴۷۹ کتاب التعبیر باب: من رأی النبی ﷺ فی المنام

(۲) تکملۃ فتح الملہم، کتاب الرؤیا، باب... من رآنی فی المنام ۴/۲۵۱۔

بائیں جانب تین بار تھوک دینا چاہیے، اور اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر سے پناہ مانگے، تب وہ خواب واقعی اسے نقصان نہیں دے گا۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ الحلم: (حاء پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ) برا اور پراگندہ خواب۔ رؤیا: نیک اور اچھا خواب۔ فلینفث: تھوک کے بغیر پھونک مار دے۔

حدیث میں اس بارے میں تین طرح کے الفاظ فلینفث، لیبصق، اور لیتفل منقول ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ لیبصق اور لیتفل بھی مجازاً لینفث کے معنی پر ہی محمول ہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تینوں الفاظ تھوک کے معنی پر محمول ہیں شیطان کی توہین وتحقیر کی وجہ سے۔(۱)

لیستعذ باللہ: چاہیے کہ وہ اللہ سے پناہ مانگے۔ فانها لا تضرہ: یہ خواب اسے کوئی ضرر نہیں پہونچائے گا جب وہ مسنون اعمال کا اہتمام کرلے۔

ناپسندیدہ خواب دیکھنے کے مسنون اعمال

مختلف احادیث میں ناپسندیدہ خواب دیکھنے کے چھ مسنون اعمال ذکر کئے گئے ہیں: (۱) انسان اللہ سے برے خواب کے شر سے پناہ مانگے۔ (۲) اللہ سے شیطان کی پناہ مانگے۔ (۳) اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے۔ (۴) کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ (۵) دو رکعت نماز پڑھ لے، (۶) وہ کروٹ بدل لے جس میں اسے برا خواب نظر آیا ہے۔

ان تمام آداب یا ان میں سے اکثر پر عمل کرلیا جائے، تو پھر برے خواب کا کوئی نقصان اسے نہیں پہونچے گا، یہ اعمال گویا حفاظت کا باعث بن جائیں گے جیسا کہ صدقہ مال کی حفاظت اور دفع بلا کا سبب ہوتا ہے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا

یہ باب خواب کی تعبیر کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعِينَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ، وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا، فَإِذَا تَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ۔ قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَلَا تُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا لَبِيباً أَوْ حَبِيباً۔

حضرت ابو رزین عقیلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، یہ خواب (عدم استقرار کے اعتبار سے گویا) پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک کہ اسے بیان نہ کیا

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۴۳۹

(۲) تکملة فتح الملهم ۴/۴۳۹، تحفة الاحوذی ۶/۴۵۹

جائے، جب اس کو بیان کر دیا جائے (یعنی اس کی تعبیر بیان کر دی جائے) تو وہ خواب گر جاتا ہے (یعنی اس کا حکم ثابت ہو جاتا ہے) راوی کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اس خواب کو صرف عقلمند یا محبت کرنے والے سے بیان کرو۔

عَنْ أَبِي رَزِينٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ۔

حضرت ابورزین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اور یہ خواب پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے، جب تک اسے بیان نہ کیا جائے، جب وہ اسے بیان کر دے، تو وہ واقع ہو جاتا ہے (یعنی اس تعبیر کے مطابق حکم ثابت ہو جاتا ہے)۔

کسی عالم اور عقلمند کے سامنے خواب کو بیان کیا جائے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خواب ہر کسی کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس آدمی کے سامنے بیان کیا جائے، جو عقلمند ہو، یا دوست ہو یا عالم اور خیر خواہ ہو، کیوں کہ خواب عدم استقرار کے اعتبار سے گویا پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جس طرح پرندے کے پاؤں پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی، اسی طرح خواب تعبیر سے پہلے معلق رہتا ہے، جب تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ اسی تعبیر کے مطابق ثابت ہو جاتا ہے یعنی اس کا حکم اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، اس لئے صحیح تعبیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی صحیح آدمی کے سامنے خواب کو بیان کیا جائے۔(۱)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ، فَرُؤْيَا حَقٌّ، وَرُؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَرُؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَمَنْ رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ، وَكَانَ يَقُولُ: يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، الْقَيْدُ: ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ۔ وكان يقول: مَنْ رَآنِي فَإِنِّي أَنَا هُوَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِي۔ وكان يقول: لَا تُقَصُّ الرُّؤْيَا إِلَّا عَلَى عَالِمٍ أَوْ نَاصِحٍ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خواب تین (قسم کے) ہیں ایک سچا خواب ہوتا ہے، دوسرا وہ خواب جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے اور تیسرا وہ خواب جو شیطان غمگین کرنے کے لئے دکھاتا ہے، لہذا جو شخص ایسا خواب دیکھے، جو اسے ناگوار ہو، تو اسے چاہیے کہ کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے، اور حضور ﷺ فرماتے تھے

(۱) تحفة الاحوذی ۲۶۱/۶

مجھے بیڑی اچھی لگتی ہے اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں، اور بیڑی سے دین پر ثابت قدمی مراد ہے، اور آپ فرماتے: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو وہ واقعی میں ہی ہوں، کیوں کہ شیطان میری شکل وصورت میں نہیں آسکتا، اور آپ فرماتے تھے، خواب کسی عالم یا خیرخواہ کے سامنے ہی بیان کیا جائے (کسی اور کے سامنے بیان نہ کیا جائے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَكْذِبُ فِي حُلْمِهِ

یہ باب اس شخص (کے حکم) کے بارے میں ہے، جو اپنے خواب میں جھوٹ بولے

عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَذَبَ فِي حُلْمِهِ، كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيرَةٍ.

حضرت علی سے روایت ہے، عبدالاعلی کہتے ہیں کہ ابوعبدالرحمن کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے خواب میں جھوٹ بولے، تو اسے قیامت کے دن ایک جو کے دانے میں گرہ لگانے کا مکلف بنایا جائے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَحَلَّمَ كَاذِبًا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَعْقِدَ بَيْنَهُمَا.

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹے خواب بیان کرے، تو اس کو قیامت کے دن دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف بنایا جائے گا، اور وہ ہرگز ان میں گرہ نہیں لگا سکے گا۔

جھوٹا خواب بیان کرنے پر سخت وعید

جو شخص اپنی طرف سے جھوٹا خواب لوگوں کے سامنے بیان کرے تو احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، کہ ایسے شخص کو قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے اور ظاہر ہے کہ وہ دو غیر متصل چھوٹی چیزوں کے درمیان گرہ نہیں لگا سکے گا، تو ایسی صورت میں اسے عذاب میں رہنا ہوگا، تو یہ دراصل عذاب سے کنایہ ہے، کیوں کہ اس نے جزء نبوت میں جھوٹ شامل کیا ہے، جو اللہ تعالی پر بہت بڑا جھوٹ ہے۔(۱)

بَابٌ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَيْتُ

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۶۳

فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الْعِلْمَ.

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ اس دوران کہ میں سو رہا تھا کہ اچانک میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے پیا، پھر میں نے باقی ماندہ عمر بن خطاب کو دے دیا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ اس کی کیا تعبیر بیان فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔

خواب میں دودھ کی تعبیر

خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس کی تعبیر علم سے بیان کی گئی ہے، کیوں کہ علم اور دودھ دونوں ہی نفع بخش چیزیں ہیں،

اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف بیان کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم نبوت سے خوب نوازا تھا، ان کا زمانہ خلافت بھی طویل تھا، فتوحات کا سلسلہ بھی وسیع اور دین کی نشر و اشاعت کا موقع بھی بہت میسر آیا، اور ان کی اطاعت پر امت کا اتفاق رہا ہے، تاہم اس وجہ سے ان کو حضرت ابوبکر پر فضیلت حاصل نہ ہوگی، کیوں کہ صدیق اکبر بہر حال علم و عمل کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام پر فائق ہیں۔(۱)

بَابٌ

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: فَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ. قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الدِّينَ.

ابوامامہ بن سہل کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور ان (کے جسموں) پر قمیصیں ہیں، ان میں سے بعض قمیصیں سینہ تک پہونچی ہوئی تھیں اور بعض اس سے نیچے تک تھیں، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے سامنے عمر پیش کیے گئے اور ان پر اتنی لمبی قمیص تھی جسے وہ کھینچ رہے تھے، صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ اس کی کیا تعبیر دیتے ہیں؟ فرمایا: (اس سے) دین (مراد ہے)۔

قمیص کی تعبیر دین سے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواب میں اگر قمیص دیکھی جائے تو اس کی تعبیر دین ہے، جس مسلمان کا دین جس قدر مضبوط

---

(۱) الکوکب الدری ۲۰۱/۳

اور اعلیٰ درجہ پر ہوگا، اسی طرح اس قمیص نے اس کے جسم کو زیادہ ڈھانپا ہوگا، اور جو دین میں کم تر ہوگا، اسی قدر وہ قمیص اس کے جسم کو کم ڈھانپے گی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ قمیص کا اس قدر بڑا ہونا کہ حضرت عمر فاروق اسے گھسیٹ رہے تھے، یہ ان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کہ وہ دین میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، اور ان کے آثار جمیلہ، طور طریقے اور سنتیں تا قیامت لوگوں کے لئے باعث اتباع ہوں گی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں دین کو لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ولباس التقوی ذلک خیر، (تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے) اور قمیص کی تعبیر دین اس وجہ سے ہے کہ جس طرح قمیص دنیا میں بدن کو ڈھانپتی ہے، ایسے ہی دین ناپسندیدہ چیزوں سے رکاوٹ اور آخرت میں ساتر ہوگا، چنانچہ اہل عرب قمیص سے فضل وکمال اور پاک دامنی بطور محاورے کے مراد لیتے ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمِيزَانِ وَالدَّلْوِ

یہ باب آپ ﷺ کو خواب میں ترازو میں دیکھنے اور ڈول کو خواب میں دیکھنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ رُؤْيَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا رَأَيْتُ كَأَنَّ مِيزَانًا نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ أَنْتَ وَأَبُو بَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ بِأَبِي بَكْرٍ، وَوُزِنَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ أَبُو بَكْرٍ، وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيزَانُ، فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں میں نے دیکھا ہے کہ گویا کہ ایک ترازو آسمان سے اترا ہے، جس میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر دونوں تولے گئے تو آپ ﷺ ابوبکر کے مقابلے میں جھک گئے، (یعنی آپ بھاری ہوگئے) پھر ابوبکر وعمر تولے گئے تو ابوبکر جھک گئے (یعنی غالب آگئے) پھر عمر وعثمان کا وزن کیا گیا تو عمر فاروق غالب آگئے پھر ترازو اٹھالیا گیا تو ہم نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر ناگواری کے آثار محسوس کئے۔

عن عائشة قالت: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ وَرَقَةَ، فقالت له خَدِيجَةُ: إِنَّهُ كَانَ صَدَّقَكَ وَإِنَّهُ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ، فقال رسول الله ﷺ: أُرِيتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ، وَلَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذَلِكَ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ سے حضرت خدیجہ نے عرض

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲/۳۶۶

کیا: بے شک وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے، لیکن وہ آپ کے (نبی بن کر) ظاہر ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے ہیں، اس حال میں کہ ان پر سفید کپڑے تھے، اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے، تو ان پر اس کے علاوہ اور کوئی لباس ہوتا۔

عن عبد اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ رُؤْيَا النبيِّ ﷺ في أبي بكرٍ و عُمَرَ فقال: رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فنَزَعَ أبو بكرٍ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ، فيهِ ضَعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ قامَ عُمَرُ فنَزَعَ فاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِالْعَطَنِ۔

عبداللہ بن عمر حضور اکرم ﷺ کا خواب حضرت ابوبکر و عمر (کی مدت خلافت) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہیں، ابوبکر نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا اور اس نکالنے میں ذرا کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے، پھر عمر کھڑے ہو گئے انہوں نے ڈول کھینچے، پھر وہ ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا، میں نے ایسا کوئی باکمال شخص نہیں دیکھا جوان (یعنی عمر) جیسا حیرت انگیز کام کرتا ہو، یہاں تک کہ لوگوں نے اونٹوں کے لئے حوض پانی سے بھر لئے۔

عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ عن رُؤْيَا النبيِّ ﷺ قالَ: رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ، فَأَوَّلْتُهَا وَبَاءَ الْمَدِينَةِ يُنْقَلُ إِلَى الْجُحْفَةِ۔

عبداللہ بن عمر حضور ﷺ کے خواب کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک پراگندہ بالوں والی سیاہ عورت دیکھی کہ وہ مدینہ سے نکل کر مہیعہ چلی گئی، مہیعہ: وہ جحفہ ہے، میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وبا جحفہ منتقل کر دی گئی ہے۔

عن أبي هُرَيْرَةَ عن النبيِّ ﷺ قالَ: في آخِرِ الزَّمَانِ لا تَكَادُ رُؤْيَا المؤمنِ تَكْذِبُ، وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا، وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: الْحَسَنَةُ بُشْرَى مِنَ اللّٰهِ، وَالرُّؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ، وَالرُّؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، الْقَيْدُ: ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ۔ قَالَ: وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانے میں مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا، لوگوں میں سب سے سچے خواب ان لوگوں کے ہوں گے جو باتوں میں زیادہ سچے ہوں گے اور خواب تین طرح کے ہیں، اول وہ اچھا خواب ہے، جو اللہ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے، دوسرا وہ خواب ہے، جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے اور تیسرا وہ خواب ہے، جو شیطان کی طرف سے غمگین کرتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے، جو اسے

ناگوار ہو، تو وہ کسی کے سامنے بیان نہ کرے، اور کھڑا ہوجائے اور نماز پڑھے، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں بیڑی کا دیکھنا اچھا لگتا ہے اور طوق کو دیکھنا ناپسند کرتا ہوں، بیڑی سے دین میں ثابت قدمی مراد ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: رأيت في المنام كأن في يدي سوارين من ذهب، فهمني شأنهما، فأوحي إلي أن أنفخهما فنفختهما فطارا، فأولتهما كاذبين يخرجان من بعدي، يقال لأحدهما: مسلمة، صاحب اليمامة، والعنسي صاحب صنعاء۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، ان دونوں کی حالت نے مجھے غم میں مبتلا کردیا، اتنے میں میری طرف وحی بھیجی گئی کہ میں ان کو پھونک ماروں، چنانچہ میں نے ان میں پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، میں نے ان کی تعبیر یہ لی کہ میرے بعد دو جھوٹے آئیں گے، ان میں سے ایک کو مسلمہ کہا جائے گا، جو یمامہ کا رہنے والا ہوگا، اور دوسرا عنسی ہوگا جو صنعاء شہر کا باشندہ ہوگا۔

عن ابن عباس قال: كان أبو هريرة يحدث: أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ فقال: إني رأيت الليلة ظلة ينطف منها السمن والعسل، ورأيت الناس يستقون بأيديهم، فالمستكثر والمستقل، ورأيت سببا واصلا من السماء إلى الأرض، فأراك يا رسول الله أخذت به فعلوت، ثم أخذ به رجل بعدك فعلا، ثم أخذه رجل بعده فعلا، ثم أخذ به رجل فقطع به ثم وصل له فعلا به، فقال أبو بكر: أي رسول الله بأبي أنت وأمي: والله لتدعني أعبرها، فقال: اعبرها۔ فقال: أما الظلة: فظلة الإسلام، وأما ما ينطف من السمن والعسل فهذا القرآن لينه وحلاوته، وأما المستكثر والمستقل، فهو المستكثر من القرآن والمستقل منه، وأما السبب الواصل من السماء إلى الأرض، فهو الحق الذي أنت عليه، فأخذت به، فيعليك الله، ثم يأخذ به بعدك رجل آخر فيعلو به، ثم يأخذ بعده رجل آخر فيعلو به، ثم يأخذ آخر فينقطع به، ثم يوصل فيعلو به، أي رسول الله لتحدثني: أصبت أم أخطأت؟ فقال النبي ﷺ: أصبت بعضا وأخطأت بعضا۔ قال: أقسمت بأبي أنت وأمي يا رسول الله: لتخبرني ما الذي أخطأت؟ فقال النبي ﷺ: لا تقسم۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ میں نے رات میں خواب دیکھا، کہ ایک سائبان یا بادل ہے، جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے پانی لے رہے تھے، ان میں سے بعض زیادہ لے رہے تھے اور بعض کم، اور میں نے ایک رسی کو دیکھا، جو آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے میں نے آپ کو دیکھا یا رسول اللہ کہ آپ نے اس

رسی کو پکڑا اور اوپر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص نے رسی پکڑی اور وہ بھی چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے رسی پکڑی تو وہ ٹوٹ گئی پھر اسے جوڑ دیا گیا، تو وہ بھی اس سے اوپر چڑھ گیا، صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لہذا مجھے اس کی تعبیر بتانے کی اجازت دے دیجئے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تعبیر بتا دو، تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ سائبان سے اسلام مراد ہے اور جو گھی اور شہد اس سے ٹپک رہا ہے، تو یہ قرآن ہے، جس کے مضامین نرم اور میٹھے ہیں، اور پانی کو زیادہ اور کم لینے والے سے قرآن مجید کو زیادہ اور کم لینے والے مراد ہیں، اور اس رسی کا مفہوم جو آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے، وہ حق ہے، جس پر آپ قائم ہیں، آپ نے اسے اختیار فرمایا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو بلند فرمائے گا، پھر آپ کے بعد ایک شخص (یعنی صدیق اکبر) اسے پکڑے گا، تو وہ بھی اس کی وجہ سے بلند ہوگا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص (عمر فاروق) آئے گا تو وہ بھی اس کی وجہ سے بلند ہوگا، پھر ایک اور شخص اسے پکڑے گا، تو وہ ٹوٹ جائے گی، پھر اسے جوڑا جائے گا، تو وہ شخص بھی اس کی وجہ سے سر بلند ہو جائے گا۔

یا رسول اللہ آپ بتا دیجئے کہ میں نے صحیح تعبیر بیان کی ہے یا اس میں کوئی غلطی بھی کی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بعض کی تعبیر تم نے درست دی ہے اور کچھ میں تم نے غلطی کی ہے، ابوبکر صدیق نے عرض کیا: میں قسم دے کر پوچھتا ہوں: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں: آپ مجھے وہ غلطی ضرور بتا دیجئے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ تم قسم نہ کھاؤ۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى بِنَا الصُّبْحَ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، وَقَالَ: هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رُؤْيَا اللَّيْلَةَ.

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی نماز پڑھا لیتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے اور فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے رات میں کوئی خواب دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: ۔میزان: ترازو۔ رجحت: آپ غالب آ گئے، بھاری ہو گئے۔ ذنوب: چھوٹا ڈول۔ دلو: بڑا ڈول۔ نزع: پانی کھینچا، پانی نکالا۔ استحالت: بدل گیا۔ عبقریا: باکمال شخص، خوب ماہر۔ یفری: حیرت انگیز کام کرتا ہے۔ عطن: (عین اور طاء پر زبر) وہ حوض جو کنویں کے پاس جانوروں کو پانی پلانے کے لئے بنایا جاتا ہے۔(۱) پانی کے قریب اونٹوں اور بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ ثائرۃ الرأس: پراگندہ بال، بکھرے اور منتشر بال۔ وباء المدینۃ: مدینۃ منورہ کی عام بیماری۔ سوارین: (تثنیہ کا لفظ ہے) دو کنگن۔ ھمنی شانھما: ان کی حالت نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا۔ نفختھما: میں نے انہیں پھونک ماری۔ ظلۃ: (ظاء پر پیش کے ساتھ) سائبان، سایہ، بادل۔ تنطف: ٹپک رہا ہے۔ یستقون: ہاتھ سے پانی لیتے ہیں۔ المستکثر:

(۱) فتح الباری ۱۲/۵۱۱ کتاب التعبیر باب نزع الماء من البیر۔۔

زیادہ لینے والا۔ المستقل: تھوڑا اور کم لینے والا۔ سبب: رسی۔ واصلا: ملی ہوئی، جڑی ہوئی۔ قطع بہ: اس رسی کو توڑ دیا گیا۔

خواب میں ترازو دیکھنا

ایک صحابی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے ترازو نازل ہوا ہے، جس میں آپ ﷺ اور صدیق اکبر کو تولا گیا، تو حضور اکرم ﷺ غالب آگئے، پھر شیخین کو تولا گیا، تو حضرت صدیق اکبر غالب آگئے، پھر حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی کو تولا گیا تو حضرت عمر فاروق غالب آگئے، پھر اس ترازو کو اٹھالیا گیا، اس خواب سے دراصل اس طرف اشارہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر اور عمر فاروق کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا، اور دینی امور میں انحطاط اور زوال شروع ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس خواب میں جب ترازو اٹھائے جانے کا ذکر آیا تو آپ ﷺ کی طبیعت خراب ہوگئی، ناگواری کے آثار چہرہ انور پر ظاہر ہوگئے، نیز اس سے آپ کے بعد خلفاء کی ترتیب کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ پہلے خلیفہ صدیق اکبر، دوسرے عمر فاروق، اور تیسرے حضرت عثمان ہوں گے۔(۱)

ورقہ بن نوفل کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا خواب

اس باب کی دوسری حدیث میں ورقہ بن نوفل کے متعلق آپ کا خواب ذکر کیا گیا ہے، حضرت ورقہ بن نوفل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کی تھی، اسی کے مطابق وہ اپنی زندگی گذارتے رہے، علمی مہارت کی وجہ سے انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا، بت پرستی سے سخت بیزار تھے، آخری عمر میں ان کی بینائی چلی گئی تھی، جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی، تو آپ بہت گھبرا گئے، تو حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ان کے پاس گئیں، انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، اور آپ کو تسلی دی۔

اس حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کے جواب سے پہلے اپنے چچازاد بھائی کی حالت کو بیان کیا، کلام کا اسلوب ایسا اختیار کیا کہ ورقہ بن نوفل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے، چنانچہ حضرت خدیجہ نے یہ کہا کہ وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرتے تھے، اور وہ کہتے کہ جس فرشتے کو آپ ﷺ نے دیکھا ہے، یہ وہی فرشتہ ہے، جو آپ سے پہلے دیگر انبیاء...... حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر بھی وحی لے کر آتا تھا، اور آپ خدا کے پیغمبر ہیں اور اگر میں آپ کے ظہور اور غلبہ کے وقت زندہ رہا، تو آپ ﷺ کی مدد کروں گا، اور آپ کو طاقت فراہم کروں گا، گویا ایک طرف تو اس بات سے حضرت خدیجہ نے ان کے ایمان کو ثابت کرنا چاہا اور دوسری طرف یہ کہہ کر ایمان میں شک کا بھی اظہار کر دیا کہ ورقہ بن نوفل آپ کے ظہور سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنا خواب بیان فرما کر ان

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۶۶

کے مؤمن ہونے کی تصدیق کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ بن نوفل کو سفید کپڑوں میں دیکھا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہیں اور اہل جنت میں سے ہیں، اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے تو وہ سفید لباس میں نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ورقہ بن نوفل مؤمن تھے، اور ان کے ساتھ اہل ایمان والا معاملہ ہوگا، بلکہ بہت سے حضرات نے تو انہیں صحابہ کی جماعت میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔(۱)

شیخین کی مدت خلافت اور کارناموں سے متعلق ایک خواب

اس باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ صدیق اکبر نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا اور اس میں ذرا ضعف اور کمزوری تھی، اللہ انہیں معاف فرمائے، پھر عمر فاروق نے پانی نکالا تو وہ ڈول بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس خواب سے دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے:

(۱) صدیق اکبر کا زمانہ خلافت تھوڑا ہوگا، اور ان کے زمانے میں ارتداد اور انکار زکوۃ کا فتنہ ظاہر ہوگا "وفیہ ضعف" سے اسی طرف اشارہ ہے، "واللہ یغفر لہ" یہ دعائیہ جملہ ہے، جو حسن کلام کے لئے ذکر کیا جاتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے دراصل صدیق اکبر کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس سے ان کی فتوحات کی کمی کی طرف اشارہ ہو کہ اس میں صدیق اکبر کا کوئی قصور نہیں ہے، کیوں کہ ان کا زمانہ خلافت، تھا ہی مختصر، اور اس میں بھی انہوں نے کئی فتنوں کی سرکوبی کی، لہذا اس جملے سے ان کی کسی خامی، قصور اور عیب کو بیان کرنا مقصود نہیں، اور نہ ہی اس سے ان کی فضیلت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، اس صورت میں واللہ یغفر لہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ظاہری فتوحات کی کمی کی وجہ سے ان پر کوئی لعن طعن اور ملامت نہیں ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروق کا زمانہ خلافت طویل ہوگا، اور اس میں کثرت سے اسلامی فتوحات ہوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔(۲)

مدینہ کی وباء کا جحفہ منتقل ہونے کا خواب

اس باب کی چوتھی حدیث میں یہ خواب ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ مدینہ سے ایک کالی عورت، جو پراگندہ بالوں والی تھی، نکل کر جحفہ چلی گئی، تو آپ ﷺ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ مدینہ کی وباء اور عمومی مرض کو جحفہ منتقل کر دیا گیا ہے۔

اس خواب کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ اور صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہیں وہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی، سر درد اور بخار وغیرہ میں مبتلا ہو گئے، تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ مدینہ ہمارے لئے محبوب بنادے اور اس کی وبا کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دیجئے اور جحفہ میں اس وقت یہودی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب کے ذریعہ یہ بشارت

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۲۰۶

(۲) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۶۸

دے دی کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔

نبوت کے دو جھوٹے دعویدار

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کو خواب کے ذریعہ بتایا گیا کہ آپ کی بعثت و نبوت کے بعد دو جھوٹے نبوت کے داعی رونما ہوں گے۔

آپ نے خواب میں یہ دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، اس سے آپ غمگین ہوگئے کہ سونا تو مردوں کے لئے حرام ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں پھونک مارو، آپ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے، آپ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ میری بعثت کے بعد دو جھوٹے نبوت کے دعویدار آئیں گے، ایک کو مسلمہ، مسیلمہ اور دوسرے کو اسود عنسی کہا جائے گا۔

یمامہ جگہ کا نام ہے، وہاں پر مسلمہ نے حضور ﷺ کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اہل یمامہ نے اس کی تصدیق بھی کی تھی، مگر آپ کی حیات میں اسے غلبہ نہ ہوسکا، حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں حضرت وحشی نے اسے قتل کیا تھا، یہ وہی وحشی ہیں، جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ کو شہید کیا تھا، چنانچہ یہ خود کہا کرتے کہ میں نے زمانۂ کفر میں سب سے بہتر آدمی یعنی حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے برے انسان یعنی مسلمہ کو قتل کیا ہے۔(۱)

اسود عنسی یمن کے دارالحکومت ''صنعاء'' کا سردار تھا اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا، اسے ''ذوالخمار'' بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھا کرتا تھا، اس نے بھی حضور ﷺ کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، امام بیہقی نے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ دو شیطان تھے، ایک کو ''سحیق'' اور دوسرے کو ''شقیق'' کہا جاتا تھا، یہ اسے لوگوں کی ہر طرح کی خبریں بتاتے تھے، جب نبی کریم ﷺ کی طرف سے صنعاء کے مقرر کردہ گورنر ''باذان'' نامی کی وفات ہوئی تو عنسی کو اس کے شیطانوں نے اطلاع دیدی، اس پر اس نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر صنعاء شہر پر حملہ کردیا اور قبضہ کر کے باذان کی اہلیہ مرزبانہ کے ساتھ شادی کرلی...... اس نے اپنی حفاظت پر ایک ہزار بندوں کو مقرر کیا ہوا تھا، اس کے باوجود حضرت فیروز دیلمی اور آپ کے ساتھی دیوار میں نقب کر کے اندر گھس گئے، اسود عنسی کو مردار کیا وہ اس رات خالص شراب پی کر سویا تھا، عمدہ سامان اور باذان کی اہلیہ کو وہاں سے نکالا، نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: فاز فیروز۔ فیروز دیلمی کامیاب ہوگئے یہ واقعہ حضور ﷺ کی وفات سے چوبیس گھنٹے پہلے پیش آیا تھا۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۳۶۶/۷ کتاب المغازی، باب: قتل حمزۃ بن عبدالمطلب

(۲) تکملۃ فتح الملہم، ۳۶۷/۴ فتح الباری ۱۱۷/۸ کتاب المغازی، باب قصۃ الاسود العنسی

حضرت صدیق اکبر نے خواب کی تعبیر میں کیا غلطی کی

حضرت صدیق اکبر نے جب خواب کی تعبیر بیان کر کے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے یہ تعبیر صحیح دی ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ أصبت بعضا وأخطأت بعضا کچھ تعبیر صحیح دی ہے اور کچھ میں غلطی کی ہے، پھر صدیق اکبر نے قسم دے کر اپنی غلطی دریافت کرنا چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم قسم نہ کھاؤ۔

اس پر شارحین حدیث نے کلام کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے تعبیر میں کیا غلطی کی ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے خواب کی تعبیر میں کوئی غلطی نہیں کی، غلطی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی خواب کی تعبیر بتانے میں اجازت طلب کر لی، لیکن یہ قول درست نہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ صدیق اکبر نے خواب کی تعبیر میں خطا کی ہے۔

(۲) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ غلطی یہ ہے کہ صدیق اکبر نے عسل اور سمن دونوں سے ایک ہی چیز یعنی قرآن مراد لیا ہے جبکہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ عسل سے قرآن اور سمن سے سنت مراد ہے۔

(۳) صحیح قول یہ ہے کہ اس بارے میں دو وجہ سے خاموشی اور توقف اختیار کیا جائے، ایک تو اس وجہ سے کہ صدیق اکبر نے خواب کی تعبیر میں جو غلطی کی ہے، امت کے افراد میں سے کسی کے لئے اس میں علم صحیح کا دعویٰ کرنا نص صریح کے بغیر ممکن نہیں، اور دوسرا اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے غلطی کی وجہ بیان کرنے سے اعراض فرمایا جبکہ صدیق اکبر قسم دے کر پوچھ رہے تھے، کیوں کہ اسی میں امت کے لئے بہتری اور مصلحت تھی، ایسے میں ہمارے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں کہ اس چیز کی کھوج اور جستجو میں پڑیں، جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے قصد اور ارادے سے پوشیدہ رکھا ہے، ظاہر نہیں فرمایا۔(۱)

طلوع شمس سے پہلے خواب کی تعبیر کا حکم

باب کی آخری حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے بھی خواب کی تعبیر دی جاسکتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوتے اور پوچھا کرتے کہ آج رات کس نے خواب دیکھا ہے، لہذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ طلوع آفتاب سے پہلے خواب کی تعبیر نہیں دی جاسکتی، درست نہیں، بلکہ بعض علماء تو اس وقت خواب بیان کرنے اور اس کی تعبیر کو بہتر قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس وقت خواب اچھی طرح یاد ہوتا ہے، اور تعبیر دینے والے کا ذہن بھی ہر طرح کی فکر سے یکسو ہوتا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباری، کتاب التعبیر، باب من لم یر الرؤیا ۱۲/۵۳۹، تکملة فتح الملهم، ۴/۲۵۹

(۲) تکملة فتح الملهم ۴/۲۲۹ کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ

ابواب الشهادات من رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے شہادت سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

شہادات، شہادۃ کی جمع ہے: گواہی دینا، معنی یہ ہیں کہ جس واقعہ کا اس نے مشاہدہ کیا ہے، اس کی گواہی دینا کہ یہ معاملہ اس طرح تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّهَدَاءِ أَيُّهُمْ خَيْرٌ؟

یہ باب گواہوں کے بیان میں ہے کہ ان میں سب سے بہتر کون ہیں

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا۔

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں گواہوں میں سے سب سے بہترین گواہ نہ بتاؤں (تو سنو کہ) سب سے بہتر گواہ، وہ ہوتا ہے، جو گواہی کے مطالبے سے پہلے ہی گواہی دیدے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: خَيْرُ الشُّهَدَاءِ مَنْ أَدَّى شَهَادَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا۔

حضرت زید بن خالد جہنی نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: گواہوں میں سب سے بہترین گواہ، وہ ہوتا ہے، جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے ہی از خود گواہی دے دے۔

بہترین گواہ

بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کے مطالبے سے پہلے خود ہی شہادت دیدے، اس سے کیا مراد ہے؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کی تین تاویلیں کی گئی ہیں:

(۱) مالکیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے، جو کسی انسان کے کسی حق کا گواہ ہے لیکن اس انسان کو معلوم نہیں کہ یہ شخص میرے حق کا گواہ ہے، اب یہ شخص اسے بتاتا ہے کہ میں تمہارا گواہ ہوں، تو یہ شخص بہترین گواہ ہے، جو اس انسان کے حق کو زندہ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۲) یہ حدیث شہادت الحسبہ پر محمول ہے، حسبہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی نیت سے گواہی دینا، اور شہادت الحسبہ سے وہ گواہی مراد ہوتی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی مطالبہ اور مدعی کے دعوے کے بغیر خود ہی اہل حق یا قاضی کے سامنے شہادت دیدے، گویا یہ گواہ ایک ہی وقت میں مدعی بھی ہے اور شاہد بھی ہے، یہ گواہی صرف حقوق اللہ میں قبول ہوتی ہے،

جیسے حدزنا، حد شرب، زکوۃ، عتاق، وصیت، وقف، طلاق، عدت، حرمت، مصاہرت، خلع اور رضاعت وغیرہ، اس لئے اگر کسی کے پاس اس قسم کی کوئی شہادت ہو، تو اسے چاہیے کہ اس شہادت کو قاضی کے سامنے جا کر بیان کر دے، یہ اس کے پاس ایک قسم کی امانت ہے، اس طرح جو کرے گا، اسے اس حدیث میں خیر الشہداء کہا گیا ہے۔(۱)

(۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے تو پھر ٹال مٹول سے کام نہیں لیتا بلکہ فوراً ہی شہادت دیدیتا ہے، طلب کے بعد اداء شہادت میں تاخیر نہ کرے۔ اور جلدی ادا کرنے کو بطور مبالغہ کے یوں کہا گیا ہے کہ گواہی کے مطالبہ سے پہلے ہی گواہی دیدے، جیسے کہا جاتا ہے کہ سخی آدمی سوال سے پہلے ہی دیدیتا ہے، معنی یہ ہیں کہ جب اس سے عطیہ کا مطالبہ کیا جائے، تو فوراً ہی دیدیتا ہے، تاخیر نہیں کرتا۔(۲)

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مطالبے کے بغیر گواہی دے گا، تو وہ بہترین گواہ ہے، جبکہ ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے، جو گواہی کے مطالبے کے بغیر خود ہی گواہی دیدیں، بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے؟

اس لئے شارحین حدیث نے حدیثِ مذمت کی درج ذیل تاویلیں کی ہیں:

(۱) حدیث مذمت میں ان لوگوں کی گواہی کا ذکر ہے جو جھوٹی گواہی دیتے ہیں، جس بات کی کوئی اصل اور حقیقت ہی نہیں، حالانکہ ان سے کسی قسم کی گواہی کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا ہوتا۔

(۲) بعض نے کہا کہ حدیث مذمت میں اس شاہد کی گواہی کی مذمت ہے، جو شہادت دینے کا اہل ہی نہیں ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کی گواہی کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو محض شرارت و فساد کی غرض سے مطالبے کے بغیر ہی شہادت دیدیں، اگرچہ وہ شہادت واقع کے مطابق ہی ہو، تب بھی شرعاً یہ مذموم ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ احادیث میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں، کیونکہ دونوں کے مفہوم اور مطلب الگ الگ ہیں۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ لَا تَجُوزُ شَهَادَتُهُ

یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی گواہی شرعاً جائز نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُودٍ حَدًّا وَلَا مَجْلُودَةٍ وَلَا

(۱) تکملة فتح الملهم: ۵۹۸/۲ کتاب القضاء، باب: بیان خیر الشهداء، رد المحتار ۴۶۳/۵ ط: کراچی

(۲) شرح مسلم للنووی ۷۷/۲، تحفة الاحوذی ۴۷۶/۶

(۳) الکوکب الدری ۲۱۴/۳، تحفة الاحوذی ۴۷۶/۶

ذِی غِمْرٍ لِأَخِیْهِ، وَلَا مُجَرَّبِ شَهَادَةٍ، وَلَا الْقَانِعِ أَهْلَ الْبَیْتِ لَهُمْ، وَلَا ظَنِیْنٍ فِی وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ۔ قَالَ الْفَزَارِیُّ: الْقَانِعُ: التَّابِعُ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی جائز نہیں، اور نہ ایسے مرد وعورت کی شہادت، جن پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو، اور نہ بغض وعداوت والے کی بغض وحسد کی بناء پر، اور نہ ایسے آدمی کی شہادت معتبر ہے، جسے جھوٹی گواہی میں آزمایا جا چکا ہو، اور نہ کسی گھر کے خادم کی گواہی اہل خانہ کے حق میں، اور نہ اس شخص کی گواہی معتبر ہے جو ولاء، یا رشتہ داری میں متہم اور مشکوک ہو۔

فزاری کہتے ہیں کہ "قانع" سے "تابع" (ماتحت) مراد ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:۔ خائن: خیانت کرنے والا۔ مجلود حدا: جس پر حد کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے ہوں۔ غمر: (غین کے نیچے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ) حسد وبغض اور عداوت، ذی غمر کے معنی ہیں بغض وحسد اور دشمنی والا۔ إحنة: (ہمزے کے نیچے زیر کے ساتھ) بغض وحسد، دشمنی۔ مجرب شہادۃ: جسے جھوٹی گواہی میں بار بار آزمایا جا چکا ہو۔ قانع: ماتحت، گھر کا خادم۔ ظنین: متہم، مشکوک۔

کن لوگوں کی گواہی شرعاً معتبر نہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کی گواہی جائز اور درست نہیں:

(۱) خیانت کرنے والے مرد اور عورتیں، شارحین حدیث نے خیانت کے دو مفہوم بیان کئے ہیں:

☆ اس سے لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنا مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ ان مردوں اور عورتوں کی گواہی معتبر نہیں، جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے میں مشہور ہوں، اور ان کی خیانت لوگوں کے سامنے خوب ظاہر ہو چکی ہو۔

☆ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خیانت سے یہاں "فسق" مراد ہے، خواہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کی صورت میں ہو یا دینی احکام اور فرائض میں غفلت اور انہیں چھوڑنے کی وجہ سے ہو، ایسے لوگوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی، علماء نے اس مفہوم کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

(۲) وہ مرد اور عورت جس پر تہمت کی حد جاری کی جا چکی ہو، یہ اگر اپنے اس گناہ سے توبہ بھی کر لے، تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی، اگر چہ اس کا گناہ معاف ہو جائے، البتہ تہمت کی حد کے علاوہ دیگر حدود میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی معتبر ہوگی، جبکہ دیگر امام فرماتے ہیں کہ کسی بھی حد کے بعد، جب وہ اس گناہ سے توبہ کر لے، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، خواہ وہ حد، تہمت لگانے کے جرم میں جاری ہوئی ہو یا کسی اور گناہ مثلاً زنا کی وجہ سے ہو۔

(۳) دشمن کی گواہی قبول نہیں، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک تو مطلقاً اس کی شہادت معتبر نہیں، خواہ اس کی دشمنی دنیاوی ہو یا دینی

ہو، البتہ حنفیہ نے فرق کیا ہے کہ اگر دشمنی کسی دنیاوی امر کی وجہ سے ہے، تب تو اس کی گواہی معتبر نہیں، لیکن اگر بغض وعداوت دینی بنیاد پر ہو تو پھر اس کی گواہی معتبر ہوگی، جیسا کہ مسلمان کی شہادت کافر کے خلاف درست ہے۔(۱)

(۴) اس جھوٹے آدمی کی شہادت بھی معتبر نہیں، جس کا جھوٹ بار بار آزمایا جا چکا ہو اور لوگوں کی نظروں میں وہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہو۔

(۵) قانع کی گواہی معتبر نہیں، یعنی ایسا شخص جو کسی کے زیر نفقہ ہو، جس کا گذر کسی کے دینے پر ہو جیسے گھریلو خادم، ایسے شخص کی گواہی اپنے مخدوم اور مالک کے حق میں معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ اس شہادت میں غلط گواہی اور ذاتی مفاد کا احتمال ہے۔

یہی حکم ہر اس گواہی کا ہے، جس میں گواہ کا اس شہادت سے کوئی فائدہ وابستہ ہو اور تہمت کا اندیشہ ہو، لہذا اگر باپ اپنے بیٹے کے حق میں یا بیٹا اپنے باپ کے حق میں گواہی دے یا شوہر اپنی بیوی کے حق میں یا بیوی اپنے شوہر کے حق میں گواہی دے، تو اس کی گواہی درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینا گویا اپنی ذات کے فائدے کے لئے ہے، البتہ بھائی کی گواہی بھائی کے حق میں درست ہے، شرعاً اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۶) اس آدمی کی گواہی معتبر نہیں جو ولاء میں متہم ہو، مطلب یہ ہے کہ ایک غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا، اب یہ آزاد کردہ غلام اپنی آزادی کی نسبت اپنے اصل آقا کی طرف نہیں کرتا، بلکہ کسی اور کی طرف منسوب کرتا ہے، یہ بات لوگوں میں مشہور و معروف ہے، تو اس کی گواہی درست نہیں، کیونکہ یہ فاسق ہے، یہ اس بات سے دراصل حق ولاء کو دوسرے کے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے، حالانکہ یہ تو اصل آقا کے لئے ہے، کسی اور کے لئے ثابت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۷) اس آدمی کی بھی شہادت قبول نہیں، جو اپنی قرابت میں لوگوں کے ہاں متہم ہو، یعنی اپنا نسبی رشتہ کسی اور سے جوڑتا ہے، جبکہ وہ اس کا باپ نہیں، اس کی گواہی بھی قبول نہیں، کیونکہ اس کا یہ جھوٹ بھی فسق ہے، اور فاسق کی گواہی درست نہیں، اور اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنا نسب ثابت کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں۔

ولا نعرف معنی هذا الحدیث

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث یعنی "ولا ظنین فی ولاء ولا قرابۃ" کے معنی نہیں جانتے، کیونکہ بظاہر اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً ایک رشتہ دار کی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں معتبر نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، چنانچہ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ قرابت دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) عام قرابت، جسے مطلق قرابت بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) خاص قرابت جس میں رشتہ ولادت پایا جاتا ہو۔

امام ترمذی نے حدیث کے اس جملے سے مطلق قرابت مراد لی ہے، اس لئے انہوں نے فرمایا: ولا نعرف معنی هذا

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۲۲۰

الحدیث، حالانکہ اس سے قرابت خاص مراد ہے، معنیٰ یہ ہیں کہ ان رشتہ داروں کی آپس میں شہادت درست نہیں، جن کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو، اور جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں، لیکن ہیں وہ رشتہ دار، تو ان کی شہادت آپس میں شرعی شہادت کی شرائط کی بنیاد پر درست ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الزُّوْرِ

یہ باب جھوٹی گواہی کی مذمت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، أَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ، قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُهَا، حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ۔

ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، اور جھوٹی گواہی یا فرمایا جھوٹی بات کہنا، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بار بار یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے: کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

عَنْ أَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ عَدَلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ إِشْرَاكًا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔

ایمن بن خریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی: تم لوگ بتوں کی پلیدی (یعنی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ عقوق: نافرمانی کرنا۔ عدلت: برابر کی گئی۔ الرجس: گندگی، ناپاکی، پلیدی۔ اوثان: وثن کی جمع ہے: بت۔ اجتنبوا: تم پرہیز کرو۔

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۷۹/۶

(۲) جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، کیونکہ شرک اور جھوٹی شہادت دونوں میں جھوٹ کارفرما ہوتا ہے، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں بھی ایک جھوٹے امر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، اور جھوٹی گواہی میں بھی بندے کے حق میں جھوٹ بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔(۱)

باب

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ مِنْ بَعْدِهِمْ يَتَسَمَّنُوْنَ وَيُحِبُّوْنَ السِّمَنَ، يُعْطُوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوْهَا۔

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ لوگوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، تین بار فرمایا پھر ان کے بعد ایک قوم آئے گی، جو موٹاپے کے اسباب کو جمع کرے گی اور موٹاپے کو پسند کرے گی، اور گواہی کے مطالبے سے پہلے خود ہی شہادت دیں گے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: یلونهم: جو ان کے قریب ہیں۔ یتسمنون: موٹے ہوں گے، موٹاپے کے اسباب جمع کریں گے، تکبر کریں گے۔ سمن: (سین کے نیچے زیر اور میم پر زبر) موٹاپا۔

جھوٹی گواہی کے خوگر

اس حدیث میں ہے کہ خیر القرون کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو موٹے ہوں گے یا موٹاپے کے اسباب جمع کریں گے، ان کی توجہ کھانے پینے، عیش وعشرت اور صرف آرام وراحت کی طرف ہوگی، وہ جھوٹ کے عادی ہوں گے، اور طلب کے بغیر ہی جھوٹی گواہی دیدیں گے، جیسے دوسری حدیث میں فرمایا ثم یفشو الکذب حتی یشهد الرجل ولا یستشهد، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث رسول: خیر الشهد... کے معنی یہ ہیں کہ آدمی سے جب اس امر میں گواہی کا مطالبہ کیا جائے، تو گواہی دینے کے لئے تیار ہو جائے، اس سے پیچھے نہ ہٹے، یہ وہی تیسری تاویل ہے جسے امام نووی نے بیان فرمایا ہے، اور ابواب الشهادات کی ابتداء میں "بہترین گواہ" کے تحت اسے ذکر کیا جاچکا ہے۔(۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۴۸۱/۶

(۲) تحفة الاحوذی ۴۸۳/۶

ابواب الزھد من رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے زہد سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

زہد کے لغوی اور اصطلاحی معنی

"زھد" کے معنی ہیں: بے رغبت ہونا، کسی شیٔ سے اعراض کرنا۔

زہد کی اصطلاحی تعریف: قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق دنیا سے بے رغبتی کرنا اور آخرت کی طرف متوجہ ہوجانا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) حرام، یہ عام لوگوں کا زہد کہلاتا ہے، اس درجے کا زہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (۲) ضرورت سے زائد حلال چیزوں کو محاسبہ اور مؤاخذے کے خوف سے چھوڑ دینا، یہ زہد کا خاص درجہ ہے، جس سے چند مخصوص لوگ ہی استفادہ کرتے ہیں۔ (۳) دنیا کی ہر اس چیز کو ترک کر دینا، جو اللہ سے غافل کرنے کا باعث ہو، یہ وہ خاص مقام ہے، جو اہل اللہ اور عارفین کو حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم "مدارج السالکین" میں فرماتے ہیں کہ زہد اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی کے پاس نہ مال ودولت ہو، نہ ساز و سامان ہو اور نہ اہل وعیال ہو، کیوں کہ انبیاء علیہم السلام سب سے بڑے زاہد تھے، لیکن اہل وعیال سب کے تھے، بعضوں کے پاس مال ودولت اور دنیاوی سامان کی بھی فراوانی تھی، یہی حال صحابہ کرام اور امت کے نیک افراد کا رہا ہے، بس زہد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا دل دنیا کے مال واسباب کے ساتھ اس طرح نہ لگا ہو، کہ اسے اللہ کی یاد سے غافل کر دے، اور انسان آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر ہر حال میں ترجیح دے، ایسے میں اسے زہد حاصل ہوجاتا ہے۔

اس تفصیل سے زہد اور رہبانیت کے درمیان فرق بھی واضح ہوجاتا ہے کہ رہبانیت نصاری کے ہاں دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ دینے کا نام تھا، جو ہماری شریعت میں جائز نہیں، اور زہد میں دنیا کے ساز وسامان کو چھوڑا نہیں جاتا، بلکہ انسان کی رغبت آخرت کی طرف زیادہ ہو، اور دنیا کے اسباب ومشاغل اسے آخرت کی تیاری سے غافل نہ کریں، تو وہ زاہد ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.

عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں کہ ان (کے استعمال) کے معاملے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں (اور وہ دو نعمتیں) تندرستی اور فراغت ہیں۔

عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، فَيَعْمَلُ بِهِنَّ، أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ

(۱) تکملۃ فتح الملہم، کتاب الزھد ۲/ ۴۲۷

النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِناً، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے کلمات حاصل کرے پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا ان لوگوں کو سکھادے جو اس پر عمل کریں؟ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہ میں ہوں یا رسول اللہ، چنانچہ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، اور پانچ کلمات کو (یا پانچ انگلیوں کو) شمار فرمایا، آپ نے فرمایا: تو حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کر، تو لوگوں میں سب سے بڑا عبادت گذار ہوجائیگا، اور تو اس چیز پر راضی رہ، جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کی ہے تو لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہوجائیگا اور تو اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کر، اس سے تو کامل ایمان والا ہوجائے گا، اور تو لوگوں کے لئے بھی وہی کچھ پسند کر، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو تو کامل مسلمان ہوجائے گا، اور تو زیادہ نہ ہنسا کر، کیوں کہ زیادہ ہنسا دلوں کو مردہ (یعنی بے نور) کردیتا ہے۔

دو قابل قدر نعمتیں

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو دو قابل قدر نعمتیں عطا فرماتے ہیں، لیکن اکثر لوگ ان کے استعمال میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یعنی انہیں صحیح استعمال نہیں کرتے، ایک صحت کی نعمت ہے اور دوسری ہر قسم کے غم، پریشانی اور ذمہ داری سے فراغت کی نعمت ہے، مقصد یہ ہے کہ جب یہ نعمتیں حاصل ہوں، تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی جائے، کیوں کہ صحت نہ ہو، بیماری ہو، یا صحت ہو لیکن فرصت اور فراغت نہ ہو تو بھی عبادت میں یکسوئی نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان نعمتوں کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

پانچ اعمال کی تاکید

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ اعمال پر عمل کرنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کردیا ہے، ان سے اجتناب کرو، تو بڑے عبادت گذار ہوجاؤ گے، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے، لیکن آج مسلمانوں نے چند نفلی عبادات کو اختیار کررکھا ہے، ترک معاصی کی طرف ان کی بالکل توجہ نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ آئے دن اسلام سے قریب ہونے کے بجائے، دور ہوتے جارہے ہیں۔

(۲) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقدیر اور قسمت میں لکھ دیا ہے، اس پر راضی رہو، زیادہ کی تمنا نہ کرو، تو لوگوں میں سب سے بڑے غنی ہوجاؤ گے، کیوں کہ مالداری مال و دولت کے زیادہ ہونے کا نام نہیں، اصل مالداری یہ ہے کہ دل غنی ہو، استغناء کی صفت سے سرشار ہو، ایسے میں اس کے پاس مال نہ بھی ہو تو بھی وہ سب سے بڑا غنی ہوگا، منقول ہے کہ ایک شخص نے سید ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے نسخہ

کیمیا کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں، ایک یہ کہ مخلوق سے اپنی نظریں ہٹالو، اور دوسرا یہ کہ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس پر قناعت کرو، زیادہ کی حرص اور تمنا نہ کرو۔

(۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو کامل ایمان والے ہو جاؤ گے، دیگر احادیث میں بھی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے، کیوں کہ عموماً پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی نوبت پیش آجاتی ہے، ذرا ذرا سی باتوں کی وجہ سے بڑے اختلافات رونما ہو جاتے ہیں، ایسے میں اگر کوئی شخص دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھے گا، تو یہ اس کے ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

(۴) اور تو لوگوں کے لئے وہی کچھ پسند کیا کر، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس سے تو کامل اسلام والا ہو جائے گا۔

(۵) کثرت سے نہ ہنسا کرو، کیوں کہ کثرت سے ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، وہ بے نور ہو جاتا ہے، مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ آخرت کے منازل کو سوچا کرے، جو شخص آخرت کی فکر میں محو ہو جاتا ہے، تو پھر ہنستا نہیں بلکہ روتا ہے، نبی کریم ﷺ بھی فکر آخرت میں مغموم رہتے تھے۔

یعمل بھن أو یعلم

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ "او" میں تین احتمال ہیں:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک لفظ "او" یہاں پر "واؤ" کے معنی میں ہے، معنی یہ ہیں کہ جو ان پر عمل کرے اور دوسرے کو سکھائے۔

(۲) لفظ "او" تنویع کے لئے ہے، گویا یہاں دو نوعوں کی طرف اشارہ ہے، جو ان پر عمل کرے یا اگر وہ کسی وجہ سے عمل نہیں کر سکتا تو دوسروں کو وہ کلمات سکھا دے، کیوں کہ بسا اوقات شاگرد عملاً استاذ سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ "او"، "بل" کے معنی میں ہے، گویا کمال میں مزید ترقی کے لئے یوں فرمایا ہے کہ ان پر عمل کرے، بلکہ دوسروں کو وہ سکھائے بھی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُبَادَرَةِ بِالْعَمَلِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں اعمال میں سبقت کرنے کا ذکر ہے

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: بادروا بالأعمال سبعاً، هل تنتظرون إلا إلى فقر منسٍ، أو غنى مطغٍ، أو مرض مفسد، أو هرم مفند، أو موت مجهز، أو الدجال، فشر غائب ينتظر أو الساعة؟ فالساعة: أدهى وأمر۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اعمال کے ذریعہ سات چیزوں سے سبقت کرو، تم

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۸۶

انتظار نہیں کر رہے، مگر ایسے فقر کا جو اطاعت کو بھلا دینے والا ہے، یا ایسی مالداری کا جو سرکش بنا دینے والی ہے، یا ایسی بیماری کا، جو (اپنی سختی وشدت کی وجہ سے بدن کو یا کمزوری اور سستی کے سبب دینی زندگی کو) تباہ کرنے والی ہے، یا ایسے بڑھاپے کا جو غور وفکر کی صلاحیت کو کمزور کر دیتا ہے، یا ایسی موت کا، جو اچانک جلدی سے آنے والی ہے، یا دجال (کے نکلنے) کا (انتظار ہے) وہ تو ایسا غائب شر ہے، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، یا قیامت کا (انتظار ہے) پس وہ (حوادث وآفات میں) سب سے سخت اور کڑوی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔بادروا تم سبقت کرو، آگے بڑھو۔ **منس:** جو فقر کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کو بھلا دینے والا ہو۔ **مطغ:** ایسی مالداری جو سرکشی میں ڈال دینے والی ہے۔ **مفسد:** خراب اور تباہ کرنے والی۔ **مفند:** ایسا بڑھاپا، جو غور وفکر کی صلاحیت کو کمزور کر دے۔ **مجھز:** اچانک جلدی سے آنے والی موت، جس میں توبہ اور وصیت پر بھی قدرت نہ ہو سکے۔ **ادھی:** حوادث و آفات کے لحاظ سے زیادہ سخت۔ **أمر:** زیادہ کڑوی اور شدید۔

سات چیزوں سے پہلے اعمال صالحہ میں سبقت کرلو

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان سات چیزوں کے پیش آنے سے پہلے اعمال صالحہ اور اللہ کی عبادت میں خوب سبقت کرنی چاہیے، ان فتنوں کے وقوع کے بعد آدمی صحیح طرح عبادت نہیں کر سکتا، لہذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی ہر قسم کے غم و فکر سے آزاد ہو، صحت ہو، زندگی کی نعمت حاصل ہو، مال ودولت کے اعتبار سے بھی کوئی پریشانی نہ ہو تو پھر اعمال صالحہ میں خوب تگ و دو کرنی چاہیے، قبل اس کے کہ ایسے حالات اور مصائب پیش آجائیں کہ آدمی خواہش اور تڑپ کے باوجود نیکی پر قادر نہ ہو سکے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ

یہ باب موت کے ذکر کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِي الْمَوْتَ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب

موت کا آنا جس قدر یقینی ہے، اتنا ہی اس سے مسلمان غفلت کا شکار ہیں، روزانہ بیسیوں مسلمانوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۸۸/۶

کر قبر کے آغوش میں ڈالتے ہیں، لیکن عملی طور پر اخروی زندگی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی جاتی، اعمال میں غفلت، سستی اور لا پرواہی روز کا معمول ہے، دنیا کے جھمیلوں میں، شب و روز مصروف ہیں حالانکہ یہ فانی زندگی ہے، اس کے اہتمام کی اتنی ضرورت بھی نہیں، ان تمام کوتاہیوں سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا جائے، جو بندہ موت کو اور اس کے بعد آنے والے حالات وواقعات کو کثرت سے سوچا کرے گا تو وہ دنیا کی لذتوں سے، اس کی عیش وعشرت اور خوشنمائیوں سے متاثر نہیں ہوگا، اسے ہر وقت یہ فکر دامن گیر ہوگی کہ میری آخرت کی زندگی سنور جائے، دنیا کی پرواہ نہیں، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر انسان ہرگز اعمال میں سستی نہیں کرے گا۔

بَابٌ

عَنْ هَانِيءٍ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ: كَانَ عُثْمَانُ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرٍ بَكَى، حَتَّى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ: تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ. قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ.

حضرت ہانی مولی عثمان فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے، تو خوب روتے، یہاں تک کہ اپنی داڑھی کو تر کر دیتے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ نہیں روتے، اور قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر اس سے نجات ہوگئی تو اس کے بعد کی منازل اس سے آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہ ہوئی تو اس کے بعد اس سے کہیں سخت معاملہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ بھیانک اور ناپسندیدہ منظر کبھی نہیں دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: **یبل لحیتہ:** اپنی داڑھی کو تر کر دیتے۔ **أیسر:** زیادہ آسان۔ **أشد:** زیادہ سخت۔ **افظع:** زیادہ بھیانک، انتہائی ناپسندیدہ اور بڑا خوفناک۔

حضرت عثمان قبر پر خوب روتے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے، تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور جہنم کے ذکر سے نہیں روتے اور قبر پر روتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اس کے بعد بھی بڑی کٹھن منزلیں ہیں، میدان حشر

میں جمع ہونا، وزنِ اعمال، پلِ صراط سے گذرنا، اور پھر جنت یا جہنم...... اگر آدمی قبر کے عذاب سے محفوظ رہا تو بعد کی منزلیں نہایت آسان ہو جائیں گی اور اگر خدانخواستہ قبر میں نجات نہ ہوئی تو پھر بعد کی منازل اس سے کہیں زیادہ سخت ہوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر کا منظر انتہائی برا اور بڑا ہی ڈراؤنا ہے، اس سے زیادہ برا منظر میں نے نہیں دیکھا۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان تو ان دس خوش نصیب صحابہ کرام میں سے ہیں، جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دیدی گئی تھی، جو یقیناً وہ تمام عذاب قبر سے بھی محفوظ ہوں گے، تو پھر حضرت عثمان قبر کے سامنے اس قدر کیوں روتے تھے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے کہ قبر کے خوفناک منظر کو سوچ کر وہ جنت کی بشارت کو بھول جاتے ہوں۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی یہ کیفیت قبر کی تنگی، دباؤ اور سختی کے خوف سے تھی، کیوں کہ قبر کی تنگی انبیاء کے علاوہ ہر کسی کو، العیاذ باللہ، پیش آسکتی ہے، جیسا کہ حضرت سعد پر قبر تنگ ہوگئی تھی، یہ کیفیت جنت کی بشارت کے باوجود ہو سکتی ہے۔

وان لم ینج منه فما بعده أشد منه

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو جب کوئی تکلیف پہونچے، تو اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، لہذا جب مؤمن کو عذاب قبر ہوگا، تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے تو پھر اس کے بعد کی منازل اس پر بظاہر آسان ہو جائیں گی نہ کہ سخت، تو پھر حدیث کے اس جملے فما بعده أشد منه کے کیا معنی ہیں؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس جملے کا تعلق کافر سے ہے، نہ کہ مؤمن سے، مطلب یہ ہے کہ کافر کو عذاب قبر کے بعد بھی کہیں زیادہ سخت عذاب ہوگا۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس جملے سے مؤمن مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ اگر عذاب قبر سے بھی مؤمن کے گناہ معاف نہ ہوئے، باقی رہ گئے تو بعد کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا، کیوں کہ وہ جہنم کا عذاب ہے، عذاب قبر تو عذاب جہنم کا محض ایک نمونہ ہے، مؤمن کا یہ عذاب اس کی تطہیر اور صفائی کے لئے ہوگا، پھر بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔[1]

بَابُ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهُ.

---

(۱) الکوکب الدری ۲۳۲/۳، تحفة الاحوذی ۲۹۰/۶

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔

لقاء اللہ کے معنی

جو شخص آخرت کی تیاری میں مصروف رہے، اس کی تمام تر توجہ آخرت کو سنوارنے کی طرف ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی ایسے آدمی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوتے ہیں، اور جو شخص دنیا کی زندگی میں، اس کی عیش و عشرت اور اللہ کی نافرمانی میں مصروف ہو، آخرت کی اسے کوئی فکر نہ ہو، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو ایسے آدمی کی طرف اللہ تعالیٰ بھی توجہ نہیں فرماتے، بلکہ قدرتی طور پر اسے دنیا میں اس قدر مشغول کر دیا جاتا ہے کہ اس کی آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرنا یا ناپسند کرنا، اس وقت ہوتا ہے، جب انسان سکرات الموت اور نزع کی کیفیت میں مبتلی ہوتا ہے، جو شخص نیک اور سعادت مند ہو، اسے اللہ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کی بشارت دیدی جاتی ہے لہٰذا وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتے ہیں یعنی اسے بہت زیادہ اجر و ثواب اور نعمتیں عطا فرماتے ہیں، اور جو شخص کافر اور بدبخت ہو تو موت کے وقت ہی اسے عذاب کی بشارت سنا دی جاتی ہے، اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں فرماتے یعنی اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِنْذَارِ النَّبِيِّ ﷺ قَوْمَهُ

یہ باب اس حدیث کے بیان میں ہے جس میں حضور ﷺ کا اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ} قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئاً، سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ.

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت وأنذر عشیرتک الاقربین (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبد المطلب کی بیٹی صفیہ، اے محمد کی بیٹی فاطمہ، اے عبد المطلب کی اولاد: بے شک میں تمہارے لئے اللہ کے مقابلے میں (نفع و ضرر میں سے) کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، (ہاں) میرے

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۴۳/۲ کتاب الذکر والدعاء، باب من أحب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ، تحفۃ الاحوذی ۱۲۴/۴ کتاب الجنائز۔

مال سے جو چاہو، مانگ لو۔

نزول آیت کے بعد حضور کا اپنی قوم کو ڈرانا

جب یہ آیت وأنذر عشیرتک الأقربین نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع فرمایا، اور چند مخصوص نام لے کر آپ نے خطاب فرمایا کہ میں اللہ کے ہاں تمہیں عذاب سے بچا نہیں سکتا، اگر نیک اعمال ہوئے، تو وہ نجات کا باعث ہو سکتے ہیں، تمہارے ذہن میں یہ بات ہو کہ ہم نبی کے رشتہ دار ہیں، لہذا ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی، یہ تصور درست نہیں، کامیابی اور بچاؤ کا دارومدار نسب و خاندان اور نبی کی رشتہ داری پر نہیں، بلکہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ پر ہے، حضرت لوط و نوح علیہ السلام کی بیویاں محض اس وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ وہ مؤمن نہیں تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ عذاب کے کٹہرے سے ہر ایک نے گذرنا ہے، اس سے یہود و نصاری پر رد ہو جاتا ہے، جن کا دعوی یہ ہے کہ نحن ابناء الله واحباؤه. ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اس لئے ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ان کا یہ دعویٰ درست نہیں، ایسے ہی یہ کہنا کہ میں فلاں بزرگ کا بیٹا ہوں یا فلاں مزار کا گدی نشین ہوں یا اس کا صاحبزادہ ہوں یا میرا تعلق فلاں پیر سے ہے، جو پہونچی ہوئی سرکار ہے،...... لہذا ہماری تو بغیر کسی رکاوٹ کے ضرور مغفرت ہو جائے گی، یہ نظریہ درست نہیں، اگر محض رشتہ داری باعث نجات ہوتی تو حضور ﷺ اپنی محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہ سے ارشاد فرماتے کہ تمہاری فوراً نجات ہو جائے گی، کیوں کہ تم تو میری لخت جگر ہو، لیکن ایسا نہیں فرمایا، اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ آخرت کی کامیابی صرف نیک اعمال پر ہے، اور یہ اعمال اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ آدمی کی توجہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف ہو۔

"سلونی من مالی ماشئتم" اس کے مفہوم میں دو قول ہیں:

(۱) اس مال سے معروف مال مراد نہیں، بلکہ وہ تصرفات اور اختیارات مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے بس میں ہیں، معنی یہ ہیں کہ میں تم سے اللہ کے عذاب کو تو نہیں ہٹا سکتا، البتہ جو چیز میرے بس میں ہے، اس کا اگر تم مجھ سے مطالبہ کرو گے، تو اسے میں پورا کروں گا، یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، اس وقت آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا۔

(۲) اس "مال" سے معروف مال ہی مراد ہے، اور مکہ مکرمہ میں بھی حضرت خدیجہ والا مال آپ کے پاس تھا و وجدک عائلاً فاغنی، اور اگر بالفرض اس وقت آپ کے پاس مال موجود نہ بھی ہو، تب بھی یہ کلام مستقبل کے اعتبار سے درست ہے، کیوں کہ سخی آدمی کے پاس مال نہ ہو، تو بھی وہ یہ کہہ دیتا ہے، کہ مجھ سے جس قدر ہو سکا تمہاری مالی مدد کروں گا، اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں، کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہی ہو، ہو سکتا ہے کہ مدنی دور کا ہو، اور مدینہ میں تو آپ کے پاس مال تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد دو مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے خاندان کو جمع فرمایا: ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں،

اس لئے حدیث کے اس جملے میں مال سے معروف مال بھی مراد ہوسکتا ہے۔(۱)

سوال یہ ہے کہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت کے دن کسی کی سفارش نہیں فرمائیں گے، حالانکہ روایات سے آپ کا امت کے حق میں سفارش کرنا ثابت ہے، تو پھر اس روایت سے کیا مراد ہے؟

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ہوسکتا ہے کہ آپ کا یہ کلام اس زمانے کا ہو، جس میں ابھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے امت کی شفاعت کے بارے میں نہ بتایا ہو۔

(۲) آپ نے صرف اپنی قوم کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے یوں فرمایا ہے، شفاعت کی نفی مقصود نہیں۔

(۳) تاکہ میری قوم ایمان کے بعد اعمال صالحہ میں مشغول ہو جائے۔

روایت میں صرف حضرت فاطمہ کا ذکر ہے، دیگر لڑکیوں کا نہیں، کیوں کہ یہ روایت یہاں اختصار کے ساتھ مذکور ہے، دوسرا یہ کہ حضرت فاطمہ کے ذکر سے دوسری لڑکیاں خود بخود اس میں شامل ہو جاتی ہیں، جب سب سے چھوٹی صاحبزادی کا ذکر کر دیا گیا تو دوسری صاحبزادیاں بطریق اولیٰ اس میں داخل ہوں گی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اشکال ذکر کیا ہے کہ طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے، تو مکی دور میں نہ عائشہ تھیں، نہ حفصہ اور ام سلمہ، پھر طبرانی کی روایت میں ان کے نام کیسے آئے ہیں؟

جواب: جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں، مدینہ کے واقعہ کے اعتبار سے یہ نام ذکر کئے گئے ہیں۔(۲)

امام ترمذی نے فرمایا: وفی الباب عن ابی هريرة وابن عباس کہ یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے بھی منقول ہے، سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ ابتدائے زمانہ یعنی مکی زندگی کا ہو، تو اس وقت یہ حضرات نہیں تھے، پھر انہوں نے یہ قصہ کیسے روایت کیا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) ہوسکتا ہے کہ جب یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہو، تو اس وقت یہ بھی موجود ہوں۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے، اور صحابہ کی مرسل روایات بالاجماع مقبول ہوتی ہیں، اس لئے اگر یہ دونوں صحابہ واقعہ میں حاضر نہ ہوں، دوسرے صحابہ سے سنکر روایت کر دیں تو بھی درست ہے، وہ روایت قابل قبول ہوگی، کیوں کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔(۳)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۴/۷ قدیمی

(۲) فتح الباری ۶۴۳/۸ کتاب التفسیر باب: وأنذر عشيرتك الأقربين۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۶/۲۹۲، الکوکب الدری ۲۳۳/۳

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَعَالٰى

یہ باب خوف خدا سے رونے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: لا يلج النار رجل بكى من خشية الله، حتى يعود اللبن في الضرع، ولا يجتمع غبار في سبيل الله ودخان جهنم۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا، جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے روئے، یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ آئے اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔لا یلج: داخل نہیں ہوگا۔ یعود: لوٹ آئے۔ ضرع: تھن۔ دخان: دھواں۔

خوف خدا سے رونے کی فضیلت

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جس مسلمان کی آنکھوں سے خوف خدا کی وجہ سے آنسو نکل آئیں، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ ایسا آدمی طاعات میں اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس بات کو ایک مثال سے واضح فرمایا کہ جس طرح دودھ دوبارہ تھن میں نہیں جا سکتا، اس کا دوبارہ لوٹنا محال ہے، اسی طرح ایسا شخص ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲) راہ خدا کے مسافر پر اگر گرد و غبار لگ جائے تو وہ بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا کیونکہ یہ غبار اور جہنم کا دھواں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً

یہ باب حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ اگر تم وہ بات جان لو، جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو گے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ، أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ، مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ لِلّٰهِ سَاجِداً۔ وَاللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ، وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ، تَجْأَرُونَ إِلَى اللهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ایسی چیزوں کو دیکھتا ہوں، جن کو تم

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۲۹۲

نہیں دیکھتے اور ایسی باتیں سنتا ہوں، جن کو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کے لئے چرچرانا ہی مناسب ہے، (اس لئے کہ) آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی جگہ نہیں، مگر یہ کہ فرشتہ نے اس پر اپنی پیشانی کو اللہ کے لئے سجدے میں رکھا ہوا ہے، اللہ کی قسم، اگر تم وہ باتیں جان لو، جن کو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، اور تم اپنی بیویوں سے بستروں پر لذت بھی حاصل نہ کرو، اور تم ضرور راستوں یا جنگلوں کی طرف گڑگڑاتے اور اللہ کے سامنے آہ وزاری کرنے کے لئے نکل جاؤ، حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں: کاش میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا (یہ بہتر تھا تاکہ میں آخرت کے حساب وکتاب سے بچ جاتا)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم وہ باتیں (یعنی عذاب الٰہی اور حساب کا منظر) جان لو، جنہیں میں جانتا ہوں تو تم ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: أطت السماء: آسمان چرچراتا ہے، آواز نکالتا ہے۔ حق لھا: اس کا حق ہے، اس کے لئے مناسب ہے۔ ما تلذذتم: تم لطف اندوز نہ ہو، تم لذت حاصل نہ کرو۔ فرش: فراش کی جمع ہے: بستر ے، بچھونے۔ صعدات: (صاد اور عین پر پیش کے ساتھ) صعدۃ کی جمع ہے اور یہ صعید کی جمع ہے گویا صعدات جمع الجمع ہے، اس کے دو معنی ہیں۔ (۱) راستے۔ (۲) صحراء وجنگل، حدیث میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اکثر حضرات نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ تجأرون الی اللہ: تم اللہ سے خوب گڑگڑا کر، تضرع وخشوع کے ساتھ دعا مانگو۔ تعضد: (مجہول کا صیغہ ہے) وہ درخت جسے کاٹ دیا جائے۔

زیادہ ہنسا پسندیدہ نہیں

لو تعلمون ما اعلم۔۔۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا لو تعلمون......

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں "علم" سے مراد ہے اللہ کی عظمت، گنہگاروں سے اللہ کا انتقام، نزع اور موت کے وقت کے خوفناک حالات، قبر کی شدت اور قیامت کا منظر..... فرمایا اگر تم یہ چیزیں جان لو تو تم روؤ زیادہ اور ہنسو کم، ہر وقت اسی فکر میں رہو۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَنْ عَلِمَ أَنَّ الْمَوْتَ مَوْرِدُهُ وَ الْقِيَامَةَ مَوْعِدُهُ، وَ الْوُقُوفَ بَيْنَ يَدَي اللهِ مَشْهَدُهُ، فَحَقُّهُ أَنْ يَطُولَ فِي الدُّنْيَا حُزْنُهُ (جس کو اس بات کا یقین ہو کہ موت اس کی گھاٹی ہے، قیامت اس کے وعدہ کی جگہ ہے، اور اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑے ہونا ہے تو وہ اس لائق ہے کہ دنیا میں اس کا غم وحزن طویل ہو)

أطت السماء، آسمان کس وجہ سے آواز نکالتا ہے، اس میں تین وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) آسمان پر اس کثرت سے فرشتے موجود ہیں، کہ ان کے بوجھ کی وجہ سے آسمان آواز نکال رہا ہے۔

(۲) اللہ کی عظمت اور خوف کی وجہ سے آواز نکل رہی ہے۔

(۳) یہ اللہ کی تسبیح وتقدیس کی آواز ہے جو آسمان کرتے ہیں، کما قال تعالیٰ: وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔

مساجد: اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی اطاعت میں مصروف ہیں، خواہ وہ سجدے کی حالت ہو یا قیام، رکوع اور قعود کی حالت ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ تَكَلَّمَ بِالْكَلِمَةِ لِيُضْحِكَ النَّاسَ

یہ باب اس شخص کی مذمت کے بارے میں ہے جو شخص اس لئے گفتگو کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ، لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا، يَهْوِي بِهَا سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا فِي النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک انسان (بسا اوقات) ایسی بات کرتا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، (حالانکہ) اس کی (شامت کی) وجہ سے، وہ ستر برس جہنم کی آگ میں گرجاتا ہے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ، حدثني أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يقول: وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ۔

بہز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس شخص کے لئے ہلاکت ہو، جو کوئی ایسی بات کرتا ہے، تاکہ اس سے لوگوں کو ہنسائے، اور جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: ۔**بأسا:** کوئی حرج، مضائقہ۔**یھوی:** گرجاتا ہے۔ **خریفا:** برس، سال۔**ویل:** ہلاکت، جہنم کی ایک گہری وادی۔**لیضحک:** باب افعال سے، تاکہ وہ ہنسائے۔

لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں کرنے پر وعید کا ذکر

ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) انسان جب بھی گفتگو کرنے لگے تو پہلے سوچ لے کہ میں کیا بولنے لگا ہوں، وہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں، کیوں کہ بسا اوقات انسان کے منہ سے ایسی کوئی بات نکل جاتی ہے، جسے وہ معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بڑی تباہ کن ہوتی ہے، آدمی اس کی وجہ سے ستر سال جہنم میں رہے گا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۹۵، الکوکب الدری ۳/۲۳۵، فتح الباری ۱۱/۳۸۷، کتاب الرقاق، باب: قولہ لو تعلمون ما اعلم۔

(۲) شرعی حدود میں رہتے ہوئے آپس میں ہنسی مزاح جائز ہے، لیکن اس میں بھی جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مزاح ضرور کرتے تھے، لیکن صدق وسچائی کے ساتھ، اس میں جھوٹ نہیں ہوتا تھا، لہذا ایسا بندہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے اور مجلس کو گرم کرنے کے لئے ہر قسم کی گفتگو کرتا ہے، خواہ وہ کلام سچا ہو یا جھوٹا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے ہلاکت اور تباہی ہے، اس حدیث کی رو سے مسلمان کو اپنا طرز زندگی سوچنا چاہیے کہ وہ کس طریقے سے چل رہا ہے، اگر یہ کوتاہی سامنے آرہی ہے تو اس سے تہ دل سے توبہ کرے، اور آئندہ کے لئے اس عمل سے مکمل پرہیز کرے۔(۱)

بَابٌ

عن أنس بن مالك قال: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ۔ يَعْنِي رَجُلٌ۔ أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ، فقال رَسُولُ اللهِ: أَوَ لَا تَدْرِي فَلَعَلَّهُ تَكَلَّمَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ، أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهُ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص کی وفات ہوگئی، تو ایک شخص نے کہا کہ تجھے جنت کی بشارت ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ شاید اس نے کوئی بے فائدہ بات کی ہو، یا اس چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا ہو، جو اس کو نقصان نہ پہونچاتی ہو۔

عن أبي هُرَيْرَةَ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے۔

عن عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكَهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔

علی بن حسین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک آدمی کے اسلام کی خوبی، بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

لایعنی باتوں سے اجتناب کا حکم

"مالا یعنی" سے وہ امور اور کلام مراد ہے جن کی نہ دین میں ضرورت ہے اور نہ دنیا میں، اور اسے نہ کرنے میں کوئی نقصان بھی نہیں، نہ فی الحال اور نہ آئندہ، لہذا آدمی کی توجہ اس امر اور کلام کی طرف ہونی چاہیے، جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے، یا کم از کم دنیاوی اعتبار سے، اس کا کوئی فائدہ ہو، عموماً فضول کلام جھوٹ، غیبت اور بہتان پر مشتمل ہوتا ہے، ایسے میں اس سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے اور لایعنی امر اگر کسی گناہ پر مشتمل نہ ہو، تب بھی قابل ترک ہے کیوں کہ اس میں وقت کا ضیاع لازم آتا ہے، اور وقت وہ عظیم نعمت ہے، جسے صحیح استعمال کرکے انسان اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کر سکتا ہے، اسے اگر ضائع کیا جائے گا، تو

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۹۷

قیامت کے دن دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت کی بھی باز پرس ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے احادیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ بے معنی اور فضول قول وفعل کو ترک کیا جائے، یہی کامل اسلام کی علامت ہے، اور جب انسان اپنے کلام میں احتیاط سے کام نہ لے، تو بسا اوقات اس کے منہ سے ایسی کوئی خلاف شرع بات نکل جاتی ہے، جو اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ گرفت میں آجاتا ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ ایک صحابی فوت ہوئے تو دوسرے ایک صحابی نے کہا کہ یہ تو جنتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا آپ کو کیا خبر، بشارت تو اس وقت دی جاتی ہے، جب حساب وکتاب میں کامیابی ہوجائے، اس کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا، ہوسکتا ہے کہ اس مرحوم نے کوئی غیر ضروری بات کی ہو، جو اللہ کے ہاں جرم ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو، جسے خرچ کرنے میں اسے کوئی مالی نقصان وغیرہ نہ ہوتا، اس سے اللہ ناراض ہوگیا ہو اور اسے جنت میں داخل نہ کرے، اس لئے ہم کسی پر وحی کے بغیر کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے، اس واقعہ سے لایعنی امر کو ترک کرنے کی مزید تاکید ہورہی ہے۔(۱)

بَابُ مَاجَاءَ فِي قِلَّةِ الْكَلَامِ

یہ باب کم بولنے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عن بِلَالِ بنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ، مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، فَيَكْتُبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔

حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رسول سے روایت ہے، انہوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک تم میں سے کوئی ایک اللہ کی رضامندی کا کوئی کلام کرتا ہے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ اس کلام کا (اللہ کے ہاں) کیا درجہ اور مقام ہوگا (یعنی اسے وہ معمولی سمجھ رہا تھا) اللہ تعالی اس کلمہ کی وجہ سے اس کے لئے قیامت تک کے لئے اپنی رضامندی لکھ دیتے ہیں اور بے شک تم میں سے کوئی ایک اللہ کی ناراضگی کی کوئی بات کرتا ہے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا وبال کہاں تک پہونچے گا، اللہ تعالی اس کلام کی وجہ سے اس کے لئے قیامت تک کے لئے اپنی ناراضگی لکھدیتے ہیں۔

قلت کلام کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو ایک تو اپنی زبان پر مکمل کنٹرول رکھنا چاہیے، کیوں کہ اس کی آفتیں اور نقصانات

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۰

اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کی انتہاء تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں، اور دوسرا یہ کہ کم بولنے کا معمول بنانا چاہیے، صرف ضرورت کی بات کی جائے، اور پھر خاموش رہا جائے، کیوں کہ انسان بسا اوقات ایک چھوٹی سی بات کر دیتا ہے جو اللہ کی رضا کا باعث ہوتی ہے، تو اس کی وجہ سے اس کے لئے اللہ کی خوشنودی لکھ دی جاتی ہے، حالانکہ اس کے وہم وگمان میں بھی اس کلام کا اس قدر مقام نہ تھا، ایسے ہی زبان سے کوئی بری بات نکل جاتی ہے جو وہ حقیقت میں غضب الٰہی کا سبب ہوتی ہے، انسان کا ذہن اس طرف تھا ہی نہیں کہ اس کلام کا کتنا بڑا وبال ہوگا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کے لئے قیامت تک کے لئے ناراضگی مقدر کر دی جاتی ہے، اس لئے کم گفتگو کا اہتمام کیا جائے، تا کہ زبان کی آفتوں سے حتی الامکان بچا جا سکے۔

کلمہ رضوان اور کلمہ سخط سے کیا مراد ہے؟ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ کلمہ رضوان یہ ہے کہ کسی ظالم بادشاہ وغیرہ سے ایسی کوئی بات کہہ دی جس سے وہ ظلم سے باز آ گیا تو یہ بات اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا باعث ہوگی، اگرچہ اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس کلام کا اس قدر عظیم اجر وثواب ہوگا، اور کلمہ سخط یہ ہے کہ کسی ظالم بادشاہ وغیرہ سے ایسی کوئی بات کر دے، جس سے وہ مزید لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دے، اسے ظلم پر مزید ہمت ہو جائے، تو یہ بات غضب الٰہی کا باعث ہے، حالانکہ اس کلام کا یہ وبال اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا، اس لئے زبان کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کر لیا جائے کہ میں کیا کہنے لگا ہوں، اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

یکتب اللہ لہ بھا رضوانہ الی یوم یلقاہ

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ رضوان کی برکت سے اسے نیکی کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی ہمت عطا فرما دیتے ہیں، وہ خیر کے کاموں میں مسابقت کرتا ہے، یوں وہ دنیا میں اچھی زندگی گذارتا ہے، عالم برزخ میں اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور تا حد نظر قبر اس کے لئے کشادہ کر دی جائے گی، وہاں آرام کی نیند سوئے گا، قیامت کے دن وہ نیک بخت ہو کر اٹھے گا، عرش رحمن کے سایہ میں اس کی جگہ ہوگی پھر جنت کی نعمتوں سے اور دیدار الٰہی سے ہمیشہ کے لئے لطف اندوز ہوتا رہے گا، اس کے برعکس کلمہ سخط کا اثر یہ ہوگا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اسے ذلت ورسوائی کا سامنا ہوگا، دوزخ کی آگ اور غضب الٰہی اس کا مقدر ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللهِ

یہ باب اللہ کے ہاں دنیا کی ذلت کے بیان میں ہے

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة، ما سقى كافرا منها شربة ماء.

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۲

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا (کی قدر و منزلت) اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔

عن المُستَورِدِ بنِ شَدَّادٍ قَالَ: كُنتُ مَعَ الرَّكْبِ الَّذِينَ وَقَفُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلَى السَّخْلَةِ المَيِّتَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَرَوْنَ هَذِهِ هَانَتْ عَلَى أَهْلِهَا حِينَ أَلْقَوْهَا؟ قَالُوا: مِنْ هَوَانِهَا أَلْقَوْهَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا۔

مستورد بن شداد کہتے ہیں: میں اس قافلہ میں تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھیڑ یا بکری کے مردہ بچے پر کھڑے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بتاؤ گے کہ یہ بچہ اپنے مالکوں پر ذلیل ہو چکا ہے، جب انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کے بے قدرے اور ذلیل ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اسے ڈال دیا ہے یا رسول اللہ، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا اللہ کے ہاں اس سے کہیں زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے، جتنا کہ یہ بچہ اپنے مالکوں کی نظر میں بے وقعت ہے۔

عن أبي هُرَيرَةَ يَقُولُ: سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ۔

حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دنیا اور جو کچھ کہ دنیا میں ہے، وہ سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے، اور اس چیز کے جو ذکر کے قریب ہو (یا وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں پسند فرمائیں) اور عالم یا سیکھنے والا۔

عَنْ مُسْتَوْرِدٍ أَخَا بَنِي فِهْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي اليَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا تَرْجِعُ۔

حضرت مستورد، جو بنی فہر میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی نعمتوں یا اس کی عمر کا حال آخرت کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر وہ دیکھے کہ کس قدر پانی کے ساتھ لوٹی ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: ۔جناح بعوضة: مچھر کا پر۔ شربة ماء: پانی کا گھونٹ۔ رکب: کارواں، قافلہ۔ سخلة: (سین پر زبر اور خا کے سکون کے ساتھ) بکری یا بھیڑ کا بچہ۔ ھوان: ذلیل و رسوا۔ ملعون: ناپسندیدہ، اللہ کی رحمت سے دور۔ ما والاہ: اس کے دو معنی ہیں۔(۱) وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں یعنی طاعات و عبادات۔(۲) وہ چیز جو اللہ کے ذکر کے قریب ہو۔ یم: (یا پر زبر اور میم کی تشدید کے ساتھ) سمندر۔

اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی کا ذکر

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اللہ کے ہاں دنیا کی ذلت اور بے وقعتی کا مختلف مثالوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ کی نظر میں اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا، کیوں کہ کافر اللہ کا دشمن ہے، اور دشمن کو محبوب چیز نہیں دی جاتی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں کچھ عطا نہیں فرماتے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندے کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں بکری یا بھیڑ کے اس مردہ بچے سے بھی زیادہ بے قدر اور ذلیل ہے جتنا کہ وہ اپنے مالکوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے، اس کے بے فائدہ ہونے کی وجہ سے لوگ اسے باہر پھینک دیتے ہیں۔

تیسری حدیث میں فرمایا کہ دنیا اور اس کے ساز و سامان، اس کی چمک دمک اور رعنائیاں چونکہ اللہ سے غافل کر دیتی ہیں، اس لئے یہ سب اللہ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں، مگر ذکر اللہ اور جو چیز ذکر کے قریب ہو یا وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں، علم پر عمل کرنے والا عالم اور متعلم یعنی سیکھنے والا، یہ چیزیں ملعون نہیں ہیں کیونکہ یہ غفلت کا باعث نہیں ہیں۔

چوتھی حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا کی عمر یا اس کی نعمتیں آخرت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لے تو اس کی انگلی پر کتنا معمولی پانی آئے گا، اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی، اسی طرح دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں انتہائی بے وقعت ہیں۔

جب دنیا اس قدر ذلیل اور بے وقعت ہے تو اس سے دل لگانا اور اس کی چمک دمک میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۲

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اس وجہ سے ہے کہ اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگادی گئی ہیں، اسے ناجائز کاموں سے اور اپنی مرضی سے لذتوں سے لطف اندوز ہونے سے منع کر دیا گیا ہے، اور اللہ کی عبادات کا اسے مکلف بنایا گیا ہے، جب کہ کافر دنیا کی ناز ونعمت سے اپنی منشا اور خواہش کے مطابق فائدہ اٹھا رہا ہے، اس لحاظ سے اس کے لئے دنیا بمنزلہ جنت ہے، اور مسلمان کے لئے آخرت میں نعمتیں ہوں گی، جس سے وہ لطف اندوز ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ مَثَلُ الدُّنْيَا مَثَلُ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دنیا کی مثال چار آدمیوں کی مانند ہے

عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ. قَالَ: مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ. فَقَالَ: إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي رَبَّهُ فِيهِ وَيَصِلُ بِهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ، فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ، وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهُوَ بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ.

حضرت ابو کبشہ انماری نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کہ میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اور تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، لہذا تم اسے (اپنے پاس) محفوظ کر لو، آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) کسی بندے کا مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا۔ (۲) اور نہیں ظلم کیا گیا کسی بندے پر کہ اس نے اس ظلم پر صبر کیا ہو، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔ (۳) اور کسی بندے نے سوال کا دروازہ نہیں کھولا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر کھول دیتے ہیں محتاجی کا دروازہ، یا اس کے مانند جملہ ارشاد فرمایا۔

اور میں تمہیں ایک حدیث بتاتا ہوں، اسے تم لوگ محفوظ کر لو، آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا چار آدمیوں کے لئے ہے (یعنی ہر انسان کا معاملہ ان چار اقسام میں سے کسی ایک قسم سے ضرور ہوگا) ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم اور مال

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۶

عطا فرمایا ہے، وہ اپنے رب سے مال کے (کمانے اور خرچ کرنے میں اور علم کے) بارے میں ڈرتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ (اپنے رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس (مال اور علم) میں وہ اللہ کا حق بھی جانتا ہے (یعنی زکوۃ و صدقات دیتا ہے، اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہونچاتا ہے) یہ شخص سب سے افضل مرتبہ پر ہے، دوسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف علم عطا فرمایا، مال نہیں دیا، وہ اپنی نیت میں سچا ہے، کہتا ہے کاش میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح (خرچ) کرتا، اسے نیت کی وجہ سے ثواب ہوگا، ان دونوں (یعنی پہلے اور دوسرے آدمی) کا اجر برابر ہوگا، تیسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے علم نہیں دیا، وہ اپنے مال کو علم کے (مقتضی کے) بغیر صرف کرتا ہے (یعنی ناجائز جگہوں پر خرچ کرتا ہے) اس میں وہ اپنے رب سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی نہیں جانتا، یہ آدمی سب سے بدتر درجے پر ہے، چوتھا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ مال دیا ہے اور نہ علم، وہ (تمنا کر کے) کہتا ہے ہائے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (یعنی جاہل گنہگار مالدار) کی طرح عمل کرتا (یعنی ناجائز امور میں خرچ کرتا) تو اسے اپنی نیت کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، چنانچہ ان دونوں (یعنی تیسرے اور چوتھے بندے) کا گناہ برابر ہے۔

تین باتوں پر حضور ﷺ کی قسم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین باتوں پر قسم کھائی ہے، تاکہ لوگ اس کی طرف توجہ دیں، کیوں کہ عموماً طبیعتیں اس طرف مائل نہیں ہوتیں:

(۱) جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس مال میں برکت ڈال دیتے ہیں، وہ بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں، اس لئے کہ مال سے دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں، ایک اخروی منافع اور دوسرا دنیوی ضرورتوں کا پورا ہونا، یہ دونوں مقصد صدقہ کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۲) مظلوم اس ظلم پر انتقام کی قدرت کے باوجود صبر کرے، بدلہ نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی شان و شوکت اور عزت بڑھا دیتے ہیں۔

(۳) جو شخص اللہ سے مانگنے کے بجائے انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا عادی ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اس کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، دن بدن اس کی حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا، کیوں کہ اس نے اپنے رب کو چھوڑ رکھا ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت کی بنا پر کسی سے سوال کرے، تو اس کی گنجائش ہے۔

اہل دنیا کا حال چار افراد کی طرح ہے

اہل دنیا کا حال چار افراد کی طرح ہے:

(۱) ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، وہ ان کی قدر کرتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے، مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ نہیں کرتا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے، اللہ کے حقوق پر بھی عمل کرتا ہے، زکوٰۃ وصدقات ادا کرتا ہے، گویا دینی علم کے مطابق مال کو استعمال کرتا ہے، اور علم سے بھی لوگوں کو مستفید کرتا ہے تو یہ شخص سب سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔

(۲) دوسرا وہ شخص ہے جس کے پاس صرف علم شرعی ہے، مال و دولت نہیں، لیکن یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی فلاں آدمی کی طرح اللہ کے راستے میں صرف کرتا تو اسے بھی اپنی نیت کے مطابق اجر ملے گا، گویا پہلا آدمی اور یہ دوسرا نیت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس لئے ان دونوں کا ثواب بھی اس میں برابر ہوگا، ہاں پہلے نے چونکہ عمل بھی کیا ہے، اس لئے اس کے عمل کا ثواب اس کے مقابلے میں زیادہ ہوگا، حدیث میں "اجرھما سواء" سے نیت میں اجر وثواب کی برابری مراد ہے۔

(۳) تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس صرف مال ہے، علم نہیں، وہ اس مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرتا ہے، اسے خرچ کرنے میں اللہ سے بھی نہیں ڈرتا، نہ اس کے ذریعہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ مالی حقوق یعنی زکوٰۃ وصدقات ادا کرتا ہے، بس اپنی خواہشات کے مطابق اس مال کو صرف کرتا ہے، یہ بندہ سب سے برے درجہ پر ہے۔

(۴) چوتھا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ علم، لیکن تمنا کرتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں اس تیسرے آدمی کی طرح خلاف شرع طریقے پر خرچ کرتا، تو یہ دونوں نیت کے اعتبار سے گناہ میں برابر ہوں گے، تاہم تیسرے نے چونکہ عملاً مال کو ناجائز جگہوں پر صرف کیا ہے، اس لئے اس کا گناہ اس سے زیادہ ہوگا، البتہ نیت میں گناہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي هَمِّ الدُّنْيَا وَحُبِّهَا

یہ باب دنیا کی فکر اور اس کی محبت کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی فاقہ (یعنی شدید حاجت) پیش آجائے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کردے تو اس کی ضرورت کو نہیں پورا کیا جائے گا، اور جس کو فاقہ پیش آجائے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے (یعنی اللہ پر اعتماد کرے) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی رزق دے دے یا کچھ دیر سے۔

عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ مُعَاوِيَةُ إِلَى أَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ مَرِيْضٌ يَعُوْدُهُ، فَقَالَ: يَا خَالُ مَا يُبْكِيْكَ؟ أَوَجَعٌ يُشْئِزُكَ أَوْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا؟ قَالَ: كُلٌّ لَا، وَلٰكِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا لَمْ آخُذْ بِهِ، قَالَ: إِنَّمَا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۷، الکوکب الدری ۳/۲۴۰

يَكْفِيكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَأَجِدُنِي الْيَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ۔

ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان (ایک دفعہ) حضرت ابوہاشم بن عتبہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے جبکہ وہ مریض تھے (تو وہ انہیں دیکھ کر رونے لگے) تو حضرت معاویہ نے پوچھا کہ اے ماموں کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے، کیا کسی درد اور بیماری نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے یا دنیا کی حرص وتمنا نے؟ انہوں نے فرمایا: ان میں سے کچھ نہیں، لیکن (بے چینی اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں اسے پورا نہ کرسکا، (وہ عہد یہ تھا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے لئے دنیا کے مال میں سے بس اس قدر جمع کرنا کافی ہے کہ تمہارے پاس ایک خادم ہو اور راہِ خدا میں (لڑنے وغیرہ کے لئے) ایک سواری ہو، اور آج میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں نے (ان دونوں چیزوں سے کہیں زیادہ) مال ومتاع جمع کرلیا ہے۔

عن عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوا فِي الدُّنْيَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ زمین وجاگیر (وغیرہ) کو اس طرح اختیار نہ کرو کہ تم دنیا کی طرف مائل ہوجاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فاقة: تنگدستی، شدید حاجت وضرورت۔ لم تسد: اس کی حاجت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ یوشک: قریب ہے۔ رزق عاجل: جلدی رزق۔ رزق أجل: تھوڑا دیر سے۔ یشئزک: آپ کو مغموم اور پریشان کر رکھا ہے، بے چین کر رکھا ہے۔ الضیعة: (ضاد پر زبر کے ساتھ) غلہ اگانے والی زمین، جاگیر، کاروبار اور تجارت۔ تو غبوا في الدنیا: تم دنیا کی طرف مائل ہوجاؤ۔

دنیا کی محبت اور اس کی فکر سے اجتناب کا حکم

اس باب کی احادیث سے تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) انسان کو جب بھی کوئی فاقہ اور شدید ضرورت پیش آجائے تو اسے لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے بجائے اللہ تعالی کے دربار عالی میں پیش کرے، کیوں کہ لوگ نہ نفع پہونچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اللہ ہی نے سب کچھ کرنا ہے، لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے کبھی وہ مشکل حل نہ ہوگی، بلکہ آئے دن ضروریات وحاجات اور مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا، کیوں کہ اس کی نظر صرف لوگوں کی طرف ہے، اللہ کی طرف نہیں ہے، لیکن اگر اپنی اس مشکل کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالی اس معاشی مشکل کو فوری یا بدیر ضرور پورا فرمادیں گے۔

ابوداؤد شریف میں ہے او شک اللہ له بالغنی اما بموت عاجل او غنی عاجل، ملاعلی قاری اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ موت عاجل سے مراد یہ ہے کہ کسی مالدار رشتہ دار کی وفات ہوجائے تو فوراً اس کو مال حاصل ہوجائے گا اور غنی عاجل سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوست موت کے وقت اس کے لئے کوئی وصیت کرجائے، یوں اللہ تعالی جلد ہی اس کی حاجت کو پورا فرمادیں

گے۔

(۲) باب کی دوسری حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں ضرورت کے بقدر مال و دولت پر اکتفا اور قناعت کی جائے، اور ان میں بھی ان چیزوں کو اختیار کیا جائے جو آخرت میں کام آسکیں، اور اس کیلئے ذخیرہ ہو جائے، حدیث میں "مرکب" سے ہر وہ سواری مراد ہے، جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جا سکے، خواہ وہ جہاد و تبلیغ میں ہو، یا حج اور طلب علم کے لئے۔

حضرت ابو ہاشم بن عتبہ بھی ان صحابہ کرام میں سے ہیں، جو بالکل زاہد تھے، رزین نے روایت نقل کی ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے پاس صرف اتنی دنیا تھی، جس کی مقدار تیس درہم بنتی ہے اور ایک پیالہ تھا، حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کے پاس صرف سولہ درہم تھے، پھر بھی وہ پریشان تھے کہ میرے پاس زیادہ دنیا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت ہے، جو ہر وقت مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور آخرت کی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔

(۳) انسان کا جو بھی جائز ذریعہ معاش ہو، خواہ وہ صنعت و تجارت ہو، یا ملازمت و زراعت وغیرہ، اس میں اس قدر منہمک اور مشغول ہو جانا ممنوع ہے، کہ نمازیں بھی رہ جائیں، اللہ کی عبادت سے غفلت ہو جائے اور آخرت کا کوئی دھیان نہ رہے، لیکن اگر کسب حلال کے ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی صحیح طریقہ سے ہو رہی ہے، اس کا قلب اللہ کی محبت سے سرشار اور فکر آخرت سے لبریز ہو تو یہ بہت اونچا مقام ہے، قرآن مجید میں انہی لوگوں کی تعریف بیان کی گئی ہے: **رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله**، یہ ایسے لوگ ہیں کہ انہیں تجارت اور خرید و فروخت یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی، اس لئے باب کی تیسری حدیث میں "ضیعہ" سے ہر ایسی چیز مراد ہے، جس میں مشغول ہو کر انسان اللہ کی عبادت سے غافل ہو جائے، اسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ الْعُمُرِ لِلْمُؤْمِنِ

یہ باب مومن کے لئے عمر کے لمبا ہونے کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: مَنْ خَيْرُ النَّاسِ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ.

حضرت عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ: کونسا آدمی لوگوں میں سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی عمر طویل ہو اور اس کا عمل اچھا ہو۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ. قَالَ: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ.

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: کونسا آدمی سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۰۹، الکوکب الدری ۳/۲۴۱

وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں پھر پوچھا: کونسا آدمی سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔

لمبی عمر کی فضیلت حسن عمل پر ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی طویل عمر اس وقت باعثِ فضیلت اور قابل فخر ہوتی ہے، جب وہ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر اچھے اعمال کرے، آخرت کی تیاری کرے، ایسا آدمی سب سے افضل ہوتا ہے، اس کے برعکس وہ شخص سب سے برا ہے جس کو زندگی کے لمحات تو بہت زیادہ ملے لیکن اس نے ان سے آخرت کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے انہیں لہو ولعب میں گنوا دیا، کوئی خاطر خواہ عبادت نہ کرسکا، اس لئے مؤمن کو اپنی زندگی کے اوقات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ ضائع تو نہیں ہو رہے، کیوں کہ قیامت کے دن اس وقت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کہاں اور کیسے صرف کیا ہے۔

عن "عبداللہ بن قیس" شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ صحیح لفظ "عبداللہ بن بسر" ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَعْمَارِ هٰذِهِ الأُمَّةِ مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: عُمْرُ أُمَّتِي مِنْ سِتِّيْنَ سَنَةً إِلَى سَبْعِيْنَ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال تک ہے۔

امت محمدیہ کی عمر کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کی بہترین عمر، جس کو معتدل کہا جائے، وہ ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہے، کہ اسی عمر میں نبی کریم ﷺ اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و اولیاء نے انتقال فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر نے بعض حکماء کا قول نقل کیا ہے کہ عمر کے چار درجات ہیں، بچپن، جوانی کا زمانہ، کہولت (تیس سال سے پچاس سال تک کی عمر (۲)) اور شیخوخہ (50 سال کی عمر (۳) اور اس سے زیادہ) یہ آخری دور جو عموماً ساٹھ اور ستر سال کے درمیان کا ہوتا ہے، اسے "ہرم" بھی کہا جاتا ہے اس وقت طبیعت میں عموماً ضعف اور کمزوری آجاتی ہے، لہٰذا اس عمر میں پہونچ کر مسلمان کو آخرت

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۱۲

(۲) القاموس الوحید (ص: ۱۴۳۲)

(۳) القاموس الوحید (ص: ۹۰۲)

کی طرف زیادہ راغب ہوجانا چاہیے، کیوں کہ اب وہ طاقت اور قوت واپس نہیں آسکتی، جو اس سے پہلے حاصل تھی۔

ساٹھ سے ستر سال کی عمر اکثر کے اعتبار سے ہے کہ عموماً اس امت کے افراد کی عمریں اتنی ہی ہوں گی، لیکن اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے، کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی، حدیث سے کم یا زیادہ عمر کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقَارُبِ الزَّمَنِ وَقِصَرِ الأَمَلِ

یہ باب وقت کے قریب ہونے اور امید کے چھوٹا ہونے کے بیان میں ہے

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يتقارب الزمان، وتكون السنة كالشهر، والشهر كالجمعة، وتكون الجمعة كاليوم، ويكون اليوم كالساعة، وتكون الساعة كالضرمة بالنار۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمانہ آپس میں قریب ہوجائے گا، (زمانہ کی تیز رفتاری اس کیفیت وحالت کے ساتھ ہوگی کہ) سال مہینے کے برابر، مہینہ ہفتہ کے برابر، ہفتہ دن کے برابر، اور دن ایک ساعت یعنی ایک گھنٹے کی طرح ہوجائے گا؟ اور ایک گھنٹہ اتنا مختصر ہوجائے گا جیسے آگ کا شعلہ کہ (ماچس جلاتے وقت) چمک کر بجھ جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یتقارب الزمان: زمانہ قریب ہوجائے گا یعنی وقت تیزی سے گذرنے گا۔ قصر الأمل: (قاف کے نیچے زیر اور صاد پر زبر) امید کو چھوٹا کرنا۔ ضرمۃ: (ضاد پر زبر اور راء کے سکون اور زبر کے ساتھ) وہ شعلہ اور چنگاری جو ماچس جلاتے وقت ایک دم چمک کر بجھ جاتی ہے۔

تقارب زمان کے معنی

تقارب زمان کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) قرب قیامت میں اللہ کی نافرمانی اس قدر زیادہ ہوجائے گی، کہ وقت میں برکت اٹھ جائے گی، وقت نہایت تیزی سے گذرتا چلا جائے گا کہ اس کا فائدہ محسوس ہی نہیں ہوگا۔

(۲) یا یہ معنی ہیں کہ قرب قیامت میں لوگ اپنی پریشانیوں اور فتنوں میں اس قدر مشغول ہوں گے کہ وقت گذرنے کا انہیں احساس تک نہیں ہوگا اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب ختم ہوئی ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۱۳/۶

امام خطابی فرماتے ہیں کہ وقت کی یہ تیز رفتاری حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِصَرِ الأَمَلِ

یہ باب امید کو کوتاہ کرنے کے بیان میں ہے

عن ابن عمر قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِي قَالَ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ، فَقَالَ لِي ابن عمر: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي يَا عَبْدَ اللهِ: مَا اسْمُكَ غَدًا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے میرے بدن پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا: تم دنیا میں یوں رہو گویا کہ تم ایک پردیسی ہو یا راہ گیر ہو اور اپنے کو قبر والوں میں شمار کرو، (مجاہد کہتے ہیں کہ) مجھے ابن عمر نے فرمایا: جب تم صبح کرو تو اپنے سے شام کی باتیں نہ کرو، اور جب شام کرو تو اپنے سے صبح کی باتیں نہ کرو، اور اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو (اور اللہ کی عبادت کرو) کیوں کہ اے عبداللہ معلوم نہیں کہ کل تمہارا کیا نام ہو گا (زندہ ہو گے یا مردہ ہو جاؤ گے)

عن أنس بن مالك قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هَذَا ابْنُ آدَمَ وَهَذَا أَجَلُهُ، وَوَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَهَا فَقَالَ: وَثَمَّ أَمَلُهُ وَثَمَّ أَمَلُهُ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنی گدی (گردن) پر رکھا، پھر اسے پھیلا کر فرمایا: اور اس کی امیدیں یہاں اور وہاں ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نُعَالِجُ خُصًّا لَنَا، فَقَالَ مَا هَذَا؟ فَقُلْنَا: قَدْ وَهَى، فَنَحْنُ نُصْلِحُهُ، فَقَالَ: مَا أَرَى الأَمْرَ إِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذَلِكَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گذرے، اور ہم اپنی جھونپڑی ٹھیک کر رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ کمزور ہو گئی ہے، ہم اسے ٹھیک کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: میں امر یعنی موت کو اس سے بھی زیادہ جلدی آتے دیکھ رہا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔غریب: پردیسی۔عابر سبیل: راہ گذر، راہ گیر، مسافر۔عد: تم شمار کرو۔قفا: گدی، گردن۔ثم أمله: وہاں اس کی امیدیں ہیں۔نعالج: ہم درست کر رہے تھے، ٹھیک کر رہے تھے۔خصا: (خاء پر پیش) لکڑی یا بانس کی جھونپڑی،

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۱۴/۶

چھپر۔ وھی: کمزور ہوگیا۔ أعجل: اس سے زیادہ جلدی۔ ما أری: میرا گمان نہیں، میرا خیال نہیں۔

لمبی لمبی امیدوں سے اجتناب کا حکم

اس باب کی احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مؤمن کی تمام تر توجہ آخرت کی طرف ہونی چاہیے، دنیا کے ساتھ اس کا تعلق ضرورت کی حد تک ہو، دنیا کے لئے لمبی لمبی امیدیں باندھنا یہ مسلمان کا شیوہ نہیں،

پہلی حدیث میں فرمایا کہ دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی پردیسی زندگی گذارتا ہے، وہ اس جگہ کے ساتھ دل نہیں لگاتا بس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے عارضی ٹھکانہ بنالیتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا کہ راہ گیر کی طرح رہو، جو راستہ عبور کررہا ہو، جو اپنا ٹھکانہ کسی جگہ نہیں بناتا، بس اپنی منزل کو حاصل کرنے کے لئے دشوار گذار راستے طے کرتا چلا جاتا ہے، اسی طرح مسلمان کو بھی اصل آخرت کی فکر کرنی چاہیے، دنیا کے ساتھ اس کا تعلق صرف ایک ضرورت کی حد تک ہو، اور فرمایا تم ابھی سے اپنے آپ کو اہل قبر میں سے شمار کرو، لہذا خوب تیاری کرو، زندگی کا جو وقت میسر ہے اس سے آخرت کا فائدہ اٹھاؤ، صحت کی نعمت حاصل ہے تو بیماری سے پہلے پہلے اس سے بھی فائدہ حاصل کرلو، کیوں کہ نہ معلوم کہ کل تمہیں کیا کہا جائے گا یعنی زندہ ہوگے یا مردہ۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تمنائیں اور امیدیں کس قدر طویل ہیں اور موت کا حال یہ ہے کہ وہ اس کی گردن پر حکم کی منتظر کھڑی ہے اس لئے مسلمان کو دنیا کے بارے میں لمبی لمبی امیدیں اور خواہشات سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آخرت سے آدمی غافل ہوجاتا ہے۔

تیسری روایت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مکان کی اصلاح اور مرمت سے اعمال کی اصلاح زیادہ ضروری اور اہم ہے، مقصد یہ ہے کہ مکان اور کوٹھی کی تعمیرات میں اس قدر مشغول ہوجانا کہ آخرت کی کوئی فکر نہ رہے، کسی بھی طرح درست نہیں، (۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فِتْنَةَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمَالِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس امت کا فتنہ مال میں ہے

عن كعب بن عياض قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إن لكل أمة فتنة وفتنة أمتي المال۔

حضرت کعب بن عیاض نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ: مال ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۱۷

مال ایک فتنہ ہے

انسان کے پاس جب مال و دولت آ جائے تو عموماً وہ دنیا کے لہو ولعب میں مصروف ہو جاتا ہے، آخرت کی اسے کوئی فکر نہیں رہتی، اس لئے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا فتنہ اور آزمائش "مال" ہے، لہذا اگر کسی مسلمان کے پاس جائز ذرائع آمدن ہوں اور اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت دے رہے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ اس مال پر جو شرعی حقوق ہیں زکوۃ وغیرہ، انہیں پوری طرح ادا کرے اور اس مال میں منہمک ہو کر امور آخرت سے غفلت اختیار نہ کرے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثاً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو طلب کرے گا

عن أنس بن مالک قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِياً مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ ثَانِياً، وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے لئے سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لئے ایک اور وادی ہو، اور اس کے منہ کو نہیں بھر سکتی مگر (قبر کی) مٹی، اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول فرماتے ہیں، جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ابن آدم کا حریصانہ مزاج

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان کی فطرت میں مال کی حرص اور محبت رکھ دی گئی ہے، اس کے پاس جتنا بھی مال آ جائے تو وہ پھر بھی مزید کی خواہش کرے گا، البتہ وہ لوگ جو فکر آخرت سے سرشار ہوں، تو وہ مال و دولت کی لالچ اور حرص سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۲) جو شخص مال و دولت کی حرص سے توبہ کر لے اور قناعت کی زندگی گذارے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۱۸/۶

(۲) تحفۃ الاحوذی ۵۱۹/۶

بَابُ مَا جَاءَ قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌّ عَلَى حُبِّ اثْنَتَيْنِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بوڑھے کا دل دو خصلتوں کی محبت پر جوان ہوتا ہے

عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: قلب الشيخ شاب على حب اثنتين: طول الحياة وكثرة المال.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بوڑھے کا دل دو خصلتوں یعنی لمبی عمر اور کثرت مال پر جوان ہوتا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ: الْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں: درازیٔ عمر کی خواہش اور مال (کو جمع کرنے) کی لالچ

بڑھاپے کی دو خصلتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان جس قدر بوڑھا ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اس کے اندر دو خصلتیں بڑھتی جاتی ہیں، ایک لمبی عمر کی تمنا اور دوسرا مال و دولت کو جمع کرنے کی حرص، مقصود یہ ہے کہ جب انسان بوڑھاپے کی عمر کو پہونچ جائے تو وہ مکمل آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے، مال کی حرص اور درازیٔ عمر کی طرف توجہ نہ کرے، کیوں کہ یہ چیزیں انسان کے لئے بسا اوقات نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔(1)

اصل زہد

دنیا سے بے رغبتی اور زہد اس چیز کا نام نہیں کہ انسان حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دے، نہ کھائے، نہ پیئے، نہ نکاح کرے، اور نہ ہی دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، حالانکہ یہ تو انسانی ضروریات ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ نہیں، تمام انبیاء نے اور نبی کریم ﷺ نے بھی ان امور کو اختیار فرمایا ہے، آپ سے بڑھ کر کون زاہد ہو سکتا ہے، اگر یہ چیزیں زاہدانہ زندگی کے خلاف ہوتیں، تو آپ ہرگز انہیں اپنے لئے اختیار نہ فرماتے اور ان کے ترک کرنے والوں پر نکیر بھی نہ فرماتے، حالانکہ آپ ﷺ نے ان امور کو ترک کرنے والوں پر سخت نکیر اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

اصل زہد کیا ہے؟ اس میں نبی کریم ﷺ نے دو امر ذکر فرمائے ہیں:

(1) تحفۃ الاحوذی ۶/۵۲۰

(۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، تدبیر و ہنر، کسب و عمل اور مادی اسباب ہوں، ان پر اس کی نظر اور بھروسہ نہ ہو، بلکہ اس کا اعتماد ان نعمتوں پر ہو، جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں محفوظ ہیں، کیونکہ وہ باقی ہیں، جبکہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس نے بالآخر ایک دن ضرور ختم ہو جانا ہے، لہذا انسان جو کوشش کر کے رزق کماتا ہے، اس میں یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اس کی کوشش کا صلہ ہے، بلکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کہ سب کچھ وہ ہی دینے والا ہے، اور اس کے پاس ایسے خزانے محفوظ ہیں کہ جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

(۲) کمال زہد کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب مسلمان کو کوئی مصیبت اور آزمائش پہونچ جائے تو اس پر وہ واویلا اور جزع فزع نہ کرے، بلکہ اس کے اجر و ثواب کو دیکھ کر یہ تمنا ہو کہ کاش یہ مصیبت برقرار رہے، اور مصیبتوں کا آنا اسے زیادہ محبوب ہو جائے، کیونکہ دنیاوی مصیبتوں کی وجہ سے مسلمان کے گناہ معاف اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔(۱)

عَنْ عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ لابنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ: بَيْتٌ يَسْكُنُهُ، وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ، وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ۔

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ابن آدم ان چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز پر اپنا حق نہیں رکھتا، ایک گھر جس میں وہ اپنی رہائش اختیار کرے، دوسرا کپڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپ سکے، تیسرے سالن کے بغیر خشک روٹی اور پانی۔

مشکل الفاظ کے معنی: خصال: خصلۃ کی جمع ہے، عادت، چیز۔ یواری: ڈھانپ دے۔ جلف: (جیم کے نیچے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ) موٹی اور خشک روٹی سالن کے بغیر۔

ابن آدم کا حق

''حق'' سے وہ حاجات اور ضروریات مراد ہیں، جن کے بغیر انسان زندگی نہ گذار سکے، چنانچہ رہائش کے لئے گھر، جسم ڈھانپنے کیلئے کپڑا، اور خشک موٹی روٹی اور پانی، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر انسان کی بقا ممکن نہیں، لہذا جو شخص ان چیزوں کو حلال طریقے سے حاصل کرے، اور بقدر ضرورت ان پر قناعت کرے، اس سے آخرت میں ان چیزوں کے بارے میں کوئی سوال، مواخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کے علاوہ دوسری اشیاء یا یہی چیزیں ضرورت سے زیادہ استعمال کی جائیں تو پھر آخرت میں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیونکہ ایسے میں یہ ضروریات میں نہیں، بلکہ نفسانی خواہشات اور لذت کے زمرے میں آجاتی ہیں، جن کے بارے میں یقیناً آخرت میں مواخذہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳/۷
(۲) تحفۃ الاحوذی ۵/۷۔

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ: أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ، قَالَ: يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي، مَالِي، وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ، فَأَمْضَيْتَ، أَوْ أَكَلْتَ، فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ، فَأَبْلَيْتَ۔

حضرت مطرف بن عبداللہ اپنے باپ عبداللہ بن شخیر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہونچے تو اس وقت آپ فرمارہے تھے: الھاکم التکاثر (تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کردیا) آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو صدقہ کردے اور (آخرت کے لئے) جاری کر دے (یعنی ذخیرہ کردے) یا جسے تو کھالے اور اسے ختم کردے یا جو تو پہن لے اور اسے بوسیدہ کردے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا ابْنَ آدَمَ: إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابن آدم زائد مال کا خرچ کردینا تیرے لئے بہتر ہے، اور اس کو روکنا تیرے لئے برا ہے، اور بقدر ضرورت رزق پر تیری ملامت نہیں ہوگی، اور تو خرچ کرنا شروع کر اس پر، جو تیرے اہل وعیال ہوں، اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: التکاثر: مال و دولت کی کثرت۔ أمضیت: تو نے جاری کردیا یعنی آخرت میں ذخیرہ کردیا۔ أبلیت: تو نے بوسیدہ کردیا۔ کفاف: (کاف پر زبر) ضرورت کے بقدر روزی۔

انسان کے لئے نافع مال

پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ بات سمجھائی ہے کہ انسان کے پاس جب مال و دولت کی فراوانی ہو جائے، تو اس میں فخر وغرور اور تکبر پیدا ہوجاتا ہے، کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے پاس، جو مال موجود ہے اس کی موت کے بعد وہ اس کے وارثوں کا ہوجائے گا، ہاں البتہ اس کا مال وہ ہے جو اس نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کرکے، آخرت میں اس کا اجر وثواب ذخیرہ کردیا، یا وہ مال جو اس نے اپنے کھانے پینے میں یا اپنے لباس میں استعمال کرلیا ہے، اس کا نافع مال بس یہی ہے، اس لئے اگر آدمی کے پاس مال ہو تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد راہ خدا میں اسے صدقہ کردیا جائے تاکہ قیامت کے دن اس کا نفع ہو۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ امور کی تاکید فرمائی ہے، ضرورت سے زائد مال کو خرچ کردو، یہ بہتر ہے، بچا بچا کر رکھنا برا ہے بشرطیکہ اس کے شرعی حقوق زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کئے جائیں، بقدر ضرورت مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، ضرورت سے زائد مال سب سے پہلے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، کیونکہ ان کا خرچہ اس پر واجب ہے، پھر بھی اگر بچ جائے تو پھر دوسرے رشتہ داروں کو دیا جائے، اور دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے آدمی کو لینے کے بجائے دوسروں کو دینے

کی عادت بنانی چاہیے۔(۱)

عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے، تو یقیناً تمہیں بھی اسی طرح رزق دیا جائے گا، جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ (پرندے) صبح کو بھوکے نکلتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: تغدو: صبح کے وقت نکلتے ہیں۔ تروح: شام کو واپس لوٹتے ہیں۔ خماصاً: خمیص کی جمع ہے: بھوکے۔ بطاناً: بطین کی جمع ہے۔ پیٹ بھر کر۔

کامل توکل کی فضیلت

اس روایت سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر انسان اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرے، جس طرح کہ پرندے توکل کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی طرح اس کو بھی رزق عطا فرمادیں گے کہ رات کو پرندوں کے پاس کوئی چیز ذخیرہ نہیں ہوتی، صبح اللہ پر توکل کر کے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو اپنے گھونسلوں میں سیراب ہو کر لوٹتے ہیں۔

(۲) توکل اس چیز کا نام نہیں کہ انسان رزق کے لئے کوئی کوشش نہ کرے، اللہ پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے، بلکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان رزق حلال کے حصول کے لئے اپنی استطاعت کے بقدر جائز طریقے سے کوشش کرے اور نظر اللہ پر ہو کہ اس نے محض اپنے فضل سے روزی دینی ہے، اس میں کوشش کا کوئی کمال نہیں، مجھے تو بس محنت اور طلب کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پرندے کی مثال سے یہی بات سمجھائی ہے کہ رزق کے حصول کے لئے تگ و دو اور جد و جہد ضروری ہے، جس طرح کہ پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر دور دراز علاقے میں جا کر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں، ہاں کوشش کر کے اس کے نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔(۲)

عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ، فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، جن میں سے ایک تو نبی کریم ﷺ کی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۷۔

خدمت میں رہا کرتا تھا (کیونکہ اس کے اہل وعیال نہیں تھے، وہ حصول معاش کی ذمہ داریوں سے بے فکر ہو کر، طاعت وعبادت اور دینی خدمات میں مشغول رہا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کا اکثر وقت حضور ﷺ کے پاس ہی گذرتا تھا) اور دوسرا بھائی (اہل وعیال کے لئے) کماتا تھا، چنانچہ کمانے والے بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کی حضور ﷺ سے شکایت کی (کہ میرا بھائی نہ تو خود کماتا ہے اور نہ ہی کام کاج میں میری مدد کرتا ہے، یوں اس کے کھانے کا خرچ بھی مجھے ہی اٹھانا پڑتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے (اس کی یہ شکایت سن کر) فرمایا: یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔

رزق میں وسعت وبرکت کا ایک سبب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت کو اختیار کرنا رزق کا اصل باعث نہیں، یہ تو محض اللہ کے فضل وکرم سے ملتا ہے، اور بسا اوقات رزق میں وسعت وبرکت اور فراوانی کا سبب فقراء، تنگدست اور خاص طور پر اپنے ضرورت مند رشتہ داروں پر خرچ کرنا اور ان کی معاشی ضروریات کی کفالت کرنا ہوتا ہے، یوں اس کے مال ودولت میں برکت پیدا ہو سکتی ہے، اس لئے بھائی کا اپنے بھائی کے بارے میں شکوہ وشکایت ہرگز مناسب نہیں۔(۱)

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِحْصَنٍ الْخَطْمِيِّ وَ كَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهٖ، مُعَافًى فِي جَسَدِهٖ، عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ، فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا۔

عبداللہ بن محصن سے روایت ہے۔ اور وہ صحابی تھے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اپنے گھر میں امن وسکون سے صبح کرلے اور اپنے جسم کے اعتبار سے بھی عافیت میں ہو، اس کے پاس ایک دن کی روزی ہو، تو گویا اس کے لئے دنیا جمع کردی گئی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ سرب: (سین اور را پر زبر کے ساتھ): گھر، تہ خانہ (سین کے نیچے زیر اور را کے سکون کے ساتھ) نفس، جماعت، اگر یہ معنی لئے جائیں تو حدیث کے معنی یہ ہوں گے: جو شخص تم میں سے اپنے اہل وعیال میں امن وسکون کے ساتھ صبح کرے۔ معافی: (باب مفاعلہ سے صیغہ اسم مفعول) عافیت میں ہو۔ حیزت: جمع کردی گئی۔

دنیا کی اصل نعمتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ نعمتیں حاصل ہوں کہ گھر میں امن وسکون ہو، صحت وتندرستی ہو، کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو، اور ایک دن کی روزی اس کے پاس موجود ہو، تو اسے گویا ساری دنیا کی نعمتیں حاصل ہوگئی ہیں، اسے اب مزید کسی چیز کی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۸۔

ضرورت نہیں، لہذا اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اپنے اوقات کو اللہ کی عبادت میں گذارنا چاہیے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَفَافِ وَ الصَّبْرِ عَلَيْهِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں بقدرِ ضرورت روزی اور اس پر صبر کا بیان ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِنْدِي: لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ، أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَ أَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَ كَانَ غَامِضاً فِي النَّاسِ، لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، وَ كَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً، فَصَبَرَ عَلَى ذٰلِكَ۔ ثُمَّ نَقَرَ بِإِصْبَعِهِ فَقَالَ: عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهُ، قَلَّتْ بَوَاكِيهِ، قَلَّ تُرَاثُهُ۔

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو ہلکی پیٹھ والا ہو (یعنی جس کی پیٹھ اہل وعیال، مال ودولت اور تعلقات کے اعتبار سے بوجھل نہ ہو) نماز سے بہت حصہ رکھنے والا ہو، اور اپنے رب کی عبادت حسن وخوبی سے کرتا ہو، اور (جس طرح ظاہر میں عبادت کرتا ہے اسی طرح) خفیہ طور پر بھی عبادت میں مشغول رہتا ہو، اور لوگوں میں گمنام ہو کہ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا ہو (یعنی گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہو) اس کی روزی بقدرِ ضرورت ہو اور اسی پر وہ صابر ہو، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے ذریعہ چٹکی بجائی اور فرمایا: اس کی موت اپنا کام جلدی پورا کر لیتی ہے، اور اس پر رونے والی عورتیں بھی کم ہوتی ہیں اور اس کا ترکہ بھی کم ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **کفاف:** (کاف پر زبر کے ساتھ) بقدرِ ضرورت روزی۔ **أغبط:** زیادہ قابل رشک۔ **خفیف الحاذ:** ہلکی پشت والا یعنی جس کی کمر مال و دولت اور اہل وعیال کے بوجھ سے ثقیل نہ ہو۔ **غامضا:** گمنام: مخفی طور پر۔ **نقر باصبعه:** آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے چٹکی بجائی، یہ عموماً کسی بات پر تعجب اور حیرت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے یا کسی کام کے جلدی ہونے کو بیان کے لئے چٹکی بجا کر کہتے ہیں کہ فلاں کام بس یوں چٹکی بجاتے ہو گیا ہے۔ **بواکیه:** باکیۃ کی جمع ہے: رونے والی عورتیں۔ **تراثه:** (یہ تا، واؤ سے بدل کر آئی ہے) میت کا باقی ماندہ مال، ترکہ۔

قابل رشک مؤمن کی صفات

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس مؤمن کی سات صفات ذکر فرمائی ہیں، جو قابل رشک ہے:

(۱) وہ شخص جو زیادہ اہل وعیال اور مال و دولت کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے فارغ ہو، ایسے میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کر سکتا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۰۔

(۲) وہ جسے نماز میں لذت محسوس ہو، گویا وہ اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۳) اپنے رب کی عبادت حسن وخوبی سے کرتا ہو۔

(۴) تنہائی میں بھی لوگوں سے چھپ چھپ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

(۵) لوگوں میں گمنام ہو، مشہور نہ ہو کہ جس کے فضل وکمال اور پرہیزگاری کی وجہ سے لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کریں، کیونکہ اس سے آدمی میں تکبر اور خود پسندی جیسے مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جو بہر حال اس کی ہلاکت و تباہی کا باعث بن سکتے ہیں، تاہم اس کے باوجود اگر کسی کے فضل وکمال کا لوگوں میں چرچا ہو جائے اور پھر لوگ اس کا ادب واحترام کرنے لگیں اور اس کے دل اور رویے میں بڑائی کا پہلو نہ ہو، بلکہ عجز وانکساری غالب ہو، تو پھر اس شہرت میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) ضرورت کے بقدر اس کے پاس روزی ہو۔

(۷) اور ان تمام امور پر صبر وتحمل سے کام لے، بقدر ضرورت روزی پر، گمنامی پر، اللہ کی عبادت پر.....

یہ صفات جب کسی مؤمن میں پیدا ہو جائیں تو وہ قابل رشک ہے، آپ ﷺ نے چٹکی بجا کر ارشاد فرمایا کہ اس کی موت بس یوں چٹکی بجاتے اپنا کام پورا کر لیتی ہے اس پر رونے والی عورتیں اور اس کا ترکہ بھی کم ہوتا ہے۔(۱)

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا قُلْتُ: لَا يَا رَبِّ، وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا، وَأَجُوعُ يَوْمًا. أَوْ قَالَ ثَلَاثًا أَوْ نَحْوَ هَذَا. فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ، فَإِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ۔

اور اسی سند سے نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے میرے سامنے اس بات کو پیش فرمایا تا کہ وہ میرے لئے مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنا دے، میں نے عرض کیا: نہیں! میرے پروردگار (مجھے اس کی قطعاً خواہش نہیں) لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، (یا فرمایا تین دن یا اسی کی مانند کچھ فرمایا) کہ جب میں بھوکا ہوں تو تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تجھے (اپنے دل اور زبان سے) یاد کروں، اور جب میں سیر ہوں تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں۔

مشکل الفاظ کے معنی: بطحاء: کشادہ وادی یا نالہ جہاں سے عموماً برساتی پانی بہ کر جاتا ہے۔ أشبع: میں سیر ہوں۔ تضرعت: میں گڑگڑاؤں، گریہ وزاری کروں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۷۔

نبی کریم ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو مذکورہ پیشکش یا تو حسی اور ظاہری طور پر تھی یا معنوی یعنی باطنی طور پر، دوسری مراد زیادہ صحیح ہے، اس صورت میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ لیا اور مجھے اختیار دیا کہ چاہے میں دنیا کی وسعت اور مال و دولت کو اختیار کروں یا دنیا کی تنگی اور فقر و فاقہ کی راہ اختیار کر کے آخرت کا توشہ بناؤں، چنانچہ میں نے دنیا کی وسعت کو ترک کر دیا اور معاشی تنگی کی راہ اپنالی، تا کہ میں شکر اور صبر کی دونوں صفات سے مزین ہو جاؤں، جب پیٹ بھر کر کھاؤں تو اس وقت اللہ کا شکر ادا کروں اور اس کی حمد و ثناء بیان کروں اور جس دن بھوکا رہوں، تو اس وقت صبر کروں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالداری کے مقابلے میں فقر و فاقہ افضل ہے، مالداری بھی نعمت ضرور ہے، جبکہ حلال طریقے سے ہو اور مال کے شرعی حقوق بھی ادا کئے جائیں، تاہم اس میں انسان کی گمراہی کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور دنیاوی لحاظ سے بھی اس کے ساتھ بڑی مصیبتیں اور طرح طرح کے مسائل ہوتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے مالداری کے بجائے فقر و تنگدستی کی راہ کو اختیار فرمایا، اور امت کو بھی اسی کی ترغیب دی ہے۔

لیجعل لی بطحاء مکۃ ذھبا

مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) مکہ کے برساتی نالے اور وادیوں کو سونے سے بھر دیا جائے۔

(۲) یا ان نالوں اور وادیوں میں جو سنگریزے ہیں، ان کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے، یہ دوسرے معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کو یوں فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے۔[۱]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کامیاب ہے، جو اسلام لایا اور ضرورت کے بقدر اسے رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قانع بنایا ہو (یعنی جو کچھ مل جائے، اسی پر وہ مطمئن اور خوش ہو)

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: طُوْبٰى لِمَنْ هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ.

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اسلام کی ہدایت دی گئی ہو اور ضرورت کے بقدر گذر بسر کا سامان ہو (یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور آمدنی وغیرہ) اور وہ قناعت والا ہو۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲/۷۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْرِ

یہ باب فقر کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَا رَسُولَ اللّٰہِ: وَاللّٰہِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ لَهُ: انْظُرْ مَا تَقُولُ، قَالَ: وَاللّٰہِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَإِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ

حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول: میں آپ سے واقعی (بہت زیادہ) محبت کرتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے (یہ سن کر فرمایا:) دیکھو لو کیا کہہ رہے ہو، (یعنی اچھی طرح سوچ لو کہ تم کس چیز کا دعویٰ کر رہے ہو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں اپنی بات پر پورا نہ اتر سکو) اس شخص نے عرض کیا: خدا کی قسم: میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور تین بار اس جملے کو اس نے دھرایا، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو (یعنی اس دعویٰ میں سچے ہو) تو پھر فقر کے لئے پاکھر زرہ تیار کر لو (یعنی صبر و استقامت کے لئے تیار ہو جاؤ) کیونکہ فقر و تنگدستی اس شخص کو جلدی پہونچتا ہے، جو مجھ سے محبت (کا دعویٰ) کرتا ہے، پانی کے اس بہاؤ سے بھی زیادہ جلدی جو اپنے منتہا کی طرف جاتا ہے۔

محبت کے ساتھ فقر و فاقہ ہوگا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے اور مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ محبت ہے، تو اسے فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت آزمائش اور ابتلاء انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں، پھر جو بھی ان کے طریقے پر چلنے کا زیادہ اہتمام کرے گا، اس پر بھی اسی قدر زیادہ تکلیفیں اور آزمائشیں آئیں گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ محبت کا دعویٰ بھی ہو اور آزمائش نہ آئے، یہ فقر و فاقہ اور آزمائشیں اسے جلدی اپنے بھنور میں پھنسا لیں گی، اس پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ جلدی، جو اپنی منزل کی طرف بڑی تیزی سے رواں دواں ہوتا ہے، لہذا اسے اپنے لئے کسی آلے اور تجفاف کا بندوبست کر لینا چاہیے، جو مصیبت کی اس گھڑی میں اس کے لئے مفید ہو سکے۔

"تجفاف" کے معنی ہیں "پاکھر زرہ" یہ وہ آہنی زرہ ہے، جو جنگجو پہنتا ہے، یا وہ موٹا کپڑا اور زین وغیرہ، جو گھوڑے پر ڈالی جائے تاکہ وہ جنگجو اور جانور زخم وغیرہ سے محفوظ رہے، یہاں حدیث میں تجفاف سے صبر و استقامت مراد ہے، کیونکہ جس طرح تجفاف جنگجو اور جانور کو ڈھانپ لیتا ہے، تاکہ وہ زخم وغیرہ سے حفاظت میں رہے، اسی طرح صبر بھی فقر و فاقہ کی دشوار گذار زندگی کو ڈھانپ لیتا

ہے، یوں وہ انسان صبر کر کے اللہ کے ہاں اونچے درجات حاصل کر لیتا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا، يَا عَائِشَةُ: لَا تَرُدِّي الْمِسْكِينَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، يَا عَائِشَةُ: أَحِبِّي الْمَسَاكِينَ وَقَرِّبِيهِمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ: مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا اور مسکینی کی حالت میں ہی مجھے موت دینا اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں مجھے اٹھانا، حضرت عائشہ نے (یہ سن کر) عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ مساکین مالداروں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ (کبھی بھی) مسکین کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا بلکہ (اس کو ضرور دینا) اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہ: مساکین سے محبت کرنا اور ان کو (مجلس میں گفتگو کے وقت) اپنے قریب رکھنا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ، نِصْفِ يَوْمٍ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال یعنی آدھا دن قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مسلمان، مالدار مسلمانوں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِنِصْفِ يَوْمٍ، وَهُوَ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۳۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مسلمان، مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ پانچ سو سال ہیں۔

فقراء مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

ان احادیث سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور فقراء، مالداروں کے مقابلے میں پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ جس قدر انسان کے پاس دنیا میں زیادہ مال ہوگا، اسی قدر اس کا حساب بھی تفصیلی ہوگا۔

یہاں بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، یوں اس مدت میں بظاہر تعارض ہے؟

شارحین حدیث نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں:

(۱) ان اعداد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ فقراء، مالداروں سے بہت پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس کو کبھی چالیس سال کے عنوان سے بیان کر دیا اور کبھی پانچ سو سال کے لفظ سے، لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ ﷺ کو چالیس سال کی وحی کی گئی ہو، اس کو آپ نے پہلے بیان فرما دیا اور بعد میں پانچ سو سال کا بھی بتا دیا گیا، اس لئے بعد میں آپ نے پانچ سو سال کا ذکر فرمایا۔

(۳) "جامع الاصول" میں ہے کہ سالوں کی تعداد کا یہ اختلاف فقراء کے درجات کے اعتبار سے ہے، کہ بعض فقراء اپنے حالات پر صبر و شکر کی وجہ سے اس قدر اعلیٰ مقام پر ہوں گے کہ انہیں مالداروں کے مقابلے میں پانچ سو سال قبل جنت میں داخل کیا جائے گا اور بعض فقراء کم درجے پر ہوں گے لہذا انہیں چالیس سال قبل جنت میں داخل کیا جائے گا۔

چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبر کرنے والا فقیر، شکر گذار مالدار سے بہتر ہے۔

قیامت کا ایک دن چونکہ دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، تو پانچ سو سال آدھا دن ہوئے، اس لئے حدیث میں پانچ سو سال کو نصف یوم قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جو قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال کے برابر کہا ہے، یہ مخصوص ہے، اس سے کافروں کا دن مراد ہے کہ وہ اس قدر طویل ہوگا۔

اشکال: حدیث انس سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جبکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں حضور ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے، ان دونوں میں بظاہر تعارض سا ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے مطلق فقر سے پناہ نہیں مانگی، بلکہ اس فقر سے پناہ مانگی ہے، جس میں آدمی کا دل فقیر ہو جائے، جو فقر اللہ کی یاد سے غافل کر دے اور کفر کا ذریعہ بن جائے یا جس میں انسان جزع فزع اور اللہ کے بارے میں شکوے کرنے لگے اور جو اللہ کی

تقدیر پر اعتراض کا سبب بن جائے، اس لئے ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَهْلِهِ

یہ باب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل کے روزینہ اور معیشت کے بیان میں ہے۔

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلاَّ بَكَيْتُ، قَالَ: قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الدُّنْيَا، وَاللهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس داخل ہوا، تو انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا، اور فرمانے لگیں: میں کسی کھانے سے سیر نہیں ہوتی کہ پھر میں رونا چاہوں تو رو دیتی ہوں، مسروق کہتے ہیں میں نے پوچھا: ایسا کیوں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: مجھے وہ حال یاد آتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے دنیا کو چھوڑا ہے، اللہ کی قسم: آپ ﷺ نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ شَعِيرٍ، يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے دو دن مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ بھرا ہو (چہ جائیکہ گندم کی روٹی سے)، یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ ثَلاَثًا تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل نے تین دن مسلسل گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ دنیا چھوڑ گئے۔

عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ خُبْزُ الشَّعِيرِ

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں سے کبھی جو کی روٹی زائد نہ ہوتی (یعنی انہیں جو کا آٹا اتنا ہی دستیاب ہوتا، جتنا انہیں ہی کافی ہوتا، زیادہ آٹا نہ ہوتا، کہ اس کی روٹیاں بچ جائیں)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لاَ يَجِدُونَ عَشَاءً، وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل مسلسل کئی راتیں بھوک کی حالت میں

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۷۔

گذارتے تھے، وہ شام کا کھانا بھی نہ پاتے تھے اور اکثر ان کی روٹی جو کی ہوتی تھی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتاً۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو آل محمد کا رزق کفایت کے بقدر کر دے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدَّخِرُ شَيْئاً لِغَدٍ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کل کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزاً مُرَقَّقاً حَتّٰى مَاتَ۔

حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چوکی یا میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ آپ نے چپاتی (میدے کی روٹی) کھائی، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: أَكَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارَى؟ فَقَالَ سَهْلٌ: مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ. فَقِيلَ لَهُ: هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ، قِيلَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ؟ قَالَ: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نُثَرِّيهِ فَنَعْجِنُهُ۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے میدے کی روٹی بھی کھائی ہے؟ حضرت سہل نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے میدہ تو دیکھا بھی نہیں (کھانا تو درکنار) یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے، پھر ان سے پوچھا گیا: کیا عہد رسالت میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں، پوچھا گیا: آپ لوگ جو کے آٹے کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ (یعنی اسے کس طرح بھوسے سے صاف کرتے تھے) فرمایا: (اسے پیسنے کے بعد) ہم پھونک مار دیتے تھے، جو ذرے اس میں اڑنے والے ہوتے، اڑ جاتے پھر ہم اس میں پانی ڈال دیتے اور اسے گوندھ لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: معیشة: روزینہ (یعنی کھانا، پینا آمدنی وغیرہ) ذریعہ گذر بسر۔ تباعا: (تا کے نیچے زیر) پے در پے، مسلسل۔ یفضل: زائد ہو، باقی ماندہ ہو۔ طاویا: بھوکا۔ عشاء: (عین پر زبر کے ساتھ) رات کا کھانا۔ لا یدخر: ذخیرہ نہ کرتے، جمع نہ کرتے۔ خوان: چوکی، میز۔ خبزا مرققا: چپاتی یعنی میدے کی روٹی۔ نقی: میدہ۔ حواری: میدہ، سفید آٹا۔ مناخل: منخل کی جمع ہے: چھلنی۔ ننفخه: ہم اس پر پھونک مار دیتے۔ ماطار: جو چیز کہ اڑ سکتی یعنی بھوسہ اور تنکے۔ نثریه: ہم اس کو بھگو دیتے۔ نعجنه: ہم وہ آٹا گوندھ دیتے۔

حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حال

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کو بیان کیا گیا ہے، آپ نے دو روز مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر

نہیں کھائی، اور نہ ہی گوشت اور روٹی دن میں دو مرتبہ تناول فرمائے، آپ کا یہی معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خوشحالی کی زندگی پر فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دنیا بھر کے خزانوں کی پیش کش ہوئی کہ اگر آپ کہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو آپ کے لئے سونے میں تبدیل کر دیا جائے، تو آپ نے اس کے بجائے فقر اور تنگدستی کا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا کہ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تاکہ جس دن پیٹ بھرلوں اس دن شکر ادا کروں اور جس دن بھوکا رہوں، اس دن صبر کروں۔

یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس زندگی کے آخری حصے میں مال غنیمت سے خوب مال آیا، لیکن حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اس میں بھی آپ اپنی ذات کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے، بلکہ اللہ کی رضا کے لئے اسے تقسیم کر دیتے اور ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ عنایت فرما دیتے، اور آپ خود ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ ہی رہ جاتے، البتہ آپ کے دل کے غنا میں مزید اضافہ ہو جاتا، لہذا احادیث میں جو "لا یدخر شیئاً لغد" فرمایا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی جمع نہ فرماتے، اس لئے اپنی عیال کے لئے بقدر کفایت سال کی روزی جمع کرنا اس کے منافی نہیں۔(۱)

خوان اور خبز مرقق کے بارے میں تفصیلی کلام ابواب الأطعمة کے پہلے باب میں گذر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی معیشت یعنی روزینہ کے بیان میں ہے۔

عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ: إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ، أَهْرَاقَ دَماً فِي سَبِيلِ اللهِ، وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْزُو فِي الْعِصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ، حَتَّى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ، وَأَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يُعَزِّرُونِي فِي الدِّينِ، لَقَدْ خِبْتُ إِذَنْ، وَضَلَّ عَمَلِي۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: بے شک میں سب سے پہلا آدمی ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (کافر کا) خون بہایا ہے، اور پہلا شخص ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (پہلا) تیر چلایا ہے، اور مجھے یاد ہے کہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کرتا (اور غربت کی وجہ سے) ہم درختوں کے پتے اور ببول کے پھل کھاتے تھے، یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک یوں قضائے حاجت کرتا، جس طرح بکری اور اونٹ کرتے ہیں (یعنی مینگنیوں کی طرح) اور (اب) بنو اسد مجھے دین سکھانے لگے ہیں (یعنی میری نماز پر اعتراض کر رہے ہیں کہ میں صحیح نہیں پڑھتا)

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۲۰-۲۵، مرقاة المفاتیح ۹/۳۲۳

تحقیق (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر میں ناکام ہوگیا اور میرے عمل (جو میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز وغیرہ پڑھی) رائیگاں چلے گئے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنِّي أَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ، رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا الْحُبْلَةَ وَهَذَا السَّمُرَ، حَتَّى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي فِي الدِّينِ لَقَدْ خِبْتُ إِذَنْ وَضَلَّ عَمَلِي۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں عرب کا پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں (سب سے پہلے) تیراندازی کی ہے، اور البتہ تحقیق ہمیں یاد ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے اور ہمارا کھانا صرف خاردار درخت کا پھل اور ببول کا پھل ہوتا، یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک یوں قضائے حاجت کرتا، جس طرح بکری (مینگنیاں) کرتی ہے، پھر بنو اسد مجھے دین سکھانے لگے ہیں (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر میں تو ناکام ہی ہوگیا اور میرے (سارے) عمل ضائع ہوگئے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ، فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: بَخٍ بَخٍ، يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ! لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مِنَ الْجُوعِ، مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي، يَرَى أَنَّ بِي الْجُنُونَ، وَمَا بِي جُنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ۔

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ کے پاس تھے اور ان پر کتان کے دو کپڑے سرخ مٹی (گیرو) سے رنگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک کپڑے سے حضرت ابوہریرہ نے ناک صاف کی، پھر فرمایا: واہ، واہ، ابوہریرہ کتان کے کپڑے سے (آج) ناک صاف کر رہا ہے، تحقیق میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حجرۂ عائشہ کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر پڑتا، بس آنے والا آتا اور میری گردن پر اپنا پاؤں رکھتا، یہ سمجھ کر کہ مجھے جنون ہے، حالانکہ مجھے کوئی جنون نہ ہوتا تھا، اور میری یہ کیفیت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى بِالنَّاسِ، يَخِرُّ رِجَالٌ مِنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الْخَصَاصَةِ، وَهُمْ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ، حَتَّى تَقُولَ الْأَعْرَابُ: هَؤُلَاءِ مَجَانِينُ أَوْ مَجَانُونَ فَإِذَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللهِ لَأَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوا فَاقَةً وَحَاجَةً. قَالَ فَضَالَةُ: أَنَا يَوْمَئِذٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ قیام کی حالت میں

بھوک کی وجہ سے گر پڑتے تھے اور وہ اصحاب صفہ تھے، یہاں تک کہ اعرابی کہنے لگتے: یہ پاگل ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو ان کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے: اگر تمہیں اس بات کا پتہ چل جائے کہ تمہارے لئے اللہ کے یہاں اس کا کیا اجر وثواب ہے، تو تم اس بات کو پسند کرو گے، کہ تم فقر وفاقہ اور حاجت کے لحاظ سے اور بڑھ جاؤ، حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا، وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ، فَأَتَاهُ أَبُوبَكْرٍ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ فَقَالَ: خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ وَالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ؟ قَالَ: الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِكَ، فَانْطَلَقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوهُ، فَقَالُوا لِامْرَأَتِهِ: أَيْنَ صَاحِبُكِ؟ فَقَالَتْ انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ، وَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا فَوَضَعَهَا، ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ ﷺ وَيُفَدِّيهِ بِأَبِيهِ وَأُمِّهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا، أَوْ قَالَ: تَخَيَّرُوا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ، فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هٰذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ظِلٌّ بَارِدٌ، وَرُطَبٌ طَيِّبٌ، وَمَاءٌ بَارِدٌ. فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ، فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا. فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ، لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اخْتَرْ مِنْهُمَا. فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ: اخْتَرْ لِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هٰذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ، يُصَلِّي وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا. فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا أَنْ تُعْتِقَهُ، قَالَ: هُوَ عَتِيقٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا وَمَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایسے وقت میں (گھر سے) نکلے کہ آپ (عموماً اس وقت میں) نہیں نکلتے تھے اور نہ کوئی اس وقت آپ سے ملاقات کرتا تھا، اتنے میں حضرت صدیق اکبر آپ کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا کہ اے ابوبکر اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نکلا ہوں تاکہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں، آپ کے چہرہ انور کا دیدار کروں اور آپ کو سلام عرض کروں، ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ حضرت عمر فاروق آگئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر اس وقت تمہیں یہاں کیا چیز لائی ہے؟ عرض

کیا اے اللہ کے رسول: بھوک (کی وجہ سے آیا ہوں) آپ نے فرمایا: میں بھی کچھ بھوک محسوس کر رہا ہوں، چنانچہ تینوں حضرات حضرت ابو الہیثم بن تیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے اور وہ کھجور کے زیادہ درخت اور کثیر بکریوں کے مالک تھے اور ان کا کوئی خادم نہ تھا انہوں نے انہیں گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ بیوی نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، ابھی کچھ دیر بھی یہ حضرات نہیں ٹھہرے تھے کہ راستے میں ابو الہیثم پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آگئے، (آپ ﷺ کو دیکھ کر) اسے (فوراً) رکھ دیا اور آکر حضور ﷺ سے لپٹ گئے اور آپ پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کا کہنے لگے (یعنی یہ کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں)۔

پھر وہ ان حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے اور ان کے لئے ایک بچھونا بچھایا پھر کھجور کے ایک درخت کے پاس گئے اور کھجوروں کا ایک گچھا لائے اور آپ کے سامنے اسے رکھ دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے لئے تازہ کھجور چن کر کیوں نہ لائے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات خود پسند فرمالیں یا یوں فرمایا: آپ حضرات پکی اور کچی کھجوروں میں سے جو چاہیں، پسند فرمالیں، چنانچہ سب نے (کھجوریں) تناول فرمائیں اور اس پانی سے (جو وہ مشکیزے میں لائے تھے) پیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں، جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، یہ ٹھنڈا سایہ، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے (کہ انہیں تم نے کیسے استعمال کیا ہے؟) پھر ابو الہیثم چلے، تاکہ ان حضرات کے لئے کھانا تیار کرائیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دودھ دینے والے جانور کو ہرگز ذبح نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے بھیڑ یا بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، پھر وہ (اسے فرائی کرکے) ان حضرات کے پاس لائے تو سب نے کھایا، حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی خادم ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آجائیں تو اس وقت ہمارے پاس آجانا (میں تمہیں ایک خادم دیدوں گا) چنانچہ آپ کے پاس دو ہی غلام لائے گئے جن کے ساتھ تیسرا نہ تھا، ابو الہیثم آپ کے پاس آگئے، آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک پسند کرلو، عرض کیا یا رسول اللہ: آپ خود ہی میرے لئے پسند فرمادیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔

تم یہ غلام لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، پھر ابو الہیثم اپنی بیوی کے پاس چلے گئے، اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا، تو ان کی بیوی نے کہا: تم اس بات تک نہیں پہونچ سکتے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مگر یہ کہ تم اسے آزاد کردو، ابو الہیثم نے (فوراً) کہا: یہ آزاد ہے، (جب آپ کو آزاد کرنے کا پتہ چلا تو) آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی نبی اور خلیفہ کو نہیں بھیجے مگر یہ کہ اس کے دو گہرے دوست ہوتے ہیں، ایک تو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے (یعنی اچھا مشورہ دیتا ہے) اور

دوسرا اس کے بگاڑ اور فساد میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، اور جو شخص برے دوست سے بچا لیا گیا، تو وہ (ہر قسم کی شرور و آفات سے) محفوظ کر دیا گیا۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْجُوعَ، وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ حَجَرَيْنِ۔

حضرت ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھا کر ایک ایک پتھر دکھایا (جو خالی پیٹ پر بھوک کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک نے باندھا ہوا تھا) آپ نے بھی کپڑے اٹھائے تو آپ کے پیٹ مبارک پر (بھوک کی وجہ سے) دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ۔

سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا تم لوگ کھانے پینے کی چیزوں میں فراوانی کے ساتھ نہیں ہو کہ جس قدر چاہو کھاؤ، پیو، تحقیق میں نے تمہارے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ ردی کھجور بھی اتنی نہ پاتے تھے، جس سے آپ اپنے پیٹ کو بھر سکیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: أهراق: بہایا، اس میں ہاء خلاف قیاس ہمزے سے بدل کر آئی ہے۔ عصابة: (عین کے نیچے زیر) جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، اس کا مفرد نہیں ہے۔ حبلة: (حاء پر پیش اور باء کے سکون کے ساتھ) ببول یعنی کیکر کا پھل جو لوبیہ کے مشابہ ہوتا ہے، بعض کے نزدیک ہر خاردار درخت کے پھل کو حبلہ کہتے ہیں۔ يعزرني في الدين: بنو اسد مجھے دین سکھانے لگے۔ خبت اذن: پھر تو میں ناکام ہی ہو گیا۔ سمر: (سین پر زبر اور میم پر پیش) ببول کا درخت۔ ممشقان: سرخ مٹی یعنی گیرو سے رنگے ہوئے دو کپڑے۔ كتان: ایک عمدہ معتدل کپڑا، جو ہر موسم میں پہنا جا سکے، اور جسم کے ساتھ چپکتا بھی نہ ہو۔ مخط، تمخط: ناک صاف کی۔ بخ بخ: واہ، واہ، شاباش۔ أخر: میں گر پڑتا تھا۔ مغشيا علي: مجھ پر بے ہوشی طاری ہوتی۔ خصاصة: (خا پر زبر کے ساتھ) بھوک اور کمزوری، اور اس کے اصل معنی فقر و فاقہ اور تنگدستی کے ہیں۔ صفة: (صاد پر پیش اور فا پر زبر اور تشدید) چبوترہ۔ يضع رجله على عنقي: اہل عرب کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ بطور علاج کے پاگل آدمی کی گردن پر پاؤں رکھتے تھے۔ يستعذب: میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ يزعبها: مشکیزے کو اٹھائے ہوئے۔ يلتزم: لپٹ گئے، چمٹ گئے۔ يفديه: آپ ﷺ پر قربان کرنے لگے، یعنی یہ کہنے لگے کہ فداک ابی و امی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ بساط: بچھونا، چٹائی۔ قنو: (قاف کے نیچے زیر اور نون کے سکون کے ساتھ) پختہ کھجوروں سے بھرا ہوا گچھہ۔ أفلا تنقيت: تو نے کیوں نہ چنا۔ رطب: تازہ پختہ کھجور۔ بسر: نیم پختہ کھجور، گدر کھجور۔ ذات در: دودھ والا جانور۔ عناقا: بھیڑ بکری کا بچہ۔ جدي: بکری کا بچہ۔ سبي: قیدی۔ مستشار: جس سے مشورہ لیا جائے۔ بطانتان: دو ہمراز دوست۔ لا تالوه: اس میں کمی اور کوتاہی نہیں

چھوڑنا۔ خبال: فساد، بربادی۔ من یوق: جو شخص بچالیا گیا۔ دقل: (دال اور قاف پر زبر کے ساتھ) ردی کھجور۔

کچھ حضرت سعد بن وقاص کے بارے میں

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو دو ایسے شرف حاصل ہیں جو دیگر صحابہ کو حاصل نہیں:

(۱) اسلام میں سب سے پہلے کافر کا خون انہوں نے بہایا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ صحابہ کرام ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ میں کافروں سے چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، سرِ عام عبادت نہیں کر سکتے تھے، ایسے ہی ایک دن گھاٹی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ کافروں نے حملہ کر دیا، لڑائی ہو گئی تو اس وقت حضرت سعد نے اونٹ کا جبڑا ایک کافر کو مارا، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا اور اس کا خون بہہ پڑا، یہ سب سے پہلا خون ہے، جو اسلام میں حضرت سعد نے بہایا۔(۱)

(۲) حضرت سعد وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں سب سے پہلے تیر پھینکا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ایک ہجری میں حضرت عبیدہ بن حارث کی قیادت میں ساٹھ افراد پر مشتمل ایک سریہ، مقام "رابغ" کی طرف روانہ فرمایا تھا، وہاں قریش کے قافلے کے ساتھ ان کی لڑائی ہوئی، جن کے امیر ابوسفیان تھے، آپس میں تیر اندازی ہوئی، یہ اسلام میں سب سے پہلی لڑائی ہے، اور مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حضرت سعد نے کافروں کی طرف تیر پھینکا تھا، اس لئے یہ اسلام کے پہلے تیر انداز قرار پائے۔(۲)

واصبحت بنو اسد یعزرونی فی الدین، بنو اسد سے مراد ہے ابن خزیمہ بن مدرکہ، یہ لوگ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور طلحہ بن خویلد کی اتباع کرنے لگے جو کہ جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

پھر حضرت خالد بن ولید نے صدیق اکبر کے دور میں ان سے جہاد کیا، جس سے انہیں شکست فاش ہوئی، نبوت کے دعویدار طلحہ نے توبہ کی، اور اسلام قبول کر لیا، بعد میں یہ لوگ کوفہ میں رہنے لگے، اس وقت کوفہ کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص تھے، قبیلہ اسد کے لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کوفہ کے امیر کی شکایات کیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، چنانچہ حضرت عمر فاروق نے انہیں امارت کے عہدے سے برطرف کر دیا، لقد خبت اذن... حضرت سعد نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو میری اسلام کے بارے میں کی گئی ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی، اور اب تک جو نمازیں پڑھی ہیں خواہ حضور ﷺ کے ساتھ یا آپ کے بغیر، وہ سب بے کار ہو جائیں گی، حالانکہ ایسا نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنی مدح کی ہے حالانکہ حدیث میں اپنی تعریف کرنے

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۲۵۵

(۲) تکملة فتح الملهم، کتاب الزهد ۶/۴۴۳

سے منع کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی تعریف کرنا، اس وقت ممنوع ہوتا ہے، جب اس سے اپنی بڑائی جتانا پیش نظر ہو، تکبر کے طور پر ہو، لیکن اگر اس نقطہ نظر سے نہ ہو بلکہ اپنی حیثیت اور صلاحیت بتانے کے لئے ہو یا کسی نعمت کے شکر کے طور پر ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا انی حفیظ علیم کہ میں علم بھی رکھتا ہوں، اور حفاظت بھی کر سکتا ہوں، امین ہوں، حضرت علی نے فرمایا سلونی عن کتاب اللہ، قرآن مجید سے متعلق کوئی بات پوچھنی ہو تو مجھ سے دریافت کرو، اور بعض دفعہ تو اجنبی لوگوں کے سامنے اپنی صلاحیت اور ڈگری کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر تکبر کی نیت کے بغیر اپنی تعریف کی جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں، لہذا حضرت سعد پر جب بنو اسد نے بلاوجہ اعتراض کئے تو انہوں نے اپنی حیثیت کو سب کے سامنے واضح کر دیا تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔(۱)

صحابہ کرام کا فقر و فاقہ

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کی اس طرح تربیت فرمائی تھی کہ وہ دین کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، گھر میں اس قدر فقر و فاقہ ہوتا تھا کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے، امام ترمذی نے اس باب میں چند ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں صحابہ کرام کے فقر و فاقہ اور تنگدستی کا ذکر ہے، ان احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر معاشی لحاظ سے آدمی پر سخت دن آجائیں، فقر و فاقہ سے دو چار ہو جائے، تب بھی دین پر ثابت قدم رہنا چاہیے، دیکھیے اصحاب صفہ نماز میں بھوک کی وجہ سے گر جاتے تھے، نبی کریم ﷺ انہیں تسلی دیتے، کہ اس پر جو تمہیں اجر و ثواب مل رہا ہے، اگر اس کا تمہیں علم ہو جائے، تو تم لوگ چاہو کہ فقر و فاقہ میں مزید اضافہ ہو جائے، کیونکہ دین کے ساتھ مشکلات اور مصائب لازم ہیں، ان پر اگر صبر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کا بہترین بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ تنگدستی کے بعد خوشحالی عطا فرما دیں، تو تنگدستی کا دور بھولنا نہیں چاہیے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ جب گورنر ہوئے، دنیاوی نعمتیں انہیں میسر ہوئیں تو اچھے کپڑے پہنتے تھے، ایک دن انہوں نے ایک اعلیٰ قسم کے کپڑے سے ناک صاف کی، تو انہیں اپنا پرانا وہ وقت یاد آ گیا، کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بھوک کی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔

(۳) اگر کوئی بے تکلف دوست ہو تو اس سے ضرورت کی چیز مانگی جا سکتی ہے، جب کہ وہ اسے اپنے اوپر بوجھ محسوس نہ کرے۔

(۴) ہر انسان کے ساتھ دو بطانہ ہوتے ہیں، ایک اسے خیر کا حکم دیتا ہے اور دوسرا اسے شر اور اللہ کی نافرمانی کی باتیں سکھاتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برے بطانہ سے محفوظ رہا تو وہ بچ گیا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۶/۷۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حدیث کے اس جملہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے ایک ایسا بطانہ ہے جو آپ کو برائی کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ آپ کے حق میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ بطانہ سوء سے محفوظ ہیں، چنانچہ اسی روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ موجود ہیں فالمعصوم من عصمه الله۔ (وہ شخص محفوظ رہتا ہے جسے اللہ بچالے)

(۲) نبی کے حق میں بطانتین سے مراد فرشتہ اور شیطان ہے، اور شیطان سے آپ کی حفاظت کر دی گئی ہے، ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، آپ نے فرمایا: ولکن الله أعانني عليه فأسلم۔[1]

علامہ کرمانی فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ بطانتین سے نفس امارہ اور نفس لوامہ مراد ہوں، نفس لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) خیر کا حکم کرتا ہے، اور نفس امارہ (سرکش نفس) برائی کا حکم دیتا ہے۔

بطانہ خیر سے اس صحابی کا اپنا نفس مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی اہلیہ مراد ہے۔[2]

رفعنا عن بطوننا عن حجر حجر...

بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھا جاتا تھا؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) تاکہ اس سے پشت سیدھی رہے، ٹیڑھی نہ ہو۔

(۲) پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی شدت میں کمی واقع ہوتی تھی۔

(۳) بعض کی رائے یہ ہے کہ پتھر کی ایک مخصوص قسم ایسی ہے، جس کے باندھنے سے بھوک ختم ہو جاتی تھی، لہذا اس سے بھی وہ مخصوص پتھر مراد ہے۔[3]

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اصل مالداری نفس یعنی دل کا غناء ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اصل مالداری یہ نہیں کہ انسان کے پاس مال و متاع زیادہ ہو بلکہ حقیقی دولتمندی یہ ہے کہ آدمی کا نفس یعنی دل غنی ہو (اس میں استغناء ہو، مال کی حرص نہ ہو، جو کچھ ہو، اس پر قناعت کرے)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۶/۷۔

(۲) الکوکب الدری ۲۵۹/۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۳/۷۔

حقیقی مالداری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالداری اس چیز کا نام نہیں کہ انسان کے پاس ظاہری طور پر زیادہ مال و دولت اور ساز و سامان ہو، بلکہ اصل دولتمندی یہ ہے کہ آدمی کا دل غنی ہو یعنی جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے، اس پر قناعت کرے، زیادہ دولت اور مالداروں سے بے نیاز رہے، اس کا قلب استغناء کی صفت سے آراستہ ہو، یہ ہے اصل غنا، ظاہراً مال ہو لیکن دل مستغنی نہ ہو بلکہ اس میں مزید کی حرص ہو اور اسی کوشش میں وہ صبح و شام مصروف رہے تو یہ فقر ہے، غنا اور مالداری نہیں، اس لئے انسان رزق حلال کے حصول کے لئے کوشش ضرور کرے، لیکن حصول مال کو مقصود زندگی نہ سمجھے، بلکہ بقدر کفایت پر قناعت کرے اور زیادہ مال و دولت کے حصول سے اجتناب کرے کہ اسی میں دنیا اور آخرت دونوں میں امن و سکون اور عافیت ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْمَالِ بِحَقِّهِ

یہ باب مال کو اس کے حق کے ساتھ لینے کے بیان میں ہے۔

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ وَ كَانَتْ تَحْتَ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ تَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، مَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللهِ وَرَسُوْلِهِ، لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ۔

حضرت خولہ بنت قیس جو کہ حضرت حمزہ کی بیوی ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک یہ مال سرسبز و شاداب اور میٹھا ہے، جو شخص اسے اس کے حق (یعنی جائز طریقے) کے ساتھ حاصل کرے گا، تو اس میں اس کے لئے برکت ڈال دی جائے گی، اور بہت سے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں (اس طرح) تصرف کرتے ہیں، جیسے ان کا نفس چاہتا ہے (یعنی ناجائز طریقے سے صرف کرتے ہیں) تو قیامت کے دن ان کے لئے صرف جہنم کی آگ ہی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: خضرة: سرسبز شاداب۔ أصابه: جو اس کو حاصل کرے۔ متخوض: یہ خوض سے ماخوذ ہے، اور خوض کے معنی ہیں پانی میں چلنا اور اسے حرکت دینا، اور متخوض کے معنی ہیں: گھسنے والا، یہاں اس سے متصرف مراد ہے یعنی مال میں تصرف کرنے والا۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۵/۷۔

حلال طریقے سے مال حاصل کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مال کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک سرسبز وشاداب اور دوسرا کہ وہ میٹھا ہے، اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ اسے سبزہ اور میٹھی چیز پسند ہوتی ہے، اس کا دل ان کی طرف مائل ہوتا ہے، اور جب مال میں یہ دو خوبیاں موجود ہیں، تو لامحالہ انسان کا دل بھی اس کی طرف راغب ہوگا، ہاں جو شخص اس مال کو حق کے ساتھ یعنی حلال اور جائز طریقے سے حاصل کرے گا، اس مال کے شرعی حقوق یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے گا، تو پھر اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے، وہ مال اس کے لئے عافیت اور پرسکون زندگی کا باعث بن جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کیا، یا اس نے اللہ اور اس کے رسول کے مال یعنی بیت المال میں اپنی خواہش اور منشاء کے مطابق تصرف کیا، شرعی احکام کا لحاظ نہ رکھا، اور پھر اس کی تلافی کے بغیر ہی دنیا سے چلا گیا تو ایسے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: مال کی مثال سانپ کی طرح ہے جس میں نفع بخش تریاق بھی ہے اور زہر بھی، چنانچہ جو شخص مال کے نقصانات سے آشنا ہوگا تو وہ زہر سے بچ سکتا ہے اور تریاق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور جو اس کے نقصانات سے واقف نہیں ہوگا تو وہ یقیناً تباہ وبرباد ہوگا، لہذا اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مال کو جائز طریقے سے کمایا جائے، اس طرح مال حاصل کرنا جس میں جائز اور ناجائز مکس ہوجائے، جائز نہیں ہے، اور اس مال کے شرعی حقوق ادا کیے جائیں۔(۱)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لُعِنَ عَبْدُ الدِّينَارِ، وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: درہم اور دینار کے غلام پر لعنت کی گئی ہے۔

مال ودولت کے غلام پر لعنت کا ذکر

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مال ودولت اور ساز وسامان کی محبت میں اس طرح محو ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہوجائے تو وہ گویا درہم ودینار کا غلام بن گیا ہے، وہ اپنے اس قول ایاک نعبد میں صادق نہیں رہا، اس لئے وہ تمام بھلائیوں سے محروم اور ملعون قرار دیدیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لفظ "عبد" استعمال فرمایا، جامع الدینار اور مالک الدینار نہیں فرمایا، اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مال کا مالک بننا اور اسے جمع کرنا مذموم نہیں، بلکہ ضرورت کے بقدر تو اسے حاصل کرنا ضروری ہوتا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۷۔

ہے، اور اسے ضرورت کی خاطر جمع بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ مال سے یوں محبت کرنا کہ اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جائے، شب و روز اس کی یہی تگ و دو ہو، احکام شریعت کا کوئی لحاظ نہ ہو، یہ مذموم ہے اور ایسی صورت میں ہی لعنت کا ذکر آیا ہے۔(۱)

بَاب

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ۔

حضرت کعب بن مالک انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے، جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے، وہ بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہونچاتے، جتنا کہ انسان کی مال و جاہ کی حرص، اس کے دین کو نقصان پہونچاتی ہے۔

مال و جاہ کی حرص دین کو تباہ کر دیتی ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مال و جاہ کے حرص کی شدید مذمت بیان فرمائی ہے، کہ یہ چیزیں جب کسی مسلمان میں پیدا ہو جائیں، تو وہ اس کے دین کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں، اسے ایک مثال سے بیان فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جب بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو حرص و لالچ کی بناء پر وہ بکریوں کے ریوڑ کو اس طرح تباہ و برباد نہیں کرتے، جس طرح کہ صرف مال و مرتبہ کا حرص انسان کے دین کو تباہ کرتا ہے، چنانچہ یہ حریص مال کو بڑھانے کے لئے ہر طریقہ اختیار کرتا ہے خواہ وہ شرعاً جائز ہو یا نہ ہو، پھر اسے خرچ کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، ایسے ہی جاہ و منصب اور مرتبہ کے حصول کے لئے خوب فنڈ خرچ کیا جاتا ہے، قدم قدم پر دینی تعلیمات کو پامال کیا جاتا ہے، اور دیگر بھی کئی اخلاقی خرابیاں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں، یہ وہ تباہ کن خرابیاں ہیں، جو مال و جاہ کے حرص کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

حدیث کی ترکیب نحوی

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "ما" نافیہ مشابہ بلیس ہے، "ذئبان" اس کا اسم اور موصوف ہے، جائعان پہلی صفت اور ارسلا فی غنم دوسری صفت ہے، اور بأفسد... "ما" کی خبر ہے، اس میں "باء" زائدہ ہے، "علی المال و الشرف" حرص سے متعلق ہے، اور "لدینه" أفسد سے متعلق ہے، اور اس میں لام برائے بیان ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۳۹/۷۔

بَابٌ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: نَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِیْ جَنْبِهٖ، فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: لَوِ اتَّخَذْنَا لَکَ وِطَاءً، فَقَالَ: مَا لِیْ وَلِلدُّنْیَا، مَا أَنَا فِی الدُّنْیَا إِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چٹائی پر سوئے، بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے (یہ دیکھ کر) ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: اگر ہم آپ کے لئے نرم بستر بنالیں (تو بہت اچھا ہوگا، اگر آپ اجازت دیدیں تو) آپ نے فرمایا: مجھے اس دنیا کے عیش وآرام سے اور اس دنیا کو مجھ سے کیا سروکار؟ میں تو دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں، جو کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لئے (تھوڑی دیر) ٹھہرے، پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف) چل دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: حصیر: چٹائی، بوریا۔ اثر: اس چٹائی نے نشان چھوڑ دیئے۔ جنب: پہلو۔ وطاء: (واؤ کے نیچے زیر)، نرم بستر، آرام دہ بچھونا۔ استظل: سایہ تلاش کرنے لگے۔ راح: چل پڑے (اپنی منزل کی طرف)۔

دنیا کے عیش وآرام سے حضور ﷺ کی بے رغبتی

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی دنیا کے عیش وآرام سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے، اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے، کہ مسلمانوں کو دنیا کے عیش وآرام کی نہیں، آخرت کو سنوارنے کی فکر کرنی چاہیے، وہ دائمی زندگی ہے، دنیا تو محض ایک گذرگاہ ہے، جس طرح ایک سوار اور مسافر راستے میں بقدر ضرورت تھوڑا سا ٹھہرتا ہے، پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتا ہے، اس کی توجہ اس گذرگاہ کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اپنی منزل کی طرف ہوتی ہے، جہاں اس نے جانا ہوتا ہے، اسی طرح مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف توجہ کرے، جہاں اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔

مالی وللدنیا، اس "ما" میں دو احتمال ہیں:

(۱) یہ ما نافیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ نہ تو مجھے اس دنیا سے الفت ہے اور نہ اس دنیا کو میرے ساتھ کوئی محبت ہے کہ میں اس کے عیش وآرام کو طلب کروں۔

(۲) یہ ما استفہامیہ ہے، اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس دنیا کی محبت سے کیا سروکار ہے یا اس دنیا کی طرف میری رغبت ومیلان سے یا میری طرف اس دنیا کی رغبت سے کونسا نفع حاصل ہوگا، کیونکہ میں تو آخرت کا طلبگار ہوں اور دنیا تو آخرت کی ضد ہے۔

"و للدنیا" میں لام زائد برائے تاکید ہے اگر "واؤ" مع کے معنی میں ہو ای مالی مع الدنیا، اور اگر "واؤ" عاطفہ ہو تو پھر تقدیر عبارت یہ ہوگی مالی مع الدنیا و ما للدنیا معی۔(۱)

بَابٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین و مذہب پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر ایک اس میں خوب غور و فکر کرلے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

کیسے بندے کو دوست بنایا جائے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ آدمی کو نیک اور پارسا دوست بنانا چاہیے، بری مجلس اور برے دوست سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، کیونکہ صحبت کا اثر انسان کی طبیعت پر ضرور رہتا ہے، اگر اچھے لوگوں سے نشست و برخاست ہو گی تو اس کے اچھے اثرات سامنے آئیں گے اور برے لوگوں سے ملنا جلنا ہوگا تو اس کے برے اثرات انسانی طبیعت میں منتقل ہوں گے، اس لئے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا اثر ضرور لیتا ہے، حریص آدمی سے دوستی ہوگی تو مزاج میں حرص ہی آئے گی اور زاہد و پرہیزگار انسان کے پاس بیٹھیں گے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی، چنانچہ عربی زبان میں محاورہ ہے کہ جب کسی آدمی کے بارے میں تحقیق کرنی ہو کہ وہ کیسا ہے تو کہتے ہیں: لَا تَسْئَلْ عَنِ الْمَرْءِ وَ سَلْ عَنْ قَرِينِهِ کہ اس آدمی کے بارے میں لوگوں سے نہ پوچھو بلکہ یہ سوال کرو کہ اس کے دوست کیسے ہیں، اگر دوست اچھے ہوئے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اچھا ہوگا اور دوست برے ہوئے تو وہ بھی بد ہی شمار ہوگا، کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ انسان کا اٹھنا بیٹھنا نیک لوگوں کے ساتھ ہی ہو، تاکہ اس کے اچھے اثرات طبیعت میں منتقل ہوں۔(۲)

بَابٌ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ: يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں، دو تو لوٹ کر آ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۱۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۲۔

جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ باقی رہتی ہے، اس کے پیچھے اس کے اہل، اس کا مال اور عمل تینوں چیزیں جاتی ہیں، پھر اس کے اہل اور مال لوٹ آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔

میت کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں

میت کے ساتھ اس کی قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں، اہل وعیال اور رشتہ دار، مال اور اس کا عمل، پھر دفن کے بعد اس کے رشتہ دار اور دوست احباب واپس آجاتے ہیں، صرف اس کے اعمال قبر میں اس کے ساتھ باقی رہ جاتے ہیں، "اہل" سے اس کی اولاد، رشتہ دار، اہل محلہ اور دوست احباب مراد ہیں اور "مال" سے غلام، باندی، اور تجہیز وتکفین، غسل اور قبرستان تک لے جانے کے اخراجات، بس یہاں تک میت کا تعلق مال کے ساتھ رہتا ہے، اور جب میت کو دفن کر دیا جائے تو مال اور اہل دونوں کا تعلق میت سے بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں واپس آجاتی ہیں، "ویبقی عملہ" صرف اس کا عمل قبر میں باقی رہتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ انسان کا نیک عمل ایک خوبصورت آدمی کی شکل میں سامنے آتا ہے اور اسے بشارت دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں اور کافر کے سامنے اس کے برے اعمال ایک نہایت بری صورت میں سامنے آتے ہیں...... لہذا ایک مسلمان کو اہل وعیال اور مال ودولت پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے اپنے اعمال کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ آخرت کی زندگی میں ذلت ورسوائی کا سامنا نہ ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَثْرَةِ الْأَكْلِ

یہ باب زیادہ کھانے کی کراہت کے بیان میں ہے

عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ۔

حضرت مقداد بن معدیکرب سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آدمی (اگر اپنے پیٹ کو حد سے زیادہ بھر لے تو اس) نے پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرا (کیونکہ پیٹ کو بھرنے کی خرابیاں بہت زیادہ ہیں) ابن آدم کے لئے بس چند لقمے کافی ہیں، جو اس کی پشت کی ہڈی کو سیدھا اور کھڑا رکھیں (تاکہ وہ اپنی ضروریات اور عبادات سرانجام دے سکے) ہاں اگر ضروری ہو (یعنی اگر کوئی زیادہ کھانا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ پیٹ کے تین حصے کرلے) تو ایک تہائی کھانے کے لئے ہو، ایک تہائی پانی کے لئے ہو اور ایک تہائی سانس (کی آمد ورفت) کے لئے ہو (تاکہ دم گھٹنے سے ہلاکت نہ واقع ہو جائے)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۲۔

کھانا زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار میں کھایا جائے

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کی اتنی مقدار تناول کرنا ضروری ہے، جس سے انسان زندہ رہ سکے، جس سے اس کی پشت کھڑی رہ سکے، تا کہ وہ بقدر ضرورت رزق حلال کے حصول کے لئے کوشش کر سکے اور اللہ کی عبادت بجا لا سکے، لیکن اگر کوئی شخص اس حد تک قناعت نہ کرے، بلکہ اس سے زیادہ کھانا کھانا چاہے تو اسے بھی اعتدال کو نہیں چھوڑنا چاہیے، چنانچہ پیٹ کے ایک حصے کو کھانے سے بھر لے اور ایک حصہ پانی کے لئے اور ایک حصہ سانس کے لئے خالی چھوڑ دے، اس حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بہت نقصانات ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پیٹ کو جو کھانے سے پورا بھر لیا جائے، سب سے برا برتن قرار دیا ہے کیونکہ عموماً برتن انہی کاموں میں استعمال کئے جاتے ہیں، جن کے لئے انہیں بنایا گیا ہے، اسی طرح پیٹ بھی ایک برتن ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس میں خوراک کی بس اتنی مقدار ڈالی جائے جو محض جسمانی توانائی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو، لہذا اگر اسے ضرورت سے زیادہ بھر دیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پیٹ کا اصل مقصد حاصل نہ ہوا، ایسے ہی پیٹ کو نبی کریم ﷺ نے "بدتر برتن" قرار دیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ایسی ایسی خرابیاں اور مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں، اس لئے زیادہ شکم سیری سے اجتناب کیا جائے تا کہ اس کے نقصانات سے بچا جا سکے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّيَاءِ وَ السُّمْعَةِ

یہ باب دکھلاوے اور شہرت (کی مذمت) کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ وَ مَنْ يُسَمِّعْ يُسَمِّعِ اللهُ بِهِ۔ وَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ لَا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے (خلاف حقیقت) صلاح و تقویٰ کا اظہار (یعنی دکھلاوا) کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو (یعنی اس کے عیوب کو) ظاہر کر دیں گے (لوگوں کو اس کی رسوائی دکھا دیں گے) اور جو شخص اپنے اعمال سے شہرت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بری شہرت دیں گے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔

عَنْ شُفَيٍّ الْأَصْبَحِيِّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: أَبُو هُرَيْرَةَ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتّٰى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ۔ فَلَمَّا سَكَتَ وَ خَلَا، قُلْتُ لَهُ: أَسْأَلُكَ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۴۔

بحق وبحق لما حدثتني حديثا سمعته من رسول الله ﷺ عقلته، وعلمته، فقال أبو هريرة: أفعل، لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله ﷺ عقلته، وعلمته، ثم نشغ أبو هريرة نشغة فمكثنا قليلا ثم أفاق فقال: لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله ﷺ في هذا البيت، ما معنا أحد غيري وغيره، ثم نشغ أبو هريرة نشغة شديدة، ثم أفاق ومسح وجهه وقال: أفعل لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله ﷺ أنا وهو في هذا البيت، ما معنا أحد غيري وغيره، ثم نشغ ابو هريرة نشغة ثم مال خارا على وجهه فأسندته طويلا، ثم أفاق فقال: حدثني رسول الله ﷺ أن الله تبارك وتعالى إذا كان يوم القيامة ينزل إلى العباد ليقضي بينهم وكل أمة جاثية، فأول من يدعو به رجل جمع القرآن، ورجل قتل في سبيل الله، ورجل كثير المال، فيقول الله للقارئ: ألم أعلمك ما أنزلت على رسولي؟ قال: بلى يا رب، قال فماذا عملت فيما علمت؟ قال: كنت أقوم به آناء الليل وآناء النهار، فيقول الله له: كذبت، وتقول له الملائكة: كذبت، ويقول الله له: بل أردت أن يقال: فلان قارئ، فقد قيل ذلك. ويؤتى بصاحب المال، فيقول الله: ألم أوسع عليك حتى لم أدعك تحتاج إلى أحد؟ قال: بلى يا رب. قال: فماذا عملت فيما آتيتك؟ قال: كنت أصل الرحم وأتصدق، فيقول الله له: كذبت. وتقول الملائكة: له كذبت، ويقول الله: بل أردت أن يقال: فلان جواد فقد قيل ذلك. ويؤتى بالذي قتل في سبيل الله فيقول الله له: في ماذا قتلت؟ فيقول: أمرت بالجهاد في سبيلك فقاتلت حتى قتلت. فيقول الله له: كذبت، وتقول له الملائكة: كذبت، ويقول الله: بل أردت أن يقال: فلان جريء، فقد قيل ذلك. ثم ضرب رسول الله ﷺ على ركبتي فقال: يا أبا هريرة: أولئك الثلاثة أول خلق الله تسعر بهم النار يوم القيامة.

قال الوليد أبو عثمان المدائني: فأخبرني عقبة بن مسلم أن شفيا هو الذي دخل على معاوية فأخبره بهذا. قال أبو عثمان: وحدثني العلاء بن أبي حكيم أنه كان سيافا لمعاوية، قال: فدخل عليه رجل، فأخبره بهذا عن أبي هريرة، فقال معاوية: قد فعل بهؤلاء هذا فكيف بمن بقي من الناس، ثم بكى معاوية بكاء شديدا حتى ظننا أنه هالك. وقلنا: قد جاءنا هذا الرجل بشر، ثم أفاق معاوية ومسح عن وجهه وقال: صدق الله ورسوله. {من كان يريد الحياة الدنيا وزينتها نوف إليهم أعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون، أولئك الذين ليس لهم في الآخرة إلا النار، وحبط ما صنعوا فيها وباطل ما كانوا يعملون}.

حضرت شفی اصبحی نے عقبہ بن مسلم کو بتایا کہ وہ (ایک مرتبہ) مدینہ منورہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے آس پاس لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں (حضرت شفی فرماتے ہیں) پھر میں بھی ان کے قریب ہو گیا یہاں تک کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں کو احادیث سنا رہے

تھے، جب وہ خاموش ہوئے اور بالکل اکیلے رہ گئے تو میں نے ان سے عرض کیا: میں آپ سے ایک صحیح بات کا سوال کرتا ہوں (یا یہ کہ البتہ میں آپ سے اللہ کے واسطے ایک بات پوچھتا ہوں) کہ مجھ سے ایسی کوئی حدیث بیان کیجئے جسے آپ نے نبی کریم ﷺ سے (براہ راست) سنا ہو اور اسے اچھی طرح سمجھا اور جانا ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے میرے سامنے بیان فرمایا اور جسے میں نے اچھی طرح سمجھا ہے، پھر انہوں نے ایک زوردار چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، ہم تھوڑی دیر ٹھہرے پھر آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: میں آپ کے سامنے ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپ نے مجھ سے اسی گھر میں بیان فرمائی تھی اس وقت میرے اور آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی وہاں نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ نے ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، پھر جب ہوش آیا تو انہوں نے اپنا منہ صاف کیا اور فرمایا: میں ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا جب کہ میں اور آپ اس گھر میں تھے ہمارے ساتھ میرے اور آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے پھر وہ منہ کے بل نیچے گرنے لگے تو میں نے انہیں کافی دیر تک سہارا دیئے رکھا،

پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان نزول فرمائیں گے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے اس وقت ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی، سب سے پہلے جس کو اللہ تعالیٰ حساب کے لئے بلائے گا وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس نے قرآن مجید حفظ کیا ہوگا اور دوسرا وہ شخص ہوگا جو راہ خدا میں قتل کیا گیا ہوگا اور تیسرا ایک دولتمند ہوگا، اللہ تعالیٰ اس قاری سے فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں وہ کتاب نہیں سکھائی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی (یعنی قرآن مجید)؟ وہ کہے گا: جی ہاں بے شک آپ نے مجھے اسکا علم دیا تھا اے میرے پروردگار، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا ہے؟ وہ عرض کرے گا: میں دن رات قرآن کی تلاوت کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تیرا تو اس سے مقصد یہ تھا کہ یوں کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے، سو ایسا کہا جا چکا ہے (یعنی اس عمل سے ریاکاری مقصود تھی سو وہ ہو گئی) اور مالدار کو لایا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں خوشحال نہیں بنایا تھا یہاں تک کہ میں نے تجھے اس طرح نہیں چھوڑا کہ تم کسی کے محتاج ہو جاؤ، وہ عرض کرے گا جی ہاں (ایسا ہی ہے) اے میرے پروردگار، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو نے اس مال میں کیا (نیک) عمل کیا جو میں نے تجھے عطا کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور صدقہ وخیرات کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے، اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے، تیرا تو مقصد یہ تھا کہ یوں کہا جائے کہ فلاں انسان بہت سخی ہے اور ایسا کہا جا چکا ہے، اور اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستے

میں قتل کیا گیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو کس لئے قتل ہوا ہے؟ وہ عرض کرے گا آپ نے اپنے راستے میں جہاد کا حکم دیا تھا، چنانچہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تیری تو نیت یہ تھی کہ یوں کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، سو ایسا کہا جا چکا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر (ہاتھ) مار کر فرمایا اے ابوہریرہ: اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے یہی تین آدمی ہیں جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو دہکایا جائے گا۔

ولید ابوعثمان مدائنی فرماتے ہیں کہ مجھے عقبہ نے خبر دی کہ یہی وہ شفی ہیں جو معاویہ کے پاس گئے اور ان کو یہ حدیث سنائی، ابوعثمان فرماتے ہیں کہ علاء بن حکیم نے مجھے بتایا کہ وہ (یعنی علاء) حضرت معاویہ کے جلاد تھے، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان تینوں (یعنی قاری، مجاہد اور سخی) کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو باقی لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رو پڑے اور اس قدر روئے کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ وہ اسی میں مر جائیں گے ہم نے کہا کہ یہ شخص ہم لوگوں کے پاس شر لے کر آیا ہے (یعنی اس نے یہ حدیث سنائی کہ جس کی وجہ سے آہ وزاری کی یہ نوبت پہونچی ہے) پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے: من کان یرید الحیاۃ الدنیا ... و باطل ما کانوا یعملون "جو شخص محض دنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے، تو ہم ان لوگوں کے ان اعمال کی جزاء دنیا میں ہی پورے طور سے دے دیتے ہیں، اور ان کے لئے دنیا میں کوئی کمی نہیں ہوتی، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں، اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔"

مشکل الفاظ کے معنی: سمعة: (سین پر پیش اور میم کے سکون کے ساتھ) شہرت۔ من یرائی: جو ریاکاری کرے گا یعنی خلاف حقیقت تقویٰ و پرہیزگاری کا اظہار کرے گا۔ من یسمع: جو اعمال سے شہرت طلب کرے گا۔ یسمع اللہ به: اللہ تعالیٰ اسے بری شہرت دیں گے۔ یحق و یحق: اس لفظ کا تکرار تاکید کے طور پر ہے اور یاء زائد ہے۔ لَمَّا حَدَّثْتَنِي: یہاں پر۔ لَمَّا۔ إِلَّا کے معنی میں ہے، جس کے معنی ہیں "البتہ" معنی ہیں سچ اور حق بات۔ نشغ: چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ خار اعلی وجهه: منہ کے بل گرتے ہوئے۔ فأسندته طویلا: میں نے کافی دیر انہیں سہارا دیئے رکھا۔ جاثية: گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی امت۔ الم اوسع علیک: کیا میں نے تمہیں خوشحال اور مالدار نہیں بنایا۔ لم ادعک: میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ تسعر: (صیغہ مجہول) جہنم کو دہکایا اور بھڑکایا جائے گا۔ سیاف: شمشیر زن، جلاد۔ نوف: ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ لَا يُبْخَسُونَ: کمی نہیں کی جائے گی۔

ریاکاری اور شہرت کی مذمت

اس باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نیک عمل کیا جائے تو اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر ہو، اس سے دکھلاوا اور لوگوں میں شہرت مقصود نہ ہو ورنہ وہ عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور آخرت میں سزا سے بھی دو چار ہونا پڑے گا، لیکن اگر اپنے کسی عمل کو لوگوں کے سامنے کسی دینی وجہ سے ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے۔

من یرائی... اور من یسمع... کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) ریاکاری اور شہرت حاصل ہو جائے گی لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے اسے رسوا فرمائیں گے۔

(۲) جو عمل انسان دکھلاوے اور شہرت کے لئے دنیا میں کرے گا، تو دنیا میں ہی اسے اس عمل کا اس کی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ بدلہ دیدے گا، آخرت میں اس پر اسے کوئی ثواب نہ ہوگا۔

(۳) جو شخص دوسروں کی خامیاں اور عیوب لوگوں میں عام کرے گا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں کو ظاہر فرما دیں گے۔(۱)

من کان یرید الحیاۃ الدنیا...

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت کفار سے متعلق ہے یا مسلمانوں سے یا مسلم و کافر دونوں سے متعلق ہے؟

(۱) امام ضحاک وغیرہ کے نزدیک یہ آیت کفار سے متعلق ہے کیونکہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اس مفہوم کی تائید آیت کے آخری الفاظ سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے کہ "آخرت میں ان کے لئے بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں"۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے وہ مسلمان مراد ہیں، جو اپنے نیک اعمال سے دنیا کی بھلائی، آرام و راحت اور دولت و عزت کے طلب گار ہیں، نیک عمل اسی نیت سے کرتے ہیں کہ دنیا میں عزت و راحت ملے، اور مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے برے اعمال کی سزا نہ بھگت لیں گے، اس وقت تک وہ دوزخ میں رہیں گے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو آپ ﷺ کے ساتھ صرف مال غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کیا کرتے تھے، آخرت میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی تھی، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ان کی نیت کے مطابق بدلہ دے دیتے ہیں، آخرت میں ان کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہوگا بلکہ ان کے لئے جہنم ہے۔

(۴) زیادہ صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ اس آیت میں عام افراد مراد ہیں خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۴۰۹ کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ۔

اپنے اعمال اور عبادات سے نام ونمود اور ریاکاری کرتے ہیں، ان سے اپنے دنیاوی مفاد حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ان کے ان اعمال کے اثرات دکھا دیتے ہیں، آخرت میں انہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔(۱)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ آیت ریاکار مؤمنوں کو بھی شامل ہو تو پھر اولئك الذين ليس لهم في الآخرة الا النار کا حکم ان کے حق میں کیسے ہوگا کیونکہ مؤمن تو بالآخر ایمان کی وجہ سے ضرور جنت میں داخل ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان برے اعمال کی سزا بیان کی گئی ہے جو محض فاسد نیت سے کئے گئے ہوں، جن کا مرتکب سخت وعید یعنی عذاب جہنم کا مستحق ہوتا ہے اب اگر وہ کافر ہے تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اگر وہ مؤمن ہے تو وہ ایمان کی وجہ سے محض اللہ کے فضل وکرم سے اسے گناہوں کی سزا کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔(۲)

بَابٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ۔ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ: وَ مَا جُبُّ الْحَزَنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِي جَهَنَّمَ، تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ: وَمَنْ يَدْخُلُهُ؟ قَالَ: الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو جب الحزن سے، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول جب الحزن (یعنی غم کا کنواں) کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے، جس سے جہنم ہر دن سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ: اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ قاری جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں بھی ریاکار قاریوں کے لئے درس عبرت ہے، کہ انہیں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ میں صرف اللہ کی رضا کی نیت کرنی چاہیے، ریاء کاری اور نام ونمود کی نہیں، ورنہ، وہ اس وعید میں آسکتے ہیں۔

بَابٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ: الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ، فَإِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ أَعْجَبَهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَهُ أَجْرَانِ: أَجْرُ السِّرِّ وَ أَجْرُ الْعَلَانِيَةِ۔

وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ: إِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ فَأَعْجَبَهُ، إِنَّمَا مَعْنَاهُ: أَنْ يُعْجِبَهُ ثَنَاءُ النَّاسِ عَلَيْهِ

(۱) معارف القرآن ۴/۴۰۴۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۶/۴۸۔

بالخیر لقول النبی ﷺ: أنتم شھداء اللہ فی الأرض، فیعجبہ ثناء الناس علیہ لھذا، فأما إذا أعجبہ لیعلم الناس منہ الخیر ویکرم ویعظم علی ذلک فھذا ریاء، وقال بعض أھل العلم: إذا اطلع علیہ فأعجبہ رجاء أن یعمل بعملہ، فیکون لہ مثل أجورھم، فھذا لہ مذھب أیضاً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ: ایک آدمی عمل کرتا ہے اور اسے مخفی رکھتا ہے، مگر جب اس پر اطلاع ہو جاتی ہے، تو اسے اچھا معلوم ہوتا ہے (کیا یہ بھی ریا ہے؟) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (یہ ریا نہیں بلکہ) اس کے لئے دو اجر ہیں: ایک سر یعنی پوشیدہ عمل کرنے کا ثواب اور دوسرا اعلانیہ یعنی کھلم کھلا عمل کرنے کا اجر و ثواب۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث یعنی اذا اطلع علیہ فاعجبہ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ لوگوں کی تعریف اسے اس وجہ سے اچھی لگتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، (یہ ریا نہیں) لیکن اگر لوگوں کی تعریف اسے اچھی لگے کہ اس کی وہ تعظیم وتکریم کریں تو یہ ریا ہے، اور بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ جب اس کے عمل پر اطلاع ہو جائے تو اسے اچھا لگتا ہے، اس خیال سے کہ لوگ بھی اس کی طرح عمل کریں گے تو اس کے لئے ان کی طرح اجر ہوگا، تو یہ بھی حدیث کا ایک مذہب اور مطلب ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱) وہ شخص لوگوں کی تعریف سے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی طرف سے گواہ ہیں، جب لوگ اس نیک عمل سے خوش ہو رہے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہیں، لیکن اگر لوگ اس کے عمل پر مطلع ہوں تو یہ اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ میری تعظیم وتکریم کریں گے، مجھے اپنا راہنما بنائیں گے، تو یہ ریا ہے، اس لئے اس طرح کی نیت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۲) بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ لوگ جب اس کے عمل پر مطلع ہوتے ہیں، تو یہ اس لئے خوش ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی طرح عمل کریں گے، تو یہ درست ہے، ایسے میں اسے بھی ان کی طرح اجر و ثواب ملے گا۔

باب المرء مع من أحب

یہ باب اس بیان میں ہے کہ آدمی (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ: المرء مع من أحب، ولہ ما اکتسب۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا، جن سے وہ محبت کرتا ہے اور اس کے لئے وہ اجر ہے، جو اس نے محبت سے حاصل کیا۔

عن أنس أنہ قال: جاء رجل إلی رسول اللہ ﷺ فقال: یا رسول اللہ، متی قیام الساعۃ؟ فقام النبی ﷺ إلی

الصَّلاۃِ، فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَهٗ قَالَ: أَیْنَ السَّائِلُ عَنْ قِیَامِ السَّاعَةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. فَقَالَ: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، مَا أَعْدَدْتُ لَهَا کَبِیْرَ صَلَاۃٍ وَلَا صَوْمٍ إِلَّا أَنِّیْ أُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، فَمَا رَأَیْتُ فَرِحَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا، اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو گئے، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ قیامت کے قیام کے بارے میں پوچھنے والا آدمی کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میں ہوں یا رسول اللہ، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے زیادہ نمازوں اور زیادہ روزوں سے تو اس کی تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) آدمی کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن سے وہ محبت کرتا ہے، اور تو بھی قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے تو محبت کرتا ہے، میں نے اسلام کے بعد مسلمانوں کو اس قدر خوش نہیں دیکھا جس طرح کہ وہ آپ کے اس فرمان سے خوش ہوئے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِیٌّ جَهْوَرِیُّ الصَّوْتِ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ، الرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا یَلْحَقْ بِهِمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

حضرت صفوان بن عسال کہتے ہیں کہ ایک بلند آواز والا دیہاتی آپ کے پاس آیا، اور کہنے لگا اے محمد ﷺ ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ابھی تک وہ ان سے ملا بھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اکتسب: جو اس نے حاصل کیا، کمایا۔ ما أعددت: تو نے کیا تیاری کی۔ لما یلحق ھو بھم: وہ ابھی تک ان سے ملا بھی نہیں۔

المرء مع من أحب کے معنی

اس باب کی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کا شمار دنیا اور آخرت دونوں میں انہی لوگوں میں ہوگا، جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، چنانچہ دنیا میں جس طرح کے لوگوں سے وہ محبت کرے گا، اس کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا اور اسے وہی چیز حاصل ہوگی، جو وہ ان سے محبت کرنے میں حاصل کرنا چاہے گا، نیک لوگوں سے محبت کرے گا تو وہ نیکوں میں شمار ہوگا، برے لوگوں کو پسند کرے گا تو اسے بھی انہی میں سمجھا جائے گا، اور جو شخص دنیا میں جس قسم کے لوگوں سے محبت کرے گا تو آخرت میں اسے انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا، خواہ اس نے ان لوگوں سے ملاقات نہ بھی کی ہو، جن سے وہ محبت کرتا ہے، لہذا ایک مسلمان کو اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے برے لوگوں کے بجائے نیک اور اچھے لوگوں سے محبت کرنی چاہیے، تاکہ نیک لوگوں کی معیت میں جہنم سے نجات

اور مغفرت حاصل ہو جائے۔

و انت مع من أحببت، سوال یہ ہے کہ جنت کے مختلف درجات اور منزلیں ہیں تو پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی، نبی سے محبت کرنے والا امتی جنت میں داخل ہو بھی جائے تو بھی وہ جنت میں نبی کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا تو پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "معیت" سے یہ مراد نہیں کہ محبت کرنے والا ہر اعتبار سے، ہر چیز میں، اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا، بلکہ اگر کسی ایک چیز میں وہ دونوں مشترک ہوں تو بھی مع من أحب کے معنی متحقق ہو جائیں گے، لہذا جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے ایک امتی کو اپنے نبی کے ساتھ معیت حاصل ہوگی، اگرچہ درجات مختلف ہوں گے۔

صحابہ کرام کو اس روایت سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ وہ اپنے نبی کے ساتھ انتہائی زیادہ محبت کرنے والے تھے، اور یہ تمنا رکھتے تھے کہ ہمارا حشر اپنے محبوب نبی کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ فضیلت عطا فرمادے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

یہ باب اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُولُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں، جو اس نے میرے بارے میں قائم کیا ہوتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے پکارے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کا حکم

شارحین حدیث نے اس حدیث کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱) اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے خوف کی بجائے امید زیادہ رکھنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں، جس طرح وہ بندہ اللہ کے بارے میں گمان رکھتا ہے اگر یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ اچھا ہی کرتے ہیں، خواہ مجھے اس کی مصلحت سمجھ آئے یا نہ آئے، تو اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوگا اور اگر یہ ذہن ہو کہ خدانخواستہ اللہ تعالیٰ تو میرے ساتھ برا ہی کرتے ہیں تو پھر اسی طرح اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے، اس لئے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن ہی رکھنا چاہیے، ایک اور حدیث میں

(۱) تحفة الاحوذی ۵۳/۷۔

آپ ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ موت کے وقت بھی حسن ظن رکھو کہ وہ مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے گا۔

(۲) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں "ظن" سے "یقین" مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ بندے کا میرے بارے میں جو یقین ہوگا، میں اس کے یقین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔

(۳) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ دعا کرتے وقت بندے کا میرے بارے میں جیسے گمان ہوگا، میں اسی طرح کرتا ہوں، اگر اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ میری اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، عبادات پر اجر و ثواب عنایت فرمائیں گے، تو میں اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہوں بشرطیکہ اس کا کھانا، پینا، رزق حلال سے ہو، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگو کہ وہ اسے ضرور قبول فرمائیں گے، اگر کسی بندے کا یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ میری دعا قبول نہیں فرماتے تو یہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے، جو گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، اور اگر کوئی شخص گناہوں کے ساتھ ساتھ مغفرت کی بھی امید رکھے، تو یہ سراسر اپنے ساتھ دھوکہ اور جہالت ہے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْإِثْمِ

یہ باب بر اور اثم (کے معنی) کے بیان میں ہے

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ: مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ

حضرت نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے بر اور اثم کے بارے میں پوچھا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: "بر" اچھے اخلاق (کا نام) ہے اور "اثم" وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناگوار سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

بر اور اثم کے معنی

احادیث میں "بر" کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً طاعت، عبادت، خوف، صلہ رحمی اور حسن ظن، نبی کریم ﷺ سائل یا سامعین کے اعتبار سے مختلف جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے، اس حدیث میں سائل نے بر اور اثم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: بر یعنی نیکی تو حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ یہ ہے جو دل میں کھٹکے، کہ کروں یا نہ کروں، اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۵۴، تکملۃ فتح الملہم ۵/۱۵۴ کتاب الذکر والدعاء۔

آدمی کو برا محسوس ہو، اور اس کے کرنے پر دل مطمئن نہ ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُبِّ فِي اللهِ

یہ باب اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي، لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری عظمت وجلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے نور کے ایسے منبر ہوں گے، جن پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ، حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف کرنے والا حاکم۔ (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں نشوونما پائے، (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب اس سے نکلے یہاں تک کہ اس میں لوٹ آئے۔ (۴) اور ایسے دو آدمی، جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ (۵) اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کے آنسو بہہ جائیں۔ (۶) وہ شخص جسے حسب ونسب اور حسن وجمال والی عورت (بری نیت سے) بلائے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) اور وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: المتحابون: آپس میں الفت ومحبت کرنے والے۔ یغبطهم: ان سے غبطہ ورشک کریں گے، غبطہ کے معنی ہیں رشک کرنا یعنی دوسرے کی کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ چیز مجھے بھی حاصل ہو جائے اور اس کے پاس بھی باقی رہے۔ یظلهم الله: اللہ تعالیٰ ان پر سایہ کریں گے۔ نشأ: نشوونما پائی، پروان چڑھا۔ فاضت عیناہ: اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، آنسو آجائیں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۵۶

انبیاء وشہداء کے غبطہ کرنے سے کیا مراد ہے

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے، جنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ اور رشک کریں گے تو سوال یہ ہے کہ اس رشک کا کیا مطلب ہے جبکہ انبیاء اور شہداء تو ان سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے، اور اس انداز سے تو بظاہر انبیاء اور شہداء کے مقابلے میں مذکورہ لوگوں کا زیادہ افضل ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ رشک اسی کو ہوتا ہے جو مفضول ہو اور جس پر رشک کیا جائے وہ فاضل ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

(۱) یہاں پر حقیقۃً رشک کرنا مراد نہیں ہے بلکہ ان کے اس عمل پر مدح وثناء، خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

(۲) اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کے مقام کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرنا پیش نظر ہے کہ اگر بالفرض انبیاء اور شہداء کو کسی رتبہ اور مقام پر رشک ہوتا تو ان لوگوں کے مقام پر غبطہ اور رشک ہوتا، اس قدر یہ اعلیٰ مقام ہوگا، گویا اس سے ان کی فضیلت وشرف اور بلند درجے کو بیان کیا گیا ہے۔(۱)

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہاں عبارت محذوف ہے ای لولم تکن عندھم، معنی یہ ہیں کہ اگر انبیاء وشہداء کو یہ درجہ حاصل نہ ہوتا تو پھر وہ اس کے حصول کی تمنا کرتے، لیکن انہیں پہلے سے دیگر مراتب ودرجات کے ساتھ یہ درجہ بھی حاصل ہے۔(۲)

سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان سات افراد کا ذکر فرمایا ہے، جو قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے، اس حدیث میں گو کہ سات کا عدد ہے، لیکن دیگر احادیث میں کچھ مزید لوگوں کا بھی ذکر ہے، جو اس دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے، اس لئے اس حدیث میں سات افراد کے علاوہ دوسروں کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔

"ظل اللہ" سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے۔

امام عادل، اس سے ملک کا سربراہ، کسی بھی ادارے کا بڑا اور سرپرست مراد ہے کہ وہ ہر معاملہ کو عدل وانصاف کے تقاضے کے مطابق حل کرے،

شاب نشأ بعبادة اللہ، اس میں نوجوان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس عمر میں عموماً نفسانی شہوتوں اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، بہت سے نوجوان خواہشات کی ندی میں بہہ جاتے ہیں، ایسے میں جو نوجوان اللہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے گناہ سے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۶/۷

(۲) الکوکب الدری ۲۵۵/۳

رکھتا ہے، نفس کے تقاضے کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا۔

رجل قلبه معلق بالمسجد، وہ شخص گو کہ مسجد سے باہر ہے لیکن اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، دوبارہ جانے کی فکر ہے، مسجد سے محبت کرتا ہے اور اسے ہر طرح سے آباد رکھتا ہے، یہ ایمان کامل کی علامت ہے۔

اجتمعا عليه و تفرقا، یہ محبت کرنے والے دو ہیں، اس لحاظ سے تعداد آٹھ ہو جاتی ہے، جبکہ حدیث میں تعداد سات ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں محبت کے اعتبار سے شریک ہیں، اس لئے انہیں حدیث میں ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔

رجل تصدق، اگر فرض اور واجب صدقہ ہو جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر، ان میں لوگوں کے سامنے اظہار بہتر ہے، چھپانا بہتر نہیں، تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب ہو، البتہ نفلی صدقات میں افضل یہ ہے کہ خفیہ طریقے سے دیئے جائیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْلَامِ الْحُبِّ

یہ باب محبت کو بتانے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِيَّاهُ۔

حضرت مقداد بن معدیکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے محبت رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بتادے (کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں)۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعَامَةَ الضَّبِّيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا آخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَمِمَّنْ هُوَ؟ فَإِنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

حضرت یزید بن نعامہ ضبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ قائم کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے اس کا اور اس کے باپ کا نام دریافت کرلے اور پوچھ لے کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ یہ دریافت کرنا دوستی اور تعلق کو بہت زیادہ مضبوط بنانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: **اعلام:** بتانا، خبر دینا۔ **فليعلمه:** اسے چاہیے کہ وہ اسے بتادے۔ **آخا:** بھائی چارہ قائم کرے۔ **أوصل:** زیادہ جوڑنے والا، زیادہ مضبوط بنانے والا۔ **مودة:** محبت، الفت، دوستی۔

جس سے محبت کرو تو اسے بتادو

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جس سے دینی بنیاد پر محبت ہو تو اسے بتادیا جائے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، کیونکہ اس سے محبت میں اضافہ ہوگا،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۱۔

فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کا خاص خیال رکھے گا۔

(۲) جس سے بھائی چارہ، دوستی اور محبت ہو تو اس سے اس کا نام، والد کا نام اور خاندان معلوم کرلیا جائے کہ یہ چیزیں تعلق و محبت کو مزید مضبوط کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔[1]

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمِدْحَةِ وَالْمَدَّاحِينَ

یہ باب تعریف اور خوشامد کرنے والوں کی مذمت کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَأَثْنَى عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ يَحْثُو فِي وَجْهِهِ التُّرَابَ وَقَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَحْثُوَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ۔

ابو معمر کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور امراء میں سے کسی امیر کی تعریف کی، حضرت مقداد بن اسود نے اسکے چہرے پر مٹی ڈالنا شروع کردی، اور فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم خوشامد کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَحْثُوَ فِي أَفْوَاهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالدیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: المدحة: (میم کے نیچے زیر اور دال کے سکون کے ساتھ) تعریف، خوشامد۔ نحثو: ہم مٹی ڈالدیں۔ أفواہ: فم کی جمع ہے، منہ، چہرہ۔

خوشامد کرنے والوں کی مذمت

ان احادیث سے ان لوگوں کی مذمت ثابت ہوتی ہے، جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی کی خوشامد اور جھوٹی تعریف کرتے ہیں، اسے اپنے مقاصد کے حصول اور آمدن کا ذریعہ بنا رکھا ہوتا ہے، انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ یہ شخص واقعی اس تعریف کا مستحق ہے یا نہیں، اس تعریف سے اس میں عجب، خود پسندی اور تکبر تو نہیں پیدا ہو رہا، اور جو ہم اپنی زبان سے اس کی مبالغہ کے ساتھ تعریف کر رہے ہیں، آیا یہ درست بھی ہے یا نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا حکم یہ ہے کہ ان کے منہ پر مٹی ڈالدو تا کہ وہ اس سے باز آجائیں۔

اس "مٹی کے ڈالنے" سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۹۲۔

شارحین حدیث نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ جو منہ پر تعریف اور خوشامد کرے، اس کے منہ پر مٹی ڈالدو، تاکہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ خود پسندی اور تکبر میں نہ مبتلا ہو جائے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث کے راوی حضرت مقداد نے اس حدیث کے ظاہر پر ہی عمل کرتے ہوئے اس تعریف کرنے والے کے منہ پر مٹی ڈالدی تاکہ وہ اپنے اس عمل سے باز آجائے۔

(۲) اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ خوشامد کرتے ہوں، انہیں کچھ رقم دے کر فارغ کردو کیونکہ کسی کو تھوڑا سا مال حقارت کے ساتھ دینا اس کے منہ پر مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے، اور اس دینے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کی زبان کے شر سے محفوظ رہا جاسکے، کیونکہ نہ دینے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ برائی کرنا شروع کردے۔

(۳) بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشامد کرنے والوں کو کچھ بھی نہ دیا جائے اور نہ ہی ان کا کوئی مقصد حل کیا جائے، یوں وہ اپنی اس خوشامد سے باز آجائیں گے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان مداحین کی مذمت کی گئی ہے، جنہوں نے جھوٹی تعریف اور خوشامد کو اپنے لئے پیشہ بنا رکھا ہے، اسی سے وہ اپنے تمام کام نکالتے ہیں، اور مال بھی حاصل کرتے ہیں، لیکن اگر بغیر کسی لالچ کے کسی قابل تعریف آدمی کی تعریف کی جائے، یا کسی کے اچھے اور پسندیدہ کام پر اس کی حوصلہ افزائی کے لئے تعریف کے چند کلمات بولے جائیں تاکہ اسے مزید شوق پیدا ہو یا اس لئے تعریف کی جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک اعمال اور اچھے کام کرنے کی ترغیب ہو جائے تو اس طرح کی تعریف کرنا شرعاً درست ہے، یہ قابل مذمت تعریف کے زمرے میں نہیں آتی، لہذا ایسے شخص پر حدیث میں مذکور لفظ "مداح" نہیں بولا جائے گا۔(۱)

تعریف کی اقسام

تعریف کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) کس کے منہ پر تعریف کی جائے، یہ ممنوع ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی ہے۔

(۲) کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے، لیکن خواہش یہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہونچ جائے، یہ بھی ممنوع ہے۔

(۳) کسی کی غیر موجودگی میں تعریف کی جائے، اور اس کی بالکل پرواہ نہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہونچے گی یا نہیں، اور وہ بندہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اس قابل بھی ہے تو اس تعریف کی شرعاً اجازت ہے، اور اس انداز سے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۳، تکملۃ فتح الملہم ۶/۵۰۰ کتاب الزھد، باب النھی عن المدح

بَابُ مَا جَاءَ فِي صُحْبَةِ الْمُؤْمِنِ

یہ باب مؤمن سے دوستی کے (حکم کے) بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم صرف مؤمن کے ساتھ رہو (یا مؤمن سے دوستی کرو) اور تیرا کھانا صرف پرہیزگار آدمی ہی کھائے۔

مؤمن سے دوستی کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مؤمنین کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے:

(۱) مؤمن کے ساتھ رہو، اس سے تعلق اور دوستی لگاؤ، اس سے درحقیقت کافر اور منافقین کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرنا مقصود ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق سے دینی زندگی کو نقصان پہونچتا ہے، البتہ بقدر ضرورت ان سے رابطہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

(۲) اپنی دعوت میں صرف پرہیزگار لوگوں کو ہی بلایا کریں، یہ کھانا ان کے لئے عبادات میں طاقت کا باعث ہوگا، جس سے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

ہاں وہ کھانا جو حاجت اور اضطراری حالت میں کھلایا جاتا ہے، وہ کافر اور منافقین کو بھی کھلا سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا یہ قیدی کافر تھے، مسلمان نہیں تھے۔(۱)

بَابٌ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ

یہ باب آزمائش پر صبر کرنے (کی فضیلت) کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وبهذا الإسناد عن النبي ﷺ قال: إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَى، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۵۔

فرماتے ہیں تو دنیا میں ہی (گناہوں کی) سزا اسے دے دیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو (دنیا میں) اس سے اس کے گناہ کی سزا روک لیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دیں گے، اور اسی سند کے ساتھ آپ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو اسے آزماتے ہیں (یعنی طرح طرح کی مصائب و مشکلات میں گرفتار کردیتے ہیں) تو جو اس پر راضی رہا (گلہ شکوہ نہیں کیا) تو اس کے لئے رضامندی ہے، اور جو ناراض ہوا (یعنی اس ابتلاء کو ناپسند کیا) تو اس کے لئے ناراضگی ہے (یعنی شدید عذاب ہے)۔

عَنْ أَبِي وَائِلٍ يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا رَأَيْتُ الْوَجَعَ عَلَى أَحَدٍ أَشَدَّ مِنْهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت ابووائل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے آپ ﷺ سے زیادہ سخت درد (یعنی بیماری) میں کسی کو نہیں دیکھا۔

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى قَدْرِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء کی پھر جو ان سے زیادہ قریب ہو اور پھر جو ان سے زیادہ قریب ہو، آدمی کو اس کے دین کے بقدر آزمایا جاتا ہے، چنانچہ اگر وہ دین میں خوب مضبوط ہوا تو اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی، اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہوا تو اسی کے بقدر اسے آزمایا جائے گا، بندے پر مسلسل آزمائش لگی رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس طرح چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر یوں چلتا ہے، کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا (یعنی سارے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر اس کے نفس یا اولاد یا اس کے مال کے بارے میں مسلسل آزمائش رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اور اس پر کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: البلاء: آزمائش، امتحان، مصیبت۔ عجل: جلدی یعنی دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ أمسک: روک لیتے ہیں۔ یوافی: پورا پورا دیں گے۔ سخط: (سین اور خاء پر زبر کے ساتھ) ناراضگی، غضب الہٰی، دردناک عذاب۔ وجع: درد، یہاں اس سے "مرض" مراد ہے۔ الامثل: جو انبیاء کے زیادہ قریب ہوگا نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ صلبا: مضبوط، سخت۔ رقة: (را کے نیچے زیر اور قاف پر زبر اور تشدید کے ساتھ) نرمی، کمزوری۔

مصائب پر صبر کیا جائے

اس باب کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آزمائش اور مصیبت آجائے، اس پر صبر کیا جائے، جزع فزع اور زبان پر گلے شکوے کے کلمات نہ لائے جائیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اور غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص جس قدر متبع سنت اور پرہیزگار ہوگا، اس پر اسی حساب سے آزمائشیں بھی زیادہ آسکتی ہیں، کبھی اس کے نفس کے بارے میں آزمائش ہوگی، کبھی اس کی اولاد کے بارے میں اور اس کے مال و دولت اور کاروبار کے بارے میں، ایسے میں صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

(۳) ابتلاء و آزمائش اور مصائب سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے مشکل حالات اور مصیبتوں کا سوال نہ کیا جائے، غیر اختیاری طور پر اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ان پر صبر کیا جائے۔

(۴) انبیاء پر سب سے سخت آزمائشیں آتی ہیں، کیونکہ اگر ان پر آزمائشیں نہ آتیں تو لوگ انہیں خدا سمجھنا شروع کر دیتے، نیز اس سے امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ اگر کوئی آفت و مصیبت تم پر آجائے تو جزع فزع کرنے کے بجائے، اس پر صبر کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی جائے تاکہ آزمائش سے خلاصی حاصل ہو جائے۔

فی نفسه وولده وماله میں "واؤ" "او" کے معنی ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِهَابِ الْبَصَرِ

یہ باب بینائی کے چلے جانے کی (جزاء کے) بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: إِذَا أَخَذْتُ كَرِيمَتَيْ عَبْدِي فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِي إِلَّا الْجَنَّةَ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میں دنیا میں اپنے بندے کی دونوں آنکھیں لے لیتا ہوں (یعنی وہ نابینا ہو جاتا ہے) تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ.

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۸۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس شخص کی دو محبوب چیزیں یعنی دونوں آنکھیں میں ختم کردوں، وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے، تو میں اس کے لئے جنت کے علاوہ اور کسی بدلہ کے لئے راضی نہیں ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں آرام وسکون سے رہنے والے قیامت کے دن اس وقت تمنا کریں گے، جب آزمائش والوں کو (بہت زیادہ) بدلہ دیا جائے گا، کہ کاش ان کی کھالوں کو دنیا میں قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا (تاکہ ہمیں بھی یہ اجر اور ثواب ملتا)۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوْتُ إِلَّا نَدِمَ، قَالُوْا: وَمَا نَدَامَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُوْنَ ازْدَادَ، وَإِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُوْنَ نَزَعَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے تو وہ ضرور نادم ہوتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ: مرنے والے کو کس وجہ سے ندامت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو اسے اس بات پر ندامت ہوگی کہ اس نے خیر کے کام زیادہ کیوں نہ کئے، اور اگر برے اعمال والا ہو تو اس بات پر نادم ہوگا کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کیوں نہ چھوڑی۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ، يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّيْنِ، أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ، وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَبِيْ تَغْتَرُّوْنَ، أَمْ عَلَيَّ تَجْتَرِءُوْنَ؟ فَبِيْ حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلٰى أُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے، جو دھوکہ دے کر دین کے بدلہ میں دنیا طلب کریں گے، لوگوں (کو دھوکہ دینے) کے لئے بھیڑ کی کھالیں نرمی دکھانے کے لئے پہنیں گے، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی، اور ان کے دل (دنیا کی شدید محبت میں) بھیڑیے کے دل ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تم لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہو، یا مجھ پر دلیری کرتے ہو؟ لہٰذا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور ان لوگوں پر انہی میں سے ایک ایسا فتنہ بھیجوں گا، جو ان کے بردبار آدمی کو بھی حیران کردے گا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَقُلُوْبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، فَبِيْ حَلَفْتُ لَأُتِيْحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا، فَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُوْنَ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ایک ایسی مخلوق کو

پیدا فرمایا ہے، جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی، اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے، میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر ضرور ایک ایسا فتنہ نازل کروں گا، جو ان کے بردبار آدمی کو بھی حیران کر دے گا، کیا لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہیں یا وہ مجھ پر دلیری کرتے ہیں؟

مشکل الفاظ کے معنی: کریمتین: دونوں آنکھیں، انہیں کریمتین اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کی نظر میں یہ سب سے اہم ہیں اور محبوب بھی ہیں اس لئے انہیں حدیث میں "حبیبتین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جلود: جلد کی جمع ہے، کھالیں یا چمڑے۔ قرضت: انہیں کاٹا جائے۔ مقاریض: مقراض کی جمع ہے: قینچی۔ نزع: چھوڑ دے، باز آ جائے۔ یختلون: طلب کرتے ہیں۔ جلود الضأن: بھیڑ کی کھالیں۔ احلی: زیادہ میٹھی۔ تغترون: تم دغا بازی کرتے ہو، دھوکہ دیتے ہو۔ تجترؤون: تم سینہ زوری کرتے ہو، دلیری دکھا رہے ہو۔ أمرّ: زیادہ کڑوی۔ صبر: (صاد پر زبر اور با کے نیچے زیر): ایلوا۔ لأبعثنّ: میں ضرور بھیجوں گا۔ اتیحنھم: میں ضرور ان کو دوں گا۔

بینائی جانے پر صبر کی فضیلت

جس آدمی کی دنیا میں بینائی چلی جائے، وہ نابینا ہو جائے، پھر وہ اللہ کی رضا کی خاطر آخرت کو سامنے رکھ کر صبر کرے، زبان سے کوئی گلہ وشکوہ نہ کرے تو اس کا اجر جنت ہے، اسے ابتداء ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا، یا یہ کہ اسے بغیر کسی عتاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا، کیونکہ دنیا میں نابینا ہونا سب سے بڑی آزمائش ہے، اس پر اس نے صبر واستقامت دکھائی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، بہت بڑی آزمائش ہے، لیکن اس آزمائش کے یہ معنی نہیں کہ ایسے آدمی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے دنیا میں آزمائش یا تو کسی مصیبت وآفت سے نجات کا باعث ہوتی ہے یا اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں یا اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، اس لئے اگر کسی پر اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش آ جائے تو اس پر دل سے صبر کیا جائے تا کہ وہ اجر وثواب اور فضائل حاصل ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ اپنے صابر بندوں کو عطا فرماتے ہیں، اس ابتلاء کو اپنے لئے عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، کیونکہ اسے یوں اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ گمراہ نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ عیش وعشرت اور آرام وسکون سے زندگی بسر کرتے ہیں، آخرت میں جب وہ دنیا میں آزمائش والے لوگوں کا اجر وثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں آزمایا جاتا، بار بار ہمارے جسموں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا، تا کہ آج ہمیں بھی یہ اجر وثواب حاصل ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ ابتلاء ایک نعمت ہے، جس کا اجر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر صبر کیا جائے اور اسے دل وجان سے قبول کیا جائے۔[1]

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶۸/۷۔

دین کے لبادہ میں دنیا طلبی کی مذمت

قرب قیامت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی وضع قطع، ظاہری رہن سہن، بالکل نیک لوگوں کی طرح اختیار کریں گے، لوگوں کے ساتھ بظاہر بڑے نرم دل، شیریں زبان، دین وملت کے خیر خواہ اور دین کے داعی ہوں گے لیکن ان کے دل مال و دولت اور جاہ ومنصب کے حصول کے لئے بھیڑیئے سے بھی سخت ہوں گے، ان کی ساری تگ ودو مال کے حصول پر ہوگی، دین کا لبادہ اوڑھ کر وہ اپنے یہ مذموم مقاصد حاصل کریں گے، مذکورہ احادیث میں ایسے لوگوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ اپنی ان حرکات سے باز آجائیں ورنہ انہیں کے اندر سے ایسے خطرناک فتنے رونما ہوں گے، جن کا نہ تو کوئی توڑ ہو سکے گا اور نہ ان فتنوں کے شر سے کوئی بچ سکے گا، وہ فتنے ایسے بھیانک ہوں گے کہ عقلمند اور دانا بھی ان میں ششدر اور حیران رہ جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا جائے ورنہ اس طرح کی وعیدوں کا ابتلاء ہو سکتا ہے۔

یلبسون للناس جلود الضأن،

اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی، شیریں زبان اور نرمی سے پیش آئیں گے، تا کہ لوگ ان کے گرویدہ ہو جائیں۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے اس کے حقیقی اور ظاہری معنیٰ مراد ہیں کہ یہ لوگ بھیڑیئے کی کھال اور اس کے بالوں کے بنے ہوئے لباس اور کمبل استعمال کریں گے، تا کہ لوگ انہیں نیک ومتقی اور عبادت گذار سمجھیں، ان کے مرید اور معتقد بن جائیں، کیونکہ اس طرح کی عقیدت مندی کے بعد دنیاوی مقاصد کا حصول پھر آسان ہو جاتا ہے۔

أبی یغترون

اصل عبارت یوں ہے **أبحلمی و إمهالی یغترون** مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم مجھے میری بردباری اور مہلت کی وجہ سے دھوکہ دیتے ہو یعنی تمہیں مجھ سے کوئی خوف نہیں، گناہوں میں بڑھتے جا رہے ہو اور توبہ نہیں کرتے۔

أم علیّ تجترؤون یا مجھ پر تم لوگ دلیری کرتے ہو یعنی نیک اعمال صرف اسی غرض کیلئے کرتے ہو تا کہ لوگ تمہارے معتقد ہو جائیں، تمہیں مال ودولت دیں، اور تمہاری خدمت کی جائے۔

قلوبهم أمرّ من الصبر

ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے، اس سے ان کے شاطر اور مکار ہونے کا اظہار کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس باب کی آخری دو حدیثیں یعنی حدیث ابن عمر اور حدیث ابی ہریرہ کو اس باب سے کوئی مناسبت نہیں، ممکن ہے کہ ان سے پہلے لفظ ''باب'' کا لکھنا رہ گیا ہو، چنانچہ ترمذی کے بعض نسخوں میں ان سے پہلے لفظ باب لکھا ہوا ہے۔(۱)

---

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۷۶۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ

یہ باب زبان کی حفاظت کے بیان میں ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيْئَتِكَ۔

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (مجھے بتا دیجئے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور چاہیے کہ تمہارا گھر تمہیں کافی ہو، اور اپنی غلطی پر رویا کرو۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ، فَتَقُوْلُ: اتَّقِ اللهَ فِيْنَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا، وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔

حضرت ابو سعید خدری نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ہمارے حق میں اللہ سے ڈر، کیونکہ ہم تجھ سے وابستہ ہیں، اگر تو سیدھی رہے گی، تو ہم سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی، تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ يَتَوَكَّلْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَتَوَكَّلْ لَهُ بِالْجَنَّةِ۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے، جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی) اور اس چیز کی، جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ کی، کہ انہیں غلط استعمال نہیں کریگا) تو میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ وَقَاهُ اللهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس چیز کے شر سے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور اس کے شر سے، جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے، بچالے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ: حَدِّثْنِيْ بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ. قَالَ: قُلْ: رَبِّيَ اللهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ. قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ: مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی امر بتا دیجئے، جسے میں مضبوطی سے پکڑ لوں (اور میری نجات ہوجائے) آپ نے فرمایا: تو کہہ کہ میرا رب اللہ ہی ہے، اور پھر اس پر ثابت قدم رہ، فرماتے ہیں: پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: وہ چیز کیا ہے، جس کے بارے میں آپ مجھ پر سب سے زیادہ خوف

کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی، اور فرمایا: وہ یہ چیز ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُكْثِرِ الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ، وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کر، کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر کثرت کلام دل کے سخت ہونے کا باعث ہے، اور بے شک لوگوں میں سے سب سے زیادہ، اللہ سے دور، وہ شخص ہے جو سخت دل والا ہو۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَلَامُ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ، لَا لَهُ، إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ۔

زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابن آدم کے ہر کلام (کا ضرر و وبال) اس پر ہے، وہ اس کے لئے فائدے مند نہیں، سوائے نیکی کے حکم کے یا برائی سے منع کرنے کے یا اللہ کے ذکر کے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: املک: (یہ باب ضرب سے صیغہ امر ہے)۔ لیسعک: تو قابو میں رکھ، چاہیے کہ وہ تجھے کافی ہو۔ تکفر اللسان: سارے اعضاء زبان کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ نحن بک: ہم آپ سے متعلق ہیں۔ ان استقمت: اگر تو سیدھی رہے گی۔ ان اعوججت: اگر تو ٹیڑھی ہوگئی۔ من یتو کل لی: جو مجھے گارنٹی اور ضمانت دے۔ اعتصم بہ: میں اسے مضبوطی سے پکڑلوں۔ القلب القاسی: سخت دل، بے رحم دل، پتھر جیسا سخت دل۔ علیہ لا لہ: ای ضررہ و وبالہ علیہ و لیس لہ نفع فیہ یعنی اس کلام کا ضرر و نقصان اور اس کا وبال اس پر ہے، اور اس میں اس کا کوئی نفع نہیں۔

ما أخوف...... کی ترکیب نحوی

ما۔ استفہامیہ مبتدا، أخوف۔ مضاف، ما۔ موصولہ، تخاف فعل، انت ضمیر فاعل، علی۔ جار مجرور فعل سے متعلق، جملہ ہوکر صلہ، صلہ موصول مل کر۔ اخوف۔ کا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر، جملہ اسمیہ خبریہ۔

زبان کو قابو میں رکھنے کا حکم

اس باب کی احادیث میں زبان کی حفاظت اور اسے اپنے قابو میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا حکم دیا:

(۱) اپنی زبان کو غلط استعمال نہ کرو، اسے اپنے کنٹرول اور قابو میں رکھو، تاکہ فضول بات، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچا رہے۔

(۲) فتنوں کے دور میں حتی الامکان اپنے گھر میں ہی رہو، بس ضرورت کے لئے باہر جاؤ اور پھر گھر میں واپس آجاؤ، بری مجلس

اور برے دوستوں سے یکسوئی اختیار کرو گے تو بہت سے گناہوں سے بچ جاؤ گے۔

(۳) جب کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے ندامت کے اشک بہالو، خوب توجہ سے گڑگڑا کر تواضع و لجاجت سے اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو۔

فان الاعضاء کلها تکفر اللسان

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ہی سارے اعضاء کی سردار ہے، جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سارے اعضاء کا دارومدار دل پر ہے کہ اگر دل درست ہو تو جسم کے تمام اعضاء بھی درست اور صالح رہتے ہیں اور اگر دل خراب ہو تو سارے اعضاء بھی ناکارہ اور تباہ ہو جاتے ہیں، تو بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں دل ہی سارے اعضاء کا سردار ہے مگر اس کا ترجمان اور خلیفہ چونکہ زبان ہے، اس لئے اس حدیث میں مجازاً زبان کو سارے اعضاء کی اصل قرار دیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے شفی الطبیب المریض اس میں مجازاً شفا کی نسبت طبیب کی طرف کی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں تو شافی، اللہ کی ذات ہے، ایسے ہی زبان کی طرف بھی یہ نسبت مجازاً ہے، کہ جس طرح دل کے درست اور خراب ہونے کا اثر تمام اعضاء پر پڑتا ہے، اسی طرح زبان کا بناؤ اور بگاڑ بھی جسم کے تمام اعضاء کو بناتا اور بگاڑتا ہے، اس وجہ سے سارے اعضاء زبان سے بڑی عاجزی سے درخواست کرتے ہیں، کہ تو سیدھی رہنا کہ تیری ہی وجہ سے ہمارے اوپر آفت آتی ہے۔(۱)

اور فرمایا کہ جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے دے کہ میں زبان اور شرمگاہ کو غلط استعمال نہیں کروں گا تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہر قسم کے فساد اور خرابی کی بنیاد ہیں۔

زبان کو اللہ کے ذکر اور تلاوت میں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر جو بھی کلام ہے، اس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ وہ اس کے لئے باعث حسرت و افسوس ہوگا۔

قسوة للقلب اس کے معنی یہ ہیں کہ ذکر اللہ کے بغیر جب زیادہ کلام کیا جائے، تو دل سخت ہو جاتا ہے کہ وہ حق بات کو قبول نہیں کرتا، نہ ہی حق بات کی طرف مائل ہوتا ہے، خوف خدا اور خشیت اس میں نہیں رہتی، آخرت سے غافل اور دنیا کی طرف اس کا میلان زیادہ ہو جاتا ہے۔

کلام ابن آدم علیہ لا لہ..... ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے کلام کے علاوہ ہر قسم کے کلام بے فائدہ ہیں، حالانکہ بہت سے کلام مباح ہیں اور شرعاً ان کی اجازت ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

اس روایت کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں:

(۱) یہ روایت مبالغہ اور تاکید پر محمول ہے، ان تین کلاموں کے علاوہ دیگر کلام کی نفی کرنا مقصود نہیں، اس بات کی تاکید پیش نظر

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۳۳ قدیمی

ہے کہ ایک مسلمان کو زیادہ تر ان تین طرح کے کاموں کے اندر ہی رہنا چاہیے، اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہ نکالے، جو دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے یا کم از کم دنیاوی لحاظ سے درست اور مفید نہ ہو۔

(۲) بعض کی رائے یہ ہے کہ کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ میں "لا لہ" یہ "علیہ" کی تفسیر و توضیح ہے، مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے علاوہ باقی جو مباح کلام ہیں، ان کا آخرت میں کوئی نفع اور فائدہ نہیں ہوگا اگرچہ دنیا میں اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ اور غرض وابستہ ہوتی ہے۔

(۳) بعض کے نزدیک اس حدیث میں عبارت مقدر ہے یعنی کل کلام ابن آدم حسرة علیہ لا منفعة لہ فیہ الا المذکورات و أمثالها، یعنی ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے باعث حسرت اور افسوس ہوگا، سوائے امر بالمعروف...... اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: آخَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً. قَالَ: مَا شَأْنُكِ مُتَبَذِّلَةً؟ قَالَتْ: إِنَّ أَخَاكَ أَبَا الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، قَالَتْ: فَلَمَّا جَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ: كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، قَالَ: فَأَكَلَ. فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لِيَقُومَ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: نَمْ فَنَامَ. ثُمَّ ذَهَبَ لِيَقُومَ قَالَ لَهُ: نَمْ فَنَامَ، فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الصُّبْحِ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: قُمِ الْآنَ، فَقَامَا فَصَلَّيَا. فَقَالَ: إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَأَتَيَا النَّبِيَّ ﷺ: فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ: فَقَالَ: صَدَقَ سَلْمَانُ۔

حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سلمان اور ابو الدرداء کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، حضرت سلمان ابو الدرداء کی ملاقات کے لئے آئے، تو ام الدرداء کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں؟ کہنے لگی: بے شک تمہارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں، پھر جب ابو الدرداء آئے تو انہوں نے (سلمان کے سامنے) کھانا قریب کیا اور کہا: کھایئے، کیونکہ میں تو روزے سے ہوں، سلمان نے کہا، میں نہیں کھاؤں گا یہاں تک کہ آپ کھائیں، سلمان کہتے ہیں کہ ابو الدرداء نے کھایا، پھر جب رات ہوئی تو ابو الدرداء جانے لگے تاکہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: سو جایئے، چنانچہ وہ سو گئے، پھر جانے لگے تاکہ نماز پڑھیں، تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: سو جایئے، وہ سو گئے، جب صبح کا وقت

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۵۸/۵ کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عز و جل۔

ہوا تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: اب اٹھو، چنانچہ وہ دونوں اٹھے اور نماز پڑھی، پھر حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: بیشک آپ پر آپ کے نفس کا حق ہے، اپنے رب کا حق ہے، مہمان کا حق ہے، اور بے شک آپ پر آپ کی بیوی کا بھی حق ہے، لہذا ہر حقدار کا حق ادا کیجئے، پھر دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے کا دونوں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔

حضرت سلمان کی حضرت ابوالدرداء کو چند اہم نصیحتیں

نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان اور ابوالدرداء کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب مغازی نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ دو مرتبہ واقع ہوا تھا،

پہلی مرتبہ ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان اس بات پر بھائی چارہ قائم کیا گیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے غمخوار اور مددگار رہوں گے، چنانچہ زید بن حارثہ اور حمزہ بن عبدالمطلب کے درمیان ہجرت سے پہلے بھائی چارہ اسی پر ہوا تھا، دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی بندی قائم فرمائی تھی۔

اسی بھائی چارے کی بنیاد پر حضرت سلمان حضرت ابوالدرداء کے ہاں تشریف لائے، گھر میں صرف اہلیہ تھیں، حضرت ابوالدرداء نہیں تھے، حضرت سلمان نے دیکھا کہ ام الدرداء نے نہایت پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہیں، پوچھا کہ ایسا کیوں؟ ام الدرداء نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی حاجت اور تعلق ہی نہیں، ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ وہ دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتے ہیں، میری طرف توجہ ہی نہیں کرتے کہ میں ان کے لئے بن سنور کر رہوں، اتنے میں حضرت ابوالدرداء تشریف لے آئے، اپنے بھائی سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور کہا کہ آپ کھائیں، میں تو روزے سے ہوں، سلمان نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ میرے ساتھ نہ کھائیں، چنانچہ پھر انہوں نے نفلی روزہ توڑ کر کھانا کھایا، پھر جب رات ہوئی تو ابوالدرداء نے رات میں عبادت کے لئے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمان نے بار بار اٹھنے سے روک دیا اور سونے کا فرمادیا، پھر صبح کے وقت دونوں حضرات اٹھے، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، حضرت سلمان نے یہ سارا کچھ اس لئے کیا تاکہ حضرت ابوالدرداء اعتدال پر آجائیں، کیونکہ ان پر عبادت کا غلبہ اس قدر طاری تھا کہ ان سے کچھ حقوق میں کوتاہی ہو رہی تھی، تو خیر خواہی کے جذبے سے حضرت سلمان نے انہیں چند چیزوں کی نصیحت فرمائی کہ آپ پر آپ کے نفس کا حق ہے، لہذا رات کے وقت کچھ سویا بھی کرو، آپ پر اپنے پروردگار کا بھی حق ہے کہ اعتدال کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے، مہمان کا بھی حق ہے کہ اسے بھی آپ کچھ وقت دیں اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے کہ اس کے ساتھ آرام کیا کریں، اس کے جذبات کو تسکین دیا کریں، لہذا جس جس کا بھی آپ پر حق ہے، اس کا حق ادا کریں۔

پھر ان دونوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے،

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے یہ واقعہ آپ ﷺ کے سامنے عرض کیا جبکہ سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ نماز کے بعد حضرت ابوالدرداء نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے تاکہ آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوالدرداء: ان لجسدک علیک حقاً...... اس روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی کے ذریعہ آپ کو یہ سارا واقعہ بتادیا گیا تھا، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے سے اس واقعہ کا علم، وحی یا کشف کے ذریعہ ہو چکا ہو، اور ابوالدرداء نے بھی ذکر کردیا ہو، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا صدق سلمان،

فرای متبذلة سلمان نے ام الدرداء کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا، ممکن ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے پیش آیا ہو، اور اگر پردے کے احکام نازل ہو چکے ہوں، تب بھی اشکال نہیں، کیونکہ پھٹے پرانوں کپڑوں پر واقفیت پردے کے باوجود ہوسکتی ہے۔

ام الدرداء: ان کا نام خیرہ بنت ابی حدرد اسلمیہ ہے، یہ صحابیہ ہیں اور نبی کریم ﷺ سے روایات بھی نقل کی ہیں، ابوالدرداء کی ان سے پہلے وفات ہوئی، حضرت ابوالدرداء کی ایک اور بیوی تھی، اسے بھی ام الدرداء کہا جاتا تھا، ان کا نام "ھجیمہ" ہے، یہ تابعیہ ہیں، اور ابوالدرداء کی وفات کے بعد کافی عرصہ حیات رہیں، اور ابوالدرداء سے انہوں نے روایات بھی نقل کی ہیں۔(۱)

حدیث باب سے چند امور کا ثبوت

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور کا جواز ثابت ہوتا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اللہ کے لئے بھائی چارہ قائم کرنا جائز ہے۔ (۲) ضرورت کے وقت دوست کے پاس ملاقات کے لئے جانا اور وہاں رات گذارنا درست ہے۔ (۳) غیر محرم عورت سے ضرورت کی گفتگو کرنا، اور اصلاح کی غرض سے اس کے حالات بھی دریافت کئے جاسکتے ہیں۔ (۴) مسلمان بھائی کو نصیحت کرنا اور اسے دین کے معاملات میں کوتاہی سے آگاہ کرنا چاہیے۔ (۵) عورت اپنے شوہر کے لئے اچھا لباس اور زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے۔ (۶) شوہر پر اپنی بیوی کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ رات کو سوئے اور تعلقات قائم کرے۔ (۷) مستحب عمل سے روکنا جائز ہے، جبکہ اس میں مشغولیت کی وجہ سے فرض یا واجب عمل میں کوتاہی لازم آرہی ہو۔ (۸) نماز پڑھنے سے روکنا، اس وقت ممنوع ہوتا ہے، جب بغیر کسی شرعی وجہ کے محض ظلم اور زیادتی کی وجہ سے روکا جائے۔ (۹) نفس پر حد سے زیادہ عبادات کا بوجھ ڈالنا مکروہ ہے۔ (۱۰) اس پوری حدیث میں اعتدال کا درس ہے کہ ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کی جائے خواہ وہ دنیوی معاملہ ہو یا دینی معاملہ ہو۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸۱/۷، فتح الباری ۲۶۳/۴ کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخیه....

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸۲/۷، فتح الباری ۲۶۵/۴۔

بَابٌ

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ أَنِ اكْتُبِي إِلَيَّ كِتَاباً تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي عَلَيَّ، قَالَ: فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ: سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ، كَفَاهُ اللهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ، وَكَلَهُ اللهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

مدینہ منورہ کے ایک آدمی کا کہنا ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت عائشہ کی طرف لکھا کہ مجھے ایک ایسا خط لکھئے، جس میں آپ مجھے وصیت کریں اور مجھ پر کثرت نہ کریں، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ کو لکھا: "آپ پر سلام ہو، اما بعد: بے شک میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص اللہ کی رضا کو لوگوں کی ناراضگی میں طلب کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ اور مشقت سے اس کی کفایت کرتے ہیں اور جو شخص لوگوں کی خوشنودی کو اللہ کی ناراضگی میں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں، اور آپ پر سلام ہو"۔

مشکل الفاظ کے معنی: توصینی فیه: اس تحریر میں مجھے نصیحت و وصیت کیجئے۔ ولا تکثری علی: اور مجھ پر کثرت نہ کیجئے یعنی زیادہ لمبی وصیت نہ کریں، مختصری نصیحت ہو، تا کہ میں اس پر عمل کر سکوں۔ التمس: طلب کرے، تلاش کرے، چاہے۔ سخط: ناراضگی، نا گواری، غصہ۔ مؤنة: بوجھ، کلفت، مشقت۔

حضرت معاویہ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خط

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ کی طرف خط میں دو باتیں لکھیں:

(۱) جو شخص ہر معاملے میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے، لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ خوش ہیں یا ناراض، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کی تکلیف و ایذاء سے محفوظ رکھتا ہے، کیونکہ یہ حزب اللہ یعنی اللہ والوں کی جماعت میں شامل ہو چکا ہے، اور جو اللہ کا ہو جائے، وہ کبھی نامراد و ناکام نہیں ہوتا، الا إن حزب الله هم المفلحون۔

(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ہر وقت لوگوں کی خوشنودی کے پیچھے پڑا رہے، تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف و ایذاء سے اس کی حفاظت نہیں فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامیاب مسلمان وہی ہے جو ہر وقت اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، یہی چیز اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث عافیت اور ذریعہ نجات ہے۔(۱)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸۳/۷۔

أبواب صفة القيامة

قیامت کی صفت سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو حساب اور بدلہ کی شان اور حالت کے بارے میں ہیں۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْكُمْ مِنْ رَجُلٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ، فَلَا يَرَى شَيْئاً إِلَّا شَيْئاً قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئاً إِلَّا شَيْئاً قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا، جس سے اس کا پروردگار قیامت کے دن (براہ راست) ہم کلام نہ ہو، اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان (بھی) نہ ہوگا (کہ جو ہر ایک کو دوسرے کا مفہوم سمجھائے)، پھر بندہ اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو اسے وہ چیز نظر آئے گی، جو اس نے آگے بھیجی ہوگی (یعنی نیک اعمال)، پھر وہ اپنی بائیں جانب نظر ڈالے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی، جو اس نے آگے بھیجی ہوگی (یعنی برے اعمال) پھر (جب) وہ اپنے چہرے کے سامنے دیکھے گا، تو آگ اس کے سامنے ہوگی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو جہنم کی آگ سے بچائے، تو اسے ایسا کرنا چاہیے، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔

حدثنا أبو السائب، أخبرنا وكيع يوماً بهذا الحديث عن الأعمش، فلما فرغ وكيع من هذا الحديث قال: من كان ههنا من أهل خراسان فليحتسب في إظهار هذا الحديث بخراسان، قال أبو عيسى: لأن الجهمية ينكرون هذا۔

ابوالسائب کہتے ہیں کہ ایک دن وکیع نے یہ حدیث اعمش سے روایت کر کے ہمارے سامنے بیان کی تو حدیث سے فارغ ہو کر فرمایا: یہاں پر خراسان کا جو باشندہ ہو، اسے چاہیے کہ ثواب کی نیت سے خراسان میں یہ حدیث بیان کرے، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس لئے کہ (خراسان میں) جہمیہ (ہیں، جو) اس (یعنی کلام اللہ) کا انکار کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کی تشریح: حساب: اس کے معنی ہیں: گننا اور شمار کرنا، اور یہاں مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو شمار کرنا اور ان کا حساب کرنا، یوں تو اللہ تعالیٰ کو سب ہی کچھ معلوم ہے کہ ہر انسان نے کیا کچھ کیا ہے، لیکن لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے

اعمال کا حساب ہوگا تاکہ انسان پر حجت قائم ہو جائے اور سب کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کچھ کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے، قیامت کا یہ حساب چونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس لئے مؤمن ہونے کے لئے اس کا عقیدہ رکھنا بھی واجب ہے۔ **قصاص:** (قاف کے نیچے زیر): بدلہ، یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے، یہ قصاص کہلاتا ہے، لہٰذا دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا، خواہ اس کو ستایا ہو، جسمانی اور روحانی طور پر کسی بھی طرح تکلیف پہونچائی ہو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ **أیمن:** داہنی جانب۔ **أشأم:** بائیں جانب۔ **تلقاء:** مقابل، آمنے سامنے۔ **تستقبله:** آگ اس کے سامنے ہوگی۔ **یتقی:** وہ بچائے۔ **بشق تمرة:** کھجور کے ٹکڑے سے ہی۔ **ترجمان:** بات سمجھانے والا، ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے والا۔ **فلیحتسب:** چاہیے کہ وہ اللہ سے ثواب طلب کرے۔

قیامت کے دن ہر انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہوگا

اس حدیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر انسان سے بغیر کسی واسطہ کے براہ راست کلام کرے گا، درمیان میں نہ تو کوئی حجاب اور مانع ہوگا اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا۔

یہ جمہور اہلسنت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دیگر صفات کی طرح صفت کلام بھی ثابت ہے، صرف جہمیہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں، یہ ایک گمراہ فرقہ ہے جس کا سربراہ جہم بن صفوان ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی قدرت واختیار نہیں، بلکہ وہ محض جماد کی طرح ہے، انہیں "جبریہ" بھی کہا جاتا ہے، پھر اس سربراہ کو ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں قتل کر دیا گیا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے مختلف صفات ثابت کی جائیں، تو اس سے لازم آئے گا کہ کئی خدا ہیں، کیونکہ صفات کے متعدد ہونے سے موصوف کا متعدد ہونا لازم آتا ہے۔

یہ ایک فضول بات ہے کیونکہ ایک موصوف کے لئے کئی صفات ثابت ہو سکتی ہیں لہٰذا یہ فلسفہ کہ تعدد صفات سے موصوف کا متعدد ہونا لازم آئے گا، بالکل لغو بات ہے، چنانچہ جہمیہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام بھی ثابت نہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید بھی اللہ کا کلام نہیں بلکہ وہ مخلوق ہے، اور حدیث باب میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذکر ہے کہ وہ آخرت میں ہر انسان سے براہ راست کلام فرمائیں گے، اس لئے وکیع نے یہ حدیث بیان کر کے خاص طور پر اہل خراسان سے یہ فرمایا کہ وہ اسے خراسان میں ضرور بیان کریں کیونکہ وہاں اکثر جہمیہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح صفت کلام کا بھی انکار کرتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں صراحۃً اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں تفصیلی کلام ابواب القدر، باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن میں گذر چکا ہے۔

(۲) اور انسان اپنی دائیں جانب نیک اعمال اور بائیں جانب برے اعمال اور سامنے آگ دیکھے گا، کیونکہ جب کوئی شخص کسی

سخت صورتحال سے دوچار ہوتا ہے اور کسی مشکل میں پھنسا ہوتا ہے تو دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے، قیامت کے دن چونکہ ہر بندے کو ایک سخت ترین مرحلہ درپیش ہوگا، اس لئے وہ بھی دائیں بائیں دیکھے گا، دائیں طرف اسے اپنے نیک اعمال اور بائیں طرف اپنے برے اعمال دکھائی دیں گے اور سامنے کی طرف اسے آگ نظر آئے گی، اس آگ کے اوپر پل صراط ہوگی، جہاں سے اسے ضرور گذرنا ہے، لہذا اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اس آگ کے شر سے محفوظ رہوں اور پرسکون طریقے سے پل صراط پر سے گذر جاؤں تو اسے چاہیے کہ وہ اس دنیا میں نیک اعمال کرے اور اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کرے، تاکہ وہ جہنم کی آگ سے بچ سکے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ تم سے جس قدر ہوسکے، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرکے ہی اپنے آپ کو عذاب جہنم سے بچالو، ولو بشق تمرۃ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ معمولی اور چھوٹی چیز بھی صدقہ کردو، کیونکہ صدقہ آگ کو بجھاتا ہے، لہذا کسی بھی معمولی نیکی اور صدقہ سے جہنم کی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔(۱)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ، حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی انسان کے قدم اللہ تعالیٰ کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں سے متعلق پوچھ نہ لیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں (سوال ہوگا) کہ اسے کس چیز میں صرف کیا، اس کی نوجوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں ضائع کیا ہے، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے اسے کمایا اور کس چیز میں اسے خرچ کیا، اور اس علم پر کتنا عمل کیا، جو اس نے جانا ہے (یعنی جو اس نے سیکھ لیا ہے)۔

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَا فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ۔

ابوبرزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے قدم (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) نہیں ہٹ سکیں گے، یہاں تک کہ اس کی عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے کس چیز میں اسے صرف کیا، اس کے علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس پر کتنا عمل کیا، اور اس کے مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز پر خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس چیز میں اسے بوسیدہ کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لاتزول: نہیں ہٹ سکیں گے۔ فیما أفناہ: کس چیز میں اسے صرف کیا، ابلاہ: ضائع کیا، بوسیدہ کیا۔ اکتسبہ: اسے کمایا، حاصل کیا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸۳/۷۔ مرقاۃ المفاتیح ۲۰۷/۱۰، کتاب أحوال القیامۃ، باب الحساب والقصاص

ہر شخص سے پانچ چیزوں کا سوال ہوگا

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر شخص سے پانچ چیزوں سے متعلق سوال ہوگا۔(۱) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی، نیکی کے کاموں میں یا اللہ کی نافرمانی میں۔(۲) جوانی کہاں گنوائی، عبادت میں یا گناہوں میں۔(۳) مال کس طریقے سے حاصل کیا ہے، جائز اور حلال طریقے سے یا حرام راستے سے۔(۴) پھر اس مال کو کہاں خرچ کیا، جائز مقامات پر یا ناجائز جگہوں پر۔(۵) جو کچھ اللہ نے اسے علم عطا فرمایا تھا، اس پر کتنا عمل کیا، کیونکہ علم کے مطابق اگر عمل نہ ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الٹا یہ علم اس کے لئے وبال جان ثابت ہوتا ہے، لہذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن ان سوالوں کے صحیح جواب دے سکے، اسے چاہیے کہ دنیا میں ان پانچ چیزوں میں شرعی احکام کا لحاظ رکھے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الْمُفْلِسُ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاتِهِ وَصِيَامِهِ وَزَكَاتِهِ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيَقْعُدُ، فَيَقْتَصُّ هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْتَصَّ مَا عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَايَا، أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ (صحابہ سے) پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہمارے ہاں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم (یعنی مال) ہو اور نہ ساز وسامان، آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا (لیکن) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، اور کسی کا مال (ناحق) کھایا ہوگا، اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، وہ مفلس بیٹھے گا، تو (اصحاب حقوق میں سے) ہر ایک اس کی نیکیوں سے بدلہ لے گا، اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں قبل اس کے کہ ان برائیوں کا بدلہ اس کی نیکیوں سے لیا جائے، تو اصحاب الحقوق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اصل تنگدست

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مفلس اور تنگدست وہ شخص ہے: جو قیامت کے دن بظاہر نیکیوں کے انبار لے کر آئے گا، لیکن اس نے چونکہ لوگوں کے حقوق تلف کئے ہوں گے، اس لئے اس کی نیکیاں اہل حقوق میں تقسیم کردی جائیں گی، اور جب

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۸۴

نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس آدمی کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہوں کے رجسٹروں کے ساتھ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ فرائض وواجبات ادا کرنے کے ساتھ لوگوں کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھیں، ان میں ہرگز کوتاہی نہ ہونے دیں، اور اگر خدانخواستہ کسی سے کسی بندے کی حق تلفی ہو جائے تو دنیا کے اندر ہی اس معاملے کو نمٹا لے، اس بندے سے معذرت کرلے اور اگر کچھ مال وغیرہ کھایا ہے تو وہ بھی اسے واپس کردے، ایسے میں پھر آخرت میں اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیت ولا تزر وازرۃ وزر اخری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک کا بوجھ، گناہ اور عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا جبکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اصحاب حقوق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، بظاہر دونوں میں تعارض لازم آرہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تعارض لازم نہیں آرہا، اس لئے کہ اس پر جو دوسروں کے گناہ ڈالے گئے ہیں یہ اس کے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے، اس نے ان کے حقوق تلف کئے ہیں اور دنیا سے معاف کرائے بغیر چلا گیا تو اولاً اس مفلس کی نیکیاں ان میں تقسیم کی جائیں گی، اور اگر پھر بھی اہل حق کے حقوق باقی ہوں اور اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو پھر ان کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے تو یہ حقیقت میں اس کے اپنے جرم کا نتیجہ ہے، کہ دوسروں کے گناہ اس پر ڈالے گئے ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا كَانَتْ لِأَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ فِي عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ حَمَلُوا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنے کسی بھائی کی عزت یا مال میں کوئی ظلم کیا ہو پھر وہ اس کے پاس آئے اور اس کی معافی کرالے قبل اس کے کہ (قیامت کے دن) اس کا مؤاخذہ کیا جائے، اور وہاں (یعنی قیامت کے دن) تو نہ درہم ہوگا اور نہ دینار، اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ اس سے لے لی جائیں گی (اور مظلوم کو دیدی جائیں گی) اور اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو وہ (یعنی اصحاب الحقوق) اس پر اپنی برائیاں ڈالدیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شتم: برا بھلا کہا، گالی گلوچ دیا۔ سفک: خون بہایا۔ یقتص: بدلہ لے گا۔ فنیت: ختم ہو جائیں۔ طرح: پھینک دیا گیا، ڈال دیا گیا۔ مظلمۃ: ظلم۔ استحلہ: اس ظلم کو وہ حلال کرلے یعنی اس کی معافی کرالے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقُ إِلَى أَهْلِهَا حَتَّى تُقَادَ الشَّاةُ الْجَلْحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۳۸۸/۵، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے، یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ دار بکری سے لیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لَتُؤَدُّنَّ: (مجہول کا صیغہ ہے) ضرور بضرور ادا کئے جائیں گے۔ **یقاد:** بدلہ اور قصاص لیا جائے گا۔ **الجلحاء:** بغیر سینگوں والی بکری۔ **القرناء:** سینگ دار بکری۔

قیامت کے دن ہر حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا

قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف اس حد تک کارفرما ہوگا کہ انسانوں کے حقوق کا بدلہ تو لیا ہی جائے گا، حیوانات سے بھی حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا حالانکہ وہ تو انسان کی طرح مکلف نہیں ہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیوانات کو بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے واذا الوحوش حشرت، لہذا اس حدیث کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا،

علماء فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حشر اور دوبارہ زندہ ہونے کے لئے جزاء وسزا اور ثواب کا ہونا ضروری نہیں۔

اور اس حدیث میں جس قصاص اور بدلہ کا ذکر ہے یہ اس طرح کا قصاص نہیں ہے جو مکلف سے لیا جاتا ہے بلکہ اس سے صرف مقابلہ کا قصاص اور بدلہ مراد ہے۔(۱)

ابن مالک فرماتے ہیں کہ اس قصاص کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن بے سینگ والی بکری کو سینگ دار بکری کا سینگ دیا جائے گا، وہ اس سے اپنا بدلہ لے لے گی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حیوان جب مکلف ہی نہیں تو بکری سے قصاص لینے کے کیا معنی ہیں؟

اس کے جواب میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے افعال پر قادر اور خود مختار ہے، وہ جو چاہے، جیسا چاہے، کرسکتا ہے، اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔

(۲) حدیث میں بکری کے قصاص کے ذکر سے بندوں کو اس امر سے آگاہ کرنا مقصود ہے، کہ جب بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا، جو کہ احکام شرع کی مکلف نہیں ہے تو پھر انسان جو کہ مکلف ہے، اس سے کیسے بدلہ نہیں لیا جائے گا چنانچہ آخرت میں کسی کا کوئی حق ضائع نہیں ہوگا، بلکہ جس نے بھی کسی کا کوئی حق مارا ہوگا، اس کے ساتھ کوئی ظلم کیا ہوگا، تو اس سے اس حق تلفی اور ظلم کا بدلہ حقدار اور مظلوم کو ضرور دلایا جائے گا۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب الظلم، کتاب الآداب ۳۱۶/۹، شرح مسلم للنووی ۳۲۰/۲، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، تکملۃ فتح الملہم ۳۸۸/۵۔

(۲) مرقاۃ ۳۱۶/۹

بَابٌ

عَنِ الْمِقْدَادِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: إِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ أُدْنِیَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتّٰی تَکُوْنَ قِیْدَ مِیْلٍ أَوِ اثْنَیْنِ، قَالَ سُلَیْمُ بْنُ عَامِرٍ: لَا أَدْرِیْ أَیَّ الْمِیْلَیْنِ عَنٰی؟ أَمَسَافَۃَ الْأَرْضِ أَمِ الْمِیْلَ الَّذِیْ تُکْتَحَلُ بِہِ الْعَیْنُ؟ قَالَ: فَتَصْھَرُھُمُ الشَّمْسُ فَیَکُوْنُوْنَ فِی الْعَرَقِ بِقَدْرِ أَعْمَالِھِمْ: فَمِنْھُمْ مَنْ یَأْخُذُہٗ إِلٰی عَقِبَیْہِ، وَمِنْھُمْ مَنْ یَأْخُذُہٗ إِلٰی رُکْبَتَیْہِ، وَمِنْھُمْ مَنْ یَأْخُذُہٗ إِلٰی حَقْوَیْہِ، وَمِنْھُمْ مَنْ یُلْجِمُہٗ إِلْجَامًا، فَرَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ إِلٰی فِیْہِ أَیْ یُلْجِمُہٗ إِلْجَامًا۔

حضرت مقداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا دن ہوگا، تو سورج کو بندوں کے قریب کردیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک یا دو میل کے برابر فاصلہ رہ جائے گا، سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ معلوم نہیں آپ ﷺ نے کونسے میل مراد لئے ہیں، زمین کی مسافت والے یا سرمہ کی سلائی، جس سے آنکھوں میں سرمہ ڈالا جاتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر سورج ان کو پگھلانا شروع کردے گا، چنانچہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ڈوبے ہوں گے، بعض کا پسینہ ایڑی تک، بعض کا گھٹنوں تک، بعض کا کوکھ تک اور بعض کا منہ تک ہوگا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دست مبارک سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی یہ پسینہ (گویا) اسے لگام ڈال دے گا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ حَمَّادٌ: وَھُوَ عِنْدَنَا مَرْفُوْعٌ {یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ} قَالَ: یَقُوْمُوْنَ فِی الرَّشْحِ إِلٰی أَنْصَافِ آذَانِھِمْ۔

یہ روایت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے، حماد کہتے ہیں: یہ حدیث ہمارے نزدیک مرفوع ہے اور اس آیت یوم یقوم الناس لرب العالمین (جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) کی تفسیر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ پسینے میں کھڑے ہوں گے، جو ان کے نصف کانوں تک ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: أدنیت: (مجہول کا صیغہ ہے) سورج قریب کردیا جائے گا۔ میل: (میم کے نیچے زیر اور یاء ساکن) اس سے زمین والی مسافت مراد ہے یعنی میل، سرمہ کی سلائی۔ تصھرھم: سورج ان کو پگھلائے گا۔ عرق: (عین اور راء پر زبر کے ساتھ) پسینہ۔ حقویہ: (حاء پر زبر اور قاف کے سکون کے ساتھ) حقو کا تثنیہ ہے: کوکھ، ازار باندھنے کی جگہ۔ یلجمہ: وہ پسینہ اس کو لگام پہنا دے گا، یعنی وہ پسینہ کی وجہ سے بول نہیں سکے گا۔ رشح: (راء پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) پسینہ۔ انصاف: نصف کی جمع ہے: آدھا، نصف۔

سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا

قیامت کے دن کافر، گنہگار اور مجرم انسان اور جنات کو اذیت دینے کے لئے سورج کو ایک میل کے فاصلے پر قریب کر دیا جائے گا، سورج کی حرارت اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوگا، ہر شخص کا پسینہ خرق عادت کے طور پر اسی تک محدود ہوگا، اس کا پسینہ کسی اور تک نہیں پہونچے گا، اور اس میں کوئی بُعد نہیں، کیونکہ قیامت میں اکثر امور خرق عادت کے طور پر پیش آئیں گے، جیسے ایک قبر میں دو شخص ڈالے جائیں تو ایک عذاب میں ہوتا ہے اور دوسرا ناز و نعمت میں، ایسے ہی پسینہ کا معاملہ ہوگا، جیسا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر دریائے نیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے گذرنے کا راستہ بنا دیا تھا، جبکہ دوسرے لوگ اس راستے سے نہیں گذر سکتے تھے، یہ پسینہ بعض کا ایڑی تک، کمر اور کوکھ تک، اور بعض کا گھٹنے اور منہ تک پہونچا ہوگا، بعض حضرات کے نزدیک بعض لوگوں کی زمین اونچی کر دی جائے گی، جس سے ان کا پسینہ زیادہ اوپر نہیں ہوگا اور بعض کی زمین نیچے کر دی جائے گی، اگر اس قول کو لیا جائے تو یہ بھی خرق عادت کے قبیل سے ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت حماد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یوم یقوم الناس لرب العالمین کی تفسیر و تشریح ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن وہ لوگ اپنے اپنے پسینے سے شرابور ہوں گے، اور بعض لوگوں کا پسینہ کانوں کے نصف تک پہونچا ہوگا۔ اس پسینے میں سب سے شدید تکلیف کفار کو ہوگی، پھر کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمانوں کو پھر ...... اور مسلمانوں کی تعداد اس عذاب میں کفار کے مقابلے میں نہایت قلیل ہوگی۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ انبیاء، شہداء اور کامل ایمان والے مسلمان یعنی اولیاء اللہ اور جسے اللہ چاہے، اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحَشْرِ

یہ باب قبروں سے اٹھائے جانے کی حالت کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً، عُرَاةً، غُرْلاً، كَمَا خُلِقُوا ثُمَّ قَرَأَ: {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ} وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى مِنَ الْخَلَائِقِ إِبْرَاهِيمُ، وَيُؤْخَذُ مِنْ أَصْحَابِي بِرِجَالٍ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ يَا رَبِّ: أَصْحَابِي! فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: إِنْ تُعَذِّبْهُمْ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸۹/۷، مرقاۃ ۱۹۷/۱۰ کتاب أحوال القیامۃ، باب الحشر، تکملۃ فتح الملہم ۲۲۲/۶ کتاب الجنۃ، باب فی صفۃ یوم القیامۃ

فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا، ننگے جسم اور بغیر ختنے کے اٹھایا جائے گا، جس طرح کہ انہیں پیدا کیا گیا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، جسے ہم ضرور پورا کریں گے) اور مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، اور میرے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو دائیں جانب اور کچھ کو بائیں طرف لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا، اے میرے رب: یہ میرے صحابہ ہیں، تو کہا جائے گا: یقیناً آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی باتیں ایجاد کی ہیں؟ جس دن آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، اس دن سے یہ لوگ مسلسل اپنی ایڑیوں پر پیچھے کی طرف لوٹتے رہے، چنانچہ میں (بھی) نیک بندے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا: اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں، اور اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو آپ بہت ہی زبردست اور حکمت والے ہیں۔

أخبرنا بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنكم تحشرون رجالاً وركباناً وتجرون على وجوهكم۔

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں (میدان حشر میں) پیادہ اور سوار کر کے جمع کیا جائے گا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر جمع کیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: حشر: مُردوں کا قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہونا۔ حفاۃ: حافی کی جمع ہے: ننگے پاؤں والا۔ عراۃ: عاری کی جمع ہے: ننگے بدن۔ غرلا: اغرل کی جمع ہے: غیر مختون، جس کا ختنہ نہ ہو۔ یکسی: کپڑا پہنایا جائے گا۔ ما احدثوا: انہوں نے کیا کیا ایجاد کیا۔ مرتدین: لوٹ رہے ہیں، پھر رہے ہیں۔ رجال: راجل کی جمع ہے: پیدل چلنے والا۔ رکبان: راکب کی جمع ہے: سوار۔ تجرون: (صیغہ مجہول) تمہیں کھینچا اور گھسیٹا جائے گا۔

حشر کی کیفیت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قبروں سے اٹھنے اور حساب و کتاب کے لئے میدان حشر کی طرف جانے کی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے، اس دن لوگ ننگ بدن، برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں قبروں سے اٹھیں گے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، اسی طرح دوبارہ پیدا فرمائیں گے۔

اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے بدن اٹھائے جائیں گے، جبکہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ قبروں سے اسی لباس میں اٹھائے جائیں گے جس میں

ان کی وفات ہوئی ہوگی، اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انسان ننگے بدن نہیں اٹھیں گے بلکہ لباس میں ملبوس ہوں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے چار جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ان روایات میں تعارض نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو ننگا اور بعض کو لباس میں اٹھایا جائے گا۔

(۲) یا سب کو ننگے بدن اٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

(۳) یا قبروں سے تو لباس کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، پھر حشر کی ابتداء میں انہیں ننگا کر دیا جائے گا، پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

(۴) بعض شارحین حدیث کے نزدیک حضرت ابو سعید والی حدیث کا تعلق شہداء سے ہے کہ انہیں اسی لباس میں اٹھایا جائے گا، جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی، اور عام مردوں کو ننگے بدن ہی اٹھایا جائے گا، اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت کما بدأنا أول خلق نعیده سے بھی ہوتی ہے، ممکن ہے حضرت ابو سعید خدری نے بھی یہ روایت شہید سے متعلق آپ ﷺ سے سنی ہو اور پھر اسے عموم پر محمول کر لیا ہو، چنانچہ صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبل کا بھی یہی موقف تھا۔

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، کیونکہ انہیں نار نمرود میں ننگا کر کے ڈالا گیا تھا، اور بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ شلوار کے ذریعہ ستر کرنے کی سنت سب سے پہلے انہوں نے جاری کی تھی، اس کے اعزاز میں انہیں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت ہے، اس سے ان کا مکمل طور پر نبی کریم ﷺ پر افضل ہونا لازم نہیں آتا۔(۱)

انهم لم یزالوا مرتدین علی أعقابهم منذ فارقتهم

امت محمدیہ میں سے کچھ لوگوں کو دائیں اور کچھ کو بائیں جانب کر دیا جائے گا، نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ کر فرمائیں گے کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں، یہ بائیں جانب کیوں کھڑے ہیں، تو آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ مرتد ہو گئے تھے،

اس جملے یعنی لم یزالوا مرتدین کے کیا معنی ہیں؟ اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

(۱) اس سے وہ دیہاتی مسلمان مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے زمانے میں مشرف باسلام ہو گئے تھے، پھر وہ آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کی اتباع کی وجہ سے مرتد ہو گئے، نبی کریم ﷺ انہیں پہچان لیں گے، تو آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔(۲)

(۲) اس سے منافقین مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے، ان پر لفظ ''اصحاب'' ظاہر حال کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ ۱۰/۱۹۲، کتاب احوال القیامۃ، باب الحشر، تحفۃ الاحوذی، ۷/۹۱

(۲) مرقاۃ ۱۰/۱۹۳ کتاب احوال القیامۃ، باب الحشر، ۱۰/۲۲۷ باب الحوض والشفاعۃ

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان سے گنہگار مسلمان مراد ہیں، جو عقیدۂ توحید میں مخلص ہوں گے، لیکن عمل کوتاہی کی وجہ سے انہیں حوض کوثر سے دھتکار دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق ان پر رحم فرمائیں گے، اور انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔(۱)

میدان حشر میں لوگ تین طرح سے آئیں گے

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے میدان حشر میں لوگوں کے آنے کی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ وہ تین طرح سے آئیں گے، بعض لوگ پیدل چل کر آئیں گے، یہ گنہگار مسلمان ہوں گے، بعض لوگ سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے، یہ کامل ایمان والے نیک لوگ ہوں گے، اور بعض لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا، یہ کافر اور مشرک ہوں گے۔

واضح رہے کہ "حشر" دو قسم کا ہے:

(۱) ایک وہ حشر ہے جو قیامت کے دن ہوگا، اس حدیث میں یہی آخرت کا حشر مراد ہے۔

(۲) دوسرا وہ حشر ہے جو دنیا میں واقع ہوگا اور جو علامات قیامت میں سے ہے، کہ قرب قیامت میں ایک آگ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی ایک جگہ کی طرف لے جائے گی اور وہاں سب کو اکٹھا کرے گی۔(۲)

فاقول کما قال العبد الصالح، عبد صالح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی سے براءت کا اظہار کریں گے اور اپنی گمراہ قوم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے انصاف پر چھوڑ دیں گے، اسی طرح میں بھی یہی کہوں گا کہ پروردگار میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں، جو دنیا میں میری موجودگی کے وقت سیدھی راہ پر تھے، لیکن میرے بعد انہوں نے نفس وشیطان کا راستہ اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ آپ کے سپرد ہے، آپ چاہیں تو عذاب دیں اور چاہیں تو مغفرت فرمادیں۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ

یہ باب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ، فَأَمَّا عَرْضَتَانِ: فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيرُ وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِي، فَآخِذٌ بِيَمِينِهِ وَآخِذٌ بِشِمَالِهِ۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۲/۷، تکملۃ فتح الملہم، کتاب الفضائل، باب اثبات الحوض ۵۰۰/۴۔

(۲) مرقاۃ ۱۹۰/۱۰۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۹۱/۷، ۹۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، دو مرتبہ تو بحث وجرح اور معذرت خواہی ہوگی اور تیسری پیشی کے وقت (چونکہ حساب کتاب ہو چکا ہوگا، اس لئے) اعمال نامے اڑاڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ جائیں گے، پس ان میں سے کچھ لوگ (کہ جو اہل سعادت میں سے ہوں گے) اپنے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے، اور کچھ لوگ (کہ جو بدبخت ہوں گے) اپنے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: العرض: اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونا۔ عرضات: عرضۃ کی جمع ہے: پیشی۔ جدال: بحث ومباحثہ، جرح، انکار۔ معاذیر: معذرۃ کی جمع ہے، معذرت، معافی۔ صحف: صحیفۃ کی جمع ہے: اعمال نامے۔ تطیر: اڑاڑ کر آئیں گے۔

اللہ کی عدالت میں تین مرتبہ پیشی ہوگی

قیامت کے دن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، پہلی مرتبہ جب پیش ہوں گے، تو اس وقت وہ یہ کہکر اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف نہیں کریں گے کہ ہمیں کسی نے بتایا ہی نہیں، کہ ہم نے کس طریقے سے زندگی گذارنی ہے، کونسا عمل درست ہے اور کونسا غلط، آپ کا کوئی نبی، کوئی قاصد اور نمائندہ ہمارے پاس نہیں آیا، لہذا ہم نے جو عمل کیا ہے، وہ درست کیا ہے، غلط نہیں کیا، حدیث میں لفظ ''جدال'' سے یہی مراد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جب مختلف دلائل، طریقوں اور گواہوں سے یہ ثابت فرمادے گا کہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر رسول آیا تھا، اس نے انہیں سمجھایا تھا لیکن لوگوں نے ان کی بات یا تو قبول ہی نہیں کی یا اس پر صحیح طرح سے عمل نہیں کیا، اس لئے جب دوسری مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت وہ اپنی غلطیوں اور بداعمالیوں کا اعتراف کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے مختلف طریقوں سے معذرت کریں گے، کوئی کہے گا: مجھ سے غلطی ہوگئی، غفلت اور لا پرواہی ہوگئی.......... اس وجہ سے ہدایت کے راستہ پر نہیں چل سکا، غرض یہ کہ ہر ایک کوئی نہ کوئی عذر بیان کرے گا، اسی کو ''معاذیر'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

پھر تیسری پیشی میں چونکہ لوگوں کے تمام معاملات نکھر کر سامنے آچکے ہوں گے، اس لئے اہل حق اور باطل، نیک اور گنہگار کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ جو اہل جنت ہوں گے، ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں پہونچ جائیں گے اور جن کا دوزخ میں جانیکا فیصلہ ہوگا تو ان کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پہونچادیئے جائیں گے۔[1]

اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن میں ہر وقت یہ منظر پیش نظر رہے کہ میں جو کچھ اس دنیا میں اعمال کر رہا ہوں، اس کا میں نے اللہ کی عدالت میں حساب دینا ہے، اور حساب وکتاب کے لئے تین مرتبہ پیشی سے گذرنا ہوگا، اگر

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۹۴

خدانخواستہ اعمال درست نہ ہوئے، اور نامہ اعمال گناہوں سے لبریز ہوا تو اس دن ایسی رسوائی ہوگی، جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکے گی، اس لئے ہر مسلمان کو اپنی زندگی کا ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے، تا کہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہے۔

بَابٌ مِنْهُ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: {فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا} قَالَ: ذَاكَ الْعَرْضُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے ساتھ (قیامت کے دن) حساب میں مناقشہ یعنی سختی کی گئی، تو وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس کا آسان حساب ہوگا" تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آسان حساب صرف (اعمال کو اللہ کے سامنے) پیش کرنا ہے۔

آسان اور سخت حساب

آسان حساب یہ ہے کہ انسان کا نامہ اعمال جب پیش ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر معاف فرما دیں، گناہوں پر مواخذہ اور باز پرس نہ فرمائیں اور سخت حساب یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ مناقشہ ہو یعنی تمام اعمال کا حساب تفصیل سے اور سختی سے لیا جائے، ہر عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ باز پرس فرمائیں کہ تم نے یہ گناہ کس وجہ سے کیا ہے، یہ صورتحال جس آدمی کے ساتھ پیش آ گئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا یعنی اسے ضرور عذاب ہوگا، اس لئے ایک اور حدیث میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت آسان حساب کی دعا کی جائے۔

اس حدیث کے ایک اور طریق میں آپ ﷺ نے فرمایا "لیس احد یحاسب یوم القیامة الا هلک" کہ قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا یعنی اسے ضرور عذاب ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی شخص حساب سے گذرے گا تو وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کریم کی مذکورہ آیت "فاما من اوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا" میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گذرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا، یوں گویا قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے؟ اسی تعارض کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے صرف "عرض اعمال" مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن کو نجات دینا مقصود ہوگا، تو ان کے تمام اعمال اچھے اور برے ان کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے، وہ ان تمام گناہوں کا اعتراف کریں گے کہ ہم نے یہ کئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو معاف فرما دیں گے، اس کے برخلاف

حدیث میں "حساب" سے واقعی مواخذہ، تفصیلی باز پرس اور داروگیر مراد ہے، جس کو اس باب کی حدیث میں من نوقش الحساب یعنی "حساب میں مناقشہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۱)

بَابٌ مِنْهُ

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ بَذَجٌ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالَى فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ: أَعْطَيْتُكَ، وَخَوَّلْتُكَ، وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ، فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُولُ: جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ، فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ، فَيَقُولُ لَهُ: أَرِنِي مَا قَدَّمْتَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: جَمَعْتُهُ، وَثَمَّرْتُهُ، فَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ، فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ، فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضَى بِهِ إِلَى النَّارِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو (حقارت وذلت کے ساتھ) لایا جائے گا، گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے کھڑا کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میں نے تجھے (زندگی، خوبصورت جسم، صحت اور عافیت وغیرہ) عطا کی تھی اور میں نے تجھے (خادم، مال و دولت اور جاہ ومنصب وغیرہ کا) مالک بنایا تھا اور میں نے تجھ پر (قرآن مجید اور رسول بھیج کر) انعام فرمایا، تم نے (ان کا) کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار میں نے اسے جمع کیا، مزید بڑھایا اور میں نے اسے اس سے زیادہ کر کے چھوڑا، جتنا وہ تھا، آپ مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دیجئے، تاکہ میں (اسے راہ خدا میں خرچ کر کے) پورے کا پورا لے کر حاضر کرسکوں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آگے کیا بھیجا تھا؟ (یعنی صدقہ وخیرات وغیرہ میں کیا دیا تھا) وہ (دوبارہ اسی طرح عرض کرے گا) کہے گا: اے میرے رب: میں نے اسے جمع کیا، مزید بڑھایا اور میں نے اسے اس سے زیادہ کر کے چھوڑا، جتنا وہ تھا، آپ مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دیجئے تاکہ میں (اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر کے) پورے کا پورا لیکر حاضر کرسکوں، لہذا جو شخص کسی نیکی کو آگے نہیں بھیجے گا (یعنی کوئی نیکی اور صدقہ وغیرہ نہیں کرے گا تو اس کا یہی حال ہوگا)، چنانچہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَبَصَرًا وَمَالًا وَوَلَدًا وَسَخَّرْتُ لَكَ الْأَنْعَامَ وَالْحَرْثَ وَتَرَكْتُكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَكُنْتَ تَظُنُّ أَنَّكَ مُلَاقِي يَوْمَكَ هٰذَا؟ فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ لَهُ: الْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي.

قَالَ أَبُو عِيسَى: مَعْنَى قَوْلِهِ: الْيَوْمَ أَنْسَاكَ: يَقُولُ: الْيَوْمَ أَتْرُكُكَ فِي الْعَذَابِ، هٰكَذَا فَسَّرُوهُ، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذِهِ الْآيَةَ: {فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ} قَالُوا: إِنَّمَا مَعْنَاهُ: الْيَوْمَ نَتْرُكُهُمْ فِي الْعَذَابِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۹۵، تکملۃ فتح الملہم ۶/۲۴۹، کتاب الجنۃ، باب اثبات الحساب

ایک شخص کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھے کان، آنکھ، مال اور اولاد (وغیرہ) نہیں دی تھی اور کیا میں نے تیرے لئے چوپائے اور کھیت مسخر نہیں کئے تھے، اور تجھے چھوڑ دیا تا کہ تو قوم کا سردار بنے اور ان سے چوتھائی (مال وصول) کیا کرے، کیا تیرے گمان میں بھی تھا کہ اس دن تجھے مجھ سے ملنا ہے، راوی کہتے ہیں کہ وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو پھر میں بھی آج تجھے اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ الیوم أنساک کما نسیتني کے معنی ہیں: آج میں تجھے عذاب میں چھوڑ دوں گا۔ اور بعض اہل علم نے اس آیت: ﴿فالیوم ننسٰھم﴾ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ: آج ہم ان کو عذاب میں ہی چھوڑ دیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: بذج: (باء اور دال پر زبر کے ساتھ) بھیڑ کا بچہ۔ خولتک: میں نے تجھے خادم، مال و دولت اور مرتبہ وغیرہ کا مالک بنایا، عطا کیا۔ ثمرتہ: میں نے اسے مزید بڑھایا۔ یمطٰی بہ: (صیغہ مجہول) اس کو لے جایا جائے گا، جہنم میں ڈالا جائے گا۔ الانعام: چوپائے، مویشی۔ حرث: کھیت۔ ترأس: تو قوم کا سردار ہوگا۔ تربع: تو مال غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول کرے۔

ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا

دنیا میں ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بے شمار نعمتیں عطا فرمارکھی ہیں، ان سب کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، انہیں جائز جگہوں پر صرف کیا یا اللہ کی نافرمانی کے مقامات پر، اللہ تعالیٰ نے مال و دولت، خدمت کے لئے ملازمین، جاہ و منصب، قوم کی سرداری، اخروی نجات کے لئے آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید اور پیغمبر بھیجا اور سلیم الاعضاء جسم دیا جس میں کان، ناک، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور دماغ وغیرہ ہیں، یہ سب نعمتیں اس لئے عطا کی تھیں تا کہ تو میری عبادت کرے، اور اپنے لئے نیک اعمال آگے بھیجے، صدقہ خیرات کرے، ان تمام نوازشات کے باوجود تو آخرت سے یا تو انکاری رہا یا غافل رہا، مجھے تو نے یاد نہ کیا، بھلا دیا، لہذا آج میں بھی تجھے بھلا رہا ہوں، چنانچہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

ترأس و تربع: تو سردار رہے اور مال غنیمت کا ربع لے، زمانہ جاہلیت میں جو شخص سردار ہوتا، اسے دیگر لوگوں کے مقابلے میں امتیازی طور پر مال غنیمت کا چوتھا حصہ ملتا تھا، اسے "مرباع" کہا جاتا تھا۔(۱)

بَابٌ مِنْهُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوا: اللّٰهُ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۹۷

وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا، أَنْ تَقُوْلَ: عَمِلَ كَذَا وَكَذَا، فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: بِهٰذَا أَمْرُهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "یومئذ تحدث أخبارها" "اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی" فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ (وہ قیامت کے دن) ہر غلام اور باندی کے متعلق گواہی دے گی، کہ اس نے روئے زمین پر کیا کیا اعمال کئے ہیں، وہ کہے گی کہ اس نے فلاں فلاں دن مجھ پر یہ یہ عمل کیا ہے، (یہ اس زمین کا خبر دینا ہے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے اس چیز کا حکم دیا ہے۔

زمین گواہی دے گی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان روئے زمین پر جو کچھ بھی کر رہا ہے، زمین اسے ریکارڈ کر رہی ہے، زمین کے جس حصے پر آدمی نے جو بھی عمل کیا ہوگا، وہ حصہ زمین گواہی دے گا، اگر اچھے اعمال کئے ہوں گے تو وہ گواہی اس کے حق میں ہوگی ورنہ اس کے خلاف ہوگی، لہٰذا انسان جب بھی کوئی عمل کرے تو یہ سوچ کر کرے، کہ یہ زمین اسے محفوظ کر رہی ہے، اور قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّوْرِ

یہ باب بگل کی کیفیت وحالت کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: مَا الصُّوْرُ؟ قَالَ: قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک سینگ ہے، جس میں قیامت کے دن پھونک ماری جائے گی۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَكَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ، وَاسْتَمَعَ الْأُذُنَ، مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ، فَكَأَنَّ ذٰلِكَ ثَقُلَ عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لَهُمْ: قُوْلُوْا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں آرام وسکون اور اطمینان سے کیسے بیٹھا رہوں، جبکہ سینگ والے یعنی حضرت اسرافیل نے سینگ (یعنی صور کو پھونکنے کے لئے) منہ میں لگایا ہوا ہے اور اپنے کان

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۸/۷

(اللہ کی طرف) لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جائے کہ وہ پھونکیں، یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گذری تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم یوں کہا کرو: حسبنا اللہ... (ہمیں اللہ ہی کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: صور: نرسنگھا، بگل۔ قرن: سینگ۔ التقم: نگل جانا، منہ میں لے لینا۔ استمع: غور سے سننا، سننے کے لئے متوجہ ہونا۔ اذن: (ہمزے اور ذال پر پیش) کان۔

کچھ صور کے بارے میں

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) ''صور'' ایک سینگ نما چیز ہے، جس میں پھونک ماری جائے گی، یہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ مارنے کے لئے اور دوسری مرتبہ سب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ہوگا۔

(۲) حضرت اسرائیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں کہ جیسے ہی حکم ہو تو اس میں پھونک دیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان سے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ایک وظیفہ پڑھنے کا انہیں ارشاد فرمایا، اور وہ ہے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا، یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی مصیبت و آفت اور سخت سے سخت مشکل دور فرما دیتے ہیں، چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت جملہ جاری تھا، اسی طرح ایک جہاد میں کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلے کے لئے بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، لہٰذا تم لوگوں کو ان سے ڈر جانا چاہئے تو اس وقت بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے ''حسبنا اللہ'' پڑھا، اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی مشکل اور مصیبت پیش آ جائے تو اس کلمہ کو کثرت سے پڑھنا چاہئے، اللہ کے فضل سے وہ مشکل حل ہو جائیگی۔[۱]

بَابُ مَا جَاءَ فِی شَأْنِ الصِّرَاطِ

یہ باب پل صراط کی حالت کے بارے میں ہے

عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: شِعَارُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الصِّرَاطِ: رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن پل صراط پر سے گذرتے وقت اہل ایمان کی علامت یہ الفاظ ہوں گے رب سلم سلم (اے میرے پروردگار: سلامت رکھنا، سلامت رکھنا)۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۲۶۴ أحوال القیامة، باب النفخ فی الصور

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَقَالَ: أَنَا فَاعِلٌ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَأَيْنَ أَطْلُبُكَ؟ قَالَ: اطْلُبْنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ، فَإِنِّي لَا أُخْطِئُ هَذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن (عام شفاعت کے علاوہ خاص طور پر الگ سے بھی) میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں شفاعت کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو (اس دن) کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر میں آپ سے پل صراط پر نہ مل پاؤں (تو پھر کہاں تلاش کروں)؟ فرمایا: تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر میں آپ سے میزان پر (بھی) نہ مل پاؤں؟ آپ نے فرمایا: (اگر ان دونوں جگہ پر نہ مل سکوں) تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا، اس لئے کہ میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔

پل صراط پر اہل ایمان کا شعار کونسا جملہ ہوگا

اس باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ اہل ایمان جب پل صراط پر سے گذریں گے تو ان کی شناخت اور علامت یہ جملہ ہوگا رب سلم سلم، یہ جملہ خود ہی ان کی زبانوں پر جاری ہوگا۔

صحیح بخاری میں روایت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ جملہ اس دن صرف حضرات انبیاء کی زبان پر جاری ہوگا، اور حدیث باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کا شعار یہ جملہ ہوگا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں طرح کی احادیث میں تعارض اس لئے نہیں کہ اہل ایمان کا شعار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت اس کی گفتگو بھی کریں بلکہ صرف رسول یہ جملہ بولیں گے اور مؤمنین کے لئے سلامتی کی دعا کریں گے، یوں یہ جملہ مؤمنین کا شعار ہے، اس تفصیل کی رو سے گویا احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے جامع صغیر میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پل صراط پر سے گذرتے وقت میری امت کا شعار یہ جملہ ہوگا: یا لا الہ الا انت، جب کہ حدیث باب میں رب سلم سلم کا جملہ ہے؟ اس لئے اس کی تشریح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ رب سلم سلم کا جملہ عام ہے جو کسی بھی امت کے اہل ایمان اسے پل صراط پر بولیں گے اور امت محمدیہ کا شعار یہ مخصوص جملہ یعنی لا الہ الا انت ہوگا۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۵۵۲ کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جہنم

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۰۱

قیامت کے دن حضور ﷺ سے کہاں ملاقات ہو سکے گی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے خصوصی سفارش کی درخواست کی تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ میں تمہاری خصوصی سفارش کروں گا، آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن یا پل صراط پر ہوں گا، یا میزان پر اور، یا حوض کوثر پر، کیونکہ یہ تین موقع ایسے ہوں گے جہاں لوگوں کو سخت پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لئے میں لوگوں کے معاملات نمٹانے کے لئے ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، ان کے علاوہ کسی اور مقام پر نہیں ہوں گا۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس دن ان تین موقعوں پر یعنی پل صراط، میزان اور حوض کوثر پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان تین موقعوں پر خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا غائبین پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تین موقعوں پر جو لوگ آپ کے سامنے نہیں ہوں گے، غائب ہوں گے، آپ ان کو از خود یاد نہیں فرمائیں گے اور حدیث انس "حاضرین" پر محمول ہے، معنی یہ ہیں کہ آپ کی امت کے جو لوگ آپ کے سامنے ہوں گے، آپ ان کی خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے۔

(۲) علامہ طیبی نے ان دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ جواب آپ نے اس لئے دیا کہ وہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ خصوصی سفارش کی امید میں اعمال میں سستی اور غفلت اختیار نہ کرلیں، کیونکہ آخرت میں قرابت نہیں بلکہ نیک اعمال کام آئیں گے، اس کے برخلاف آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ ناامید اور مایوس نہ ہو جائیں، لہذا نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جو الگ الگ جواب ارشاد فرمائے، وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔(۱)

(۳) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانے سے متعلق ہے جس میں آپ کی طرف اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی تھی، اس لئے آپ نے خصوصی سفارش کی نفی فرمادی اور حدیث انس اس وقت ارشاد فرمائی، جب آپ کو وحی کے ذریعہ خصوصی سفارش کی اجازت عطا فرمائی گئی۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ ۹/۵۵۹، الفتن، باب الحوض

(۲) الکوکب الدری ۳/۲۷۶۔

حوض کوثر پر حاضری پل صراط سے پہلے ہوگی یا بعد میں

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ حوض کوثر کا مقام پل صراط سے پہلے ہوگا یا بعد میں، بعض حضرات کے نزدیک اس پر حاضری پل صراط سے پہلے ہوگی، اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی اس کا مقام پل صراط کے بعد جنت سے پہلے ہے، دونوں فریقوں کا استدلال احادیث سے ہی ہے، چنانچہ "حدیث باب" سے بھی بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر حاضری پل صراط اور میزان کے بعد جنت سے پہلے ہوگی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ کچھ لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، تو سوال یہ ہے کہ جو شخص پل صراط عبور کر کے حوض تک پہونچ جائے تو اس نے جہنم سے نجات حاصل کر لی، پھر اسے جہنم کی طرف کیسے لوٹا دیا جائے گا؟

شاید کہ اسی وجہ سے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دو حوض ہوں گے، ایک پل صراط سے پہلے ہوگا اور دوسرا بعد میں ہوگا، چنانچہ علامہ عینی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔(۱)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیلی کلام کے بعد اس بات کو مختلف احادیث سے صحیح قرار دیا ہے کہ حوض کوثر کا مقام پل صراط سے پہلے ہے۔(۲)

اب سوال یہ ہے کہ پھر حدیث باب میں پل صراط کو پہلے اور حوض کوثر کا ذکر آخر میں کس وجہ سے کیا گیا ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) پل صراط کا مرحلہ چونکہ نہایت سخت ہوگا، اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حدیث باب میں تین موقعوں کے ذکر میں سب سے پہلے پل صراط کو ذکر فرمایا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پل صراط کا مقام حوض کوثر سے پہلے ہے۔(۳)

(۲) "بستان المحدثین" میں ہے کہ سب سے پہلے حوض، پھر میزان اور پل صراط ہوں گے، حدیث باب کا جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں صرف ان تین مقامات کا ذکر کرنا مقصود ہے جن میں نبی کریم ﷺ کا بار بار آنا جانا لگا رہے گا، اس میں یہ ترتیب بیان کرنا مقصود نہیں کہ ان میں سے پہلے کس کا وقوع ہوگا۔(۴)

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۳۵/۲۳، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الحوض۔

(۲) فتح الباری ۵۲۹/۱۱، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، تکملۃ فتح الملہم ۲۹۸/۴ کتاب الفضائل باب إثبات الحوض

(۳) الکوکب الدری ۲۷۶/۳۔

(۴) العرف الشذی علی الترمذی ۶۹/۲۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں شفاعت کا ذکر ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ فَأَكَلَهُ وَكَانَ يُعْجِبُهُ، فَنَهَسَ مِنْهُ نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَدْرُونَ لِمَ ذَاكَ؟ يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ، فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: عَلَيْكُمْ بِآدَمَ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ: يَا نُوحُ: أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُورًا، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ نُوحٌ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي۔ نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُونَ يَا إِبْرَاهِيمُ: أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ، وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ، فَذَكَرَهُنَّ أَبُو حَيَّانَ فِي الْحَدِيثِ، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى۔

فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهِ وَكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا، لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ، أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ عِيسَى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا، لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي۔

اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ: فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ

غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ، اشفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّکَ، أَلَا تَرَى مَا نَحنُ فِيهِ؟ فَأَنطَلِقُ فَآتِي تَحتَ العَرشِ فَأَخِرُّ سَاجِداً لِرَبِّي، ثُمَّ يَفتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِن مَحَامِدِهِ وَحُسنِ الثَّنَاءِ عَلَيهِ شَيئاً لَم يَفتَحهُ عَلَى أَحَدٍ قَبلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ: ارفَعْ رَأسَکَ، سَلْ: تُعطَهْ وَاشفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرفَعُ رَأسِي، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ: أُمَّتِي، يَا رَبِّ: أُمَّتِي، يَا رَبِّ: أُمَّتِي، فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ: أَدخِلْ مِن أُمَّتِکَ مَن لَا حِسَابَ عَلَيهِ مِنَ البَابِ الأَيمَنِ مِن أَبوَابِ الجَنَّةِ وَهُم شُرَکَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذٰلِکَ مِنَ الأَبوَابِ، ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ: إِنَّ مَا بَينَ المِصرَاعَينِ مِن مَصَارِيعِ الجَنَّةِ کَمَا بَينَ مَکَّةَ وَهَجَرَ وَکَمَا بَينَ مَکَّةَ وَبُصرَى۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اور آپ کو دستی کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اسے تناول فرمایا، اور آپ ﷺ دستی کا گوشت پسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے اسے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا پھر فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں، کیا تم جانتے ہو ایسا کیوں ہوگا؟ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اولین وآخرین یعنی تمام لوگوں کو ایک ہی میدان میں اس طرح جمع کرے گا کہ انہیں پکارنے والا اپنی آواز سنا سکے گا اور وہ ان کو دیکھ سکے گا اور سورج (اس دن) لوگوں کے قریب ہوگا اور لوگ اس قدر غم ورنج سے دوچار ہوں گے کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کرسکیں گے۔ چنانچہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تم لوگ اس مصیبت کو نہیں دیکھتے جو تمہیں پہونچی ہے، تم اس شخص کو کیوں نہیں دیکھتے (یعنی تلاش کرتے) جو رب کے سامنے تمہاری سفارش کرے،

کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے ضروری ہے کہ حضرت آدم کو تلاش کیا جائے، چنانچہ وہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا، انہوں نے آپ کے سامنے سجدہ کیا (لہذا) آپ اپنے رب کے سامنے (آج) ہماری سفارش کردیں، کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، کیا آپ اس مصیبت کو نہیں دیکھ رہے جو ہمیں پہونچی ہے، حضرت آدم ان سے فرمائیں گے: اللہ تعالیٰ آج اس قدر سخت غصے میں ہیں کہ اس سے پہلے نہ کبھی ایسا غصہ آیا اور نہ آئندہ آئے گا، اللہ نے مجھے اس درخت سے منع کیا تھا لیکن میں نے ان کی نافرمانی کی (لہذا میں شفاعت نہیں کرسکتا) میرا نفس، میرا نفس، میرا نفس (اس لائق ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو، (ہاں) تم لوگ نوح کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ حضرت نوح کے پاس آئیں گے، عرض کریں گے اے نوح: آپ اہل زمین کی طرف بھیجے گئے پہلے رسول ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے عبد شکور یعنی شکر گذار بندے کے لقب سے نوازا ہے لہذا آپ اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کردیجئے، کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، کیا آپ اس رنج وملال کو نہیں دیکھ رہے جو ہمیں پہونچا ہے،

اس پر حضرت نوح ان سے فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ آج سے پہلے کبھی اتنے غصے میں نہیں آئے اور نہ ہی آج کے بعد کبھی اتنے غصے میں آئیں گے اور میرے لئے (قبول کی جانے والی) ایک دعا تھی میں نے اسے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے کرلیا (اس لئے میں آپ لوگوں کی سفارش نہیں کرسکتا) میرا نفس...... (اس قابل ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس (سفارش کے لئے) جاؤ، چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے کہ اے ابراہیم: آپ زمین والوں میں سے اللہ کے (مخصوص) نبی اور اس کے گہرے دوست ہیں، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہماری یہ حالت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، تو وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ آج سے پہلے کبھی اس قدر غصے میں نہیں آئے اور نہ ہی آئندہ اتنے غصے میں آئیں گے (میں تم لوگوں کی سفارش کا اہل نہیں کیونکہ) میں نے تین جھوٹ بولے ہیں، ابوحیان نے حدیث میں تین جھوٹوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میرا نفس......

(اس لائق ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم موسیٰ کے پاس جاؤ، چنانچہ حضرت موسیٰ کے پاس آکر عرض کریں گے اے موسیٰ: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور ہم کلام ہونے کے لحاظ سے سب لوگوں پر فضیلت دی، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے؟ کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، تو وہ فرمائیں گے کہ بیشک آج اللہ تعالیٰ اس قدر شدید غصے میں ہیں کہ نہ تو اس سے پہلے اس قدر غصہ ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے، میں نے ایک قبطی آدمی کو قتل کر دیا تھا حالانکہ مجھے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا تھا، (اس لئے میں سفارش نہیں کرسکتا) میرا نفس...... (اس قابل ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس، چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام: آپ اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا اور اس کی روح ہیں، اور آپ نے (ماں کی) گود میں لوگوں سے کلام کیا، لہذا آپ اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کر دیجئے...... تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر سخت غصے میں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح غصہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آئندہ ہوں گے اور وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے، میرا نفس......

(اسلئے میں سفارش نہیں کرسکتا) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے محمد ﷺ: آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہماری یہ حالت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں (حضور ﷺ فرماتے ہیں) چنانچہ میں چلوں گا اور عرش کے نیچے آکر اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد وثناء اور محمد و تعریف کے ایسے کلمات

کھول دیں گے (یعنی میری زبان پر جاری فرمادیں گے) کہ جن کو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولا ہوگا (یعنی یہ کلمات کسی اور کی زبان سے جاری نہیں ہوئے ہوں گے) پھر کہا جائے گا اے محمد: اپنا سر اٹھاؤ: مانگو، جو مانگو گے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ سفارش کریں تو آپ کی سفارش کو قبول کیا جائے گا چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا اے پروردگار: میری امت اے میرے رب میری امت، اے میرے رب: میری امت (یعنی میں اس کی نجات اور کامیابی چاہتا ہوں)۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد آپ کی امت میں سے جن لوگوں پر حساب وکتاب نہیں، آپ انہیں جنت کے دروازوں میں سے دائیں جانب کے دروازے سے داخل کردیجئے اور وہ لوگ جنت کے دوسرے دروازوں سے داخل ہونے میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے (یعنی دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہونے کی انہیں اجازت ہوگی) پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: بیشک جنت کے دروازوں میں سے دو دروازوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان کا فاصلہ ہے اور جتنا مکہ اور بصریٰ کے درمیان مسافت ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: نهس: آپ ﷺ نے دانتوں سے گوشت نوچا۔ ینفذهم: نظر انہیں گھیر لے گی، دیکھ سکے گی۔ تدنو: سورج قریب ہوگا۔ کرب: شدید رنج والم۔ مصاریع: مصراع کی جمع ہے: کواڑ، چوکھٹ، یہاں دروازہ مراد ہے۔ هجر: بحرین میں ایک قصبہ ہے۔ بصری: شام کا ایک شہر ہے۔

شفاعت کے معنی اور اس کی اقسام

"شفاعت" کے معنی ہیں: گناہوں سے عفو ودرگذر کی سفارش کرنا، قیامت کے دن نبی کریم ﷺ گنہگار مسلمانوں کی سفارش فرمائیں گے یہ شفاعت مختلف انواع واقسام کی ہوگی بعض قسمیں تو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض میں دوسرے بھی شریک ہوں گے لیکن چونکہ شفاعت کا آغاز نبی کریم ﷺ سے ہوگا، اس لئے حقیقت میں شفاعت کی تمام قسمیں آپ ہی کی طرف منسوب ہوں گی۔

شفاعت کی نو قسمیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) "شفاعت عظمیٰ" اس سے مراد وہ شفاعت ہے، جو نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کے لئے اس وقت کریں گے، جب تمام لوگ میدان حشر کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے، آپ سفارش فرمائیں گے کہ یہ سختیاں ختم ہوں اور حساب وکتاب کے مرحلے سے جلد فارغ ہو جائیں، شفاعت کی یہ قسم صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکے گا۔

(۲) نبی کریم ﷺ کچھ لوگوں کو حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کی سفارش فرمائیں گے، جسے قبول کرلیا جائے گا۔

(۳) ان لوگوں کے حق میں سفارش کی جائے گی جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے۔

(۴) وہ گنہگار مسلمان جو اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے، آپ ﷺ ان کے حق میں سفارش فرمائیں گے تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

(۵) کچھ لوگوں کے درجات کی بلندی اور ان کے اعزاز واکرام میں ترقی اور اضافہ کے لئے سفارش کی جائے گی۔

(۶) جن گنہگار مسلمانوں کو سزا کے طور پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ان کے حق میں سفارش کی جائے گی اور انہیں جنت میں پہنچایا جائے گا، شفاعت کی یہ قسم عام ہوگی، تمام انبیاء، علماء، صلحاء، شہداء اور فرشتے اپنے اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے۔

(۷) کچھ لوگوں کے حق میں عذاب میں تخفیف کی سفارش کی جائے گی۔

(۸) اہل مدینہ کے حق میں سفارش کی جائے گی۔

(۹) ان لوگوں کی سفارش کی جائے گی، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کی ہوگی۔[۱]

شفاعت سے حضور ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کا انکار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن تمام انبیاء شفاعت سے کسی نہ کسی وجہ سے انکار کردیں گے، صرف نبی کریم ﷺ ہی اس مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی مخصوص کلمات کے ذریعہ حمد وثناء کر کے سفارش فرمائیں گے، چنانچہ آپ کی شفاعت کو قبول کرلیا جائے گا، اس مشکل وقت میں لوگ سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس جائیں گے کہ وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج شدید غصے میں ہیں، میں سفارش کی جرأت نہیں کرسکتا، کیونکہ میرے سامنے اپنی وہ غلطی ہے کہ میں نے درخت سے کھالیا تھا، جبکہ مجھے اس کے قریب ہونے سے بھی روکا گیا تھا، اس لئے میں آج تمہاری سفارش نہیں کرسکتا، تم لوگ حضرت نوح کے پاس سفارش کے لئے جاؤ،

چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آکر سفارش کی درخواست کریں گے، لیکن وہ بھی اس سے معذرت کردیں گے اور کہیں گے: وانه قد كانت لي دعوة دعوتها على قومي اور حضرت ھشام کی روایت میں ہے: ويذكر سوال ربه ما ليس به علم، اور حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت میں ہے اني دعوت بدعوة أغرقت أهل الأرض، ان تمام روایات سے تین امر ثابت ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اس دن معذرت کریں گے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو، اس کا مجھ سے سوال نہ کرو، تو وہ سفارش کرنے سے بھی اس لئے معذرت کردیں گے کہ کہیں سفارش کی درخواست بھی ممانعت کی قبیل سے نہ ہو۔

(۲) میں نے اپنی قوم پر عذاب کی جو بددعا کی تھی، اسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے اور اس کا قبول ہونا تو یقینی تھا، اب اگر

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۵۲۲، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، مظاہر حق ۵/۱۵۷، باب الحوض والشفاعة

میں شفاعت کی دعا کروں، تو شاید یہ قبول نہ ہو، اس خطرے کی وجہ سے وہ شفاعت کرنے سے معذرت کردیں گے۔

(۳) بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفانی سیلاب سے بچانے کے لئے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم ایمان لے آؤ، کفار کا ساتھ چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ لیکن وہ نہ مانا، جب وہ غرق ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب ان ابنی من أهلي و ان وعدک الحق و انت احکم الحاکمین (میرے پروردگار: میرا یہ بیٹا میرے اہل میں سے ہے، (اسے نجات دے دے) بے شک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں)۔

یہ دعا چونکہ کافر بیٹے کو بچانے کے لئے تھی جو نبی کی شان کے مناسب نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عتاب نازل ہوا کہ اے نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ مانگنی بھی چاہیے یا نہیں، اس وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اس دن سفارش کرنے سے معذرت کردیں گے۔

فیقولون یانوح انت اول الرسل إلى أهل الأرض۔

اے نوح آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوح سے پہلے تین نبی حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت ادریس دنیا میں آچکے تھے، تو پھر حضرت نوح اہل زمین کی طرف پہلے رسول کیسے ہیں؟

اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں، سب سے واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو ان کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے، ان کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کو جب مبعوث کیا گیا تو پوری روئے زمین پر صرف کافر ہی کافر تھے، اہل ایمان کا وجود ہی نہیں تھا، اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں، جن کا واسطہ صرف کافروں سے پڑا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ خلیل اللہ ہیں، چنانچہ ان سے جب سفارش کی درخواست کریں گے تو وہ بھی معذرت کردیں گے یہ کہہ کر کہ: میں نے تین جھوٹ بولے تھے...... اس بحث کی تفصیل معارف ترمذی جلد اول، ابواب البر و الصلۃ باب ما جاء في إصلاح ذات البين میں گذر چکی ہے۔

وہ لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ معذرت کردیں گے اور فرمائیں گے کہ میں شفاعت اس لئے نہیں کرسکتا کہ میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کردیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں تھا، لہذا مجھے اپنی جان کی فکر ہے، تم لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ بھی اس عمل سے معذرت کردیں گے، اس روایت میں تو ان کا کوئی عذر مذکور نہیں، لیکن بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ کہیں گے کہ مجھے عیسائیوں نے اپنا معبود یا ابن اللہ بنالیا تھا، مجھے اس پر اتنی ندامت ہے کہ میں اللہ کے سامنے لوگوں کی شفاعت کی درخواست نہیں کرسکتا، اس لئے تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ، ان سے شفاعت کی درخواست کرو، چنانچہ نبی کریم ﷺ مخصوص کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد میدان حشر کی ہولناکی سے جلد خلاصی کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش

فرمائیں گے، چنانچہ آپ کی سفارش کو بارگاہِ الٰہی میں قبول کرلیا جائے گا۔(۱)

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں الہام کریں گے تو وہ سفارش کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس اور پھر...... ان کے دلوں میں ابتداء یہ بات ذہن میں نہیں آئے گی کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سفارش کے لئے جائیں، اس میں درحقیقت نبی کریم ﷺ کی فضیلت وشرف اور مقام کو بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ اگر ابتداء ہی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سفارش کے لئے جائیں تو یہ احتمال ذہنوں میں رہتا کہ دیگر انبیاء بھی یہ سفارش کرسکتے تھے، جبکہ شفاعت عظمیٰ کا یہ منصب نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے آپ کے علاوہ کوئی نبی اور رسول اس کا اہل نہیں ہوگا۔(۲)

یارب امتی یارب امتی......

اس مقام پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں ان لوگوں کی شفاعت کی درخواست کا ذکر ہے، جو میدان حشر کی سختیوں سے تنگ آکر نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہوجائے، میدان حشر کی سختیوں سے نکل جائیں لیکن حدیث کے آخر میں صرف امت محمدیہ کے لئے شفاعت کا ذکر ہے چنانچہ آپ ﷺ فرمائیں گے یا رب امتی یا رب امتی ...، اس میں ان لوگوں کی شفاعت کا کوئی ذکر نہیں ہے، گویا حدیث کی ابتداء میں جس شفاعت کی درخواست کی گئی ہے، آخر حدیث میں اس کا بظاہر کوئی ذکر نہیں ہے؟

شارحین نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر اور مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ روایت میں اختصار ہے، راوی نے پورا کلام ذکر نہیں کیا، چنانچہ سب سے پہلے شفاعت عظمیٰ ہوگی، جس میں ان لوگوں کی درخواست کے مطابق نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں گے، تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہوجائے اور وہ اس سختی سے نکل جائیں، پھر نبی کریم ﷺ اپنی امت کی خاص طور پر سفارش فرمائیں گے، راوی نے صرف ایک شفاعت کا ذکر کردیا، دوسری کو اختصاراً ترک کردیا۔(۳)

(۲) قرطبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا: أدخل من أمتک من لا حساب علیه، اس میں اگر غور کیا جائے تو اس میں اس شفاعت کا بھی ذکر موجود ہے، جس شفاعت کا ذکر حدیث کے شروع میں کیا گیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ حشر کی سختیوں سے نکلنے کے لئے جلد حساب کی سفارش فرمائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنی امت کے ان افراد کو جنت میں داخل کردیں، جن پر نہ حساب ہے اور نہ عذاب، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد ان لوگوں کا حساب شروع ہو

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۰۴۔

(۲) مرقاۃ ۹/۵۱۶، ۵۱۷، کتاب الفتن، باب الحوض والشفاعۃ۔

(۳) فتح الباری ۱۱/۵۳۵، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، الکوکب الدری ۳/۲۸۰۔

جائے گا جن سے اللہ تعالیٰ حساب لینے کا فیصلہ فرمائیں گے، لہذا حدیث کی ابتداء میں جس شفاعت کا ذکر ہے آخر حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ حدیث کی ابتداء اور انتہاء میں کوئی اختلاف یا تعارض ہے۔(۱)

بَابٌ مِنْهُ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ: فَقَالَ لِيْ جَابِرٌ: يَا مُحَمَّدُ: مَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكَبَائِرِ فَمَا لَهُ وَلِلشَّفَاعَةِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری سفارش صرف میری امت کے لئے مخصوص ہوگی، محمد بن علی راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے مجھ سے فرمایا: جس کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے تو اسے شفاعت سے کیا تعلق (یعنی اسے گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت کی ضرورت نہیں ہو گی، البتہ رفع درجات کے لئے اسے بہر حال شفاعت کی ضرورت ہوگی)

امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر

ان احادیث میں امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن اس امت کے ان لوگوں کی حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے، جنہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہوگا اور توبہ کے بغیر دنیا سے چلے گئے ہوں گے، دوسری امتوں کے لئے یہ شفاعت نہیں ہوگی۔

قرآن وحدیث سے شفاعت کا ثبوت

جمہور اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت ثابت ہے، صرف خوارج اور بعض معتزلہ اس سے انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو گنہگار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، انہیں شفاعت کے ذریعہ نہیں نکالا جاسکتا، ان کا استدلال درج ذیل آیات سے ہے:

(۱) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ۔ (مدثر: ۴۸)

(۱) فتح الباری ۱۱/۵۳۶۔

(۴) مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ (مؤمن: ۱۸)

جمہور ان آیات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کافروں سے متعلق ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کی نفی پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جمہور کا استدلال:

(۱) عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا، (الاسراء: ۷۹) جمہور کے نزدیک "مقام محمود" سے "شفاعت" مراد ہے۔

(۲) یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔ (طٰہٰ: ۱۰۹)

(۳) لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔ (الانبیاء: ۲۸)

(۴) حدیث باب اور وہ تمام احادیث، جو شفاعت سے متعلق ہیں، جو حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں۔

(۵) اجماع امت۔

ان تمام آیات اور احادیث سے صراحۃً یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے حق میں بھی شفاعت ہوگی، جنہیں گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جانے کا فیصلہ ہوگا، یا جنہیں جہنم میں ڈال دیا جا چکا ہوگا، خوارج ان احادیث میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے صرف رفع درجات مراد ہے، شفاعت کے ذریعہ جہنم سے باقاعدہ نکالا نہیں جائے گا، لیکن ان کی یہ تاویل بالکل باطل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔[۱]

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا، لَا حِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ، مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا، وَثَلَاثُ حَثَیَاتٍ مِنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ۔

حضرت ابوامامہ باہلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو حساب وکتاب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور (ان ستر ہزار میں سے) ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار اور میرے رب کی مٹھیوں میں سے تین مٹھی بھر کر (لوگ جنت میں جائیں گے)۔

امت محمدیہ میں سے حساب کے بغیر جنت میں جانے والوں کی تعداد

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو حساب وکتاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے، اور پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور مزید اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو کے بقدر لوگوں کو

(۱) فتح الباری ۱۱/۵۲۰، مرقاۃ المفاتیح ۹/۱۰۸۔

جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں سبعین کے لفظ سے یا تو یہ مخصوص تعداد ہی مراد ہے اور یا اس سے کثرت مراد ہے، کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ سے بطور مبالغہ کے کثرت وزیادتی مراد لی جاتی ہے، نیز ثلاث حثیات کے لفظ سے بھی کثرت وزیادتی مراد لی جاتی ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے میری امت کے بے شمار لوگوں کو حساب وعذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ثلاث حثیات کی ترکیبی حیثیت

حثیات جمع ہے حثوۃ یا حثیۃ کی، مٹھی، چلو، اور ثلاث حثیات میں ترکیبی لحاظ سے دو احتمال ہیں:

(۱) یہ منصوب ہے اور اس کا عطف "سبعین" پر ہے، اور یدخل کا مفعول بہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو اور اپنی تین مٹھیوں کے بقدر افراد کو جنت میں داخل کرے گا، اس ترکیب کے لحاظ سے ثلاث حثیات کا وقوع صرف ایک ہی مرتبہ ہوگا۔

(۲) یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف "سبعون" پر ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین مٹھی کے بقدر، ......، اس صورت میں ثلاث حثیات کا وقوع ستر بار ہوگا، اس لئے شراح حدیث کے نزدیک اسے مرفوع پڑھنا بہتر ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَهْطٍ بِإِيلِيَاءَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ سِوَاكَ؟ قَالَ: سِوَايَ، فَلَمَّا قَامَ قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا ابْنُ أَبِي الْجَذْعَاءِ۔

عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں ایلیاء شہر میں ایک قبیلہ کے ساتھ تھا، تو ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک (نیک) آدمی کی شفاعت کی وجہ سے بنو تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول آپ کے علاوہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے علاوہ، (راوی کہتے ہیں) جب وہ شخص کھڑا ہوا تو میں نے پوچھا: یہ کون ہے (جس نے روایت بیان کی) لوگوں نے کہا: یہ عبد اللہ بن ابی الجذعاء ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفِئَامِ مِنَ النَّاسِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میری امت میں سے (جن لوگوں کو

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۰۹، مرقاۃ ۹/۵۹۹ کتاب الفتن باب الحساب۔

شفاعت کی اجازت ہوگی) ان میں سے کوئی تو کئی جماعتوں کی سفارش کرے گا، اور کوئی ایک قبیلہ کی سفارش کرے گا، اور کوئی ایک جماعت کی سفارش کرے گا اور کوئی صرف ایک ہی آدمی کی سفارش کرے گا، یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَشْفَعُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمِثْلِ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ۔

حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن عفان قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کریں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: **رهط:** تین سے یا سات سے دس تک کی جماعت یا دس سے کم کی جماعت ج أرهط و أرهاط۔ **ايلياء:** بیت المقدس۔ **فئام:** جماعت، گروہ، اس لفظ کا مفرد نہیں ہے۔ **قبيلة:** ایک باپ یا ایک دادا کی اولاد، کنبہ، خاندان ج قبائل۔ **عصبة:** (عین پر پیش اور صاد کے سکون کے ساتھ) دس سے چالیس افراد پر مشتمل جماعت، اس لفظ سے اس کا مفرد نہیں ہے۔ **ربيعة و مضر:** عرب کے دو مشہور قبیلے ہیں، جو کسی شی کی کثرت و فراوانی کے لئے ضرب المثل ہیں۔ **بني تميم:** یہ ایک بڑا قبیلہ ہے، اس سے بھی بطور محاورے کے کسی شی کی کثرت کو بیان کیا جاتا ہے۔

نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر

مذکورہ احادیث میں انبیاء کے علاوہ ان نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے، چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں سے ایک آدمی سفارش کرے گا، جس سے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں سے کہیں زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے، اس "رجل" سے کون مراد ہے؟

اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

(۱) "رجل" سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ حسن بصری سے بھی مرسلاً روایت امام ترمذی نے ذکر کی ہے۔

(۲) ان سے حضرت اویس قرنی مراد ہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہے جسے اویس بن عبداللہ قرنی کہا جاتا ہے، وہ قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کرے گا۔

(۳) بعض نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس آدمی کا نام ذکر نہیں فرمایا تو اب اس کی تعیین مشکل ہے، لہٰذا اس سے کوئی بھی نیک شخص مراد ہو سکتا ہے، اس قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

حدیث میں جو یہ فرمایا: قلت من هذا؟ قالوا: هذا ابن ابی الجذعاء اس سے راوی مراد ہے۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بہت سے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے، بعضوں کی سفارش سے کئی جماعتیں جنت میں داخل ہوں گی، بعضوں کی سفارش سے ایک قبیلہ، ایک جماعت، اور بعضوں کی

شفاعت سے ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لوگوں پر خصوصی فضل کا معاملہ فرمائیں گے، چنانچہ اس طرح بہت سے لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے۔(۱)

عَنْ عَوْفِ بنِ مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پروردگار کے پاس ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) آیا اور اس نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات چن لینے کا اختیار دیا، یا تو میری نصف امت کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کردے یا (سب کے حق میں) شفاعت کا حق مجھے حاصل ہوجائے، چنانچہ میں نے (اپنی پوری امت کے حق میں) شفاعت کرنے کو اختیار کرلیا، اور یہ شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جس کی وفات اس حال میں ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

حضور ﷺ کی شانِ رحمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے لوگوں کے ساتھ کس قدر شفقت ہے کہ آپ نے امرین میں سے اس امر کو منتخب فرمایا یعنی شفاعت کے حق کو، جو پوری مسلم امت کے لئے باعث خیر ہوگی، آپ کی شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جس کی وفات ایمان پر ہوگی اور اس نے شرک بھی نہ کیا ہوگا، غرض یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت یقیناً حاصل ہوگی۔(۲)

٭ بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ

یہ باب حوض کوثر کی صفت کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي حَوْضِي مِنَ الأَبَارِيقِ بِعَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے حوض میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کی بقدر (سونے چاندی کے) آبخورے ہوں گے۔

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَإِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً وَإِنِّي أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۱۰/۷، مرقاۃ ۵۶۶/۹، الکوکب الدری ۲۸۳/۳۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۱۲/۷۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک (قیامت کے دن) ہر نبی کا ایک حوض ہوگا (اور ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس آکر پانی پئے گی) اور تمام انبیاء آپس میں اس بات پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں، اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أباریق: ابریق کی جمع ہے: آبخورے، جگ۔ یتباھون: آپس میں فخر ومباحات کریں گے۔ واردۃ: آنے والے۔

ہر نبی کا ایک حوض ہوگا

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) حوض کوثر پر کثیر تعداد میں آبخورے ہوں گے، جس طرح کہ آسمان پر ستاروں کی تعداد ہے۔

(۲) ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، جس پر اس کے امتی پانی پینے کے لئے آئیں گے، اور نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی، اس لئے آپ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی، اور یہ بات یقینی ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، لہٰذا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "مجھے امید ہے" جس سے شک کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے، یہ محض تواضع اور عاجزی کی وجہ سے ہے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ

یہ باب حوض کے برتنوں کی صفت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيِّ قَالَ: بَعَثَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَحُمِلْتُ عَلَى الْبَرِيدِ، قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ: لَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ مَرْكَبِي الْبَرِيدَ، فَقَالَ يَا أَبَا سَلَّامٍ: مَا أَرَدْتُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ وَلٰكِنْ بَلَغَنِي عَنْكَ حَدِيثٌ، تُحَدِّثُهُ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَوْضِ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ تُشَافِهَنِي بِهِ، قَالَ أَبُو سَلَّامٍ: حَدَّثَنِي ثَوْبَانُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: حَوْضِي مِنْ عَدَنٍ إِلَى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ، مَاءُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُومِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا، أَوَّلُ النَّاسِ وُرُودًا عَلَيْهِ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ، الشُّعْثُ رُءُوسًا، الدُّنْسُ ثِيَابًا، الَّذِينَ لَا يَنْكِحُونَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ، قَالَ عُمَرُ: وَلٰكِنِّي نَكَحْتُ الْمُتَنَعِّمَاتِ، وَفُتِحَ لِيَ السُّدَدُ، نَكَحْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمَلِكِ، لَا جَرَمَ أَنِّي لَا أَغْسِلُ رَأْسِي حَتَّى يَشْعَثَ، وَلَا أَغْسِلُ ثَوْبِيَ الَّذِي يَلِي جَسَدِي حَتَّى يَتَّسِخَ۔

---

(۱) مرقاۃ ۹/۵۵۸۔

حضرت ابو سلام حبشی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے میری طرف پیغام بھیجا (کہ میرے پاس آؤ اور سفر کے لئے سواری بھیجی) تو مجھے برید یعنی خچر پر سوار کیا گیا، راوی کہتے ہیں کہ جب وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس داخل ہوئے تو عرض کیا اے امیر المؤمنین: برید والی سواری مجھ پر شاق گذری تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا (آپ کو بلایا اس لئے ہے) کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ آپ حضرت ثوبان کے واسطہ سے نبی کریم ﷺ سے حوض کوثر کے بارے میں حدیث بیان کرتے ہیں تو میں نے چاہا کہ آپ سے بالمشافہ (یعنی براہ راست) سن لوں، ابو سلام نے کہا کہ: مجھے حضرت ثوبان نے نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے حوض کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے بقدر ہیں (یعنی بہت زیادہ ہیں) جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا، اس کے بعد کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا، اس حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والے سب سے پہلے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے، (دنیا میں ان کے فقر و فاقہ کا یہ حال ہوگا کہ) جن کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے ہوں گے، جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو وہ ان سے) نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: لیکن میں نے تو ناز پروردہ اور خوشحال عورتوں سے نکاح کیا ہے اور میرے لئے دروازے بھی کھولے جاتے ہیں، میں نے فاطمہ بنت عبدالملک سے نکاح کیا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں اپنا سر اس وقت تک نہیں دھوتا، جب تک کہ وہ غبار آلود نہ ہو جائے، اور میں اپنے اس کپڑے کو بھی (اس وقت تک) نہیں دھوتا، جو میرے جسم پر ہو، یہاں تک کہ وہ میلا کچیلا ہو جائے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: مَا آنِيَةُ الْحَوْضِ؟ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ مُصْحِيَةٍ مِنْ آنِيَةِ الْجَنَّةِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ، عَرْضُهُ مِثْلُ طُولِهِ مَا بَيْنَ عَمَّانَ إِلَى أَيْلَةَ، مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: حوض کے برتن کس طرح کے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہوں گے اور ستارے بھی ایسی تاریک رات کے کہ جس میں بادل بالکل نہ ہوں، وہ برتن جنت کے برتنوں میں سے ہیں، جس نے اس سے ایک مرتبہ پانی پی لیا تو پھر وہ آخر تک کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اس کی چوڑائی بھی لمبائی کی طرح ہی ہوگی یعنی عمان سے ایلہ تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: اوانی: اٰنیۃ کی جمع ہے، اور اٰنیۃ جمع ہے إناء کی: برتن۔ برید: یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے، اس کے معنی

''خچر'' کے ہیں، اور اصل میں یہ لفظ ''بریدہ دم'' ہے جس کے معنی ''دم کٹا'' کے ہیں، یہ خچر ایک مقام سے دوسرے مقام تک ڈاک لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور علامت کے طور پر اس کی دم کو کاٹ دیا جاتا تھا، پھر اس ڈاکیہ کو برید کہا جانے لگا، جو اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا، یہاں حدیث میں برید کے اصل معنی یعنی خچر ہی مراد ہیں۔ **شق علي:** مجھ پر دشوار ہوا، مشقت میں ڈالا۔ **أن تشافهني:** کہ آپ مجھ سے بالمشافہ یعنی براہ راست بیان کریں۔ **عدن:** (عین اور دال پر زبر کے ساتھ) ساحل سمندر پر یمن کا ایک شہر ہے۔ **عمان البلقاء:** (عین پر زبر اور میم پر تشدید کے ساتھ) یہ موجودہ اردن کا دار الحکومت ہے، اور بلقا فلسطین کا ایک شہر ہے، اور عمان چونکہ اس کے قریب ہے، اس لئے اسے عمان البلقاء کہتے ہیں۔ **''مابين عمان:** (عین پر پیش اور میم پر زبر کے ساتھ) **إلى ايلة'':** اس سے حافظ ابن حجر کے نزدیک ملک عمان مراد ہے جو بحر ہند اور خلیج عربی پر جنوب مشرق میں واقع ہے، جس کا دار الخلافہ ''مسقط'' ہے۔ ''ايلة'' ملک شام کا ایک شہر ہے۔(۱)

أحلى: زیادہ شیریں، زیادہ میٹھا۔ **أكواب:** کوب کی جمع ہے: دستہ کے بغیر کوزہ، گلاس۔ **الشعث:** (شین پر پیش اور عین کے سکون کے ساتھ) **أشعث** کی جمع ہے پراگندہ بال، منتشر اور بکھرے ہوئے بال والا۔ **الدنس:** (دال اور نون پر پیش کے ساتھ) دنس (دال اور نون پر زبر کے ساتھ) میل کچیل۔ **المتنعمات:** **متنعمة** کی جمع ہے ناز ونعمت میں پروردہ لڑکیاں۔ **لا ينكحون المتنعمات:** اس مضارع کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ آسودہ حال لڑکیوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور مجہول کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے، **سدد:** (سین پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ) سدة کی جمع ہے: دروازے۔ **يتسخ:** وہ میلا کچیلا ہو جائے۔ **مصحية:** وہ رات جو بادل سے بالکل صاف ہو، **اخر ما عليه:** اسے ترکیبی لحاظ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اس پر نصب ظرف کی وجہ سے ہوگی، اور رفع کی صورت میں اس کا مبتدا محذوف ہوگا ای ذلك اخر ما عليه۔

حوض کوثر کا طول وعرض کتنا ہوگا

حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں میں مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں عدن اور عمان البلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے، اور باب کی دوسری حدیث میں عمان اور ایلہ کی درمیانی مسافت، اور ایک حدیث میں ایلہ اور صنعاء یمن کا ذکر ہے، ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت اور بعض روایات میں تین دن کی مسافت کا ذکر کیا گیا ہے، گویا مسافت کے بیان کے لحاظ سے روایات میں تعارض ہے؟

شارحین حدیث نے مذکورہ تعارض میں دو طرح کی تطبیق ذکر کی ہے:

(۱) ان تمام احادیث میں حوض کوثر کی لمبائی اور چوڑائی کو متعین طور پر حد بندی کے ساتھ بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ ان

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۱۱/۴، ۵۰۷، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض۔ تحفة الاحوذی ۱۸۱/۷

سے صرف اس کی لمبائی اور چوڑائی کی وسعت وزیادتی کو بیان کیا گیا ہے، اور احادیث میں مختلف شہروں کی مسافتیں مختلف سامعین کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں، جو شخص جن علاقوں سے واقف تھا، ان کی مسافتوں کے بارے میں اسے علم تھا، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے سامنے حوض کوثر کی وسعت کو سمجھانے کے لئے اسی علاقے کا نام ذکر فرمادیا۔

(۲) علامہ نووی فرماتے ہیں کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، نبی کریم ﷺ نے پہلے تھوڑی مسافت کا ذکر فرمایا پھر آپ کو وحی کے ذریعہ زیادہ کا بتایا گیا تو آپ نے پھر زیادہ مسافت کو بیان فرمادیا۔(۱)

"فقراء المهاجرين" سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، پھر انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت اختیار کی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور دین کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔

ولكني نكحت المتنعمات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خوشحال گھرانے سے شادی کی تھی، ان کی اہلیہ فاطمہ، خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھی، اور اس کے چاروں بھائی سلیمان، یزید، ہشام اور ولید بھی خلیفہ تھے اور ان کے شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی خلیفہ تھے۔(۲)

باب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ ﷺ جَعَلَ يَمُرُّ بِالنَّبِيِّ وَالنَّبِيَّيْنِ وَمَعَهُمُ الْقَوْمُ، وَالنَّبِيِّ وَالنَّبِيَّيْنِ وَمَعَهُمُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيِّ وَالنَّبِيَّيْنِ وَلَيْسَ مَعَهُمْ أَحَدٌ، حَتَّى مَرَّ بِسَوَادٍ عَظِيمٍ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قِيلَ: مُوسَى وَقَوْمُهُ، وَلَكِنِ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَانْظُرْ، قَالَ: فَإِذَا هُوَ سَوَادٌ عَظِيمٌ، قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ مِنْ ذَا الْجَانِبِ وَمِنْ ذَا الْجَانِبِ، فَقِيلَ: هَؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَسِوَى هَؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِكَ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، فَدَخَلَ، وَلَمْ يَسْأَلُوهُ وَلَمْ يُفَسِّرْ لَهُمْ، فَقَالُوا: نَحْنُ هُمْ، وَقَالَ قَائِلُونَ: هُمْ أَبْنَاءُ الَّذِينَ وُلِدُوا عَلَى الْفِطْرَةِ وَالْإِسْلَامِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ: أَنَا مِنْهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ: أَنَا مِنْهُمْ؟ فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو رات کے وقت لے جایا گیا (یعنی آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے) تو آپ ﷺ کا ایسے نبی یا نبیوں پر گذر ہوا کہ جن کے ساتھ ایک قوم تھی پھر کسی نبی یا نبیوں پر سے گذر ہوا، جن کے ساتھ ایک جماعت تھی، پھر ایسے نبی یا انبیاء پر سے گذر ہوا، جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا،

---

(۱) تکملة فتح الملهم، ۵۰۶/۴

(۲) تحفة الاحوذی ۱۱۶/۷۔

یہاں تک کہ آپ ایک بڑی تعداد کے پاس سے گذرے، تو میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم ہے (پھر آپ سے کہا گیا) لیکن آپ اپنا سر اٹھایئے اور دیکھئے، فرمایا (میں نے دیکھا تو) انسانوں کا ایک جم غفیر ہے، جس نے آسمان کے دونوں جانبوں کو ڈھانپ رکھا ہے، کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے اور اس کے علاوہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ گھر تشریف لے گئے، نہ صحابہ نے آپ سے پوچھا، اور نہ آپ نے انہیں بتایا (کہ وہ کون لوگ ہیں) چنانچہ بعض حضرات کہنے لگے کہ شاید وہ ہم لوگ ہوں اور بعض کہنے لگے کہ ان سے وہ بچے مراد ہیں، جو فطرت اسلام پر پیدا ہوئے، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ ہی بد فالی لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی اعتماد کرتے ہیں، اس پر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا: کیا میں ان میں سے ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، پھر ایک اور (انصاری) صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **الرهط:** (را پر زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ) گروہ، جماعت۔ **سواد:** بھاری تعداد، جم غفیر، جمع اسودۃ۔ **سد الافق:** آسمان کو کثرت کی وجہ سے ڈھانپ دیا۔ **لا یکتوون:** وہ داغ نہیں لگاتے۔ **لا یسترقون:** وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ **لا یتطیرون:** وہ بد فالی نہیں لیتے، جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے، جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

اللہ پر کامل توکل کرنے والوں کی فضیلت

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) امت محمدیہ کی تعداد تمام امتوں سے زیادہ ہوگی، دیگر امتیں اس کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوں گی، معراج کے موقع پر جب آپ ﷺ کو بھاری تعداد دکھائی گئی، جس نے آسمان کا کنارہ بھی گھیر رکھا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کس کی امت ہے؟ بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے جو اس قدر کثیر تعداد میں ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ اس بات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو نہیں پہچان سکیں گے، جب کہ دیگر بے شمار روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے افراد کو اعضاء وضو کے روشن اور چمکنے کی وجہ سے ہی پہچان لیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے.....؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ وہ لوگ جنہیں آپ نے معراج کے موقع پر افق پر دیکھا، انہیں پہچانا نہیں جا سکتا تھا، انہیں دیکھ کر صرف کثرت اور بھاری تعداد ہی پر اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور جن روایات میں

پہچاننے کا ذکر ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوں گے، جس سے آپ انہیں پہچان لیں گے۔(۱)

(۲) اس امت کے ستر ہزار لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، چنانچہ حدیث میں فرمایا: هولاء أمتک وسوی هولاء من امتک سبعون الفا... علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ہزار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان لوگوں کے علاوہ ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا گیا هولاء أمتک سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ستر ہزار لوگ بھی ان ہی میں سے ہوں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، اس دوسرے معنیٰ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: هذه أمتک ویدخل الجنة من هؤلاء سبعون الفا یہ آپ کی امت کے افراد ہیں اور انہی میں سے ستر ہزار انسان ایسے بھی ہیں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔(۲)

نبی کریم ﷺ نے ان ستر ہزار کے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ کون لوگ ہوں گے، آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے، وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں سوچنے لگے کہ آیا یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں، بعض نے کہا کہ ان سے ہم لوگ ہی مراد ہیں کہ ہم آپ پر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جبکہ بعض کی رائے یہ تھی کہ ان سے ہماری اولاد مراد ہے جو فطرت اسلام پر پیدا ہوئی ہے، کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت کی پیداوار ہیں، اسی دوران نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ نے بیان فرمادیا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو لا یکتوون........

لا یکتوون اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) وہ لوگ ضرورت کے بغیر جسم پر نہیں دغواتے، الا یہ کہ انہیں ایسی کوئی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو پھر یہ عمل وہ کرتے ہیں، اور ضرورت کے وقت داغ لگانا بعض صحابہ کرام سے ثابت ہے مثلاً سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہوں نے بھی ضرورت کے تحت داغ لگوایا ہے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ بالکل نہیں داغ لگواتے، خواہ انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، ان سے وہ اولیاء کرام مراد ہیں، جو ولایت و بزرگی کے اس مقام تک پہونچ جاتے ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان اور اسباب سے بالکل اعراض کرتے ہیں، دنیا کی کسی چیز کے ساتھ ان کا لگاؤ نہیں رہتا، ایسے لوگ اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے مستغنی ہو جاتے ہیں، یہ توکل کا سب سے اعلیٰ مقام ہے، جو ہر شخص کو حاصل بھی نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس مقام کو حاصل کرنے کا انسان مکلف ہے۔

لا یسترقون اس کے دو معنیٰ ہیں:

(۱) وہ لوگ بالکل جھاڑ پھونک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر اس درجہ کامل ہوتی ہے کہ وہ ظاہری اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری، ۱۱/۲۹۷ کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا۔
(۲) مرقاة المفاتیح ۹/۲۷۸، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر۔

(۲) وہ دم، جھاڑ پھونک اور منتر نہیں کرتے، جو زمانہ جاہلیت والا ہے، جس میں شرکیہ الفاظ شامل ہوتے تھے، کیونکہ ان الفاظ سے دم اور جھاڑ پھونک کرنا جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہوں، جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں بشرطیکہ انہیں موثر حقیقی نہ سمجھا جائے۔

و لا یتطیرون وہ بدفالی اور بدشگونی نہیں لیتے، معنی یہ ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح پرندوں کے اڑ جانے اور آواز وغیرہ سن کر ان سے بدشگونی نہیں لیتے، کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ ان کی نظر ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتی ہے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔(۱)

چنانچہ علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علاج و اسباب کو ترک کر دینا ان خاص اولیاء کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی صفت ہے جو دنیا اور اس کے اسباب و وسائل سے اعراض کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب یہ اللہ کے خاص مقرب بندوں کی صفت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے علاج و اسباب اختیار کرنے کو عملاً اور قولاً کیسے اپنایا، کہ آپ نے خود بھی علاج و اسباب کو اختیار کیا ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ معرفت الٰہی اور توکل کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، تاہم علاج و معالجہ اور وسائل و ذرائع کی مشروعیت بتلانے اور بیان جواز کے لئے آپ نے یہ اختیار فرمایا، اس سے آپ کے توکل کی صفت میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ آپ ایک ایسے کامل متوکل تھے کہ اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے آپ کے توکل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، یہ صرف اور صرف آپ ﷺ کی خصوصیت تھی دوسرے لوگوں کی بات دوسری ہے، خواہ وہ توکل کے بلند مقام پر ہی کیوں نہ ہوں، تاہم اسباب اختیار کرنے سے ان کے توکل میں فرق پڑ سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ توکل کر کے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے اسباب و ذرائع اور علاج ترک کر دیتا ہے تو یقیناً وہ بلند مقام کا حامل ہے۔

اس بارے میں مزید تفصیل معارف ترمذی، جلد اول ابواب الطب، ''اسباب و ذرائع اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں'' کے تحت گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

یہاں ایک اور شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مذکورہ لوگوں کے بارے میں حدیث میں جو ''ستر ہزار'' کی تعداد کا ذکر ہے تو کیا اس امت میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہی ہوگی، بظاہر تو ان اوصاف کے حاملین کی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں ''ستر'' کا عدد کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے، معنی یہ ہیں کہ بہت سے لوگوں کو جنت میں بغیر حساب کے داخل کیا جائے گا، جو ان صفات کے حامل ہوں گے، حدیث میں محض ستر ہزار کا عدد مراد نہیں ہے۔(۲)

ثم جاءه آخر فقال: انا منهم؟ فقال: سبقك بها عكاشة

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۲۸۰۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۵۰۰، تحفۃ الاحوذی ۷/۱۱۹

یہ دوسرے آدمی کون تھے؟ اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کوئی اور منافق آدمی تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے سبقک بھا عکاشۃ فرما کر اچھے انداز سے اس کی بات کو رد کیا کہ شاید وہ توبہ کر کے مخلص مسلمان بن جائے۔

نبی کریم ﷺ نے سبقک بھا عکاشۃ کس وجہ سے فرمایا؟

شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک حضرت عکاشہ نے جب دعا کرائی تو وہ قبولیت کا وقت تھا، اس لئے ان کے حق میں تو دعا قبول ہوگئی لیکن دوسرے نے جب کہا تو اس وقت دعا کی قبولیت کا وقت نہیں تھا، اس لئے اس کے بارے میں آپ نے دعا نہیں فرمائی۔

(۲) یا اس لئے کہ وہ پوچھنے والا ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جن کی بغیر حساب کے مغفرت ہوگی۔

(۳) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو لیکن حضور ﷺ نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب ہر ایک اٹھ کر اپنے بارے میں پوچھنا شروع کردے کہ میں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیسرا قول بہتر ہے، بجائے اس کے کہ یوں کہا جائے کہ وہ آدمی منافق تھا اور اس فضیلت کا اہل نہیں تھا، اس لئے کہ کسی بھی شخص کے بارے میں صریح نص کے بغیر نفاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور اس وجہ سے بھی کہ اس قسم کا سوال وہی شخص کرتا ہے جو صحیح مسلمان ہو، جس کے دل میں اللہ کی محبت، فکر آخرت اور بغیر حساب کے مغفرت کی طلب ہو، اور منافق کے دل میں چونکہ یہ فکر نہیں ہوتی اس لئے وہ ایسا سوال نہیں کرتا۔

فقال: انا منهم يا رسول الله؟ قال: نعم،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں فوراً بتادیا کہ آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جبکہ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہ نے آپ ﷺ سے ان لوگوں میں شمولیت کے لئے دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے انہوں نے دعا کروائی اور پھر پوچھا کہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے بتادیا کہ: جی ہاں، تم بھی ان میں سے ہو، گویا تمہارے حق میں دعا قبول ہو گئی ہے۔(۱)

حضرت عکاشہ ایک مشہور صحابی

حضرت عکاشہ (عین پر پیش اور کاف پر زبر و تشدید اور تخفیف کے ساتھ) بن محصن بن حرثان، یہ ان صحابہ میں سے ہیں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۱۹/۷۔

جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا، تمام غزوات میں پابندی سے شریک ہوتے رہے، غزوہ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی کریم ﷺ نے ایک لکڑیا کھجور کی شاخ انہیں دی تو ان کے ہاتھ میں معجزانہ طور پر وہ تلوار ہوگئی۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انہیں بشارت دے دی کہ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

بعض کے نزدیک حضرت صدیق اکبر کے دور خلافت میں مرتدین کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور انہیں جھوٹے نبی طلیحہ بن خویلد نے مارا تھا، ان کی عمر ۴۵ سال تھی، اور ان سے حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عباس اور ان کی بہن ام قیس نے روایات نقل کی ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كُنَّا عَلَيْهِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ: أَيْنَ الصَّلَاةُ؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَصْنَعُوا فِي صَلَاتِكُمْ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس طرح کی کوئی چیز اب نہیں دیکھتا جس پر کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے، ابو عمران جونی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہاں ہے نماز؟ (یعنی یہ تو باقی ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے نماز میں ایسی چیز نہیں ایجاد کر لی، جسے تم جانتے ہو (یعنی اس کی ادائیگی میں تاخیر، اور سستی)

نماز میں اس قدر تاخیر

اس روایت میں دراصل حجاج بن یوسف کے دور میں نماز میں تاخیر کا ذکر ہے، کہ وہ بسا اوقات نماز کو اس کے وقت سے بہت مؤخر کر دیتا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس پر ناگواری کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تو نمازوں میں اس قدر تاخیر نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس بن مالک، حجاج بن یوسف کی مجلس سے اس وجہ سے واپس تشریف لے گئے کہ اس نے نماز میں بہت تاخیر کر دی تھی اور سواری پر سوار ہو کر فرمایا کہ اب تو بس حضور ﷺ کے زمانہ کی چیز صرف کلمہ شہادت ہی رہ گیا ہے، یعنی نماز کی ادائیگی میں بہت سستی شروع ہوگئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ جس قدر قیامت کے قریب ہوتا چلا جائے گا تو لوگ نمازوں کی ادائیگی میں لاپرواہی اور سستی کا برتاؤ زیادہ کریں گے۔(۲)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ الْخَثْعَمِيَّةِ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ، وَنَسِيَ الْكَبِيرَ الْمُتَعَالَ، وَبِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدَى، وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْأَعْلَى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهَى وَلَهَى، وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلَى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغَى، وَنَسِيَ الْمُبْتَدَأَ وَالْمُنْتَهَى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ

---

(۱) الاصابة ۴۳۹/۲، العین بعدها الکاف، مرقاة ۳۸۰/۹۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۲۰/۷۔

يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّبُهَاتِ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَقُوْدُهُ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُضِلُّهُ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رَغَبٌ يُذِلُّهُ۔

حضرت اسماء بنت عمیس خثعمیہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: برا بندہ ہے وہ، جس نے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانا اور فخر وغرور کیا، اور خدائے بزرگ و برتر کو وہ بھول گیا، اور برا ہے وہ بندہ جس نے تکبر کیا اور ظلم وزیادتی کی، اور اس جبار ذات کو بھول گیا، جو (ہر لحاظ سے) بلند اور غالب ہے، اور برا ہے وہ بندہ، جو دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دینی کاموں کو بھول گیا اور کھیل کود میں مصروف رہا، اور قبروں اور ہڈیوں کے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کو بھول گیا، اور برا ہے، وہ بندہ جو فتنہ وفساد پھیلائے اور حد سے تجاوز کر جائے، اور اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے (یعنی اسے یہ یاد نہیں کہ کس قدر حقیر اور گندے پانی سے اسے پیدا کیا گیا اور انتہاء یہ کہ ایک نہ ایک دن اس نے منوں مٹی کے نیچے یعنی قبر میں چلے جانا ہے) اور برا ہے وہ بندہ، جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کرے، برا ہے وہ بندہ جو دین کو طرح طرح کے شبہات سے خراب کرے (اور حرام چیزوں میں تاویلیں کرے) برا ہے وہ بندہ جس کو لالچ ہانکتی رہتی ہے (یعنی اسے امیروں کے دروازے پر کھینچ کھینچ کر لے جاتی ہے) برا ہے، وہ بندہ جس کو اس کی نفسانی خواہش گمراہ کرتی ہے، برا ہے وہ بندہ جس کو (دنیا کی) رغبت اور حرص ذلیل کرتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: تخیل: دوسروں سے اپنے آپ کو اچھا اور بہتر جانا، تکبر کیا۔ اختال: فخر وغرور اور تکبر کیا۔ المتعال: بلند و برتر، اصل میں یہ لفظ المتعالی (یاء کے ساتھ) ہے یعنی اسم منقوص ہے، تخفیفاً اس کے آخر سے یاء کو گرا دیا۔ تجبر: تکبر کیا۔ اعتدی: ظلم وزیادتی کی۔ جبار: اللہ تعالیٰ کا نام ہے: غالب اور زبردست۔ الاعلی: جو ہر لحاظ سے بلند اور غالب ہے۔ سھی: دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دین کے کاموں کو یعنی اللہ کی اطاعت کو بھول گیا۔ لھی: لہو ولعب اور کھیل کود میں مشغول رہا۔ المقابر: مقبرۃ کی جمع ہے: قبر، قبرستان۔ البلی: (باء کے نیچے زیر) ہڈیوں کا بوسیدہ اور فنا ہو جانا۔ عتا: فساد پھیلائے۔ طغی: تکبر وسرکشی کرے۔ المبتدا: ابتداء، اس سے تخلیق مراد ہے کہ وہ کس قدر ذلیل اور گندے پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ المنتھی: انتہاء، مراد یہ ہے کہ بالآخر اس نے قبر میں جانا ہے جو وحشت وتنہائی اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے۔ یختل: طلب کرتا ہے، حاصل کرتا ہے، فساد پھیلاتا ہے، خراب کرتا ہے۔ الشبھات: شبھۃ کی جمع ہے: شبہات اور اشکالات۔ یقودہ: اس کو ہانک کر لے جاتی ہے، کھینچ کر لے جاتی ہے۔ رغب: (راء پر پیش اور زبر، غین پر زبر اور سکون کے ساتھ) دنیا طلبی کی زیادہ رغبت وحرص۔ یذلہ: (یاء پر پیش اور ذال کی زیر کے ساتھ) حرص وہوس اس کو ذلیل کرے گی۔

اسلام کی نظر میں برے بندے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نو قسم کے بندوں کا ذکر فرمایا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ناپسندیدہ اور

برے ہیں، اور ساتھ ہی ان کے وہ اوصاف اور کمزوریاں بھی بیان فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے انہیں برا کہا گیا ہے:

(۱) وہ شخص جو اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے افضل اور بہتر سمجھے، اور دوسروں کو کمتر اور حقیر قرار دے، یعنی تکبر کرے، ایسا شخص برا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی صفت کبریائی کو اپنے لئے ثابت کیا ہے، وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ ہر قسم کی بڑائی، عظمت اور کبریائی اللہ ہی کی صفت ہے۔

(۲) جو شخص تکبر وغرور کی وجہ سے دوسروں پر ظلم وزیادتی کرے اور اپنے رب کو بھول جائے کہ وہ زبردست، غالب اور ہر لحاظ سے برتر ہے۔

(۳) وہ شخص جو دنیا کے دھندوں میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ اللہ کی اطاعت اور دینی کاموں کو نظرانداز کر دے، اور کھیل کود میں مشغول رہے، قبر اور اس میں ہڈیوں کے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کو بھول جائے یعنی موت کی تیاری نہ کرے۔

(۴) وہ سرکش جو شرافت کی حدود کو پھلانگ جائے اور زمین میں فتنہ وفساد پھیلائے اور اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے یعنی یہ نہ دیکھے کہ میری پیدائش کس طرح ہوئی، ایک ناپاک گندے پانی سے اور انتہاء یہ کہ بالآخر اس نے زیر زمین قبر میں جا کر مٹی ہو جانا ہے، معنی یہ ہیں کہ جس کی یہ ابتداء اور انتہاء ہو، اسے تو اللہ جل جلالہ کی ضرور اطاعت کرنی چاہیے، اللہ کی اطاعت سے روگردانی کرنا کسی بھی طرح اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔

(۵) وہ شخص جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرے، یہی اس کا مقصود ہو، اہل دین اور نیک لوگوں کے لبادہ میں رونما ہو کر لوگوں کو دھوکہ دے اور ان سے مال ودولت حاصل کرے، یہ بھی انتہائی برا ہے۔

(۶) اپنے اور دوسروں کے دین کو طرح طرح کے شبہات سے خراب کرے اور حرام کردہ چیزوں میں ایسی تاویلیں کرے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حلال ہیں، گویا دین کو خلط ملط کر کے پیش کرے۔

(۷) جس شخص پر دنیا کی حرص وہوس اس قدر سوار ہو کہ وہ اس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

(۸) وہ شخص جسے اس کی نفسانی خواہش گمراہ کرتی ہے کہ نفس کو خوش کرنے کے لئے ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

(۹) وہ شخص بھی برا ہے، جسے مال ودولت کی کثرت کی لالچ، ہر قسم کی ذلت ورسوائی سے دوچار کرے، دنیاداروں کے دروازوں پر اسے گھماتی رہے، تاکہ مال ودولت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جائے۔

اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کو ان بری صفات سے بچ کر زندگی گذارنی چاہیے، تاکہ وہ اللہ اور رسول کی نظر میں بہترین انسان ثابت ہو اور اسے وہ فضیلتیں حاصل ہو سکیں جو کہ کامل ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِناً عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَقَى مُؤْمِناً عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ، وَأَيُّمَا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۱/۷، مرقاۃ المفاتیح ۸۳۸/۸ کتاب الآداب، باب الغضب والکبر۔

مؤمن کساہ اللہ من خضر الجنۃ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مؤمن کسی مؤمن کو بھوک کے وقت کھلائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت کے پھلوں سے کھلائے گا، اور جو مؤمن کسی مؤمن کو پیاس کے وقت (پانی، مشروب) پلائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے صاف وخالص شراب پلائے گا جو مہر لگا ہوا ہوگا (یعنی بند بوتل ہوگی جس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا) اور جو مؤمن کسی مؤمن کو ننگے بدن ہونے کے وقت لباس پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: جوع: (جیم پر پیش کے ساتھ) بھوک۔ ظمأ: (ظا اور میم پر زبر کے ساتھ) پیاس۔ رحیق: صاف اور خالص شراب۔ مختوم: مہر لگایا ہوا یعنی اس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا۔ عری: (عین پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) برہنہ جسم، ننگے بدن۔ خضر: (خا پر پیش اور ضاد کے سکون کے ساتھ) اخضر کی جمع ہے: سبز لباس۔

دوسروں کی ضرورت پورا کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی ضرورت مند کی کوئی شرعی ضرورت کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بہترین صلہ عطا فرمائیں گے، بھوکے کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت کے پھل اور میوہ جات کھلائیں گے، پیاسے کو پلایا تو جنت کی خالص اور صاف شراب اسے پلائی جائے گی، جس پر مہر لگی ہوگی، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ کسی اور نے استعمال نہیں کی، یہ گویا اس آدمی کا اعزاز ہوگا، اور جو کسی برہنہ جسم کو لباس پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائیں گے، یعنی اس آدمی کو خاص قسم کا عمدہ سبز لباس پہنایا جائے گا، یہ اس کا خاص قسم کا اکرام ہوگا، ورنہ تو جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، تو اسے کھلایا، پلایا جائے گا اور لباس بھی پہنایا جائے گا۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ خَافَ أَدْلَجَ، وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ، أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ، أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (اس بات سے) ڈرتا ہے (کہ اس کا دشمن رات کے آخری حصے میں حملہ کردے گا) تو وہ رات کے پہلے حصے میں ہی چل پڑتا ہے (تاکہ دشمن کی غارتگری سے محفوظ رہ سکے) اور جو شخص رات کے پہلے حصے میں چل پڑتا ہے، تو وہ منزل تک پہونچ جاتا ہے، آگاہ ہو جاؤ، بیشک اللہ کا مال ومتاع بہت قیمتی ہے، (جو جان ومال کی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا) جان لو: بیشک اللہ کا مال جنت ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أدلج: رات کے اول حصے میں اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ سلعۃ: سامان، مال ومتاع، یہاں اس

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۲/۷۔

سے جنت مراد ہے، غالیۃ: مہنگا، قیمتی۔

جان ومال کی قربانی کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ وہ شخص جسے اس بات کا یقین ہو چکا ہو کہ میرا دشمن مجھ پر حملے کی تاک میں ہے اور رات کے آخری حصے میں ضرور حملہ کر دے گا، اب یہ آدمی اپنی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کرتا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں ہی کہیں چلا جاتا ہے، تاکہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہوں چنانچہ وہ ایسا کرنے سے دشمن کے شر اور اس کی غارتگری سے بچ جاتا ہے۔

اس مثال سے اس بات کو سمجھانا پیش نظر ہے کہ اللہ کا مال ومتاع جنت ہے جو بلاشبہ انتہائی قیمتی ہے اور یہ اصول ہے کہ جو چیز جس قدر قیمتی ہو تو اس کے حصول کے لئے زیادہ محنت، زیادہ تگ ودو، جان ومال اور وقت کی قربانی دینی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑ دیا جائے اور اعمال صالحہ کئے جائیں، اور دشمن کے وار سے بچنے کے لئے عزم وہمت سے کام لیا جائے، ہمارا دشمن شیطان ہے، ہمارا نفس، اور برا ماحول اس کے معاون ہیں، اگر اس کے حملے سے بچنے کی تدبیر اختیار کرتے رہے کہ اس کی بات نہ مانی بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتے رہے تو عذاب سے بچ جائیں گے چنانچہ اسی بات کی طرف اللہ تعالی نے اس آیت میں اشارہ فرمایا:

والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا وخیر أملاً (اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور امید کے اعتبار سے بہتر ہیں)۔

اور فرمایا: ان اللہ اشتری من المؤمنین أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة. (بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے)۔

اور اگر خدانخواستہ نفس وشیطان کے جال میں پھنس گئے اور ان کی باتوں میں آکر اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور دنیا سے توبہ کے بغیر ہی چلے گئے تو پھر آخرت میں ذلت ورسوائی اور عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔[1]

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ۔

حضرت عطیہ سعدی سے روایت ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ متقیوں کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں (شرعاً) کوئی حرج نہیں، اس چیز سے بچنے کے لئے جس میں حرج ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۳/۷، مرقاۃ ۲۰۹/۹ کتاب الرقاق باب البکاء والخوف۔

عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيْدِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ كَمَا تَكُونُونَ عِنْدِي لَأَظَلَّتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا۔

حضرت حنظلہ اسیدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم عام حالات میں بھی اسی طرح ہو جاؤ جس طرح کہ میرے پاس تمہاری دل کی کیفیت ہوتی ہے (یعنی دل کی صفائی اور خوف خدا کی مخصوص حالت وکیفیت جو میری مجلس میں تمہیں حاصل ہوتی ہے) تو فرشتے تم لوگوں پر اپنے پروں سے سایہ کرنے لگیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: متقین: متقی کی جمع ہے: وہ شخص جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارے اور ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی ترک کردے۔ حتی یدع: یہاں تک کہ وہ چھوڑ دے۔ حذرا: بچنے کے لئے۔ مالا باس بہ: وہ امر جس میں کوئی حرج اور گناہ نہ ہو یعنی خلاف اولیٰ۔ لاظلتکم تم پر سایہ کرنے لگیں۔ اجنحۃ: جناح کی جمع ہے، پر۔

تقویٰ کے درجات

پہلی حدیث میں ہے کہ انسان اس وقت تک تقویٰ کا کامل درجہ حاصل نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ ایسی باتیں نہ چھوڑ دے، جن میں کوئی حرج نہیں، یعنی خلاف اولیٰ امور کو ترک کردے، کیونکہ ان کو چھوڑنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے گا، تقویٰ کے تین درجات ہیں:

(۱) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر وشرک سے براءت کا اظہار کردے۔

(۲) ان تمام کاموں کو چھوڑ دے، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے، خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔

(۳) خلاف اولیٰ امور کو بھی ترک کردے، تاکہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے، یہ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات سمجھائی کہ میری مجلس میں تمہارے دلوں کی جو کیفیت ہوتی ہے یہ اگر بعد میں بھی باقی رہے، تو فرشتے تمہارے لئے دھوپ میں اپنے پروں سے سایہ کرنے لگیں، اور مسلم کے طریق میں ہے کہ وہ تم لوگوں سے بستروں اور راستوں پر مصافحہ کرنے لگیں، اس لئے میری مجلس سے باہر تمہاری یہ قلبی کیفیت یعنی دل کی صفائی، محبت الٰہی اور خوف خدا کی مخصوص حالت باقی نہیں رہے گی، ایسے میں تم لوگ سنت کے مطابق زندگی گذارتے رہو۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً، وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَإِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ، وَقَارَبَ، فَارْجُوهُ، وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالأَصَابِعِ، فَلَا تَعُدُّوهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ہر چیز کے لئے ایک تیزی، حرص اور نشاط ہے اور ہر حرص ونشاط اور تیزی کے لئے ضعف اور کمزوری ہے، اگر صاحب نشاط اپنے آپ کو درست کرلے اور

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶۴/۷۔

میانہ روی اختیار کرلے تو تم اس کی کامیابی کی امید رکھو اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے (یعنی ریاکاری کے طور پر نیک اعمال بہت زیادہ کرتا ہے) تو تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ (یعنی اسے نیک لوگوں میں شمار نہ کرو)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے لئے اتنی برائی اور شر ہی کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا کی وجہ سے انگلیوں سے اشارہ کیا جائے مگر وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ فِي وَسْطِ الْخَطِّ خَطًّا، وَخَطَّ خَارِجًا مِنَ الْخَطِّ خَطًّا، وَحَوْلَ الَّذِي فِي الْوَسْطِ خُطُوطًا، فَقَالَ: هٰذَا ابْنُ آدَمَ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ، وَهٰذَا الَّذِي فِي الْوَسْطِ: الْإِنْسَانُ وَهٰذِهِ الْخُطُوطُ عُرُوضُهُ، إِنْ نَجَا مِنْهُ يَنْهَشُهُ هٰذَا، وَالْخَطُّ الْخَارِجُ: الْأَمَلُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (ہمیں سمجھانے کے لئے) چار خط کھینچ کر ایک مربع (چوکور) بنایا، پھر اس مربع یعنی چوکور کے درمیان ایک اور خط کھینچا اور اس خط یعنی مربع سے باہر بھی ایک خط کھینچا، اور درمیان والے خط کے آس پاس کئی لکیریں کھینچیں، پھر آپ نے فرمایا: یہ (پورا خط) انسان ہے، اور یہ (چوکور لکیر) اس کی موت ہے، جس نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اور یہ خط جو اس کے درمیان ہے (یہ) انسان ہے، اور یہ (چھوٹے چھوٹے) خط اس کے عروض یعنی مصائب وآفات ہیں، اگر وہ ایک سے نجات پالے تو یہ (یعنی دوسری آفت) اسے ڈس لیتی ہے اور باہر والا خط اس کی امید ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شرۃ: (شین کے نیچے زیر اور را پر تشدید اور زبر)، حرص، نشاط، تیزی، کمال۔ فترۃ: (فا پر زبر اور تا کے سکون کے ساتھ) ضعف، کمزوری، ڈھیلا پن، زوال۔ فان صاحبھا: "إن" حرف شرط ہے، اور صاحبھا بعد والے فعل کا فاعل مقدم ہے جس طرح کہ اس آیت میں ہے و ان احد من المشرکین استجارک۔ سدد: اپنے آپ کو درست کرلے، راہ راست پر لے آئے۔ قارب: اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے۔ فارجوہ: (صیغہ امر ہے) تم اس کی بہتری اور کامیابی کی امید رکھو۔ فلاتعدوہ: تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ یعنی وہ ریاکار ہے لہذا اسے نیکوں میں سے نہ سمجھو۔ عروضہ: عرض کی جمع ہے: مصائب اور تکلیفیں، بیماری، بھوک، پیاس اور پریشانی وغیرہ۔ ینھشہ: اسے ڈس لے گا۔

ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر شئی کی ابتداء میں ایک نشاط، فرحت وخوشی اور جوش وجذبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی بڑی لگن اور شوق سے وہ کام کرتا ہے، اسی طرح چلتا رہے تو وہ ایک دن خوب ترقی کر جاتا ہے، بلند مقام اور عروج پر پہونچ جاتا ہے،

اور پھر اس میں زوال شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہر ترقی کے بعد زوال ضرور آتا ہے، اسی طرح عبادات اور دینی امور میں بھی دونوں پہلو ہوتے ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ آدمی اس میں خوب کمال حاصل کر لیتا ہے، پھر ایک عرصہ کے بعد اس میں ضعف اور فتور شروع ہو جاتا ہے، لیکن اگر انسان میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے تو پھر زوال اور فتور سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر معاملے میں افراط اور تفریط سے کنارہ کش ہو کر اعتدال کا دامن تھام لیں تاکہ اس کام میں زوال کے بجائے استحکام اور ترقی کا پہلو غالب رہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میانہ روی کے ساتھ زندگی گذارے تو اس سے تم خیر کی امید رکھو، اور جو شخص دینی لائن میں اپنی حسن کارکردگی، تقویٰ وطہارت اور شرافت میں مشہور ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کرنے لگیں اور وہ عالم اس تمام تر کوشش سے لوگوں میں نام ونمود اور شہرت کا طلبگار رہے تو ایسے بندے میں خیر کی کوئی امید نہ رکھیں، وہ نیک لوگوں میں سے نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص دنیاوی لائن میں اس قدر شہرت کا حامل ہو جائے، کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کرنے لگیں، تو ایسی صورت میں فتنے سے بچنا اور ذلت ورسوائی سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خصوصی مدد فرمائیں تو پھر انسان فتنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے شر اور برائی کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ لوگ دین یا دنیا کے معاملے میں لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کریں، ان کی علمی وجاہت یا دنیاوی مال ودولت کی وجہ سے لوگ ان کا ادب واحترام، خوشامد اور آؤ بھگت کریں تو عموماً انسان خود پسندی، عجب اور تکبر جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی جسے بچالیں کہ ان کے دلوں میں نور ایمان اس قدر مستحکم ہو کہ لوگوں کی خوشامد اور تعریفوں سے ان پر کچھ اثر نہ پڑتا ہو، ایسے ہی دنیاوی مال ودولت کی محبت ان کے دل میں نہ ہو، تو ایسا آدمی فتنہ سے محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ عموماً انسان اس طرح کی صورتحال میں طرح طرح کے فتنوں میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، ہاں اگر ہر امر میں میانہ روی اختیار کی جائے تو پھر انسان فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ "فی دین او دنیا" کے معنی یہ ہیں کہ دین میں اس کی طرف اس لئے اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس نے کسی بدعت کا اضافہ کیا ہوتا ہے اور دنیا کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس نے معاشرے میں کسی ایسے گناہ کا آغاز کیا ہوتا ہے جو لوگوں میں پہلے متعارف نہیں تھا۔(۱)

طویل آرزؤں سے اجتناب کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک مربع بنایا، جس کے اندر ایک لکیر ہے، اور اس درمیان والی لکیر کے آس پاس چھوٹے چھوٹے خطوط یعنی لکیریں ہیں، اور ایک خط اس مربع سے باہر نکل رہا ہے، جس کی صورت یہ ہے۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۲۶۔
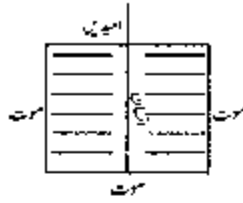
اس میں مربع سے موت مراد ہے جس نے انسان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے کسی بھی صورت میں انسان اس سے بچ نہیں سکتا، اور درمیان والے خط سے انسان مراد ہے، اور چھوٹے خطوط مصیبتیں، پریشانیاں اور تکلیفیں مراد ہیں کہ ایک مصیبت سے خلاصی ہو جائے تو دوسری سے انسان دوچار ہو جاتا ہے اور اگر کسی آفت کا شکار نہ بھی ہو تو بالآخر طبعی موت تو ضرور آنی ہی ہے، اور باہر والے خط سے انسان کی طویل آرزوئیں اور امیدیں مراد ہیں، ان آفات و بلیات کے پیش آنے کو "نہش" سے تعبیر فرمایا، حالانکہ ڈستا تو زہریلے جانور کی صفت ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی انسان کو بہت درد اور دکھ پہونچاتی ہیں جس طرح کہ زہریلے جانور سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔

اس حدیث سے دراصل انسان کو لمبی لمبی امیدیں اور آرزوئیں قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ انسان اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ میں یہ خواہشات، یہ امیدیں اور آرزوئیں ضرور حاصل کرلوں گا، جبکہ حقیقت میں وہ ان کے حصول پر قادر نہیں ہوتا، وہ ان سے بہت دور ہوتا ہے اور موت اس کے بہت قریب ہوتی ہے، اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز قریب ہو، جس سے ضرور دوچار ہونا ہے، اس کی تیاری کرے، تاکہ آخرت کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے، اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑے جو اس کے قریب بھی نہیں اور اس کے اختیار میں بھی نہیں، کیونکہ لمبی آرزوں کو حاصل کرنے کے لئے وقت، جسمانی اور ذہنی طاقت کے ضیاع اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ان سے اجتناب ہی بہتر ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَتَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ: الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے اخلاق میں دو چیزیں جوان اور نہایت قوی ہو جاتی ہیں، ایک تو مال (جمع کرنے) کی حرص (اور اس کو خرچ نہ کرنے کی عادت) اور دوسرے طویل عمر کی آرزو۔

مشکل الفاظ کے معنی: یھرم: (را پر زبر کے ساتھ) بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے، تشب: (شین کے نیچے زیر اور با کی تشدید کے ساتھ) جوان اور قوی ہو جاتی ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۲۵۲، کتاب الرقاق، باب الأمل والحرص۔

بڑھاپے کی دو خواہشیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ جوں جوں انسان بوڑھا اور کمزور ہوتا جاتا ہے، اسی طرح اس میں مال و دولت کو مزید جمع کرنے کی حرص اور خرچ نہ کرنے کی عادت میں قوت پیدا ہوتی جاتی ہے، اور یہ خواہش کہ میری عمر طویل ہو جائے، مقصود یہ ہے کہ انسان کو اس طرح کی خواہشات اور آرزوؤں سے اجتناب کرنا چاہیے، قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان دو خواہشات کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مُثِّلَ ابْنُ آدَمَ وَإِلٰى جَنْبِهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ مَنِيَّةً، إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا، وَقَعَ فِي الْهَرَمِ۔

عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کو پیدا کیا گیا اور اس کے پہلو میں ننانوے مہلک آفات یعنی موت کے اسباب ہوتے ہیں، اگر یہ اسباب اس سے تجاوز کر جائیں (یعنی اسے اپنی گرفت میں نہ لیں) تو وہ بڑھاپے میں ضرور مبتلا ہوگا۔

اس روایت کے بارے میں تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اول (ص: ۶۲۲) ابواب القدر میں "مصائب پر صبر کیا جائے" کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: اذْكُرُوا اللّٰهَ، اذْكُرُوا اللّٰهَ، جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ، قَالَ أُبَيٌّ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ، فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي؟ فَقَالَ: مَا شِئْتَ، قَالَ: قُلْتُ: الرُّبُعَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قُلْتُ: وَالنِّصْفَ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قَالَ: قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا؟ قَالَ: إِذًا تُكْفَى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کا دو تہائی حصہ گذر جاتا تو (نماز تہجد کے لئے) اٹھتے تو فرماتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، آگئی ہلا دینے والی (مراد نفخہ اولی ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی (مراد دوسرا نفخہ ہے) موت ان تمام سختیوں کے ساتھ آگئی، جو اس میں ہیں، موت ان تمام مشکلات کے ساتھ آگئی جو اس میں ہیں، حضرت ابی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں آپ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں (اب آپ ہی بتا دیجئے کہ) میں نے اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت مقرر کر رکھا ہے، اس میں

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۱۲۳۔

سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا: جس قدر تمہارا جی چاہے، میں نے عرض کیا: کیا چوتھائی (وقت مقرر کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: جس قدر آپ چاہیں اور اگر زیادہ وقت مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: کیا آدھا وقت (مقرر کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: جس قدر آپ چاہیں اور اگر آپ زیادہ وقت مقرر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: تو پھر دو تہائی وقت مقرر کر دوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا آپ کا دل چاہے، اور اگر اضافہ کرو تو یہ تمہارے لئے اچھا ہے، میں نے عرض کیا: اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ پر درود بھیجنے کے لئے مقرر کئے دیتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اب تم تمام افکار سے کفایت کئے جاؤ گے (یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام دینی اور دنیاوی مقاصد پورے ہوں گے) اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: راجفة: "رجف" سے ہے جس کے معنی حرکت کرنے اور بے چین و بے قرار ہونے کے ہیں اور "راجفة" کے معنی ہیں: قیامت کے دن صور کا پہلا نفخہ یعنی صور پھونکنے کی پہلی آواز کہ جس سے تمام مخلوق مرجائے گی، الرادفة: یہ "ردف" سے ہے: کسی کے پیچھے سوار ہونا، پیچھے چلنا، اور رادفہ: قیامت کے دن صور کا دوسرا نفخہ یعنی صور پھونکنے کی دوسری آواز کہ جس سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔ تتبعها: اس کے پیچھے آئے گی۔ من صلاتی: اپنی دعا کے مقرر کردہ وقت میں سے۔ اذا تكفى همك: اب تم تمام فکر و غم سے کفایت کئے جاؤ گے یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام مقاصد اور ضروریات پوری ہوں گی۔ اس میں "تکفی" فعل مجہول کا صیغہ ہے، اس میں انت ضمیر نائب فاعل ہے، اور "همک" مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

آخرت کی تیاری اور کثرت سے درود وسلام بھیجنے کی ترغیب

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آخرت کی تیاری کی اس میں تاکید کی جارہی ہے کہ اے صحابہ: تہجد کی نماز کے لئے اٹھو، اللہ کو یاد کرو، خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، کیونکہ قیامت قریب ہے، یوں سمجھو کہ صور کا پہلا نفخہ آ چکا ہے کہ جس سے تمام مخلوق ختم ہو جائے گی، اور اس کے بعد دوسرا نفخہ بھی آ گیا کہ جس سے مخلوق کو حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، موت اپنی تمام تر شدائد اور سختیوں کے ساتھ آ پہونچی ہے، جب یہ بات ہے تو پھر آخرت کی تیاری میں تاخیر کس بات کی ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنے کی ترغیب ہے، کہ اگر تم فرائض وواجبات کے بعد کثرت سے درود وسلام بھیجو گے تو اس کی برکت سے تمہارے غم، پریشانیاں اور معاشی تنگی دور ہوگی، گھر میں سکون، دلوں میں تازگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں نبی کریم ﷺ کا خصوصی قرب اور شفاعت نصیب ہوگی، اس لئے کثرت سے درود وسلام کا اہتمام کیا جائے تاکہ یہ

فضیلتیں حاصل ہو سکیں۔

حدیث میں اجعل لک من صلاتی میں "صلاۃ" سے دعا مراد ہے، حضرت ابی بن کعب کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری خواہش ہے کہ میں آپ پر بہت زیادہ درود بھیجا کروں، اور چونکہ میں نے اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت اپنے لئے دعا کا مقرر کر رکھا ہے، تو اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اسی وقت میں آپ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کروں لہذا آپ ہی مقرر فرما دیجئے کہ میں اس وقت کا کتنا حصہ آپ پر درود وسلام بھیجنے میں صرف کیا کروں، پھر حضرت ابی بن کعب پوچھتے رہے...... آپ ہر بار یہ ارشاد فرماتے رہے کہ اگر تم اس سے زیادہ درود وسلام بھیجو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، جب انہوں نے اپنی دعا کا پورا وقت اس پر صرف کرنے کا عزم ظاہر کیا، تو آپ خوش ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے تمام کام اور پریشانیاں حل فرما دیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، قَالَ: قُلْنَا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ: إِنَّا لَنَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ وَلٰكِنَّ الاسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ: أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَتَحْفَظَ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى، وَتَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى، وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى يَعْنِيْ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے یوں حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: بیشک ہم حیا کرتے ہیں اور اللہ ہی کا شکر ہے، آپ نے فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ اللہ سے حیا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم سر کی اور اس چیز کی جس کو سر نے جمع کر رکھا ہے (یعنی زبان، نظر، کان کی) حفاظت کرو (کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ ہوں) اور تم پیٹ کی اور اس چیز کی حفاظت کرو جس کو پیٹ نے جمع کر رکھا ہے، اور تم موت اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کو یاد کیا کرو، اور جو آخرت (کی کامیابی) چاہتا ہے تو وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دیتا ہے، لہذا جو شخص اس طرح حیا کرے تو اس نے واقعی اللہ سے یوں شرم کی، جیسے شرم کرنے کا حق ہے۔

اللہ سے حیا کرنے کے معنی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کی جائے جیسے اس سے حیا کرنے کا حق ہے، اور وہ یہ ہے کہ جسم کے کسی عضو اور حصے کو اللہ کی نافرمانی اور گناہ میں استعمال نہ کرے، سر کا حیا یہ ہے کہ اسے صرف اللہ کے سامنے جھکایا جائے، نام ونمود اور ریاکاری کے لئے نماز نہ پڑھے، تکبر وغرور نہ کرے، اور جو چیزیں سر میں ہیں یعنی زبان، کان اور آنکھیں، انہیں بھی اللہ کی اطاعت

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۳۰/۷، مرقاۃ ۱۳/۳ کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ۔

میں ہی صرف کیا جائے، چنانچہ زبان سے جھوٹ، غیبت، الزام تراشی، چغلی، بری بات اور گالی گلوچ نہ کیا جائے، کان کا حیا یہ ہے کہ اس سے گانے اور بری چیزیں نہ سنی جائیں، اور آنکھ سے بدنظری نہ کی جائے، پیٹ کا حیا یہ ہے کہ اسے حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھلائی جائیں، اور جو چیزیں پیٹ میں ہیں یعنی شرمگاہ، دونوں ہاتھ، دونوں ٹانگیں، اور دل، ان تمام چیزوں کو اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں نہ استعمال کیا جائے، موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے اور بوسیدہ ہونے کو یاد کیا جائے تاکہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کی فکر پیدا ہو جائے، کیونکہ جو شخص آخرت کی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دنیا کی زیب و زینت اور لذات و خواہشات ترک کرنا پڑیں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے جسم کے اعضاء کو اس طرح پابند کر لیا تو اس نے واقعی اللہ سے حیا کر لیا، جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔(۱)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ۔

وَمَعْنَى قَوْلِهِ: مَنْ دَانَ نَفْسَهُ يَقُولُ: حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ أَنْ يُحَاسَبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُرْوَى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا، وَيُرْوَى عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ: لَا يَكُونُ الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتَّى يُحَاسِبَ نَفْسَهُ كَمَا يُحَاسِبُ شَرِيكَهُ مِنْ أَيْنَ مَطْعَمُهُ وَمَلْبَسُهُ۔

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عقلمند وہ شخص ہے، جو اپنے نفس کو (اسلام کے) تابع بنائے اور اس زندگی کے لئے عمل کرے، جو موت کے بعد شروع ہوگی، اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرے، اور اللہ سے (معافی کی) امید رکھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ من دان نفسہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے نفس کا دنیا میں محاسبہ کرے قبل اس کے کہ آخرت میں اس کا محاسبہ کیا جائے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: تم اپنے نفس کا خود ہی محاسبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس آدمی کا حساب قیامت کے دن ہلکا ہوگا جس نے دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہوگا اور میمون بن مہران سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: آدمی پرہیزگار نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اپنے نفس کا اسی طرح محاسبہ کرے، جیسے وہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا اور لباس کہاں سے ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُصَلَّاهُ، فَرَأَى نَاسًا كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُونَ، قَالَ: أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى، فَأَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۳۰۔

إِلاَّ تَكَلَّمَ فَيَقُولُ: أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ، أَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ، أَنَا بَيْتُ التُّرَابِ، وَأَنَا بَيْتُ الدُّودِ، فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: مَرْحَباً وَأَهْلاً، أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذْ وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ، وَصِرْتَ إِلَيَّ، فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ، قَالَ: فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ، وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ۔

وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ، قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: لَا مَرْحَباً وَلَا أَهْلاً، أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ، فَإِذْ وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ، قَالَ: فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتَّى يَلْتَقِيَ عَلَيْهِ وَتَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَصَابِعِهِ، فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ، قَالَ: وَيُقَيَّضُ لَهُ سَبْعُونَ تِنِّيناً لَوْ أَنَّ وَاحِداً مِنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ، مَا أَنْبَتَتْ شَيْئاً مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، فَيَنْهَشْنَهُ وَيَخْدِشْنَهُ حَتَّى يُفْضَى بِهِ إِلَى الْحِسَابِ۔ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جنازہ گاہ تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، تو وہ تمہیں اس چیز سے مشغول کر دے گی، جو میں (تمہارے اندر) دیکھ رہا ہوں، لہذا تم لوگ لذتوں کو فنا کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گذرتا مگر یہ کہ وہ کلام کرتی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں پردیس کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، اور میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب مؤمن بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: خوش آمدید، آپ اپنوں میں ہی آئے، واقعی تو مجھے ان لوگوں میں سب سے زیادہ پسند تھا، جو میری پشت پر چلتے ہیں، اب جب میں تیرے کام کی متولی ہوگئی اور تو میری طرف آ گیا، تو عنقریب تو میرا حسن سلوک دیکھے گا، جو میں تیرے ساتھ کروں گی پھر وہ قبر اس کے لئے تا حد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب گنہگار یا کافر بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں، تم اپنوں میں نہیں آئے، بیشک تم مجھے ان لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند تھے، جو میری پشت پر چلتے ہیں، اب جب میں تیری والی ہوگئی اور تو میرے پاس آ گیا تو عنقریب میرا برتاؤ تو دیکھ لے گا جو میں تمہارے ساتھ کروں گی، حضور ﷺ فرماتے ہیں: وہ قبر اس پر جڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس پر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور ان میں سے بعض کو بعض میں داخل کیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور اس پر ستر اژدہے مسلط کر دیے جاتے ہیں، اگر ان میں سے ایک (بھی) زمین کی طرف پھونک مارے تو وہ کسی چیز کو نہ اگائے، جب تک کہ دنیا باقی ہے، چنانچہ وہ اسے دانتوں سے کاٹتے اور نوچتے ہیں، یہاں تک کہ اسے حساب (کی جگہ) کی طرف پہونچا دیا جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک قبر

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: **الکیس**: (کاف پر زبر اور یا کے نیچے زیر اور تشدید) عقلمند، جو ہر معاملے میں خوب بصیرت رکھتا ہو اور انجام پر نظر رکھتا ہو۔ **دان**: تابع بنائے، مطیع اور فرمانبردار بنالے۔ **عاجز**: بے وقوف۔ **أتبع نفسه**: اپنے نفس کی پیروی کرے۔ **تمنی علی اللہ**: اللہ سے (معافی کی) امید رکھے۔ **تزینوا**: تم آراستہ ہو جاؤ یعنی تیاری کرو۔ **العرض الاکبر**: بڑی پیشی، جو حساب کے لئے ہوگی۔ **یکتشرون**: ہنس رہے ہیں۔ **الغربة**: (غین پر پیش کے ساتھ) پردیس، مسافرت۔ **الدود**: دودة کی جمع ہے: کیڑے۔ **مرحبا**: خوش آمدید۔ **اهلا**: تم اپنوں میں ہی آئے ہو، اس لئے تمہارے لئے کوئی اجنبیت نہیں۔ **ولیتک**: اسے اگر "تولیه" سے قرار دیں تو پھر یہ مجہول کا صیغہ ہوگا: میں تیرا متولی ہوگئی، اور اگر مجرد سے لیں تو پھر یہ معروف کا صیغہ ہوگا۔ **صنیع**: حسن سلوک، برتاؤ۔ **مدبصره**: تاحد نگاہ۔ **یلتئم**: وہ قبر اس پر جڑ جاتی ہے، بل جاتی ہے۔ **یلتقی**: وہ مل جاتی ہے۔ **تختلف اضلاعه**: اس کی پسلیاں بھینچ جاتی ہیں یعنی آپس میں ایک دوسری میں داخل ہو جاتی ہیں۔ **یقیض**: (مجہول کا صیغہ ہے) مسلط کئے جاتے ہیں، مقرر کئے جاتے ہیں۔ **تنین**: (تا کے نیچے زیر اور نون کے نیچے زیر و تشدید) بڑا سانپ، اژدھا۔ **ینهشنه**: وہ اسے دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ **یخدشنه**: وہ اسے نوچتے ہیں۔ **یفضی به**: (مجہول کا صیغہ ہے) اس کو پہونچا دیا جائے گا۔ **حفرة**: (حاء پر پیش اور فاء کے سکون کے ساتھ) گڑھا۔

موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اصل عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھال لے، نفس و شیطان کے دھوکے میں نہ آئے، اور ہر وقت آخرت کی زندگی کے لئے اخلاص کے ساتھ عمل کرتا رہے، اور بیوقوف وہ آدمی ہے، جو آخرت کے لئے کچھ بھی نہ کرے، نفس کی خواہشات کے مطابق زندگی گذارتا رہے، اور اللہ سے یہ امید قائم کئے رکھے کہ وہ مجھے معاف کردے گا، اس لئے دنیا میں ہی اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے، ان کی اصلاح کی فکر کی جائے، تاکہ آخرت میں حساب کے مراحل آسان ہو جائیں۔

(۲) لذات و شہوات کو ختم کردینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا جائے تاکہ اعمال میں کمزوری اور سستی نہ ہو۔

(۳) عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔(۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى رَمْلِ حَصِيْرٍ، فَرَأَيْتُ أَثَرَهُ فِيْ جَنْبِهِ۔ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اچانک دیکھا کہ آپ بنی ہوئی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۳۲۔

چٹائی پر سہارا لگائے (لیٹے) ہوئے تھے، میں نے اس چٹائی کے نشان آپ کے پہلو میں دیکھے، اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ متکئ: تکیہ اور سہارا لگانے والے۔ **رمل حصیر:** بنی ہوئی چٹائی، **جنب:** پہلو، بازو۔ **اثر:** نشان۔

تشریح: اس حدیث میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے، جس پر سورہ تحریم نازل ہوئی، اس موقع پر ایک خاص گفتگو کے لئے حضرت عمر فاروق تشریف لائے، تو آپ چٹائی پر آرام فرمارہے تھے، جس کے نشان آپ کے پہلو پر نمایاں تھے۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، فَقَدِمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ، فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ رَآهُمْ ثُمَّ قَالَ: أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ؟ قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ۔

حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت عروہ بن زبیر کو بتایا کہ عمرو بن عوف، جو بنی عامر بن لوی کے معاہد اور حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں حاضر تھے، نے مسور کو خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو (بحرین مال وصول کرنے کے لئے) بھیجا، چنانچہ وہ بحرین سے کچھ مال لائے تو انصاری صحابہ نے ابو عبیدہ کے آنے کا سن لیا، وہ نماز فجر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آگئے، جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پھر کر بیٹھے، تو وہ آپ ﷺ کے سامنے آگئے، آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے، اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے یہ سن لیا ہے کہ ابو عبیدہ کچھ لے کر آئے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خوشخبری سن لو اور اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کردے، اللہ کی قسم: میں تمہارے بارے میں فقر وفاقہ سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کو پھیلا دیا جائے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر وہ پھیلا دی گئی، پھر تم اس میں آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنے لگو گے، جیسا کہ انہوں نے اس میں سبقت کرنے میں مقابلہ کیا، پھر یہ دنیا تمہیں ہلاک کردے گی، جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ: يَا حَكِيمُ: إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ، بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ

لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، فَقَالَ حَكِيمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ: لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أُفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُوبَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا إِلَى الْعَطَاءِ، فَيَأْبَى أَنْ يَقْبَلَهُ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى حَكِيمٍ: أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هَذَا الْفَيْءِ، فَيَأْبَى أَنْ يَأْخُذَهُ، لَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى تُوُفِّيَ۔

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کچھ مال مانگا، آپ نے مجھے عطا فرمادیا، پھر میں نے آپ سے مانگا، آپ نے پھر عطا فرمادیا، پھر میں نے سوال کیا تو آپ نے مجھے عنایت فرمادیا پھر فرمایا: بے شک یہ مال سرسبز وشاداب اور شیریں ہے، جو شخص یہ مال سخاوت نفس کے ساتھ لے تو اس کے لئے اس میں برکت دیدی جاتی ہے، اور جو شخص نفس کی لالچ کے ساتھ وہ مال لے تو وہ اس کے لئے مبارک نہیں ہوتا اور وہ مال لینے والا اس شخص کی مانند ہے جو کھانا کھائے اور سیراب نہ ہو، اور اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، حضرت حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں آپ کے بعد کسی کے مال میں (اس سے مانگ کر) کچھ بھی کمی نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے جدا ہو جاؤں، (آپ کے بعد) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت حکیم کو عطیہ دینے کے لئے بلاتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کردیتے، پھر حضرت عمر نے انہیں بلایا تا کہ وہ انہیں کچھ دیں تو ان سے بھی قبول کرنے سے انکار کردیا، حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت: میں تمہیں حکیم پر اس بات کا گواہ بناتا ہوں، کہ میں مال فیٔ میں سے اسکا حق اسے پیش کرتا ہوں لیکن وہ اسے لینے سے انکار کردیتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم نے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے مال میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا (یعنی نہیں لیا) یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: ابْتُلِينَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا، ثُمَّ ابْتُلِينَا بَعْدَهُ بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَصْبِرْ۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تنگی اور تکلیف میں آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا پھر ہم آپ کے بعد وسعت وفراخی میں مبتلا ہوئے تو ہم صبر نہ کرسکے (یعنی دنیا میں مشغول ہو گئے)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ، جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ، جَعَلَ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا مقصد آخرت کی زندگی ہو تو اللہ تعالیٰ

اس کے دل میں غنا یعنی قناعت ڈال دیتے ہیں، اور اس کے لئے شیرازہ بندی کر دیتے ہیں، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، اور جس شخص کا مقصد محض دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر رکھ دیتا ہے، اور اس پر اس کے شیرازے کو منتشر کر دیتا ہے (یعنی اسے یکسوئی اور دلجمعی حاصل نہیں ہوتی) اور اس کے پاس صرف اتنی ہی دنیا آتی ہے، جتنی کہ اس کے لئے مقدر ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ: تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم: تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا تو میں تیرے دل کو غنا سے بھر دوں گا اور میں تیرے فقر (کے دروازے) کو بند کر دوں گا، اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دونوں ہاتھ محنت و مزدوری میں بھر دوں گا اور تیرے فقر و فاقہ کو بھی دور نہیں کروں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: وافوا: (ماضی کا صیغہ ہے) انصاری صحابہ آئے۔ تعرضوا له: وہ آپ ﷺ کے سامنے آگئے۔ املوا: تأمیل سے ہے: امید رکھو۔ تبسط: دنیا کشادہ کردی جائے، یعنی مال و دولت کی فراوانی ہو جائے۔ تنافسوها: سابقہ لوگوں نے دنیا میں ایک دوسرے سے بڑھنے میں مقابلہ کیا۔ خضرة: (خا پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر کے ساتھ) سرسبز و شاداب۔ حلوة: میٹھا، شیریں۔ سخاوة نفس: نفس کی سخاوت کے ساتھ یعنی بغیر کسی لالچ اور اصرار کے۔ اشراف: طمع اور لالچ۔ لا ارزأ: میں کمی نہیں کروں گا یعنی دوسروں سے مانگ کر ان کا مال کم نہیں کروں گا۔ ابتلینا: ہم آزمائے گئے۔ ضراء: فقر و فاقہ، تکلیف، مشقت۔ سراء: خوشحالی، مالی وسعت و فراوانی۔ همه: اس کا مقصد، اس کی فکر۔ شمل: (شین پر زبر اور میم کے سکون کے ساتھ) اجتماعیت، شیرازہ بندی۔ راغمة: ذلیل و رسوا۔ تفرغ: تو فارغ ہو جا یعنی میری عبادت میں مشغول رہے۔ اسد: میں بند کر دوں گا، میں دور کر دوں گا۔ شغل: (شین پر پیش اور غین کے سکون کے ساتھ) محنت و مزدوری، کام کاج۔ فیء: جنگ کے بغیر حاصل ہونے والا مال غنیمت۔

دنیا کی حرص باعث ہلاکت ہے

مذکورہ تمام احادیث سے قدر مشترک کے طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص مال و دولت کی محبت اور دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا ہو جائے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تباہ ہو جاتا ہے اور جو شخص آخرت کی زندگی کی فکر اور اس کی تیاری میں مصروف رہے، دنیا اور اس کی چمک دمک سے کنارہ کش رہے، تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوگا، اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے، اس کے کاروبار، مال و دولت اور ہر امر میں اللہ کی طرف سے برکت پیدا ہو جاتی ہے، نیز ان احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) پہلی حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا کے حصول میں زیادہ منہمک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دنیا کے حصول میں اس قدر انہماک کہ جس سے آدمی یادِ الٰہی سے غافل ہو جائے، یہ باعث ہلاکت ہے، چنانچہ پہلی امتیں بھی دنیا میں انہماک اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے مقابلے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں، اس لحاظ سے مال و دولت اور ثروت و مالداری ایک بہت بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔

(۲) دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مالی معاملات استغناء کے ساتھ کرے، نا لالچ اور حرص کی اس میں آمیزش نہ ہو، وہ مال دیتا ہے تو بھی اس میں اس کے دل میں کوئی حرص نہیں ہوتی، اگر کسی سے مال وصول کرتا ہے تو بھی استغناء کا دامن نہیں چھوڑتا تو ایسے آدمی کے ہر امر میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالدیتے ہیں، اور فرمایا: دینے والا ہاتھ اس ہاتھ سے بہتر ہے جو لینے والا ہے، چنانچہ حدیث کے راوی حضرت حکیم بن حزام کا عمل اس کے بعد یہ ہو گیا تھا کہ کسی سے مال نہیں لیتے تھے، ان کے کمال تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنا حق فَی بھی نہیں لیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو اللہ کے راستے میں جس قدر ہو سکے، خرچ کرنے کا معمول بنانا چاہیے۔

(۳) جو شخص آخرت کو اپنا غم بنالے، اس کی تیاری اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائے تو دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، فقر و فاقہ کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں، دنیا کے جھمیلوں اور محنت و مزدوری کی مشقت سے بچ جاتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے، طرح طرح کے مسائل سے ہر وقت دو چار رہتا ہے، اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دنیا کے بجائے اپنی آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے کی کوشش کرے، یوں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔[۱]

بَابٌ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ لَنَا قِرَامُ سِتْرٍ، فِيهِ تَمَاثِيلُ عَلَى بَابِي، فَرَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: انْزِعِيهِ فَإِنَّهُ يُذَكِّرُنِي الدُّنْيَا، قَالَتْ: وَكَانَ لَنَا سَمَلُ قَطِيفَةٍ، عَلَمُهَا حَرِيرٌ، كُنَّا نَلْبَسُهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک باریک، مختلف رنگوں والا اونی پردہ تھا جس میں کچھ تصویریں تھیں، وہ میرے دروازے پر تھا، اسے نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: تم اس پردے کو اتار دو کیونکہ وہ مجھے دنیا یاد دلاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک جھالردار پرانی چادر تھی، اس کے نقش ریشم کے تھے، ہم اسے پہنتے (یعنی اوڑھتے) تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قِرام: (قاف کے نیچے زیر اور را پر زبر کے ساتھ) منقش یا مختلف رنگوں کا اونی باریک پردہ۔ تماثیل: تمثال کی جمع ہے: تصویر، مجسمہ۔ انزعیه: اس پردے کو تم اتار دو۔ سمل: (سین اور میم پر زبر کے ساتھ) بوسیدہ اور پرانا کپڑا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۳۸/۷، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء ۱۰۵/۹

لطیفہ: جھالرداد چادر۔ علم: (عین اور لام پر زبر کے ساتھ) نقش، علامت، نشان۔ کنا نلبسھا: ہم اسے پہنتے تھے یعنی اوڑھتے تھے۔

مسئلہ تصویر

جاندار کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا حرام ہے، جو لوگ تصویر کھینچتے یا کھنچواتے ہیں، ان کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں، انہیں قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ ان میں روح ڈالیں، لیکن وہ ان میں جان نہیں ڈال سکیں گے، معنی یہ ہیں کہ انہیں اس پر شدید عذاب ہوگا، یہ حکم بہت سی احادیث صحیحہ، صحابہ کرام، تابعین کے اقوال اور ان کے عمل سے ثابت ہے، اور فقہاء کرام کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ اگر تصویر مجسموں کی شکل میں ہو اور اس کے وہ تمام اعضاء موجود ہوں جن پر زندگی کا انحصار ہوتا ہے، نیز وہ تصویر بہت چھوٹی بھی نہ ہو، اور گڑیوں کی قسم سے بھی نہ ہو تو اس کے حرام ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے یعنی اس کا بنانا اور استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

البتہ ایسی جگہ جہاں آدمی بیٹھتا، چلتا یا لیٹتا ہے چونکہ یہ موضع تحقیر ہے اس لئے اکثر علماء نے ایسی صورت میں تصویر رکھنے کو حرام نہیں کہا ہے، لیکن اگر تصویر مجسموں کی شکل میں نہ ہو بلکہ وہ کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر اس طرح بنی ہوئی ہو کہ اس کا سایہ نہ پڑتا ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس قسم کی تصویر کے جواز اور عدم جواز کی دونوں روایتیں منقول ہیں، بعض نے اس کو حرام کہا ہے، اور اکثر مالکی علماء کرام نے اسے مکروہ لکھا ہے۔ (۱)

کیمرے کی تصویر کا حکم

جو تصویر کیمرے سے بنائی جائے، اس کے بارے میں اگرچہ مصر کے بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن جمہور اہل فتاویٰ کے نزدیک یہ تصویر بھی حرام ہے، ہاں ضرورت کے مواقع پر اس تصویر کی گنجائش ہے مثلاً پاسپورٹ، ویزے، یا شناختی کارڈ کے لئے، یا ایسے مواقع پر تصویر کھنچوانا، جہاں انسان کے چہرے کی شناخت ضروری ہو۔

ڈیجیٹل سسٹم یعنی ٹی وی، موبائل، ویڈیو اور کمپیوٹر کی تصویر کا حکم

ڈیجیٹل سسٹم کے ذریعہ جو تصویر ٹی وی، موبائل، ویڈیو اور کمپیوٹر کی سکرین پر آتی ہے آیا یہ بھی حرام تصویر میں داخل ہے یا نہیں؟

اس میں علماء عصر کے درمیان اختلاف ہے، جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ بھی حرام تصویر میں داخل ہے، اس میں اور سادے کیمرے کی تصویر کے درمیان حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں یعنی دونوں ہی حرام ہیں۔

البتہ بعض محقق علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں، کیونکہ اس میں تصویر کی بنیادی شرط "ثابت وقرار" ہونا نہیں

(۱) اکمال اکمال المعلم للأبی ۲۹۴/۵ باب لا تدخل الملائکۃ

پائی جارہی، بلکہ یہ عکس ہے جیسے جدید آلات کے ذریعہ شعاؤں اور لہروں کو محفوظ کرلیا جاتا ہے، لہذا اس پر تصویر کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ہاں اگر اس کا پرنٹ لے لیا جائے تو پھر وہ حرام تصویر کے حکم میں داخل ہوجائے گی۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ٹی وی، ویڈیو اور کمپیوٹر سی ڈیز میں آنے والی اور محفوظ کی جانے والی تصویر میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو، لیکن اگر اس میں منکرات، ناجائز پروگرام اور امور ہوں اور شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ تصویر بالاتفاق ناجائز اور حرام ہوگی۔

موجودہ دور میں ٹی وی کا عام استعمال چونکہ خلاف شرع امور پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس وقت ٹی وی کو اپنے گھر میں رکھنا اور اس کے ناجائز پروگرام سننا ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی ٹی وی چینل ان مفاسد ومنکرات سے پاک ہو یا کوئی عالم دین ممکنہ احتیاطوں کے ساتھ، مفاسد سے احتراز کرتے ہوئے، دینی ضرورت سے متعلق امور بیان کرنے کے لئے ٹی وی چینلز پر آئے یا ٹی وی پروگرام میں کوئی وعظ ونصیحت کی بات کرے یا جائز تدریسی مقاصد کے لئے اسے استعمال کرے یا کمپیوٹر، سی ڈیز اور ویڈیو میں شرعی قباحتوں سے پاک کچھ اسلامی پروگرام مرتب کئے جائیں تو بعض علماء کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ وِسَادَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الَّتِي يَضْطَجِعُ عَلَيْهَا مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهَا لِيفٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا تکیہ یعنی بچھونا جس پر آپ لیٹتے تھے چمڑے کا تھا، جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا، قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کی تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس میں سے صرف دستی کا گوشت بچا ہے، آپ نے فرمایا: (جو صدقہ کیا ہے وہ) سارا باقی ہے (آخرت کے اعتبار سے) سوائے دستی کے گوشت کے (جسے صدقہ نہیں کیا اور بچا کر رکھ لیا گیا)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ نَارًا، إِنْ هُوَ إِلَّا الْمَاءُ وَالتَّمْرُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیشک ہم اہل بیت ایک ایک مہینہ اس طرح گذار دیتے، کہ ہم آگ تک نہ جلاتے، ہماری خوراک صرف پانی اور کھجور ہوتی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَعِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيرٍ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ قُلْتُ: لِلْجَارِيَةِ:

(۱) فتوی جامعہ دارالعلوم کراچی، فتوی نمبر: ۹۸/۱۰۹۸، مورخہ ۱۴۲۹/۱۰/۵ھ، کشف الباری، کتاب اللباس ص: ۳۰۳-۳۰۹، فقہی مقالات ۱۰۶/۴، فتاوی حقانیہ، باب التصاویر، جدید آلات کا حکم ۳۳۲/۲، فتاوی محمودیہ ۱۶۹/۵،

کیلیہ، فکالتہ، فلم یلبث أن فنی، قالت: فلو کنا ترکناہ، لأکلنا منہ أکثر من ذلک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وفات پائی اور ہمارے پاس کچھ جو تھے، اس میں سے ہم کھاتے رہے جب تک اللہ نے چاہا، پھر میں نے باندی سے کہا: اس جو کو تم ناپ لو، چنانچہ اس نے اسے ناپ لیا، پھر جلد ہی وہ ختم ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، اگر ہم انہیں یوں ہی چھوڑ دیتے (نہ ناپتے) تو ہم اس میں سے اس سے کہیں زیادہ عرصہ کھاتے رہتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: وسادۃ: (واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ) تکیہ۔ أدم: (ہمزے اور دال پر زبر کے ساتھ) ادیم کی جمع ہے: چمڑا۔ حشو: (حا پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) بھراؤ۔ لیف: کھجور کے درخت کی چھال۔ کتفھا: بکری کا شانہ یعنی اس کی دستی کا گوشت۔ مانستوقد: ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔ شطر: (شین پر زبر اور طا کے سکون کے ساتھ) جز، حصہ، کچھ۔ کیلیہ: تم اس جو کو ناپ دو۔ فلم یلبث: پس وہ نہیں ٹھہرے۔

نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی قناعت پسندی

مذکورہ احادیث سے نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی قناعت پسندی ثابت ہوتی ہے کہ انہیں اپنے رہن سہن اور کھانے پینے کے لئے جو کچھ بھی میسر آجاتا، اسی پر قناعت فرماتے، ان کی نظر میں آخرت کی زندگی تھی کہ اسے بنالیا جائے، اس میں کامیابی کی کوشش اور وہاں کی ذلت سے بچا جائے، یہی ہے ان کی کامیابی کا راز، آج اہل اسلام نے دنیا کی زندگی کو اپنا مقصود اور منتہائے نظر بنا رکھا ہے، اس کے حصول میں صبح شام مصروف ہیں اور آخرت کی زندگی کو اعمال کے اعتبار سے پس پشت ڈال دیا ہے، اس کی طرف ان کو توجہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

پہلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تکیہ چمڑے کا تھا، اور اس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، شارحین فرماتے ہیں کہ تکیہ سے یہاں بستر مراد ہے کہ آپ ﷺ کا بچھونا اس قسم کا تھا، چنانچہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں جو چیز صدقہ کر دی جائے، وہ اللہ کے ہاں محفوظ ہو جاتی ہے، اسے زوال نہیں آتا، اور جو اللہ کے راستے میں صدقہ نہ کیا جائے تو وہ بالآخر فنا ہو جاتی ہے، اسے زوال سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اس سے در حقیقت اس آیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ ہمیشہ باقی رہے گا)۔

تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو کھانے پینے کی جو کچھ بھی روکھی سوکھی چیز میسر ہو جائے، اس پر قناعت کرے، ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا اور اس میں تکلف کرنا درست نہیں ہے۔

چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو استعمال کی کھانے پینے کی چیزوں میں ناپ تول استعمال نہ کیا جائے کہ اس سے

برکت اٹھ جاتی ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے پاس کچھ جو گھر میں موجود تھے، جبکہ حضرت عمرو بن حارث مصطلقی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کوئی مال نہیں چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار اور نہ اور کچھ، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ دونوں حدیثوں کا مفہوم اور محل الگ الگ ہے، حضرت عمرو بن حارث کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ذاتی مال کچھ بھی نہیں چھوڑا، اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں جس "جو" کے چھوڑنے کا ذکر ہے اس سے حضرت عائشہ کا اپنا خرچہ مراد ہے جو حضور ﷺ نے آپ کو دیدیا تھا، اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

پھر ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ اگر ہم اس جو کو نہ ناپتے تو اس سے زیادہ عرصہ تک اسے کھاتے رہتے، گویا ہمیں کیل نہیں کرنا چاہئے تھا جبکہ حضرت مقداد بن معدیکرب کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: تم اپنے غلہ میں کیل کرو، اسے ناپ لو، یہ تمہارے لئے باعث برکت ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ کیل کرنا چاہیے،.....؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں، کیونکہ جس حدیث میں غلہ کو ناپنے کا حکم ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خرید وفروخت کے وقت غلہ کو ناپا کرو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے وقت غلہ کو نہ ناپا جائے کہ یہ بخل کی علامت ہے اور اس سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ إِبِطُ بِلَالٍ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا (کے دین کو ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے) کی راہ میں جس طرح مجھے خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا، ایسا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جس قدر مجھے اذیتیں پہونچائی گئیں، اس طرح کسی اور (نبی) کو نہیں ستایا گیا، اور بلاشبہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گذری ہیں، جن میں میرے اور بلال کے لئے کھانے کا ایسا کوئی سامان نہیں تھا، جس کو کوئی جگر والا (یعنی کوئی جانور) کھاتا ہے، سوائے اس معمولی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چھپا کر رکھتے تھے۔

وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيْثِ حِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ هَارِباً مِنْ مَكَّةَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، إِنَّمَا كَانَ مَعَ بِلَالٍ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَحْمِلُهُ تَحْتَ إِبِطِهِ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں جب نبی کریم ﷺ اہل مکہ سے بیزار ہو کر نکلے تو اس وقت آپ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۴۲۔

کے ساتھ حضرت بلال تھے، اور حضرت بلال کے ساتھ کچھ کھانا تھا، جسے انہوں نے اپنے بغل کے نیچے اٹھا رکھا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: اُخفت: (مجہول کا صیغہ ہے) مجھے ڈرایا گیا، خوف و دہشت میں ڈالا گیا۔ اُوذیت: (ماضی مجہول) مجھے دکھ، درد اور ایذاء پہونچائی گئی۔ ذو کبد: جگر والا یعنی جاندار۔ یواریہ: اس کو چھپا رکھا ہے۔ ابط: (ہمزے اور با کے نیچے زیر) بغل۔

حضور ﷺ کے فقر و فاقہ اور آزمائشوں کا ذکر

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اللہ کے راستے میں نبی کریم ﷺ کو جس قدر خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا اور جس قدر آپ کو تکلیفیں پہونچائی گئیں، اتنا کسی اور نبی کو نہیں آزمایا گیا، کیونکہ جو شخص جتنا اللہ کے ہاں قریب ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ اس پر تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہیں، اور آپ ﷺ کو چونکہ اللہ کے ہاں انتہائی اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے، اس لئے آپ پر اسی اعتبار سے طرح طرح کے امتحانات اور آزمائشیں آئیں، آپ ان پر صبر فرماتے رہے، زبان مبارک پر بلکہ حاشیہ خیال میں بھی کبھی حرف شکوہ کا تصور تک نہیں آیا، کفار اور اللہ کے دین کے دشمن آپ کو تکلیف پہونچانے اور ستانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کر گذرتے لیکن رحمۃ اللعالمین کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعا تو کیا، خیر اور ہدایت کی دعا ہی جاری ہوتی، تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

(۲) دعوت اسلام کی خاطر آپ ﷺ نے فقر و فاقہ اور تنگی بھی برداشت کی۔ چنانچہ ایک سفر میں آپ نے پورا مہینہ یوں گذارا کہ آپ کے رفیق حضرت بلال کے پاس کھانے کی انتہائی معمولی مقدار تھی، جسے وہ بغل کے نیچے چھپائے رہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی راہ میں اگر فقر و فاقہ پیش آجائے تو اس پر گلہ و شکوہ کے بجائے، صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے، ان ایام کو اپنے اوپر عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، اس لحاظ سے یہ وقت بھی ایک طرح سے عبادت میں گذرنے والا ہو جائے گا۔

امام ترمذی نے جو یہ فرمایا کہ "اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس وقت سے نہیں جب آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی کیونکہ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال نہیں تھے بلکہ یہ واقعہ غالباً اس وقت کا ہے جب آپ ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

چنانچہ نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابو طالب کی وفات ہوگئی، اس کے کچھ عرصہ بعد ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہوگئی، یہ دونوں حادثے آپ کے لئے انتہائی المناک اور سخت تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سال کو "عام الحزن" یعنی "غم کا سال" فرمایا، آپ ﷺ کے چچا کی وفات کے بعد کفار مکہ نے اپنی ایذاء رسانیوں میں مزید اضافہ کر دیا، اس وقت تنگ آکر نبی کریم ﷺ نے سفر طائف کا ارادہ فرما لیا، تاکہ وہاں لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ تھے، یہ سفر سارا پیدل ہوا، وہاں پہونچ کر طائف کے سردار عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی، وہ نہ مانا، مسلسل

ایک ماہ آپ اہل طائف کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہے، مگر انہوں نے آپ کی ایک بات نہیں سنی اور کسی ایک کو بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ اس سردار نے اپنے اوباش قسم کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ جس قدر ہو سکے آپ کو تکلیفیں پہونچائیں۔

چنانچہ ان بدبختوں نے آپ پر پتھر برسانے شروع کئے، جس سے نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک شدید زخمی ہو جاتے تھے، اور اتنا خون بہتا تھا کہ آپ کے نعلین مبارک اس سے بھر جاتے تھے، جب آپ پتھر کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑتے تھے تو وہ لوگ آپ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تھے اور آپ آگے چلتے تو پیچھے سے پھر پتھراؤ شروع کر دیتے تھے اور خوش ہو ہو کر تالیاں بجاتے اور قہقہے لگاتے تھے، حضرت زید بن حارثہ جس طرف سے پتھر آتا دیکھتے، اس طرف خود کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کو بچاتے اور پتھر کو اپنے سر پر لے لیتے تھے، یہاں تک کہ حضرت زید کا سر بھی پتھروں کے زخم سے چور چور ہو گیا۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا، جو آپ ﷺ پر سایہ کرنے لگا اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک اور فرشتے کے ساتھ حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی قوم کی ساری باتیں سنیں اور آپ کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا ہے، اس کو دیکھا، میرے ساتھ پہاڑوں کی خدمت پر مامور فرشتہ ہے، اگر آپ حکم دیں، تو یہ ان پہاڑوں کو ملا کر اہل طائف کو تباہ و برباد کر دے، کیونکہ انہوں نے آپ کو ستانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اس پر راضی نہیں، میں رحمۃ للعالمین نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ زندہ رہے تو ممکن ہے، کہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں، جو رب العالمین پر ایمان لے آئیں اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر لیں۔

بالآخر نبی کریم ﷺ طائف سے ایک ماہ کے بعد اس طرح واپس ہوئے کہ فقر و فاقہ اور اہل طائف کی تکلیفوں سے جسم نڈھال تھا اور ٹخنے مبارک خون سے لہولہان تھے، اس سب کے باوجود آپ کی زبان مبارک پر بددعا کے بجائے ہدایت کے الفاظ جاری تھے۔

رہی یہ بات کہ حدیث میں اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت بلال کا ساتھ ہونا مذکور ہے، جبکہ مذکورہ واقعہ میں حضرت زید بن حارثہ کا ذکر ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے یہ سفر کئی دفعہ ہوئے ہوں، اور کسی سفر میں حضرت بلال اور حضرت زید بن حارثہ دونوں ہی آپ کے ساتھ رہے ہوں، تاہم یہ طے ہے کہ حدیث کا یہ واقعہ سفر ہجرت سے متعلق نہیں، کیونکہ اس میں حضرت بلال آپ کے ساتھ نہیں تھے۔(۱)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ: خَرَجْتُ فِي يَوْمٍ شَاتٍ مِنْ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَخَذْتُ إِهَاباً مَعْطُوناً، فَجَوَّبْتُ وَسَطَهُ، فَأَدْخَلْتُهُ فِي عُنُقِي، وَشَدَدْتُ وَسَطِي، فَحَزَمْتُهُ بِخُوصِ النَّخْلِ، وَإِنِّي لَشَدِيدُ الْجُوعِ وَلَوْ كَانَ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ طَعَامٌ لَطَعِمْتُ مِنْهُ، فَخَرَجْتُ أَلْتَمِسُ شَيْئاً فَمَرَرْتُ بِيَهُودِيٍّ فِي مَالٍ لَهُ وَهُوَ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۳۳۹ کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، تحفۃ الاحوذی ۷/۱۳۲۔

يَسْقِي بِبَكْرَةٍ لَهُ، فَاطَّلَعْتُ عَلَيْهِ مِنْ ثُلْمَةٍ فِي الْحَائِطِ، فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَعْرَابِيُّ؟ هَلْ لَكَ فِي دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَافْتَحِ الْبَابَ، حَتَّى أَدْخُلَ، فَفَتَحَ فَدَخَلْتُ فَأَعْطَانِي دَلْوَهُ، فَكُلَّمَا نَزَعْتُ دَلْوًا أَعْطَانِي تَمْرَةً حَتَّى إِذَا امْتَلَأَتْ كَفِّي أَرْسَلْتُ دَلْوَهُ وَقُلْتُ: حَسْبِي فَأَكَلْتُهَا، ثُمَّ جَرَعْتُ مِنَ الْمَاءِ، فَشَرِبْتُ ثُمَّ جِئْتُ الْمَسْجِدَ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِيهِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں سردی کے دنوں میں نبی کریم ﷺ کے گھر سے نکلا اور میں نے ایک بدبودار چمڑا لیا، جس کے بال جھڑے ہوئے تھے، پھر میں نے اسے درمیان سے کاٹا اور اسے میں نے اپنی گردن میں ڈال لیا اور میں نے اپنی کمر باندھ دی اور میں نے اسے کھجور کی شاخوں سے باندھا، اور میں اس وقت واقعی شدید بھوکا تھا، اگر حضور ﷺ کے گھر میں کچھ کھانا ہوتا تو میں اس میں سے ضرور کھالیتا، پھر میں کسی چیز کی تلاش میں نکلا تو میں ایک یہودی کے پاس سے گذرا، جو اپنے باغ میں تھا اور وہ اپنی ایک چرخی سے (باغ کو) پانی دے رہا تھا، میں نے دیوار کے ایک شگاف سے اسے جھانکا تو وہ کہنے لگا: اے دیہاتی تجھے کیا ہے؟ کیا تو ایک کھجور کے عوض پانی کا ڈول (کنویں سے) کھینچے گا؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو دروازہ کھول تا کہ میں باغ میں داخل ہو جاؤں، چنانچہ اس نے دروازہ کھولا، میں داخل ہوا، تو اس نے مجھے اپنا ڈول دیا، جب میں ایک ڈول پانی کھینچ لیتا تو وہ مجھے ایک کھجور دیدیتا، یہاں تک کہ جب میری مٹھی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول چھوڑ دیا اور میں نے کہا: بس مجھے کافی ہے، میں نے وہ کھجور کھائی اور پھر چند گھونٹ پانی پیا، اور واپس مسجد نبوی میں آیا تو نبی کریم ﷺ کو وہیں موجود پایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ جُوعٌ، فَأَعْطَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَمْرَةً تَمْرَةً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور دی۔

مشکل الفاظ کے معنی: یوم شات: سردی والا دن، ٹھنڈا دن۔ اہاب: چمڑا، کھال۔ معطونا: بدبودار، سڑا ہوا چمڑا جس کے بال دباغت کی وجہ سے جھڑ گئے ہوں۔ جوبت: میں نے کاٹا۔ وسط: درمیانہ حصہ، کمر، پشت۔ شددت، حزمت: میں نے باندھا۔ خوص: خوصۃ کی جمع ہے: کھجور کی شاخیں، پتے۔ بکرۃ: (با پر زبر اور کاف کے سکون کے ساتھ) چرخی، جس سے وزنی چیز کھینچی جاتی ہے۔ ثلمۃ: (ثاء پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ) شگاف، سوراخ۔ امتلأت کفی: میری مٹھی بھر گئی۔ جرعت من الماء: میں نے چند گھونٹ پانی پیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر و فاقہ

ان احادیث سے صحابہ کرام کا فقر و فاقہ اور معاشی تنگدستی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دین پر عمل کرنے کی خاطر ہر قسم کی تکلیف

اور مشکل برداشت کرتے تھے، یہی حال ان صحابہ کرام کا بھی تھا، جو اصحاب صفہ تھے، جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ باب کی دوسری حدیث میں سفر کا واقعہ ہے کہ دور دراز کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی تو آپ ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور عنایت فرمائی۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَنَحْنُ ثَلَاثُمِائَۃٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلٰی رِقَابِنَا، فَفَنِیَ زَادُنَا، حَتّٰی کَانَ یَکُوْنُ لِلرَّجُلِ مِنَّا کُلَّ یَوْمٍ تَمْرَۃٌ، فَقِیْلَ لَہٗ یَا أَبَا عَبْدِ اللّٰہِ: وَأَیْنَ کَانَتْ تَقَعُ التَّمْرَۃُ مِنَ الرَّجُلِ؟ قَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَھَا حِیْنَ فَقَدْنَاھَا، فَأَتَیْنَا الْبَحْرَ فَإِذَا نَحْنُ بِحُوْتٍ، قَدْ قَذَفَہُ الْبَحْرُ، فَأَکَلْنَا مِنْہُ ثَمَانِیَۃَ عَشَرَ یَوْمًا مَا أَحْبَبْنَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا، ہم تین سو افراد تھے، ہم اپنا توشہ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے تھے، (یعنی وہ توشہ تھوڑا تھا) پھر ہمارا توشہ ختم ہوگیا، یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ ہم میں سے ہر آدمی کے حصہ میں روزانہ ایک ایک کھجور آتی، تو ان سے (یعنی حضرت جابر سے) پوچھا گیا کہ اے ابوعبداللہ: ایک آدمی کا ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہمیں اس ایک کھجور کی قدر اس وقت ہوئی، جب ہم اس سے بھی محروم ہوگئے پھر ہم سمندر کے کنارے پر آگئے تو اچانک ہم ایک مچھلی کے پاس آٹھہرے، جسے سمندر نے پھینک دیا تھا، پھر ہم اس میں سے اٹھارہ دن تک کھاتے رہے، جس قدر کہ ہم نے چاہا۔

سریہ سیف البحر

سن چھ ہجری یا اس سے بھی پہلے نبی کریم ﷺ نے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں قریش کے قافلے کی گھات لگانے کے لئے بھیجا، یہ حضرات سمندر کے کنارے پر تقریباً آدھا مہینہ ٹھہرے رہے اور پھر واپس آگئے،

اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سریہ کو جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا تھا، جو سمندر کے ساحل پر رہتے تھے، پھر یہ حضرات نصف ماہ کے بعد بغیر کسی لڑائی کے واپس آگئے،

بظاہر دونوں میں تعارض ہے کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریہ قریش کے قافلے کی گھات اور نگرانی کے لئے گیا تھا، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہینہ کے ایک قبیلے کی طرف بھیجا گیا تھا،

اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کی طرف بھیجے گئے ہوں، اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

صحابہ کرام کا قیام چونکہ ساحل سمندر پر رہا تھا، اس لئے اسے ''سریہ سیف البحر'' کہا جاتا ہے، اور اس سفر میں صحابہ کرام

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۴۵/۷۔

رضی اللہ عنہم کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی نہیں بچی تھی، یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے جاتے تھے، اس لئے اسے "غزوۃ الخبط" بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

فأكلنا منه ثمانية عشر يوماً

اس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے، اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں مہینے کا اور ایک دوسری روایت میں پندرہ دن کا ذکر ہے، بظاہر دنوں کی تعداد میں تعارض لازم آرہا ہے؟

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ وہ روایت جس میں مہینے کا ذکر ہے، وہ چونکہ زیادہ مقدار کو ثابت کر رہی ہے، اس لئے وہ راجح ہے اور جن روایات میں کم دنوں کا ذکر ہے، ان سے اکثر کی نفی ثابت نہیں ہوتی، اس لئے تعارض نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ جس روایت میں اٹھارہ کا ذکر ہے وہ اصل ہے، اور جن روایات میں پندرہ دن یا مہینے کا ذکر ہے، ان میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے راویوں کی توجہ اصل قصہ کے بیان کی طرف ہوتی ہے، اس میں وہ پورا اہتمام کرتے ہیں، دنوں کی تعداد یا اس جیسی چیزوں کی طرف وہ خاص توجہ نہیں فرماتے، کیونکہ یہ مقصود نہیں، ایسے میں اگر کوئی تعارض پیش آجائے تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔(۲)

سمک طافی کا مسئلہ

سمک طافی: وہ مچھلی ہے جو سمندر کے اندر از خود طبعی موت مرجائے اور پانی کے اوپر آجائے، اس مچھلی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سمک طافی حلال ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسکی حرمت کے قائل ہیں۔

جمہور کا استدلال:

(۱) هو الطهور ماءه والحل ميتته، آئمہ ثلاثہ "میتہ" سے غیر مذبوح مراد لیتے ہیں، اس لئے سمک طافی حلال ہے۔

(۲) مذکورہ حدیث سے استدلال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عنبر نامی مچھلی استعمال کی تھی، جو انہیں مری ہوئی ملی تھی، اس کے باوجود وہ اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔

(۳) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے جس میں سمک طافی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت جابر کی روایت سے ہے جسے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے

---

(۱) فتح الباری ۹۸/۸ کتاب المغازی، باب غزوة سيف البحر

(۲) تكملة فتح الملهم ۵۰۴/۳ كتاب الصيد باب اباحة ميتات البحر۔

ارشاد فرمایا: مَا أَلْقَى الْبَحْرُ أَوْ جَزَرَ عَنْهُ فَكُلُوْهُ وَمَا مَاتَ فِيْهِ وَطَفَا فَلَا تَأْكُلُوْهُ

جس کو سمندر ڈال دے یا جس سے سمندر خشک ہوجائے (یعنی مچھلی کنارے پر ہی رہ جائے، پانی کے ساتھ واپس نہ جائے) تو تم اسے کھالو، اور جو اس میں طبعی موت مرجائے اور اوپر تیرنے لگے، تو اسے نہ کھاؤ)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ سمک طافی کو نہ کھائیں، اور یہ اصول ہے کہ حلت وحرمت میں جب تعارض آجائے، تو احتیاط اسی میں ہے کہ حرمت کو ترجیح دی جائے۔

جمہور کے استدلال کے جواب:

(۱) حدیث میں "میتہ" سے غیر مذبوح نہیں، بلکہ وہ جانور مراد ہے، جس میں بہنے والا خون نہ ہو جیسا کہ احلت لنا میتتان میں "میتہ" سے یہی معنی مراد ہیں۔

اور حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ حدیث میں "الحل میتہ" میں "الحل" سے طاہر مراد ہے کہ سمندر کا مردار طاہر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہوجاتا ہے، اس شبہ کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا میتہ طاہر رہتا ہے۔

(۲) حدیث عنبر سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں، جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ عنبر، سمک طافی تھی، ہوسکتا ہے کہ سمندر نے اس کو خشکی کی طرف پھینک دیا ہو، اور اس کے نتیجے میں وہ مری ہو، ایسی مچھلی کا کھانا بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) اس اثر کے بارے میں شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں شدید اضطراب ہے اور اگر بالفرض اسے سند کے لحاظ سے صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی کا اجتہاد ہوسکتا ہے، جو حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اثر میں "میتہ" سے وہ مچھلی مراد ہو جو کسی سبب خارجی سے مری ہو۔[1]

جھینگے کا حکم

حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تو جھینگا حلال ہے، احناف کے نزدیک اس کے حکم کا مدار اس بات پر ہے کہ جھینگا مچھلی ہے یا نہیں؟ علم حیوانات کے جدید ماہرین کے نزدیک جھینگا مچھلی نہیں، کیونکہ ماہرین کے نزدیک مچھلی ریڑھ کی ہڈی والا وہ جانور ہے جو گلپھڑوں کے ذریعہ سانس لیتا ہے، جبکہ یہ تعریف جھینگے پر صادق نہیں آتی لیکن اس کے برعکس مشہور اہل لغت نے جھینگے کو مچھلی میں شمار کیا ہے ابن درید، علامہ فیروزآبادی، علامہ زبیدی اور دمیری کی یہی رائے ہے، اسی بناء پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مفتی عبدالرحیم لاجپوری اور مفتی عبدالسلام چاٹگامی نے جھینگے کو مچھلی میں شمار کیا ہے، ان کے نزدیک یہ حلال ہے، استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ جھینگے کے مسئلے میں سختی نہ کی جائے

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵۱۲/۳، درس ترمذی ۲۸۲/۱، تحفۃ الاحوذی ۱۴۲/۷۔

کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، جو باعث تخفیف ہے، تاہم چونکہ یہ حلت وحرمت کا مسئلہ ہے، اس لئے اس کے کھانے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔(۱)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ: إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، مَا عَلَيْهِ إِلاَّ بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ؟ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ: نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ، نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا، أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد (نبوی یا قباء) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے، ان کے جسم پر صرف ایک ایسی دھاری دار چادر تھی، جسے پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ نے جب انہیں (اس حالت میں) دیکھا تو رو پڑے، اس ناز ونعمت کا خیال کر کے، جس میں وہ پہلے تھے اور اس حال کو دیکھ کر جس میں آج وہ ہیں، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا کہ جب تم میں سے ایک، صبح ایک عمدہ جوڑا پہنےگا اور شام میں دوسرا عمدہ پوشاک پہنےگا (یعنی صبح وشام کپڑے بدلےگا) اور اس کے سامنے ایک پلیٹ رکھی جائے گی اور دوسری اٹھائی جائے گی (یعنی مختلف قسم کی ڈشیں اور کھانے ہوں گے) اور تم اپنے گھروں پر پردے ڈالوگے (یعنی قیمتی پردوں سے انہیں آراستہ کروگے) جیسے بیت اللہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہم اس دن آج کے مقابلے میں بہتر ہوں گے، ہم عبادت کے لئے فارغ ہوں گے اور محنت ومشقت سے ہماری کفایت کی جائے گی (یعنی محنت وعمل کے لئے خادم ہوں گے) اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ تم آج بہت بہتر ہو، اس دن کے مقابلے میں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافَ أَهْلِ الإِسْلاَمِ، لاَ يَأْوُونَ عَلَى أَهْلٍ وَلاَ مَالٍ، وَاللّٰهِ الَّذِي لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ، إِنْ كُنْتُ لأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ، وَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ فِيهِ، فَمَرَّ بِي أَبُو بَكْرٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلاَّ لِيَسْتَتْبِعَنِي فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلاَّ لِيَسْتَتْبِعَنِي، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ، فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَقَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: الْحَقْ، وَمَضَى، فَاتَّبَعْتُهُ، وَدَخَلَ مَنْزِلَهُ، فَاسْتَأْذَنْتُ فَأَذِنَ لِي، فَوَجَدَ قَدَحًا مِنَ اللَّبَنِ، فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ لَكُمْ؟ قِيلَ: أَهْدَاهُ

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۱۳/۳ کتاب الصید، مسألة الروبیان، کشف الباری ص: ۲۵۶، کتاب الذبائح، باب قول الله: أحل لكم صيد البحر۔

لَكَ فُلانٌ۔

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَبَا هُرَيْرَةَ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ، قَالَ: الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ، وَهُمْ أَضْيَافُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلٍ وَلَا مَالٍ، إِذَا أَتَتْهُ الصَّدَقَةُ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ فَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا، فَسَاءَنِي ذٰلِكَ، وَقُلْتُ: مَا هٰذَا الْقَدَحُ بَيْنَ أَهْلِ الصُّفَّةِ وَأَنَا رَسُولُهُ إِلَيْهِمْ، فَسَيَأْمُرُنِي أَنْ أُدِيرَهُ عَلَيْهِمْ فَمَا عَسَى أَنْ يُصِيبَنِي مِنْهُ؟ وَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ أُصِيبَ مِنْهُ مَا يُغْنِينِي، وَلَمْ يَكُنْ بُدٌّ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ فَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ قَالَ: أَبَا هُرَيْرَةَ: خُذِ الْقَدَحَ فَأَعْطِهِمْ، فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُنَاوِلُهُ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتّٰى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّهُ فَأُنَاوِلُهُ الْآخَرَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَتَبَسَّمَ وَقَالَ: أَبَا هُرَيْرَةَ: اشْرَبْ، فَشَرِبْتُ، ثُمَّ قَالَ: اشْرَبْ، فَلَمْ أَزَلْ أَشْرَبُ وَيَقُولُ: اشْرَبْ ثُمَّ قُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ: مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا، فَأَخَذَ الْقَدَحَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَسَمّٰى وَشَرِبَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ مسلمانوں کے مہمان تھے، وہ نہ تو اپنے اہل کی طرف پناہ لیتے تھے اور نہ مال کی طرف، قسم ہے اللہ جل شانہ کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں، بیشک میں بھوک کی وجہ سے اپنا جگر (یعنی اپنا پیٹ) زمین کے ساتھ ٹیکتا تھا (یعنی زمین کے ساتھ ملا لیتا تھا، تاکہ بھوک کی شدت میں کمی ہو جائے) اور بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا، اور میں ایک دن مسلمانوں کے راستے پر بیٹھا، جہاں سے مسلمان گذرتے تھے، اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، میں نے ان سے اس لئے پوچھا تھا تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن وہ گذر گئے اور انہوں نے ایسا نہ کیا، پھر عمر فاروق گذرے، ان سے بھی میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی اور پوچھنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں، وہ بھی چلے گئے اور انہوں نے ایسا نہ کیا پھر ابوالقاسم یعنی نبی کریم ﷺ گذرے تو مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: تو ابوہریرہ ہے، میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ فرمایا: میرے ساتھ چلو، آپ چل پڑے اور میں آپ کے پیچھے ہو گیا، اور آپ اپنے گھر داخل ہو گئے پھر میں نے اجازت طلب کی، تو مجھے (اندر جانے کی) اجازت دیدی گئی، آپ نے (گھر میں) دودھ کا ایک پیالہ موجود پایا تو فرمایا: یہ دودھ تمہارے لئے کہاں سے آیا ہے؟ بتایا گیا کہ فلاں نے یہ دودھ ہمارے لئے ہدیہ بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ: میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ، آپ نے فرمایا: تم اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ، وہ مسلمانوں کے مہمان ہیں وہ نہ تو اپنے اہل کی طرف پناہ لیتے تھے اور نہ مال کی طرف،

جب آپ کے پاس صدقہ کا کوئی مال آتا تو وہ ان کی طرف بھیج دیتے تھے اور اس سے خود کچھ بھی نہیں لیتے تھے، اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا، تو ان کی طرف پیغام بھیجتے اور آپ خود بھی اس میں سے کچھ لے لیتے، اور اہل صفہ کو اس میں شریک فرماتے۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مجھے یہ بات ناگوار محسوس ہوئی اور میں نے کہا (دل ہی دل میں) اس پیالے کی اہل صفہ کے سامنے کیا حیثیت ہے اور میں تو آپ کی طرف سے ان کی طرف فرستادہ ہوں پھر حضور مجھے حکم فرمائیں گے کہ میں (وہ پیالہ لے کر) ان پر چکر لگاؤں تو مجھے نہیں لگتا کہ اس پیالے سے مجھے بھی کچھ مل سکے؟ جبکہ مجھے یہ امید تھی کہ میں اس میں سے اتنا ضرور پالوں گا، جو مجھے بے نیاز کر دے گا (یعنی مجھے کفایت کر جائے گا) مگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ میں اہل صفہ کے پاس آیا اور انہیں (حضور ﷺ کی طرف) بلایا۔

جب اہل صفہ حضور ﷺ کے پاس آگئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ: پیالہ لو اور ان کو دیدو، چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ لیا اور ایک ایک شخص کو دینے لگا تو وہ اس سے پیتا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو جاتا پھر وہ اسے واپس کر دیتا پھر میں دوسرے کو دیدیتا، یہاں تک کہ میں نبی کریم ﷺ تک پہونچ گیا اور پوری قوم سیراب ہو چکی تھی، پھر آپ نے وہ پیالہ لیا اور اسے اپنے ہاتھ پر رکھا پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور مسکرائے، اور فرمایا: اے ابو ہریرہ: اب تم پیو، چنانچہ میں نے پیا، آپ نے پھر فرمایا: تم پیو، میں مسلسل پیتا رہا اور آپ مجھے فرماتے رہے کہ تم پیو پھر میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں (مزید) پینے کی اب گنجائش نہیں رکھتا، پھر آپ نے دودھ کا پیالہ لے لیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پی لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: بردة: (با پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) دھاری دار چادر۔ مرقوعة: پیوند لگی ہوئی۔ فرو: (فا پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ) چمڑا، پوستین۔ حلة: (حا پر پیش اور لام پر زبر اور تشدید کے ساتھ) پوشاک، عمدہ لباس۔ اعتمد: میں ٹیک لگا لیتا یعنی اپنا پیٹ زمین کے ساتھ چپکا لیتا۔ کبدی: اپنے جگر اور کلیجہ کو۔ لیستتبعنی: تا کہ مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ الحق: تم میرے ساتھ چلو۔ ادیرہ علیهم: میں اس پیالے کو اصحاب صفہ پر گھماؤں۔ ما یغنینی: جو مجھے بے نیاز کر دے۔ مسلکا: جگہ، راستہ، پینے کی گنجائش۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے "دار ارقم" میں اپنی ماں اور اہل وعیال سے چھپ کر اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب ان کے اہل خانہ کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں زنجیروں سے جکڑ کر قید کر دیا تا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں، لیکن ان کے دل میں ایمان رچ بس چکا تھا، انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر گھر سے

کسی طرح بھاگ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، غزوہ احد میں شریک ہوئے، بالآخر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمالیا، جبکہ اسلامی جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد انہیں اہل مدینہ کی طرف معلم بنا کر بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور دینی مسائل سکھائیں، اسلام سے پہلے بڑے ناز ونعمت، عیش وعشرت اور خوب خوشحال تھے لیکن قبول اسلام کے بعد دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، بالکل زاہدانہ زندگی گذارنا شروع کر دی تھی، امام ترمذی کی مذکورہ روایت میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں خستہ حالت میں دیکھا کہ ایک چادر اوڑھ رکھی ہے اور وہ بھی کتنی جگہ سے پیوندلگی ہوئی ہے، تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر رو پڑے کہ ایک دن وہ تھا کہ مصعب بن عمیر انتہائی ناز ونعمت میں تھے اور آج ان کے پاس پہننے کا صحیح لباس بھی نہیں، اسلام کی وجہ سے سب کچھ قربان کر دیا۔

اپنے ترکہ میں صرف ایک کپڑا چھوڑا تھا کہ جس سے کفن کے طور پر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا اور سر پر وہ کپڑا کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔

حضرت مصعب بن عمیر اصحاب صفہ میں سے تھے، دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ بھی مسجد میں رہتے تھے۔[1]

اصحاب صفہ کی تنگدستی

''صفہ'' مسجد نبوی کے ساتھ ایک سایہ دار چبوترہ تھا، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ کر نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، اصحاب صفہ وہ تنگدست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کی نہ تو اہل وعیال اور اولاد تھی اور نہ ان کے پاس مال و دولت تھی، ہر وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے، ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، ابونعیم نے ''حلیہ'' میں سو سے زیادہ ان کے نام ذکر کئے ہیں۔

مذکورہ احادیث میں اصحاب صفہ کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کا ذکر ہے کہ بھوک کی وجہ سے زمین پر گر پڑتے تھے، بے ہوش ہو جاتے لیکن اس کے باوجود بڑی استقامت کے ساتھ دینی تعلیم سیکھنے میں مصروف رہتے، اس حدیث سے بڑی عبرتیں، درس اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، سب سے اہم یہ درس ہے کہ انسان پر کسی بھی قسم کی حالت آ جائے، اسلام کے دامن کو ہرگز نہ چھوڑے، اس راستے میں جو مشکلات، فقر وفاقہ اور مصائب پیش آئیں، انہیں برداشت کرے، حالات کے کشیدہ ہونے سے مایوس نہ ہو، بلکہ شوق وجذبہ اور ولولہ سے دینی تعلیم حاصل کرتے، پھیلانے اور عمل کرنے میں مصروف رہے کہ اسی میں دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔

لا انتم الیوم خیر منکم یومئذ

---

(۱) الاصابۃ، حرف المیم ۹۸/۶، تحفۃ الاحوذی ۱۴۸/۷۔

صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ جب مال و دولت زیادہ ہوگا، کام کاج اور خدمت کے لئے ملازم ہوں گے تو اس وقت ہم اللہ کی عبادت زیادہ کرسکیں گے، اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ ایسا نہیں جیسا تم گمان کر رہے ہو بلکہ وہ فقیر جس کے پاس بقدر ضرورت مال موجود ہے، وہ مالدار سے بہتر ہے کیونکہ مالدار آدمی مال و دولت کمانے کے لئے زیادہ مشغول رہتا ہے، اللہ کی عبادت کا اسے زیادہ موقع نہیں ملتا، اس کے مقابلے میں وہ شخص زیادہ دینی کام اور عبادت کرسکتا ہے جس کے پاس ضرورت کے بقدر روزی ہو اور دنیا کے جھمیلوں میں وہ زیادہ مبتلا نہ ہو۔

لاعتمد بکبدی علی الارض من الجوع

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، کبھی پیٹ کو زمین کے ساتھ ملا لیتے اور کبھی شدید بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کی آزمائش سے بچائے۔ آمین۔

فمر ابو بکر و لم یفعل . . . ثم مر عمر و لم یفعل۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرات شیخین سے ایک سوال پوچھا، ذہن میں یہ تھا کہ یہ حضرات میری اس حالت میں تو جواب نہیں دیں گے بلکہ کہیں گے کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو، جب گھر پہونچ جاتے تو ضرور کھانا بھی کھلا دیتے، یوں میرا کھانے کا مقصد پورا ہو جاتا، لیکن ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ان کے سوال کو ظاہر پر محمول کیا ہو، اس کے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو، اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ چلنے کا نہیں فرمایا۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ، فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس ڈکار لیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنا ڈکار ہم سے روک کے رکھو، کیونکہ دنیا میں خوب سیر ہو کر کھانے والا قیامت کے دن بہت دیر تک بھوکا رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: تجشأ: ڈکار لینا۔ جشاء: (جیم پر پیش کے ساتھ) ڈکار۔ اطولھم جوعا: وہ بہت طویل عرصہ یعنی بہت دیر تک بھوکا رہے گا۔

زیادہ کھانے کی مذمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں زیادہ کھانا ناپسندیدہ ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس سیرابی سے دینی امور میں غفلت و سستی پیدا ہو رہی ہو، مستحق اور غریب لوگوں کا خیال نہ رکھا جائے، تاہم اگر یہ قباحتیں نہ ہوں تو کبھی کبھار سیراب ہو کر کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

(۱) فتح الباری ۶/۲۳۸ کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، الکوکب الدری ۳/۲۹۵، تحفۃ الاحوذی ۷/۱۵۰۔

حدیث میں "رجل" سے حضرت وھب ابو جحیفہ سوائی مراد ہیں، انہوں نے اس دن گندم اور گوشت کی ثرید کھائی تھی، جسکی وجہ سے انہیں حضور ﷺ کے سامنے ڈکار آیا، تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، اس واقعہ کے بعد یہ صحابی رسول تیس سال زندہ رہے، لیکن کبھی انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔(۱)

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: يَا بُنَيَّ: لَوْ رَأَيْتَنَا وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَصَابَتْنَا السَّمَاءُ، لَحَسِبْتَ أَنَّ رِيحَنَا رِيحُ الضَّأْنِ۔

وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّهُ كَانَ ثِيَابُهُمُ الصُّوفُ، فَكَانَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْمَطَرُ، يَجِيءُ مِنْ ثِيَابِهِمْ رِيحُ الضَّأْنِ۔

حضرت ابوموسیٰ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو ہمیں دیکھتا، جب کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتے اور ہم پہ بارش ہوجاتی (جس سے ہمارے کپڑوں میں بدبو پیدا ہوجاتی) تو تجھے ایسا محسوس ہوتا کہ ہمارے جسم کی بدبو بھیڑ کی بدبو کی طرح ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے کپڑے اون کے تھے، جب ان پر بارش برستی (اور وہ کپڑے گیلے ہوجاتے) تو ان کے کپڑوں سے بھیڑ کی بو کی طرح بدبو نکلتی۔

اون کے لباس کا ذکر

اس حدیث سے اون کے لباس کا جواز ثابت ہوتا ہے، تاہم اگر یہ لباس محض اس نیت سے پہنا جائے تاکہ میرے زہدو پرہیزگاری کی شہرت ہوجائے تو امام مالک فرماتے ہیں کہ پھر اس لباس کا استعمال مکروہ ہے۔(۲)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ، حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا۔

حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کے لئے تواضع کے طور پر عمدہ لباس چھوڑ دے، حالانکہ وہ عمدہ لباس پہننے پر قادر ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ وہ اہل ایمان کے لباسوں میں سے جونسا لباس چاہے، پہن لے۔

تواضعاً عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں اس شخص کی فضیلت کا ذکر ہے، جو عمدہ اور اعلیٰ لباس پہننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود محض اللہ کی رضا کے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۳/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۵۴/۷۔

لئے تواضع کے طور پر سادہ لباس استعمال کرتا ہے، تو قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے وہ اہل ایمان کا لباس حسب منشا پہنے گا، لیکن حیثیت اور قدرت کے باوجود بخل کی وجہ سے عمدہ لباس استعمال نہ کیا جائے، تو یہ شرعاً مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خرچہ سارے کا سارا اللہ کے راستے میں ہے (یعنی اس پر ثواب ملتا ہے) سوائے عمارت (کے خرچے) کے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ: أَتَيْنَا خَبَّابًا نَعُوْدُهُ، وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ، فَقَالَ: لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِي، وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ: لَتَمَنَّيْتُهُ، وَقَالَ: يُؤْجَرُ الرَّجُلُ فِي نَفَقَتِهِ إِلَّا التُّرَابَ أَوْ قَالَ: فِي التُّرَابِ.

حضرت حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ ہم حضرت خباب کی بیمار پرسی کے لئے آئے اور انہوں نے سات داغ لگوائے تھے (اور شدید تکلیف میں تھے) تو انہوں نے فرمایا: میری بیماری بہت طویل ہوگئی ہے، اور اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ: تم موت کی تمنا نہ کرو تو یقیناً میں موت کی تمنا کرلیتا اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کو ہر موقع پر مال خرچ کرنے کا اجر و ثواب دیا جاتا ہے سوائے مٹی کے یعنی عمارت پر خرچ کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

عَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ: كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَيْكَ، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ؟ قَالَ: لَا أَجْرَ، وَلَا وِزْرَ.

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی کہتے ہیں: ہر عمارت آپ پر وبال ہے، میں (یعنی ابوحمزہ راوی) نے عرض کیا: اس عمارت کے بارے میں بتا دیجئے، جو ضروری ہو؟ (کیا وہ بھی وبال ہوگی) حضرت ابراہیم نے فرمایا: اس کے مالک کے لئے نہ اجر و ثواب ہے اور نہ عذاب۔

مشکل الفاظ کے معنی: بناء: (با کے نیچے زیر) عمارت۔ نعودہ: ہم ان کی بیمار پرسی کرنے لگے۔ اکتوی: داغ لگوایا، یہ ایک طریقہ علاج ہے جس کی تفصیل ابواب الطب میں گذر چکی ہے۔ کیات: کیۃ کی جمع ہے: داغ۔ تطاول: طویل ہوگئی، بہت دیر ہوگئی۔ وزر: (واؤ کے نیچے زیر اور زاء کے سکون کے ساتھ) عذاب۔ التراب: مٹی یہاں حدیث میں عمارت مراد ہے۔

عمارت پر خرچ کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) انسان اپنا مال شرعی دائرے میں رہتے ہوئے جہاں بھی خرچ کرے، تو اسے اس پر اجر و ثواب ملتا ہے، خواہ وہ اپنے اہل

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۵۷۔

دعیال پر خرچ کرے یا غرباء و مساکین پر، خواہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنا مکان بنائے، کوئی مسجد و مدرسہ یا رفاہی ادارہ بنائے، ..... ان تمام خرچوں پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے مگر وہ خرچہ جو ضرورت کے بغیر تعمیرات پر کیا جائے یا اسے آراستہ کرنے پر لگایا جائے، اس پر کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوتا،

البتہ ضرورت کے لئے جو تعمیر کی جائے گی، اس پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے، کیونکہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: مالا بد منه لحاجة الانسان (جو انسانی حاجت کے لئے ضروری ہو) اور روایت میں ابراہیم بن یزید نخعی نے ضروری تعمیر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ "اس کے مالک کے لئے نہ اجر و ثواب ہے اور نہ عذاب" یہ ان کی اپنی رائے ہے، جو حدیث کے مقابلے میں بہر حال حجت نہیں ہے۔

(۲) انسان پر کتنی شدید بیماری وغیرہ آ جائے تو بھی موت کی آرزو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر یہ تمنا جائز ہوتی، تو حضرت خباب بن ارت ضرور اسکی تمنا فرماتے، کیونکہ وہ سخت مرض میں مبتلا تھے۔ (۱)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

حضرت خباب بن ارت تمیمی زمانہ جاہلیت میں گرفتار ہو گئے تھے، پھر انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کیا گیا، اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ابتداء میں ہی سن چھ نبوی میں اسلام قبول کر لیا، اسلام کے اعلان پر انہیں سخت زدوکوب کیا گیا، غزوہ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے، پھر کوفہ میں سن ۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر شریعت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہوتا تو میں تمنا کر لیتا، کیونکہ میری بیماری کو طویل عرصہ گذر چکا ہے۔

طبرانی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں حضرت خباب کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ خَبَّابًا، أَسْلَمَ رَاغِبًا، وَ هَاجَرَ طَائِعًا، وَ عَاشَ مُجَاهِدًا، وَ ابْتُلِيَ فِي جِسْمِهِ أَحْوَالًا، وَ لَنْ يُضِيعَ اللّٰهُ أَجْرَهُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت خباب پر رحم فرمائے، انہوں نے بڑے شوق و رغبت سے اسلام قبول کیا، خوشی سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، مجاہدانہ زندگی گذاری اور مختلف جسمانی بیماریوں میں طویل عرصہ مبتلی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کسی صورت میں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ (۲)

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۵۸/۶

(۲) الاصابة ۲۲۱/۲ الخاء بعدها الباء۔

عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ: جَاءَ سَائِلٌ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِلسَّائِلِ: أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: سَأَلْتَ وَلِلسَّائِلِ حَقٌّ، إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نَصِلَكَ، فَأَعْطَاهُ ثَوْبًا ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ، مَا دَامَ مِنْهُ عَلَيْهِ خِرْقَةٌ۔

حضرت حصین بن مالک بجلی کہتے ہیں کہ ایک سائل نے ابن عباس سے مانگا تو ابن عباس نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں (میں گواہی دیتا ہوں) پھر فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، ابن عباس نے پوچھا: کیا تو رمضان کے روزے رکھتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، ابن عباس نے فرمایا: تم نے سوال کیا اور سائل کا بھی ایک حق ہے، وہ حق ہم پر یہ ہے کہ ہم تمہیں دیں، چنانچہ ابن عباس نے اس سائل کو ایک کپڑا دیا پھر فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان کسی مسلمان کو لباس پہنائے تو وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان میں رہتا ہے جب تک کہ اس پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا (بھی باقی) ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: نصلک: ہم آپ کو عطا کریں، عطیہ دیں۔ خرقة: (خاء کے نیچے زیر) ٹکڑا۔

مسلمان کو لباس پہنانے کی فضیلت

اس حدیث سے مسلمان کو لباس پہنانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ایسا بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے، اسے دنیا اور آخرت میں کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے سامنا نہیں کرنا پڑتا، یہ فضیلت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی اس کے جسم پر باقی ہو، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کپڑا پہنانے کی یہ فضیلت صرف مسلمان کو پہنانے سے حاصل ہوتی ہے، کسی ذمی اور کافر کو لباس پہنانے سے یہ شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ، انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، وَقِيْلَ: قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، وَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، لوگ آپ کی طرف

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۱۵۷۔

دوڑ پڑے، اور کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں، تو میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا، تا کہ میں آپ کو دیکھ سکوں، جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرے نہیں ہے، اور سب سے پہلا وہ کلام جو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، اور نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تم جنت میں امن وسلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: انجفل: لوگ دوڑ پڑے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فلما استبنت: جب میں نے دیکھا۔ افشوا: تم پھیلاؤ۔ نیام: نائم کی جمع ہے: سوتے لوگ۔ بسلام: امن وسکون اور سلامتی کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے بڑے علماء میں سے تھے، پچھلی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ اور حمد وثناء پڑھ کر آپ کے دیدار کے بہت مشتاق تھے، ہجرت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ چہرہ ایک سچے اور صادق کا چہرہ ہے، کسی جھوٹ بولنے والے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، اس موقع پر آپ نے تین چیزوں کا ارشاد فرمایا: سلام کو پھیلاؤ، ہر بندے کو سلام کرو، خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں، اور غرباء ومساکین کو کھانا کھلاؤ، اور رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرو جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، اس وقت میں خوب توجہ کے ساتھ عبادت ہو سکتی ہے، نام ونمود اور ریا کاری کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہوتا، یہ عمل کر لو گے تو جنت میں بڑے امن وسکون سے داخل ہو جاؤ گے۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ: مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ، مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَأِ، حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوْا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، مَا دَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ: ہم نے ایسی قوم نہیں دیکھی، جو مال کثیر سے خوب خرچ کرنے والی ہو اور نہ ایسی قوم کو جو مال قلیل سے غمخواری کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہو، اس قوم کے مقابلے میں، جن کے درمیان ہم اترے ہیں، تحقیق وہ ہم کو خدمت کی محنت ومشقت میں کافی ہو گئے، اور انہوں نے ہمیں خوشگوار اور اپنی من پسند چیز میں شریک کر لیا، حتی کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں (ہماری نیکیوں کا) سارا اجر وہی نہ لے جائیں، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، جب تک تم ان کے لئے دعاء خیر کرتے رہو گے اور ان کا اس احسان پر شکریہ ادا کرتے رہو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ابذل: (اسم تفضیل) زیادہ خرچ کرنے والی قوم۔ احسن مواساۃ: غمخواری کے اعتبار سے سب سے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۵۸

اچھی قوم۔ بین اظھرھم: ان کے درمیان۔ لقد کفونا: تحقیق وہ ہم کو کافی ہو گئے۔ مونۃ: خدمت کی محنت و مشقت۔ مھنأ: خوشگوار اور من پسند کی چیز۔

احسان کا بدلہ دعا اور شکر سے

حضرات مہاجرین نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قوم جن میں ہم اترے ہیں یعنی حضرات انصار، یہ عجیب غمخوار اور خرچ کرنے والے لوگ ہیں، ہماری ہر مشکل کو حل کر رہے ہیں، محنت و مشقت کے کاموں سے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے، اور اپنی من پسند کی چیز میں بھی ہمیں شریک کر لیا، چنانچہ جس کی دو بیویاں تھیں، اس نے مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کے لئے ان میں سے خوبصورت بیوی کو طلاق دے دی، اپنا آدھا کھیت انہیں دیدیا اور بعض نے اپنا آدھا پھل انہیں عطا کر دیا، ان کا جذبہ ایثار اس حد تک تھا، ان کے احسان اور نیکیاں دیکھ کر بعض مہاجرین کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ یہ لوگ ہماری تمام نیکیوں کا بدلہ اور ثواب حاصل کر لیں گے، ہم نے جو ہجرت کی ہے، اس کا صلہ بھی انصار صحابہ ہم پر نیکی کر کے حاصل کر لیں گے، ان کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ لوگ تمہاری ہجرت کا ثواب نہیں لے جائیں گے، تمہارے لئے ہجرت کا ثواب ہے اور انصار کے لئے مدد و نصرت اور تعاون کا اجر ہے، تم ان کے لئے دعا اور شکریہ ادا کرتے رہو، یوں تمہاری طرف سے ان کے احسان کا بدلہ بھی ہو جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جب کوئی انسان کسی کے ساتھ احسان کرے تو زبان سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، کہ اس سے اس کے احسان کا بدلہ ہو جاتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شکر گذار کھانا کھانے والا (اجر و ثواب کے اعتبار سے) اس روزے دار کی طرح ہے جو صبر کرنے والا ہے۔

شکر کی فضیلت

اس حدیث سے شکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ جو کھانا کھانے والا شکر گذار ہو، اجر و ثواب کے لحاظ سے اس روزے دار کی طرح ہے، جو اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے روک کر رکھتا ہے، صبر کرتا ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کم از کم شکر یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزے کو ہر اس چیز سے بچائے جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۹/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۶۰/۷۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ، وَبِمَنْ تَحْرُمُ عَلَیْہِ النَّارُ؟ عَلٰی کُلِّ قَرِیْبٍ ھَیِّنٍ سَھْلٍ۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو ایسے شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو آگ پر حرام ہے اور جس پر آگ حرام ہے؟ یہ ہر وہ رشتہ دار ہے جو باوقار، آسانی پیدا کرنے والا، روادار، نرم خو اور عمدہ اخلاق والا ہو۔

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ: قُلْتُ یَا عَائِشَۃُ: أَیُّ شَیْءٍ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ؟ قَالَتْ: کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِھْنَۃِ أَھْلِہٖ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاۃُ قَامَ فَصَلّٰی۔

حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو کیا کرتے؟ تو حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اپنے اہل کے کام کاج میں مشغول رہتے، اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگتے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ إِذَا اسْتَقْبَلَہُ الرَّجُلُ فَصَافَحَہٗ، لَا یَنْزِعُ یَدَہٗ مِنْ یَدِہٖ، حَتّٰی یَکُوْنَ الرَّجُلُ الَّذِیْ یَنْزِعُ، وَلَا یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ، حَتّٰی یَکُوْنَ الرَّجُلُ ھُوَ الَّذِیْ یَصْرِفُہٗ، وَلَمْ یُرَ مُقَدِّمًا رُکْبَتَیْہِ بَیْنَ یَدَیْ جَلِیْسٍ لَہٗ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کوئی بندہ آتا اور آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھینچتے، جب تک کہ وہ بندہ اپنا ہاتھ خود نہ کھینچ لیتا، اور اپنا چہرہ اس کے چہرے سے نہ پھیرتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا چہرہ پھیر لیتا، اور آپ کو (مجلس میں) اپنے ہمنشیں کے سامنے کبھی بھی پاؤں پھیلا کر بیٹھا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: قریب: رشتہ دار۔ هین: آسانی اور سہولت پیدا کرنے والا، باوقار و سنجیدہ۔ سهل: (سین پر زبر اور ھا کے سکون کے ساتھ) نرم خو اور نرم مزاج والا، روادار، عمدہ اخلاق والا۔ مهنة: (میم کے نیچے زیر اور ہا کے سکون کے ساتھ) کام کاج، خدمت۔ یکون فی مهنة اهله: اپنے اہل خانہ کی خدمت اور کام کاج میں مشغول رہتے۔ لا ینزع: آپ نہ کھینچتے۔ مقدما رکبتیه: اپنے گھٹنوں اور پاؤں کو پھیلاتا ہوا۔

نرم مزاجی کی فضیلت اور آپ ﷺ کی تواضع

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جو شخص اپنے رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور نرمی کا معاملہ کرے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا، اس

پر جہنم حرام ہو جاتی ہے، اس حدیث سے نرمی اور میانہ روی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ اپنی حدود کے اندر ہو، خلاف شرع امور کے بارے میں نرمی اور چشم پوشی درست نہیں، کیونکہ یہ مداہنت اور نفاق ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔

(۴) سنت یہ ہے کہ جب انسان گھر پہ آجائے تو اہل خانہ کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹائے، حاکم بن کر نہ بیٹھ جائے چنانچہ نبی کریم ﷺ گھر میں اپنے اہل خانہ کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک انسان تھے جو دیگر انسانوں کی طرح اپنے کپڑے صاف کرتے، بکری کا دودھ نکالتے، اپنے نفس کی خدمت کرتے، اپنے کپڑوں کی سلائی کرتے، اپنے جوتوں کی مرمت فرماتے، پانی کا ڈول اٹھاتے اور آپ نے ساری زندگی نہ تو کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو، یہ نبی کریم ﷺ کی تواضع اور انکساری کا واضح ثبوت ہے۔

جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے ہاتھ ملاتا تو آپ اس کی طرف اپنی پوری توجہ فرماتے، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہی رکھتے، اپنا چہرہ بھی اس سے نہ پھیرتے الا یہ کہ وہ بندہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا اور اپنا چہرہ پھیر لیتا، نیز مجلس میں آپ نے کبھی بھی اپنے پاؤں لوگوں کے سامنے نہیں پھیلائے۔

مذکورہ طرز زندگی سے نبی کریم ﷺ کی تواضع اور عاجزی نمایاں ہیں، اس سے امت کو درس دینا مقصود ہے تاکہ وہ بھی اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی اس انداز سے گذاریں، اپنے مزاج میں تواضع وانکساری لائیں اور تکبر وغرور سے اجتناب کریں کہ اسی میں امن وسکون، خیر وعافیت اور اجر وثواب ہے۔[۱]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِي حُلَّةٍ لَهُ يَخْتَالُ فِيهَا، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ، أَوْ قَالَ: يَتَلَجْلَجُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص (اپنے گھر سے) کپڑے کا جوڑا پہن کر اتراتا ہوا باہر نکلا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ وہ اسے پکڑ لے) چنانچہ زمین نے اسے پکڑ لیا (یعنی نگل لیا) تو وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا رہے گا، راوی کو شک ہے یتجلجل فرمایا یا یتلجلج (وہ زمین میں متردد ہے لڑکھڑا رہا ہے)۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ، يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ، يُسَاقُونَ إِلَى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ، يُسَمَّى بُولَسَ، تَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ، يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِينَةِ الْخَبَالِ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: متکبر لوگ قیامت کے دن (ذلت وحقارت اور چھوٹا ہونے میں) چیونٹیوں کی مانند اٹھائے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۶۱

جائیں گے، جو انسانوں کی شکلوں میں ہوں گی، ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی، پھر انہیں جہنم کے اس قید خانے کی طرف گھسیٹا جائے گا، جسے "بولس" کہا جاتا ہے، آگوں کی آگ انہیں گھیر لے گی، انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی، جو سڑا ہوا بد بودار کیچڑ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: حلّۃ: (حا پر پیش اور لام پر تشدید کے ساتھ) پوشاک، کپڑے کا جوڑا۔ یختال: اتراتا ہے، تکبر کرتا ہے، اخذتہ: زمین نے اس کو نگل لیا۔ یتجلجل فیہا: وہ زمین میں دھنستا جارہا ہے۔ یتلجلج: وہ زمین میں متردد ہے، زمین کے اندر متحرک ہے، دھنستا جارہا ہے لڑکھڑا رہا ہے۔ ذر: (ذال پر زبر کے ساتھ) چیونٹیاں۔ یغشاھم: ان پر چھا جائیگی، گھیر لے گی۔ یساقون: (قاف پر پیش کے ساتھ، اصل میں یہ لفظ "یُسْوَقُوْنَ" ہے، تعلیل کے ذریعہ واؤ کو الف سے بدل دیا تو یساقون ہو گیا) انہیں ہانکا گھسیٹا جائے گا، گھسیٹ اور دھکیل دیا جائے گا۔ تعلوھم: آگوں کی آگ انہیں گھیرے گی اور بعض نسخوں میں تغلوغین کے ساتھ ہے: ان کو ابالے گی۔ الانیار: نار کی جمع ہے اصل میں اس کی جمع واؤ کے ساتھ انوار ہونی چاہیے، مگر چونکہ اس میں نور کی جمع کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ نور کی جمع ہے یا نار کی، اس لئے فرق کرنے کے لئے، "انیار" جمع لائی جاتی ہے۔ آگیں: اور حدیث میں نار الانیار سے وہ سخت ترین آگ مراد ہے، جس سے دوزخ کی دوسری آگ بھی پناہ مانگتی ہے، اور دیگر تمام آگوں کو یہ جلا دیتی ہے۔ بولس: (با پر زبر اور پیش کے ساتھ) جہنم کا ایک قید خانہ، جو متکبر لوگوں کے لئے خاص ہے۔ یسقون: (صیغہ مجہول) انہیں پلائی جائیگی عصارۃ: (عین پر پیش کے ساتھ) اہل دوزخ کا بہتا ہوا خون اور پیپ۔ طینۃ: کیچڑ، الخبال: اس کے معنی فساد کے ہیں یعنی بگڑی ہوئی چیز اور طینۃ الخبال کے معنی ہیں: وہ کیچڑ جو زیادہ سڑنے کی وجہ سے نہایت بد بودار اور متعفن ہو چکا ہو اور "طینۃ الخبال" ترکیب نحوی کے اعتبار سے "عصارۃ اھل النار" سے بدل ہے، اس لئے اس پر زیر پڑھی جائے گی۔

تکبر کرنے والوں کی سزا

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے تکبر کرنے والوں کی دو سزائیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) گذشتہ امتوں میں ایک شخص کپڑے کا جوڑا پہن کر تکبر وغرور کے ساتھ گھر سے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل لے، چنانچہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

بعض حضرات کے نزدیک اس "رجل" سے قارون مراد ہے، جسے تکبر کی وجہ سے یہ سزا دی گئی ہے، لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے قارون کے علاوہ کسی اور متکبر کو بھی یہ سزا، اگر اللہ چاہیں، تو ہو سکتی ہے۔

(۲) قیامت کے دن متکبر لوگ "چیونٹیوں کی مانند" ہوں گے، اس سے کیا مراد ہے؟

شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں:

(۱) علامہ تورپشتی اور بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "چیونٹیوں کی مانند" ہونے کے مجازی معنی مراد ہیں، حقیقی نہیں، مطلب یہ ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ذلیل ورسوا ہوں گے کہ لوگ انہیں قیامت کے دن اپنے قدموں سے روندیں گے، جس طرح کہ چیونٹیوں کو قدموں سے روندا جاتا ہے، اپنے اس موقف پر انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں:

☆ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ دوبارہ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے، تو ان کے جسم انہی اجزاء پر مشتمل ہوں گے، جن کے ساتھ وہ بدن دنیا میں تھے، یہاں تک کہ ختنہ کے وقت عضو تناسل سے جو گوشت کا ٹکڑا کاٹا جاتا ہے، اسے بھی ان کے ساتھ لگا دیا جائے گا، گویا سارے مرد غیر مختون اٹھیں گے، تو ایسے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان کے جسم کے سارے اجزاء، یہاں تک کہ ناخن اور بال وغیرہ بھی ایک چیونٹی کے جسم میں جمع ہو جائیں، اسی لئے حدیث میں فی صور الرجال (مردوں کی صورت میں) کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں، تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کی شکل وصورت آدمیوں جیسی ہی ہوگی۔

☆ اسی حدیث میں ہے یغشاھم الذل من کل مکان کہ ذلت انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ "چیونٹیوں کی طرح" سے مراد ذلت ورسوائی ہے، یہ مراد نہیں کہ ان کے جسم حقیقت میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے۔

(۲) محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ تکبر کرنے والوں کا جسم واقعتاً چیونٹیوں کی طرح ہوگا، البتہ ان کی شکل وصورت انسانوں جیسی ہوگی اور یہ معنی بعید از قیاس نہیں، کیونکہ جو ذات قیامت کے دن جسم کو اصلی اجزاء کے ساتھ اٹھانے پر قادر ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتی ہے، کہ کسی جسم کے اصلی اجزاء کو ایک چیونٹی کے جسم میں جمع کر دے اور اسے چیونٹی کا جسم دے کر پوری مخلوق کے سامنے اسے ذلیل ورسوا کر دے۔

ملا علی قاری نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسموں کو بھی اپنے اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ اٹھائیں گے، تا کہ دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت الٰہی ظاہر ہو جائے لیکن پھر اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح کر دیں گے تاہم ان کی شکل وصورت مردوں کی سی ہی رہے گی اور ان کے ساتھ یہ رویہ اس لئے اختیار کیا جائے گا تا کہ ان کی ذلت ورسوائی پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھے۔(۱)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَظَمَ غَيْظاً، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنَفِّذَهُ، دَعَاهُ اللهُ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ۔

حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص غصے کو پی جائے، جبکہ وہ اسے نافذ کرنے پر خوب قادر ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے، یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۶۴۔ مرقاۃ المفاتیح ۸/۸۳۴ کتاب الآداب باب الغضب والکبر۔

حور کو چاہے، پسند کرلے۔

مشکل الفاظ کے معنی: کظلم: غصے کو پی جانا، برداشت کرنا۔ ینفذہ: وہ اسے نافذ کرے، عملی کاروائی کرے۔ رؤوس الخلائق: مخلوق کے سامنے۔

غصے کو برداشت کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی پر کوئی زیادتی ہو، تو وہ اسے برداشت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ چاہے تو غصہ کر بھی سکتا ہے، اس کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اس پر قابو پاتا ہے، اسے پی جاتا ہے، گویا نفس کی خواہش کے خلاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ارشاد فرمائیں گے کہ جس حور کو تم چاہو، پسند کرلو۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ نَشَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ: الرِّفْقُ بِالضَّعِيْفِ، وَالشَّفَقَةُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ، وَالْإِحْسَانُ إِلَى الْمَمْلُوْكِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے سایے کو پھیلا دیتے ہیں اور اسے جنت میں داخل کردیں گے: کمزور کے ساتھ نرمی، والدین پر شفقت اور غلام کے ساتھ نیکی کرنا۔

مشکل الفاظ کے معنی: نشر: پھیلا دیتے ہیں۔ کنفہ: کسی چیز کا کنارہ، سایہ، بازو، پہلو اور کنف اللہ سے اللہ کی رحمت، اللہ کا سایہ اور اس کی حفاظت مراد ہے۔ الرفق: نرم رویہ اختیار کرنا۔

تین چیزیں باعث رحمت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں، کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوجاتی ہے، اور ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک یہ ہے کہ معاشرے میں جو کمزور افراد ہوں ان کے ساتھ خاص طور پر نرمی کی جائے، دوسرا یہ کہ والدین کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کیا جائے، تیسرا یہ کہ غلام اور ماتحت ملازم کے ساتھ نیکی کی جائے، اسے مالی تعاون کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کی جائے۔(۲)

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا عِبَادِيْ: كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَسَلُوْنِي الْهُدٰى أَهْدِكُمْ، وَكُلُّكُمْ فَقِيْرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ، فَسَلُوْنِيْ أَرْزُقْكُمْ، وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ، فَمَنْ عَلِمَ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶۵/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۶۵/۷۔

مِنْكُمْ أَنِّيْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ، فَاسْتَغْفَرَنِيْ غَفَرْتُ لَهُ وَلَا أُبَالِيْ، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ، مَازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْكُمْ مَا بَلَغَتْ أُمْنِيَّتُهُ، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ إِلَّا كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا إِلَيْهِ، ذٰلِكَ بِأَنِّيْ جَوَادٌ، وَاجِدٌ، مَاجِدٌ، أَفْعَلُ مَا أُرِيْدُ، عَطَائِيْ كَلَامٌ وَعَذَابِيْ كَلَامٌ، إِنَّمَا أَمْرِيْ لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ لَهُ: كُنْ فَيَكُوْنُ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے میرے بندو: تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے (یعنی اس میں گمراہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے) مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دوں، لہذا تم مجھ سے ہدایت مانگا کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا، اور تم میں سے ہر ایک (ہر لحاظ سے) محتاج ہے مگر وہ شخص جسے میں غنی کر دوں لہذا تم سب مجھ سے روزی مانگو، میں تمہیں (پاک وحلال) روزی دوں گا اور تم سب گنہگار ہو (یعنی ہر ایک سے گناہ ہوسکتا ہے) مگر وہ شخص جسے میں نے محفوظ رکھا (یعنی انبیاء کرام) تم میں سے جس شخص کو اس چیز کا علم ہے کہ میں گناہ بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور اگر تمہارے اگلے، پچھلے، زندہ، مردے، تر اور خشک، میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ متقی دل والے بندے (یعنی محمد ﷺ) پر جمع ہو جائیں (یعنی ان کی طرح ہو جائیں) تو اس سے میری بادشاہت میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اگلے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے، تمہارے تر اور تمہارے خشک (یعنی تمام مخلوقات) میرے بندوں میں سے سب سے بدبخت دل والے بندے (یعنی شیطان ملعون) پر جمع ہو جائیں (یعنی اس کی طرح ہو جائیں) تو اس سے میری خدائی میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے زندے اور تمہارے مردے تمہارے تر اور تمہارے خشک (یعنی تمام مخلوقات) ایک جگہ جمع ہو جائیں پھر تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے مانگے، جہاں تک اس کی آرزو اور خواہش پہونچ جائے اور پھر تم میں سے ہر ایک شخص کو اس کی خواہش کے مطابق میں عطا کر دوں، تو اس سے میری خدائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی (ہاں اگر بفرض محال کمی ہو بھی تو) صرف اسی قدر مثلاً تم میں سے کسی شخص کا سمندر پر گذر ہو اور وہ اس میں سوئی ڈال کر پھر اسے نکال لے، میری خدائی میں کمی اس لئے نہیں ہوگی کہ میں بہت زیادہ سخی ہوں، میں (اپنی

مطلوبہ شئ کو) پانے والا ہوں، میں بزرگی والا ہوں اور میں وہ کرگزرتا ہوں جو چاہتا ہوں، میرا دینا بھی کلام ہے (یعنی صرف حکم کرنا ہے) اور میرا عذاب بھی کلام ہے (یعنی صرف حکم کرنا ہے) اور بے شک میں جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، تو اس کے لئے میرا صرف اتنا ہی حکم ہے، کہ میں کہہ دیتا ہوں کہ "ہوجا" تو وہ اسی طرح ہوجاتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اتقی القلب: سب سے زیادہ تقوی والا دل۔ جناح بعوضۃ: ایک مچھر کے پر کے برابر۔ مابلغت امنیتہ: جہاں تک اس کی آرزو پہونچے، یعنی جو کچھ اس کے دل میں آئے یعنی ہر خواہش۔ غمس: ڈبودے۔ إبرۃ: سوئی۔ جواد: سخی، بہت دینے والا۔ ماجد: پانے والا، یعنی جو وہ چاہتا ہے، اسے حاصل کرلیتا ہے۔

عبادت اور نافرمانی سے قدرت الٰہی میں کوئی فرق نہیں پڑتا

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء ثابت ہوتی ہے، ساری کائنات مل کر اللہ کی اطاعت کرے یا اسکی نافرمانی کرے، اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اطاعت سے اس کی قدرت میں اضافہ اور نافرمانی سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اطاعت کا فائدہ اور نافرمانی کا نقصان صرف بندے کو ہی پہونچتا ہے۔

نیز اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر سارے انسان ایک جگہ جمع ہو کر اپنی منشا اور آرزو کے مطابق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، اور اللہ تعالیٰ انہیں عطا کردیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں ذرا برابر بھی کمی نہیں ہوتی، اگر بفرض محال کسی کمی کا تصور بھی کیا جائے تو وہ اسی قدر ہوگا جتنا کہ سمندر سے ایک سوئی پر پانی لگ جاتا ہے ورنہ حقیقت میں خدا کی خدائی میں کمی کے کسی بھی درجے کا کیا سوال، وہ کتنا ہی عطا کرے، اس کے ہاں ہرگز کمی نہیں ہوتی۔

انما امری.... اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرمالیتے ہیں، تو انہیں کسی محنت ومشقت اور جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ کلمہ کن کے ذریعہ اس شئ کو وجود عطا فرمادیتے ہیں۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُحَدِّثُ حَدِيثاً، لَوْ لَمْ أَسْمَعْهُ إِلَّا مَرَّةً، أَوْ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَلٰكِنِّي سَمِعْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتِّينَ دِينَاراً، عَلَى أَنْ يَطَأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنَ امْرَأَتِهِ أُرْعِدَتْ وَبَكَتْ، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ، أَأَكْرَهْتُكِ؟ قَالَتْ: لَا وَلٰكِنَّهُ عَمَلٌ، مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إِلَّا الْحَاجَةُ، فَقَالَ: تَفْعَلِينَ أَنْتِ هٰذَا وَمَا فَعَلْتِهِ؟ اذْهَبِي فَهِيَ لَكِ وَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ: لَا أَعْصِي اللّٰهَ بَعْدَهَا أَبَداً، فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ، فَأَصْبَحَ مَكْتُوباً عَلَى بَابِهِ: أَنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكِفْلِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، اگر میں نے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۲۶۔

وہ حدیث آپ سے ایک یا دو بار یہاں تک کہ سات بار تک شمار کیا، سنی ہوتی (تو میں اسے آگے روایت نہ کرتا) لیکن میں نے یہ حدیث آپ سے اس سے زیادہ بار سنی ہے، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں کفل نامی شخص تھا، جو کسی بھی گناہ سے پرہیز نہ کرتا، اسے کرگزرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی، کفل نے اسے ساٹھ دینار دیئے، اس بات پر کہ وہ اس سے جماع کرے گا، جب وہ مرد اس عورت پر بیٹھا، جیسا کہ مرد اس موقع پر عورت پر (وہ کام کرنے کے لئے) بیٹھا کرتا ہے، تو وہ عورت (خوف خدا کی وجہ سے) کانپ اٹھی اور رونے لگی، اس مرد نے کہا: کس چیز نے تجھے رلایا، کیا میں نے آپ پر کوئی جبر کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن یہ ایک عمل ہے کہ آج تک میں نے اس کا ارتکاب نہیں کیا اور آج مجھے ضرورت نے اس (زنا) پر آمادہ کیا ہے، کفل نے کہا: تم یہ کام ضرورت کی وجہ سے کر رہی ہو اور تم نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا، چل، تو جا، اور یہ دینار بھی میں نے تجھے ہبہ کر دیئے ہیں، (اس عورت کی کیفیت دیکھ کر) کفل کہنے لگا: اللہ کی قسم: میں اس کے بعد کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ اسی رات انتقال کر گیا، تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا یتورع: وہ پرہیز اور اجتناب نہ کرتا۔ علی أن یطأھا: اس بات پر کہ وہ اس سے جماع کرے۔ أرعدت: وہ عورت کانپنے لگی۔

کفل کی مغفرت کا واقعہ

"کفل" نامی شخص بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، جو ہر قسم کا گناہ اور اللہ کی نافرمانی کرتا تھا، ایک دفعہ نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے ایک عورت کو ساٹھ دینار دیئے، تاکہ اس سے جنسی استفادہ کرے، وہ عورت اللہ سے ڈر کی وجہ سے کانپنے لگی کہ آج تک میں نے یہ گناہ نہیں کیا تھا اور اب مالی حاجت کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے، اس مرد نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اس پر ترس آ گیا، اس نے وہ پیسے اس عورت کو بخش دیئے اور اس کے ساتھ وہ عمل بھی نہیں کیا، اور ساتھ ہی اللہ سے سچی توبہ کر لی کہ آج کے بعد کبھی بھی میں یہ گناہ نہیں کروں گا، اسی رات اس کی وفات ہو گئی، صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی بخشش کر دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس قدر سنگین گناہ ہو جائے جب وہ دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔[1]

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بِحَدِيثَيْنِ: أَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالآخَرُ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ، وَقَعَ عَلَى أَنْفِهِ، قَالَ بِهِ، هٰكَذَا، فَطَارَ۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ أَحَدِكُمْ مِنْ رَجُلٍ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ دَوِيَّةٍ مَهْلِكَةٍ،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶۸/۷۔

مَعَهٗ رَاحِلَتُهٗ عَلَيْهَا زَادُهٗ وَطَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ وَمَا يُصْلِحُهٗ فَأَضَلَّهَا، فَخَرَجَ فِي طَلَبِهَا حَتّٰى إِذَا أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، قَالَ: أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِيَ الَّذِي أَضْلَلْتُهَا فِيهِ فَأَمُوْتُ فِيهِ، فَرَجَعَ إِلٰى مَكَانِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهٗ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهٗ عِنْدَ رَأْسِهٖ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ وَمَا يُصْلِحُهٗ۔

حضرت حارث بن سوید سے روایت ہے کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں سنائیں، ان میں سے ایک تو خود عبداللہ کی طرف سے ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک مؤمن اپنے گناہوں کو (پہاڑوں کی طرح) سمجھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کی بنیاد میں بیٹھا ہے اور ڈرتا ہے کہ وہ اس پر گر پڑے اور فاسق اپنے گناہوں کو مکھی کی طرح سمجھتا ہے کہ وہ اس کی ناک پر بیٹھ گئی اور اس نے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا تو وہ اڑ گئی۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کی توبہ سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے بنسبت اس آدمی کے، جو ایک وسیع وعریض صحراء میں ہو، کہ جس میں کوئی گھاس نہ ہو اور وہ جگہ ہلاک کردینے والی ہو، اس کے ساتھ ایک ایسی سواری ہو جس پر اس کا توشہ اور کھانے پینے کی اشیاء تھیں اور وہ چیز جو اس کے لئے نفع بخش ہو، پھر اس نے اس سواری کو کھو دیا، پھر وہ اسکی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ جب اس کو موت نے پالیا (یعنی ہلاک ہونے کے قریب ہوگیا) کہنے لگا: میں اسی جگہ کی طرف لوٹتا ہوں، جہاں میں نے اونٹنی کو گم پایا تھا، اور وہیں پر مر جاؤں گا، چنانچہ وہ اس جگہ کی طرف لوٹا پھر اس پر نیند غالب آگئی پھر بیدار ہوا تو اچانک اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے، اس پر اس کا کھانا، پینا اور ہر وہ چیز ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُوْنَ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم کا ہر بیٹا خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ارض فلاة: وسیع وعریض جنگل، چٹیل میدان۔ دوية: وہ جگہ جس میں کوئی گھاس نہ ہو۔ مهلكة: ہلاک کردینے والی۔ راحلة: اونٹنی، سواری۔ و ما یصلحه: اور وہ چیز جو اس کے لئے نفع بخش ہے، جس کی اسے ضرورت وحاجت ہو۔ فاضلها: پھر اس نے اس اونٹنی کو گم پایا۔ خطاء: خطاکار، غلطی کرنے والا۔ التوابون: رجوع کرنے والے، توبہ کرنے والے۔

اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے

مذکورہ احادیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جس شخص کا ایمان کامل ہوتا ہے، اسے اپنے گناہ پہاڑ کی مانند بڑے لگتے ہیں، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں گویا پہاڑ کی بنیاد

میں بیٹھا ہوں، قریب ہے کہ اللہ کے عذاب کا پہاڑ مجھے تہس نہس کر دے اور فاسق و فاجر گناہ کو بہت معمولی سی چیز سمجھتا ہے، جیسے ناک پر مکھی بیٹھ جائے اور اسے ہاتھ کے اشارے سے اڑا دیا جائے، تو وہ اڑ جاتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ گنہگار بندے کی توبہ سے انتہائی زیادہ خوش ہوتا ہے بنسبت اس بندے کی خوشی کے کہ جس کا جانور زادِ راہ سمیت جنگل میں ایک ایسی جگہ میں گم ہو جائے جہاں قریب قریب میں انسانوں کی کوئی آبادی نہ ہو، اس کی تلاش میں گھومتے پھرتے جب تھک گیا، موت نظر آنے لگی تو دوبارہ اسی جگہ پر آ کر لیٹ جاتا ہے، آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بالکل صحیح سالم زادِ راہ سمیت موجود ہے، جب وہ سواری دیکھتا ہے تو یقیناً اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، تو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ، آدمی کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔

(۳) ہر انسان سے غلطی ہو جاتی ہے لیکن بہترین خطا کار وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو، توبہ کرنے والا ہو، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام غلطیوں سے معصوم ہیں اور جن بعض انبیاء سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی بھی ہیں تو وہ محض سہو و نسیان کی وجہ سے ہوئی ہیں، ان میں ان کے قصور کا بالکل کوئی دخل نہیں ہے، اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو چاہیے کہ وہ خیر کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَمَتَ نَجَا.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (بری بات سے) خاموش رہا، اس نے نجات پائی (یعنی وہ کامیاب ہو گیا)۔

مہمان کے اکرام اور زبان کی حفاظت کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱) کوئی مہمان آجائے تو اس کا دل سے اکرام کیا جائے، خندہ پیشانی سے اس سے ملاقات کی جائے اور اپنی حیثیت کے مطابق شروع میں ذرا اہتمام سے، اس کی خدمت کی جائے، اسے اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھیں کہ اس سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔

(۱) تحفة الاحوذی ۱۷۱/۷، مرقاة المفاتیح ۲۴۹/۵ کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبة۔

(۲) کلام کرنے سے پہلے یہ سوچیں کہ میں اپنی زبان سے کیا بولنے لگا ہوں، وہ بات میرے لئے جائز بھی ہے یا نہیں، اس کا کوئی فائدہ ہے یا یہ کہ وہ فضول کلام ہے، اگر اس فکر سے زبان کا استعمال کیا جائے تو بہت سے گناہوں اور بے مقصد کلام سے آدمی محفوظ رہ سکتا ہے، اور یوں اپنا قیمتی وقت بھی بچا سکتا ہے، آج ہمارے معاشرے میں اکثر فساد اور لڑائی جھگڑے اس زبان کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس کی لپیٹ میں کئی خاندان آجاتے ہیں، ان کے درمیان قربتوں کے بجائے دوریاں پیدا ہوجاتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی زبان صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَيُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسے مسلمان افضل ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں۔

کامل مسلمان کون

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین صرف اس چیز کا نام نہیں کہ مسلمان صرف چند عبادات کو اپنا لے اور بس، بلکہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جو اس انداز سے زندگی گذارے کہ اس کی زبان، ہاتھ اور جسم کے کسی بھی حصے سے کسی اور کو کوئی ایذاء نہ پہونچے، حدیث میں خاص طور پر زبان اور ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کہ عموماً لوگوں کو ایذاء رسانی کا سبب یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، معنی یہ ہیں کہ کسی بھی طرح سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہونچانا جائز نہیں ہے۔

حدیث میں زبان کو پہلے اور ہاتھ کو بعد میں ذکر کیا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ زبان کے نقصان اور ضرر، ہاتھ کے ضرر و نقصان کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں چنانچہ زبان کا ضرر مردے کو پہونچتا ہے جبکہ ہاتھ کا ضرر تو صرف زندگی تک ہوتا ہے، ایک عربی شاعر نے زبان کے نقصان کو اس طرح بیان کیا:

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

کہ تیر و شمشیر کے زخم تو ایک وقت کے بعد بالآخر آپس میں مل جاتے ہیں، درست ہوجاتے ہیں لیکن زبان کے تیر سے جہاں خلا پیدا ہوتا ہے، آپس میں ناراضیاں پیدا ہوجاتی ہیں تو یہ ایسے زخم ہیں کہ دوبارہ آپس میں نہیں ملتے، دوبارہ صلح ہو بھی جائے تو بھی وہ الفت و محبت کی فضا واپس نہیں آتی، جو اس واقعہ سے پہلے موجود تھی، اس لئے اپنی زبان کو خوب سنبھال کر استعمال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے زہریلے اثرات سے دنیا اور آخرت دونوں میں بچا جا سکے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۷۱/۷۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ۔

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر شرم دلائے، تو وہ نہیں مرے گا، یہاں تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرلے۔

احمد کہتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ "ذنب" سے وہ گناہ مراد ہے جس پر وہ شخص توبہ کرچکا ہے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيَكَ۔

حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا اور تمہیں (اس آزمائش میں) مبتلا کردے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: من عیر: جو عار دلائے، کسی کو برے فعل پر شرم دلائے، طعنہ دے۔ شماتۃ: دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔ یبتلیک: وہ آپ کو آزمائش میں ڈال دے گا، مبتلا کرے گا۔

کسی کو گناہ پر شرمندہ نہ کیا جائے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس سے توبہ کرلے تو اس پر اسے شرمندہ نہ کیا جائے، اور نہ طعنہ دیا جائے، اس عار دلانے اور شرمندہ کرنے کا یہ نقصان ہے کہ موت سے پہلے وہ شخص ضرور اس گناہ میں مبتلا ہوگا، کیونکہ دوسرے لوگوں کو عار دلانے کی وجہ سے خیر کے کاموں میں اس سے توفیق کو سلب کرلیا جاتا ہے، ایسے میں وہ مختلف گناہوں کے جال میں پھنس جاتا ہے، جس میں اس گناہ کو بھی وہ کر گزرتا ہے، جس پر اس نے عار دلائی ہوتی ہے، اس مرض سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے گریبان کو دیکھے، اپنے عیوب اور کوتاہیوں کو سوچے کہ میرے اندر کیا کیا برائیاں ہیں، کونسے کونسے میرے ایسے اعمال ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، ان کی اصلاح کی فکر کرے، یوں وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کرنے اور انہیں طعنہ دینے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

قال احمد: احمد سے یا تو امام احمد بن حنبل مراد ہیں یا احمد بن منیع، جو امام ترمذی کے شیخ ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ حدیث میں "ذنب" سے وہ گناہ مراد ہے جس پر اس نے توبہ کرلی ہو۔

کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہوں

سنت یہ ہے کہ جب انسان کسی کو مصیبت اور بیماری میں مبتلا دیکھے، تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ جس نے اسے عافیت میں رکھا ہوا ہے، کسی پریشانی اور مرض کی آزمائش میں نہیں ڈالا، دشمن کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنا مزاج اسلام کے خلاف ہے، اس کا نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت سے نجات عطا فرما دیتے ہیں اور خوشیاں منانے والا طرح طرح

کی مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے، اس لئے کسی بھی انسان کو مصیبت میں پھنسا دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے اس کے لئے اور اپنے لئے عافیت کی دعا کی جائے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أُحِبُّ أَنِّي حَكَيْتُ أَحَدًا وَإِنَّ لِي كَذَا وَكَذَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا، کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں، اگر چہ میرے لئے ایسا اور ایسا ہی کیوں نہ ہو (یعنی مجھے اس نقل اتارنے پر کتنا ہی زیادہ مال و دولت ملے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: حَكَيْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلًا فَقَالَ: مَا يَسُرُّنِي أَنِّي حَكَيْتُ رَجُلًا وَإِنَّ لِي كَذَا وَكَذَا۔ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: إِنَّ صَفِيَّةَ امْرَأَةٌ، وَقَالَتْ بِيَدِهَا: هٰكَذَا كَأَنَّهَا تَعْنِي قَصِيرَةً، فَقَالَ: لَقَدْ مَزَجْتِ بِكَلِمَةٍ لَوْ مَزَجَ بِهَا مَاءُ الْبَحْرِ لَمُزِجَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں کسی آدمی کی نقل اتاروں، اگر چہ میرے لئے اتنا اور اتنا ہو (یعنی مجھے بے شمار مال دیا جائے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: بیشک صفیہ ایک عورت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ ایسی ہیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ چھوٹے قد کی ہیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے اپنی باتوں میں ایک ایسی بات ملائی ہے کہ اگر سمندر کے پانی کو اس کے ساتھ ملایا جائے تو وہ بھی متغیر ہو جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی: حکیت: میں کسی کی نقل اتاروں، کسی کا ذکر کروں۔ قصیرۃ: ٹھگنی، پست قد والی۔ مزجت: تو نے ملایا۔ لمزج: (صیغہ مجہول) سمندر کا پانی تبدیل ہو جائے، متغیر ہو جائے۔

کسی کی نقل اتارنے کا حکم

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں ایک حضرت صفیہ بنت حیی بھی ہیں ان کا قد، قدرتی طور پر چھوٹا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن حضور اکرم ﷺ کے سامنے ان کے چھوٹے قد کا ذکر عیب اور حقارت کے طور پر کیا تو اس پر نبی کریم ﷺ نے شدید ناگواری کا اظہار فرمایا، کہ تم نے جو زبان سے اور ہاتھ کے اشارہ سے اسے ٹھگنا بتایا ہے، یہ بھی غیبت میں داخل ہے، جو ایک بدترین گناہ کبیرہ ہے، تمہارا یہ جملہ اور اشارہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر بھیانک اور خوفناک ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو وہ بھی اپنی وسعت دامن کے باوجود متغیر ہو جائے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب غیبت کے اس زہریلے جملے سے سمندر کا نظام متغیر ہو جاتا ہے، تو جب تم نے اسے اپنے اعمال کے ساتھ ملا دیا تو اس سے تمہارے اعمال کس قدر متاثر ہوئے ہوں گے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۷۳۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر ہاتھ پاؤں اور جسم کے کسی عضو کے اشارے سے کسی کی نقل اتاری جائے، تو یہ بھی غیبت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ فرمارہے ہیں کہ اگر مجھے دنیا کا کتنا ہی وافر مقدار میں مال و دولت دیدیا جائے، تب بھی میں کسی کی نقل نہیں اتاروں گا، کیونکہ یہ غیبت ہے، آج ہمارے معاشرے میں غیبت کا یہ گناہ بھی بہت عام ہے، کوئی مجلس اس گناہ سے خالی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔(۱)

باب

عَنْ يَحْيَى ابْنِ وَثَّابٍ، عَنْ شَيْخٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ۔ قَالَ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ: كَانَ شُعْبَةُ يَرَى أَنَّهُ: ابْنُ عُمَرَ۔

حضرت یحییٰ بن وثاب ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اس صحابی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: بیشک جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور نہ ان کی طرف سے تکلیف پر صبر کرتا ہے۔

ابن ابی عدی راوی کہتے ہیں کہ شعبہ کا خیال یہ تھا کہ ”شیخ“ سے حضرت عبداللہ بن عمر مراد ہیں۔

لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا گوشہ نشینی سے بہتر ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلم معاشرہ میں رہ کر لوگوں کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے، یہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، اور نہ کسی کی تکلیف اور ضرر پر صبر کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَسُوءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم آپس کی برائی (یعنی بغض و عداوت) سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ مونڈنے والی یعنی دین کو تباہ کردینے والی چیز ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتادوں، جس کے ثواب کا درجہ روزے، نماز اور صدقے کے ثواب سے زیادہ ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہاں کیوں نہیں (ضرور بتا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۶۷، مرقاۃ ۸/۵۹۴ کتاب الآداب باب حفظ اللسان۔

دیجئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (دشمنی رکھنے والے) لوگوں کے درمیان صلح کرنا، کیونکہ آپس کا فساد ایک ایسی خصلت ہے، جو مونڈنے والی یعنی دین کو تباہ و برباد کرنے والی ہے۔

ویروی عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ خصلت مونڈنے والی ہے، میری یہ مراد نہیں کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ دین کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ: لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذٰلِكَ لَكُمْ: أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

حضرت زبیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے کی امتوں کی بیماری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے اور وہ حسد اور بغض ہے، جو مونڈنے والی ہے، میری یہ مراد نہیں کہ وہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے، بلکہ دین کو تباہ و برباد کردیتی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے: تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے یہاں تک کہ تم ایمان لے آؤ، اور مومن کامل نہیں ہوگے یہاں تک کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے پیار و محبت کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں، جو اس محبت کو پختہ کرے گی (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: سوء ذات البین: آپس کی برائی، اپنے درمیان کی برائی۔ حالقة: مونڈنے والی۔ دب الیکم: تمہارے اندر سرایت کرگئی، داخل ہوگئی۔ بمایثبت: وہ چیز جو ثابت اور پختہ کرے گی۔ أفشوا: تم لوگ پھیلاؤ، عام کرو۔

صلح کرانے کی فضیلت

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ نے افتراق و انتشار، لڑائی جھگڑے اور حسد و بغض جیسی مہلک امراض اپنی صفوں میں داخل کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ چیزیں دین کو یوں تباہ و برباد کردیتی ہیں جیسے استرا، سر کے بالوں کو مونڈ دیتا ہے، حدیث میں "سوء ذات البین" سے حسد و بغض مراد ہے، کیونکہ دو افراد اور قبیلوں میں یہی دو چیزیں لڑائی جھگڑے اور آپس میں دوری کا سبب بنتی ہیں، چنانچہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ پہلی امتوں کی طرح میری امت میں بھی یہ مہلک امراض حسد اور بغض سرایت کرگئے ہیں، ان سے گذشتہ امتیں بھی تباہ ہوئیں اور میری امت کے اندر بھی یہ بیماری بہت زیادہ پائی جاتی ہے، یہ دین کو جڑ سے نکال دیتی ہے پھر آپ نے حدیث میں ہی اس کا علاج تجویز فرمایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، اس سے تمہارے اندر محبتیں پیدا ہوں گی، دلوں سے نفرتیں اور حسد و بغض کے جراثیم ختم ہوجائیں گے، آج مسلمانوں میں سلام کرنے کی

سنت بھی متروک ہوتی جارہی ہے، سلام کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، بس مسلمانوں کو سلام پھیلانے کا ہی اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) دو ناراض افراد یا خاندانوں میں صلح کرانا انتہائی اجر وثواب کا باعث ہے، نبی کریم ﷺ نے اسے نماز، روزے اور صدقہ سے افضل قرار دیا ہے، علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان عبادات سے نفلی عبادات مراد ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا فرض نماز، فرض روزے اور فرض صدقہ سے بھی اس صورت میں افضل ہو سکتی ہے کہ جب صلح ایک ایسے فساد کو ختم کرنے کے لئے ہو جس کے نتیجہ میں لوگوں میں قتل وخونریزی، مال واسباب کی غارتگری اور عزت وناموس کی بے حرمتی یقینی ہو، ایسے میں عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ یہ صلح مذکورہ عبادات سے افضل ہو کیونکہ اول تو عبادات ایسے اعمال ہیں جو اگر وقت پر ادا نہ ہو سکیں تو بعد میں ان کی قضا کی جا سکتی ہے، جبکہ اس عداوت ودشمنی کے نتیجہ میں جو نقصان، مال ودولت کا ضیاع، انسانی جانوں کی ہلاکتیں اور عزت وناموس کی بے حرمتی رونما ہو گی، اس کا ازالہ اور تلافی ممکن نہیں، دوسرے یہ کہ ان عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور مذکورہ ہلاکت وتباہی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ بعض اعتبار سے حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے زیادہ ہے، اس لحاظ سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اصلاح بین الناس کو ایک طرح سے عبادات پر فضیلت حاصل ہے جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ "نفس انسان، فرشتہ سے بہتر ہے، اور مرد، عورت سے بہتر ہے۔"[1]

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ.

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی سزا دیدے، اس سزا کے ساتھ جو اس کے لئے آخرت میں محفوظ ہو گی، امام وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی کے مقابلے میں (کہ یہ دو گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی ہو گی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: اجدر: (اسم تفضیل) زیادہ لائق، زیادہ مناسب۔ یعجل: جلدی دیدے۔ العقوبۃ: سزا، عذاب۔ ما یدخر لہ: جو اس کے لئے محفوظ ہو گی، ذخیرہ ہو گی۔ بغی: ظلم کرنا، امام وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا۔

وہ دو گناہ جن پر دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے وہ دو گناہ ذکر فرمائے ہیں، جن پر آخرت کے عذاب کے ساتھ ساتھ، دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے ایک امام وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور دوسرا رشتہ داروں سے تعلقات کو توڑنا، کیونکہ ان کے اثرات صرف ان کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ پورے ملک اور اس کے پورے خاندان پر مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۷۹/۷، مرقاۃ ۷۷۰/۸۔

ان کے ارتکاب کرنے والے لوگوں پر جلد سزا کا فیصلہ فرماتے ہیں تا کہ یہ دوسروں کے لئے سامانِ عبرت بنیں، اور اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو پھر آخرت میں بھی انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

حدیث میں "بغی" کے مفہوم میں ظلم وزیادتی اور تکبر بھی داخل ہے، اس لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کسی پر ظلم و ستم کرے گا یا جو تکبر وغرور کرے گا اور رشتہ داروں سے قطع تعلقی کرے گا تو اسے دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔(۱)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ لَمْ تَكُوْنَا فِيْهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا: مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدٰى بِهِ، وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ، كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّصَابِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهُ مِنْهُ، لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے شکر گذار اور صبر کرنے والا لکھ دیتے ہیں، اور جس میں وہ دونوں خصلتیں نہ ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ شاکر وصابر قرار نہیں دیتے، ایک یہ کہ دینی معاملے میں جب وہ ایسے بندے کو دیکھے، جو اس سے (طاعات وعبادات وغیرہ کے اعتبار سے) برتر ہو تو وہ اس کی اقتداء کرے، (اور اپنے کو اس طرح بنانے کی کوشش کرے) اور دوسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ اپنے دنیا کے معاملے میں اس آدمی کو دیکھے جو اس سے کم تر ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس بات پر شکر کرے کہ اس نے اس آدمی پر اسے فضیلت وبرتری عطا کی ہے، (تو جس میں یہ دو عادتیں پائی جائیں تو) اللہ تعالیٰ اسے شکر گذار اور صبر کرنے والا بندہ لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص ایسا ہو کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھے، جو اس سے دینی امر (یعنی اعمال وغیرہ) کے اعتبار سے کمتر درجہ کا ہو اور جب کسی ایسے آدمی کو دیکھے، جو اس سے دنیا کے لحاظ سے اعلیٰ وبرتر ہو اور اس چیز (یعنی جاہ و مال) پر رنج وافسوس کرے، جس سے وہ محروم ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر لکھتے ہیں اور نہ اسے صابر قرار دیتے ہیں۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: انْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ (دنیاوی امور میں) اس آدمی کو دیکھو جو تم سے (مال ودولت وغیرہ کے اعتبار سے) کم درجہ کا ہو اور اس آدمی کی طرف نظر نہ کرو جو تم سے (دنیاوی اعتبار سے) اعلیٰ وبرتر ہو، کیونکہ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے جو اس نے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۱/۷۔

تمہیں عطا فرما رکھی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: من ھو فوقہ: وہ شخص جو اس سے اعلیٰ و برتر ہو۔ من ھو دونہ: وہ شخص جو اس سے کمتر ہو۔ اسف: رنج و غم اور افسوس کرے۔ لاتزدروا: تم حقیر نہ جانو۔

صابر وشاکر کون؟

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو اہم خصلتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس میں وہ دونوں پائی جائیں تو وہ صابر وشاکر قرار پاتا ہے یعنی وہ مؤمن کامل کا مقام حاصل کر لیتا ہے، وہ دو خصلتیں یہ ہیں:

(۱) دینی امور میں اس آدمی کو دیکھا جائے جو اعمال وعبادات وغیرہ کے اعتبار سے اس سے بلند مقام پر ہو، تاکہ اسے دیکھ کر مزید عبادت کا داعیہ پیدا ہو، کیونکہ اگر ایسا وہ نہ کرے بلکہ دینی امر میں اپنے سے کم تر بندے کو دیکھے گا تو پھر اپنے آپ کو کامل سمجھے گا اور پھر وہ تکبر اور خود پسندی جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہو جائے گا۔

(۲) دنیاوی امور میں اپنے سے کمتر بندے کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا جائے، کہ جس نے مجھے بہت سے لوگوں پر مختلف نعمتوں کے اعتبار سے فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی ہے، اس فکر سے اس کے اندر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی، کیونکہ اگر انسان مال و دولت اور جاہ ومنصب کے اعتبار سے اپنے سے اوپر کے لوگوں کی طرف دیکھے گا تو اس کے اندر مایوسی پیدا ہو جائے گی، جو نعمتیں اسے حاصل ہیں انہیں وہ حقیر وکمتر سمجھے گا، اور جو نعمتیں اسے حاصل نہیں ہوں گی ان پر وہ رنج وغم اور افسوس کرے گا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان دو خصلتوں کے ساتھ آراستہ ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں شاکر وصابر بندہ لکھ دیا جاتا ہے، یعنی اسے "کامل مؤمن" کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔(۱)

باب

عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيْدِيِّ وَكَانَ مِنْ كُتَّابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ: مَا لَكَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا أَبَا بَكْرٍ، نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ، كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الأَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ، وَنَسِينَا كَثِيرًا، قَالَ: فَوَاللهِ إِنَّا لَكَذَلِكَ، انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَانْطَلَقْنَا، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا لَكَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ، نَكُونُ عِنْدَكَ، تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتَّى كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الأَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ وَنَسِينَا كَثِيرًا، قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ تَدُومُونَ عَلَى الْحَالِ الَّتِي تَقُومُونَ بِهَا مِنْ عِنْدِي لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِي مَجَالِسِكُمْ وَعَلَى

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۱/۷۔

فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ، وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً۔

حضرت حنظلہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبین وحی میں سے تھے کہ وہ (ایک دن) حضرت ابوبکر کے پاس سے روتے ہوئے گذرے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے: اے ابوبکر حنظلہ تو منافق ہوگیا، اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے ہیں، تو آپ ہمیں دوزخ (کا عذاب) اور جنت (کی نعمتیں) یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، مگر جب ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس سے لوٹتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور جائداد و کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں اور بہت کچھ ہم (ان نصیحتوں میں سے) بھول جاتے ہیں (یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ہوتی ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا ہماری کیفیت بھی اسی طرح ہے، تو ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کی طرف لے چل چنانچہ ہم دونوں چل پڑے، جب نبی کریم ﷺ نے حنظلہ کو دیکھا تو فرمایا: تمہارا اے حنظلہ کیا حال ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا (وہ اس طرح کہ) جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمیں دوزخ (کا عذاب) اور جنت (کی نعمتیں) یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم آپ کے پاس سے واپس جاتے ہیں تو اپنی بیویوں اور جائداد و کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں اور (نصیحتوں میں سے) بہت کچھ بھول جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ ہمیشہ اسی کیفیت پر رہو، جس کے ساتھ کہ تم میرے پاس سے اٹھتے ہو، تو فرشتے تمہاری مجلسوں، بچھونوں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ کوئی گھڑی کیسی ہوتی ہے اور کوئی کیسی۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رای عین: آنکھوں کے سامنے، اس لفظ کو ترکیبی اعتبار سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، مرفوع کی صورت میں یہ خبر ہوگی اور منصوب کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: تراهما رأی عین (تم جنت و دوزخ کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو) عافسنا: ہم اپنی بیویوں سے ملاقات کرتے ہیں، اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ الضیعة: جائداد، صنعت، حرفت، کاروبار۔ فرش: فراش کی جمع ہے: بستر، بچھونے۔ ساعة و ساعة: اصل عبارت یوں ہے: یکون ساعة کذا ویکون ساعة کذا، یعنی ایک گھڑی وہ اس طرح ہوتا ہے اور دوسری گھڑی میں وہ دوسری کیفیت میں ہوتا ہے۔

ذکر سے غفلت کی وجہ سے آدمی منافق نہیں ہوتا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے قلب پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، نیک مجلس اور وعظ ونصیحت کے وقت قلب کی کیفیت اور ہوتی ہے، اور مجلس سے باہر سابقہ کیفیت برقرار نہیں رہتی، لہذا گھریلو امور، صنعت وحرفت اور کاروبار میں مشغولیت کے وقت اگر قلب ذکر سے غافل ہو جائے، تو اس سے آدمی منافق نہیں ہوتا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو قلب کی ان مختلف کیفیتوں کی وجہ سے نفاق کا اندیشہ ہوا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اے حنظلہ "ساعۃ وساعۃ" ایک وقت تم پر یہ حالت طاری ہوتی ہے جسے تم نے میری صحبت میں محسوس کیا تا کہ تم اپنے پروردگار کے حقوق ادا کر سکو اور ذکر وشکر میں مشغول رہ سکو اور ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب تم پر غفلت کا غلبہ رہتا ہے تا کہ تم اپنے نفس اور اپنے متعلقین کے حقوق ادا کر سکو، لہذا اپنے اور متعلقہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغولیت کے وقت ذکر وفکر سے غفلت نقصان دہ نہیں کہ اس صورت میں تم اپنے آپ کو منافق سمجھنے لگو، اس لئے اپنے دل سے یہ خوف نکال دو کہ تم منافق ہو گئے ہو۔

لصافحتکم الملائکۃ: فرشتے تم سے علانیہ طور پر سب کے سامنے ہر وقت اور ہر جگہ مصافحہ کرتے نظر آئیں اور تم انہیں مصافحہ کرتے دیکھو۔

ایمان کامل کی علامت

دوسری حدیث میں ہے کہ انسان کا ایمان اس وقت کمال کا درجہ حاصل کرتا ہے جب وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے، آج ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ سب نعمتیں مجھے حاصل ہو جائیں، دوسروں کو ملیں یا نہ ملیں، یہ نبوی فکر نہیں، سنت یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ يَا غُلَامُ: إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن سفر کے دوران) میں نبی کریم ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، کہ آپ نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: لڑکے: میں تمہیں چند کلمات (یعنی کچھ باتیں) سکھاتا ہوں، (وہ یہ ہیں) اللہ تعالیٰ (کے تمام احکام امر ونہی) کا خیال رکھو، وہ تمہارا خیال رکھے گا (کہ دنیا میں مصائب و

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۴/۷، مرقاۃ ۱۲۹/۵ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ عزوجل۔

آفات سے اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا) اللہ کے حق کا لحاظ رکھو تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے (یعنی وہ تمہاری ہر مشکل حل کرے گا) اور جب مانگو، تو اللہ ہی سے مانگو، اور جب مدد طلب کرنا چاہو تو اللہ ہی سے مدد و نصرت طلب کرو، اور یہ جان لو کہ تمام مخلوق اگر اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تمہیں کچھ نفع پہونچائیں تو وہ ہرگز تمہیں نفع نہیں پہونچا سکے گی، مگر صرف اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور اگر وہ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ آپ کو نقصان پہونچائیں تو وہ ہرگز آپ کو نقصان نہیں پہونچا سکتے مگر اسی قدر کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تقدیر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے (یعنی ہر ایک کی تقدیر لکھی جا چکی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: احفظ اللہ: تم اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی امر و نہی کا لحاظ رکھو، اللہ کے حق کا خیال کرو۔ تجاھک: اپنے سامنے، اس میں لفظ "تا" "واو" سے بدل کر آئی ہے، اصل میں "وجاہ" تھا۔ جفت: خشک ہو گئے۔ الصحف: صحیفۃ کی جمع ہے: نوشتے، تحریریں۔

نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

اس حدیث سے درج ذیل امور اور احکام ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ احکام اور حدود کا لحاظ رکھے، ان کے مطابق عمل کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا خیال رکھیں گے، دنیا میں خیال رکھنا اس طرح ہوگا کہ دنیا کی پریشانیوں، تکلیفوں اور مصائب سے اسے بچاتے ہیں اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے اسے محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) ہر موقع پر اللہ ہی سے مانگا جائے، اسی سے ہر امر میں مدد و نصرت کا سوال کیا جائے، کیونکہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی ذات اس قابل نہیں کہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس سے کسی مسئلے میں مدد مانگی جائے، وہ داتا ہے، وہ مستغنی ذات ہے، کوئی پیر فقیر، کسی کی کوئی مشکل، کسی بھی وقت، حل نہیں کر سکتے، اس لئے ہر موقع پر رب کا دامن ہی مضبوطی سے تھاما جائے۔

(۳) نفع اور نقصان پہونچانے کا دائرہ اختیار، صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اللہ کے علاوہ ساری کائنات مل کر کسی کو کوئی نفع پہونچانا چاہیں تو ہرگز وہ ذرہ برابر بھی کوئی نفع نہیں پہونچا سکتے مگر اسی قدر کہ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے تقدیر میں لکھ دیا ہے، ایسے ہی اگر ساری انسانیت اکٹھے ہو کر کسی فرد کو ضرر پہونچانا چاہیں تو وہ بالکل کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو نفع یا نقصان پہونچانے کا اختیار، صرف اللہ جل جلالہ کے پاس ہے، لہٰذا ہر نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لئے صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(۴) رفعت الاقلام و جفت الصحف کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا ہے اور آئندہ بھی قیامت تک جو

آئے گا اس کی تقدیر و قسمت کے فیصلے "لوح محفوظ" میں لکھے جا چکے ہیں، اور اس کام سے فراغت بھی ہو چکی ہے کہ اب کسی کے حق میں کچھ نہیں لکھا جائے گا تو ہر شخص کی تقدیر و قسمت کو پہلے لکھے جانے کو "قلم اٹھا کر رکھ دینے اور صحیفوں کے خشک ہو جانے" سے تعبیر کیا ہے، کہ جس طرح کاتب جب کوئی کتاب لکھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو قلم کو اٹھا کر ایک جانب رکھ دیتا ہے اور کتاب بند کر دیتا ہے، اسی طرح کاتب تقدیر بہت پہلے ہی مخلوق کی تقدیریں لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور وہ صحیفہ ہمیشہ کے لئے لپیٹ دیا گیا ہے کہ اس میں اب کوئی تبدیلی اور کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ: أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اونٹ کا پاؤں باندھوں اور توکل کروں یا اسے آزاد چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کے پاؤں (پہلے) باندھو اور پھر توکل کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اعقلها: میں اونٹ کی پنڈلی کو ران سے باندھ دوں (تا کہ وہ بیٹھا رہے، اٹھ نہ سکے)۔ أطلقها: اسے آزاد چھوڑ دوں۔

توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں

اس حدیث میں یہ اصول بیان کرنا مقصود ہے کہ توکل اس چیز کا نام نہیں کہ انسان سرے سے اس کام کے اسباب ہی اختیار نہ کرے، بلکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کے بقدر اس جائز اور مباح کام کے لئے اسباب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور پھر اس کے نتیجے اور انجام کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے، چنانچہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہی پوچھا کہ میں اونٹ کو پاؤں سے باندھ کر توکل کروں یا اسے آزاد چھوڑ کر توکل کروں، گویا یہ سوال کرنا پیش نظر ہے کہ اسباب اختیار کر کے توکل کروں یا اسباب کو چھوڑ کر توکل کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسباب اختیار کر کے پھر توکل کریں، اس سے ان لوگوں پر رد ہو جاتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ توکل ترک اسباب کا نام ہے، لہذا اسباب کو اختیار کر کے توکل کرنا چاہیے۔(۲)

عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ: دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِيْنَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔

ابو الحوراء سعدی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی سے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا یاد کیا؟

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۵/۷۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۸۶/۷۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ یاد کیا: تو اس چیز کو چھوڑ دے، جو تجھے شک میں ڈالے، اس چیز کو اختیار کرے، جو تجھے شک میں نہ ڈالے، اس لئے کہ سچ پر دل مطمئن ہوتا ہے اور بیشک جھوٹ تو بے چینی اور اضطراب ہے، اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ، وَذُكِرَ آخَرُ بِرِعَةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يُعْدَلُ بِالرِّعَةِ۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کی عبادت اور (دینی امور میں) اس کی جدوجہد کا ذکر کیا گیا اور ایک اور شخص کے تقوی اور پرہیزگاری کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ورع وتقوی کے برابر کوئی خصلت نہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: دع: تو چھوڑ دے۔ مایریبک: جو چیز تجھے شک میں ڈال دے۔ طمانینۃ: وہ شی جس پر دل مطمئن ہو۔ ریبۃ: (را کے نیچے زیر) قلق واضطراب، بے چینی۔ اجتہاد: دینی امور میں محنت وکوشش اور ریاضت۔ رعۃ: (را کے نیچے زیر) پرہیزگاری، تقوی۔ لایعدل: (مجہول کا صیغہ ہے) کوئی خصلت تقوی کے برابر نہیں۔

مشکوک چیز چھوڑنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جس چیز کے بارے میں کوئی حتمی حکم معلوم نہ ہو، کہ یہ حلال ہے یا حرام، سنت ہے یا بدعت، جائز ہے یا ناجائز، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس مشکوک شی کو چھوڑ دیا جائے اور اس چیز یا عمل کو اختیار کر لیا جائے، جس سے کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو اور جس پر آدمی کو یقین ہو، کیونکہ صدق تو اطمینان قلبی کا نام ہے اور کذب میں بے چینی اور اضطراب ہوتا ہے، اگر شک والی چیز کو اختیار کیا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کذب کو اختیار کیا گیا کہ اس میں بھی بے چینی ہوتی ہے، اس لئے جب بھی کسی امر میں اشتباہ ہو جائے، تو اس عمل اور شی کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔

و فی الحدیث قصۃ سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوالحوراء نے حسن بن علی سے کہا: آپ نے رسول ﷺ سے کیا یاد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈالی تو نبی کریم ﷺ نے اسے میرے منہ سے لعاب سمیت نکال لیا اور صدقہ کی کھجوروں میں اسے ڈال دیا، تو ایک شخص آپ سے کہنے لگا: اگر وہ کھجور کھا لیتا تو؟ آپ نے فرمایا: ہم آل رسول، صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور فرمایا: دع مایریبک......

(۲) دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ تقوی و پرہیزگاری کے برابر کوئی خصلت نہیں، کیونکہ متقی آدمی ہر قسم کے منکرات اور گناہوں سے بچنے کے ساتھ ان چیزوں اور اعمال کو بھی چھوڑ دیتا ہے، جن میں اسے حلال اور جائز ہونے کا یقین نہیں ہوتا، شک اور دل میں کھٹک سی ہوتی ہے، یہ بہت اعلی درجہ ہے، اس لئے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تقوی کی خصلت کو اعلی قرار دیا ہے بنسبت

اس شخص کے جو زیادہ عبادات تو کرتا ہے لیکن ورع و پرہیزگاری کی خصلت اسے حاصل نہیں، اس لئے مسلمانوں کو صرف عبادات پر ہی اکتفاء نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ورع وتقویٰ اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائے، آمین۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَكَلَ طَيِّباً وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ۔ قَالَ: فَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رزق حلال کھائے، سنت کے مطابق عمل کرے، اور لوگ اس کی شرور (یعنی ظلم وستم، دوکھے اور ایذاء) سے محفوظ رہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ایسے لوگ تو اس زمانے میں بہت ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کے زمانوں میں بھی ہوں گے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، وَأَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَنْكَحَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ۔

حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی رضا کے لئے دے، اللہ ہی کے لئے روکے، اللہ کے لئے محبت کرے، اللہ کے لئے بغض کرے اور اللہ کے لئے اپنا نکاح کرے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: طیبا: رزق حلال۔ بوائق: بائقۃ کی جمع ہے: شرور وآفات، مصائب۔ قرون: قرن کی جمع ہے، زمانہ۔ استکمل: اس نے مکمل کرلیا۔

اتباع سنت کی برکت

پہلی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ رزق حلال، اتباع سنت اور لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے جو شخص محفوظ رکھے تو وہ یا تو عذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جائے گا یا ان لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا جو سابقین ہوں اور جو شخص اعمال تو کرتا رہا لیکن سنت کی اتباع کا اہتمام نہیں کیا، تو وہ بھی اگرچہ جنت میں تو داخل ہوگا لیکن کچھ عرصہ اسے اپنے گناہوں کی سزا سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لئے سنت کی اتباع کا ہر قدم پر لحاظ رکھنا چاہیے، آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے، جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۸۷۔

اخلاص کا حکم

دوسری حدیث میں درحقیقت اپنی نیت کو درست کرنے اور اخلاص کا حکم دیا گیا ہے، کہ جو عمل بھی کیا جائے اس میں صرف اللہ جل جلالہ کی رضا اور اس کے حکم کی اتباع پیش نظر ہونی چاہیے، اس کے علاوہ اور کوئی غرض اور مقصد نہیں ہونا چاہیے، جس شخص کو اخلاص حاصل ہو جائے تو اس نے گویا اپنا ایمان مکمل کر لیا، ایسے میں اسے وہ تمام فضائل ومناقب حاصل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہر عمل میں ہمیں بھی اخلاص کی نعمت عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

کتاب صفة الجنة عن رسول الله ﷺ

نبی کریم ﷺ سے جنت کی صفت سے متعلق احادیث پر مشتمل کتاب

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں جنت کے درخت کی صفت کا بیان ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ، لَا يَقْطَعُهَا، قَالَ: وَذَٰلِكَ الظِّلُّ الْمَمْدُودُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے میں سو سال تک بھی کوئی سوار چلتا رہے، تو اسے طے نہ کر سکے اور فرمایا: یہی وہ ''ظل ممدود'' ہے، جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً جنت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ إِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں، جس کا تنا سونے کا نہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یقطعها: اس درخت کو وہ پار نہ کر سکے، طے نہ کر سکے، یعنی اس درخت کی شاخوں کے آخری کنارے تک نہ پہونچ سکے۔ **وفی ظلها:** اس کے سائے میں، اس کے دو مطلب ہیں: (۱) جنت کی نعمت اور راحت میں، (۲) اس درخت کی ایک جانب میں چلتا رہے، تو بھی اسے طے نہیں کر سکے گا، یہ مطلب اس لئے بیان کرنا ضروری ہے کہ جنت میں کسی سائے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ وہاں نہ سورج ہوگا، نہ دھوپ اور تپش ہوگی کہ جس سے کسی جنتی کو اذیت ہو۔ **ظل ممدود:** لمبا سایہ، **ساقها:** درخت کا تنا۔

جنت اس وقت موجود ہے

''جنت'' کے لغوی معنی ہیں ''نظروں سے پوشیدہ چیز''، باغ، اور شرع میں اس لفظ سے وہ مخصوص مکان مراد ہے، جس

میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے مخصوص بندوں کے لئے مختلف قسم کی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، تا کہ نیک بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جنت اس وقت موجود ہے، ایسا نہیں کہ جنت کو قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا، جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے، جسے جمہور اہل سنت نے رد کیا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں اس بات پر باقاعدہ باب کا عنوان قائم کر کے احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنت اس وقت موجود ہے اور اسے پیدا کیا جا چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جمع کا لفظ یعنی "جنات" ذکر فرمایا ہے، اس لئے کہ جنتیں سات قسم کی ہیں: جنت الفردوس، جنت عدن، جنت نعیم، دار الخلد، جنة المأوی، دار السلام اور علیین، اور مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو جبرئیل امین علیہ السلام سے فرمایا: اذھب فانظر الیھا (جاؤ، ذرا جنت کو دیکھ لو)۔

ان تمام روایات سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت کا وجود اس وقت بھی موجود ہے اور اسے پیدا کیا جا چکا ہے، گو کہ ہمیں نظر نہیں آ رہی کیونکہ کسی چیز کے نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز سرے سے موجود ہی نہیں، دنیا کی کتنی ہی اشیاء، شہر اور ملک ہم نے مثلاً نہیں دیکھے، لیکن ان کا دنیا میں یقیناً وجود ہے۔(۱)

جنت کے شجر "طوبیٰ" کا ذکر

اس باب کی احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام "طوبیٰ" ہے، وہ اس قدر طویل وعریض اور پھیلا ہوا ہوگا کہ کوئی گھوڑ سوار تیز رفتار گھوڑے پر سو سال تک بھی اس کے نیچے چلتا رہے، تو اسے پار نہیں کر سکے گا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورہ واقعہ میں جو ظل ممدود۔ (لمبا سایہ) فرمایا: اس سے یہی درخت مراد ہے، اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے اس حدیث کے بعد فرمایا: واقرؤا ان شئتم "وظل ممدود"، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو وظل ممدود۔

باب کی مذکورہ احادیث میں اگرچہ لفظ "طوبیٰ" کی تصریح نہیں ہے، لیکن چونکہ دوسری احادیث میں یہ لفظ موجود ہے، اس لئے شارحین حدیث کے نزدیک ان احادیث میں بھی، اس درخت سے شجرہ طوبیٰ ہی مراد ہے، چنانچہ ابن جوزی نے اس پر تصریح کی ہے، اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لئے "طوبیٰ" ہے، جس نے مجھے ایمان کی حالت میں دیکھ لیا ہے، ایک شخص نے پوچھا: "طوبیٰ"

---

(۱) الکوکب الدری ۳۰۶/۳، تفسیر ابن کثیر، سورۃ الواقعۃ ۲۸۹/۴ ط: قدیمی کراتشی۔

کیا ہے؟ فرمایا: وہ جنت کا درخت ہے، جس کی مسافت سو سال ہے، اہل جنت کے کپڑے اس کی شاخوں سے نکلیں گے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ظل ممدود" جنت میں ایک درخت ہے، جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے، جنتی لوگ اس کے نیچے آ کر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کیا کریں گے، انہیں اپنے دنیوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آئیں گے، تو اس وقت ایک ہوا چلے گی، جو اس درخت کو ہر اس کھیل تماشے کے ساتھ متحرک کر دے گی، جسے وہ دنیا میں اختیار کیے ہوئے تھے (یوں ان کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے)۔

(۲) جنت کے درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے، اس پر مزید دو حدیثیں درج ذیل ہیں:

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں واقعی ایک درخت ہے، جس کے تنے سونے کے اور اس کی شاخیں زبرجد اور موتیوں کی ہوں گی، ہوا سے وہ شاخیں جب ہلتی ہیں، تو اس سے ایسی پر لطف آواز نکلتی ہے کہ اس سے پہلے کسی سننے والے نے اس طرح کی لذیذ آواز نہیں سنی ہوگی۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں کھجور کے درخت کے تنے سبز زمرد اور اس کی شاخوں کی چوڑی اور سخت جڑیں سرخ سونے کی ہوں گی، اس کی شاخیں اور پتے اہل جنت کا لباس ہوگا، جن سے ان کے کپڑوں کے مختلف جوڑے ہوں گے، اس کے پھل مٹکوں اور ڈولوں کے برابر بڑے ہوں گے، یہ پھل دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے، مکھن سے زیادہ نرم، اور مزید یہ کہ ان میں کوئی گٹھلی نہیں ہوگی۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا

یہ باب جنت کی صفت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ: مَا لَنَا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ: رَقَّتْ قُلُوبُنَا وَزَهِدْنَا وَكُنَّا مِنْ أَهْلِ الآخِرَةِ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ فَآنَسْنَا أَهَالِينَا وَشَمَمْنَا أَوْلَادَنَا أَنْكَرْنَا أَنْفُسَنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي كُنْتُمْ عَلَى حَالِكُمْ ذٰلِكَ لَزَارَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِي بُيُوتِكُمْ، وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَجَاءَ اللّٰهُ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ كَيْ يُذْنِبُوا فَيَغْفِرَ لَهُمْ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ: مِنَ الْمَاءِ، قُلْتُ: الْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا؟ قَالَ: لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ، وَمِلَاطُهَا: الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ، وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ، وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ، مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ، وَيَخْلُدُ لَا يَمُوتُ، وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ، ثُمَّ قَالَ: ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَرْفَعُهَا فَوْقَ الْغَمَامِ، وَيَفْتَحُ لَهَا

(۱) تکملۃ فتح الملہم، ۱۷۴/۶ کتاب الجنۃ، باب ان فی الجنۃ لشجرۃ۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۹۱/۷

أَبْوَابَ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَعِزَّتِي لَأَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے ہم بیزار ہوتے ہیں، اور ہم اہل آخرت میں سے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے نکل آتے ہیں، تو اپنی اہل کے ساتھ مل جاتے ہیں، اور اولاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں، تو ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں (یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو آپ کی مجلس میں تھی)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ (ہر وقت) اسی حال میں رہو، جس وقت کہ تم میرے پاس سے جاتے ہو (اور وہی حالت تمہاری برقرار رہے) تو فرشتے تم سے ملنے کے لئے تمہارے گھروں میں آئیں اور اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا کر دے گا، تا کہ وہ گناہ کرے (پھر وہ اللہ سے استغفار کریں) تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ فرمایا: پانی سے، میں نے عرض کیا: جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ فرمایا: وہ اس طرح بنی کہ اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک اینٹ سونے کی ہے، اس کا گارا تیز مشک کا، اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی اور اس کی مٹی زعفران کی ہے، جو اس میں داخل ہوگا، تو وہ خوب خوشحال ہوگا، کبھی حاجت مند اور مفلس نہ ہوگا، ہمیشہ اسی میں رہے گا، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمیوں کی دعا کو کبھی رد نہیں کیا جاتا (یعنی ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے) عدل وانصاف کرنے والا حاکم، روزے دار جب وہ افطار کرنے لگے اور مظلوم کی بددعا، اللہ تعالیٰ مظلوم کی بددعا کو بادلوں سے بلند کرتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے ہیں اور رب تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے میری عزت کی قسم: میں ضرور تمہاری مدد کروں گا، اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی کروں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **نعیم:** آسودہ حالی، آرام وراحت، مال ودولت۔ **رقت:** ہمارے دل نرم ہوتے ہیں۔ **زھدنا:** ہم دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو جاتے ہیں۔ **أنسنا:** ہم مانوس ہو جاتے ہیں، مل جاتے ہیں۔ **اھالی:** اھل کی جمع ہے: اہل وعیال، اہلیہ۔ **شممنا:** ہم سونگھتے ہیں یعنی ہم اپنی اولاد میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ **انکرنا انفسنا:** ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں، یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو آپ کے پاس تھی۔ **لبنۃ:** اینٹ۔ **ملاط:** (میم کے نیچے زیر) لپائی کا گارا۔ **المسک:** مشک۔ **الاذفر:** بو کا اڑنا خواہ وہ خوشبو ہو یا بدبو، شدید مہک والی۔ **حصباء:** کنکریاں۔ **ینعم:** خوشحال اور آسودہ ہوگا۔ **لا ییأس:** (صیغہ معروف) وہ حاجت مند اور مفلس نہیں ہوگا۔ **یخلد:** وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ **لا تبلی:** پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ **لا یفنی شبابھم:** ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہوگی۔ **ولو بعد حین:** اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہی مدد کروں۔

اللہ کی صفت ''غفار'' کا مظہر

''ولو لم تذنبوا لجاء اللہ بخلق جدید کی یذنبوا فیغفر لھم'' اس سے گنہگار لوگوں کو گناہ پر ابھارنا یا ان کی حوصلہ افزائی مقصود نہیں، بلکہ اس سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ''غفار'' کی شان کو ظاہر کرنا پیش نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جہاں یہ مشیت ہے کہ انسان میری طاعت وعبادت کریں کہ اسی کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور تاکہ میں انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازوں، وہاں یہ بھی مصلحت ہے کہ انسان نافرمانی کر کے مایوس نہ ہو، بلکہ مجھ سے آہ وزاری اور توبہ کرے، تاکہ میں اس سے درگذر کردوں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ سارے انسان فرشتوں کی طرح ہر وقت اللہ کی تسبیح وتقدیس اور عبادت کرتے رہیں، ان سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو، کیونکہ وہ غفار ذات ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی مغفور ہو، جس کی بخشش کی جائے، جیسے رازق یہ چاہتا ہے کہ کوئی مرزوق ہو کہ جسے رزق دیا جائے، گو کہ سارے انسانوں کی اطاعت سے اللہ کی قدرت میں کوئی اضافہ اور نافرمانی سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، لیکن ان کی حکمت ومصلحت اور مشیت اسی طرح ہے۔(۱)

تین افراد کی دعا کو ضرور قبول کیا جاتا ہے

اس حدیث میں ہے کہ تین افراد کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں:

(۱) عدل وانصاف کرنے والا حکمران، اس میں جہاں کسی ملک کا سربراہ داخل ہے، وہاں اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ جو شخص جتنے افراد پر حاکم، سرپرست، افسر اور ذمہ دار ہو اس پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ عدل وانصاف کرے، کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرے۔

(۲) روزے دار جب افطار کرنے لگے، لہذا افطاری کے قریب روزے دار کو دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، اس وقت کو کھانے پینے کے پروگرام اور فضول گپ شپ میں گذارنا، کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

(۳) مظلوم کی دعا کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے، اس دعا کو اللہ تعالیٰ فوراً بلند کرتے ہیں چنانچہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ جل جلالہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں تمہاری ضرور مدد کروں گا، اگرچہ اس میں کچھ وقت لگ جائے۔

عربی قواعد کے اعتبار سے ''والمظلوم'' ہونا چاہئے تھا جیسا کہ الامام العادل اور الصائم ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے ''و دعوۃ المظلوم'' فرما کر دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

☆ ایک اس طرف کہ مظلومیت شرعاً کوئی مقصود نہیں، جیسا کہ امام کا عادل ہونا اور روزہ مقصود ہوتا ہے۔

☆ مظلوم کی دعا کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے انداز اور اسلوب کو تبدیل کیا کہ امام عادل اور روزے دار کی دعا کے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۹۳

مقابلے میں مظلوم کی دعا کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

"یرفعھا فوق الغمام" کی ترکیب نحوی

"یرفعھا" ترکیب میں کیا واقع ہے، اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "دعوۃ المظلوم" "دعوتھم" سے بدل ہے اور "یرفعھا" "دعوۃ المظلوم" سے حال ہے ۔

(۲) مناسب یہ ہے کہ "یرفعھا" کو "دعوۃ المظلوم" کی خبر قرار دیا جائے، ایسے میں "یفتح" اور "یقول" کا عطف بھی اس پر ہوگا۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دو احتمال میں "یرفعھا" میں ضمیر کا مرجع "دعوۃ المظلوم" ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ غُرَفِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں جنت کے بالا خانوں کی صفت کا بیان ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُرَى ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا، فَقَامَ إِلَيْهِ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ: هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے کمرے ہوں گے، جن کا اندرونی منظر باہر سے اور باہر کا منظر اندر سے دکھائی دے گا، ایک دیہاتی کھڑے ہو کر کہنے لگا، یا رسول اللہ! یہ کس کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ اس شخص کے لئے ہوں گے جو اچھا کلام کرے، کھانا کھلائے اور ہمیشہ (یعنی اکثر نفلی) روزے رکھے اور اللہ کے لئے رات میں نماز (تہجد) پڑھے، جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ جَنَّتَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلٰى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ۔

وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ دُرَّةٍ مُجَوَّفَةٍ، عَرْضُهَا سِتُّونَ مِيلًا، فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا أَهْلٌ، لَا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ۔

عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت میں دو ایسی جنتیں ہوں گی،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۹۴

جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (یعنی مکان ومحلات، پلنگ، میز اور درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں ایسی ہوں گی جن کے برتن اور جو کچھ کہ ان میں ہے، سب سونے کے ہوں گے اور اہل جنت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار میں اس کی عظمت وکبریائی کی چادر کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، جو جنت عدن میں اس کے چہرہ پر ہوگی۔

اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت میں (اہل جنت کے لئے) کھوکھلے موتی کا ایک عظیم خیمہ ہوگا، جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہوگی، اس خیمہ کے ہر کونے میں (مؤمن کے) اہل خانہ (حوریں) ہوں گے، جو دوسرے کونے والوں کو نہیں دیکھ سکیں گے، مؤمن ان تمام (اہل خانہ) پر آتا جاتا رہے گا (یعنی ان کے ساتھ جماع کرے گا)

مشکل الفاظ کے معنی: ۔غرف: (غین پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) کمرے، بالا خانے۔ ظهورها من بطونها: ظهور جمع ہے ظهر کی اور بطون بطن کی جمع ہے: اندرونی منظر باہر سے۔ و بطونها من ظهورها: باہر کا منظر اندر سے (دکھائی دے)۔ أطاب: عمدہ اور اچھے طریقے سے کرے۔ نیام: نائم کی جمع ہے: سونے والے۔ آنية: إناء کی جمع ہے: برتن۔ درة: (دال پر پیش اور را پر تشدید اور زبر کے ساتھ) موتی۔ مجوفة: کھوکھلا۔ عرضها: اس کی چوڑائی۔ زاوية: گوشہ، کونا۔ لا يرون الآخرين: ایک کونے والا دوسرے کونے والے کو نہیں دیکھ سکے گا، لا یرون کا لفظ معنی کے اعتبار سے جمع لائے ہیں۔ يطوف: مؤمن کا آنا جانا لگا رہے گا، اس سے جماع کے معنی مراد ہیں۔

جنت کے بالا خانے

جنت کے کمرے اس قدر شفاف اور نظیف ہوں گے کہ ان کا بیرونی منظر اندر سے اور اندرونی منظر باہر سے نظر آئے گا، یہ ان مسلمانوں کے لئے ہوں گے، جن کے اندر چار صفات پائی جائیں۔

(۱) لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے باتیں کرے، لب ولہجہ سخت اور متکبرانہ انداز کلام اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور نہ ہی ایسے لوگوں کو معاشرہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔

(۲) فقراء ومساکین اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلائے۔

(۳) اکثر وبیشتر نفلی روزے رکھے۔

(۴) راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے آہ وزاری کرے، نماز تہجد ادا کرے، جبکہ لوگ اس وقت خواب غفلت میں سوئے ہوتے ہیں۔

لہذا کامل اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس مقام اور فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر مذکورہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرے۔(۱)

(۱) تحفة الأحوذي ۱۹۶/۷

جنتوں کی تعداد اور دیدار الٰہی

باب کی دوسری حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

(۱) جنتوں کی تعداد کیا ہے، اس بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے جنتوں کی تعداد چار معلوم ہوتی ہے، اس پر دو دلیلیں:

☆ سورۃ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولمن خاف مقام ربه جنتان (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ہر وقت ڈرتا ہو، اس کے لئے دو جنتیں ہیں) اور پھر ارشاد فرمایا: ومن دونهما جنتان (اور ان دو جنتوں سے کم درجہ میں دو جنتیں اور ہیں)، اس سے معلوم ہوا کہ جنتوں کی تعداد چار ہے۔

☆ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور جو ان کے درمیان ہے، وہ سب چاندی کے ہیں اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں، اس روایت سے بھی صراحتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں چار ہیں۔

اور "جنتان" کا لفظ اگرچہ تثنیہ کا ہے، لیکن عربی زبان میں کبھی اس سے کثرت وفراوانی بھی مراد لی جاتی ہے، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ "جنتان" سے چار چار جنتیں مراد ہوں، اور مخصوص بندوں کو ان دو اصل جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور عطا ہوں، جو سونے اور چاندی ہی کی ہوں گی، اور تزئین وآرائش اور خوشنمائی کے لئے ان کامل لوگوں کے محلات کے دائیں بائیں واقع ہوں گی، اس بات کی تائید، ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں جنت کے آٹھ طبقات کا ذکر ہے، جن کے نام یہ ہیں: جنت عدن، جنت الفردوس، جنت الخلد، جنت النعیم، جنت المأوی، دار السلام، دار القرار اور دار المقامہ۔

(۲) جنتی لوگ جب جنت میں پہونچ جائیں گے، تو دیدار الٰہی اور بندے کے درمیان جو جسمانی حجاب اور طبعی کدورتیں حائل ہوتی ہیں، وہ سب ختم ہو جائیں گی، مگر اللہ جل جلالہ کی عظمت وکبریائی اور ہیبت وجلال کا پردہ جنت عدن میں حائل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس پردے کو بھی اٹھا دیں گے، یوں جنتی لوگ براہ راست اللہ جل جلالہ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل فرما دے آمین یارب العالمین۔(۱)

ان فی الجنة جنتین... اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیں خالص سونے کی اور دو خالص چاندی کی ہوں گی، جبکہ جنت کی تعمیر وبناء کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہوگی، بظاہر ان دونوں میں تعارض سا ہے؟

اس تعارض کو اس طرح حل کیا گیا کہ پہلی روایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے، جو جنت کے اندر ہوں گی، برتن، پلنگ، میز

(۱) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفتن، باب صفۃ الجنۃ وأھلھا ۵۸۲/۹

اور دیگر اشیاء، چنانچہ ایک جنت میں تو تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور ایک جنت میں تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دوسری روایت میں جنت کی تعمیر وبناء کا ذکر ہے کہ جنت کے ہر محل کی دیوار میں سونے اور چاندی دونوں کی اینٹیں ہوں گی، اس لئے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

جنتین من فضۃ... کی ترکیب

"جنتین من فضۃ آنیتھما و ما فیھما" اس میں "جنتین" موصوف ہے، اور من فضۃ... اس کی صفت ہے، من فضۃ کی دو ترکیبیں ہیں، ایک یہ کہ یہ خبر مقدم ہے اور آنیتھما و ما فیھما مبتداء مؤخر ہے، اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ "من فضۃ" جنتین کی صفت ہے اور "آنیتھما و ما فیھما" مبتدا ہے اور کذالک ان کی خبر محذوف ہے، پھر یہ جملہ ہو کر جنتین کی صفت ہو جائے گا۔(۱)

جنت کا خیمہ

مؤمن کے لئے جنت میں ایک خیمہ ہوگا، جو پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا، اس کی چوڑائی ساٹھ میل کی مسافت کے بقدر ہوگی اور ایک روایت میں اس کی لمبائی بھی اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ گویا وہ اس قدر بڑا ہوگا کہ اس کی لمبائی اور چوڑائی دونوں ساٹھ ساٹھ میل کی مسافت کے بقدر ہونگی، اس کے ہر کونے میں مؤمن کی اہل یعنی اس کی بیویاں ہوں گی، جنہیں دوسرے کونے کے لوگ نہیں دیکھ سکیں گے، مؤمن کا ان پر آنا جانا لگا رہے گا، یہاں پر طواف جماع سے کنایہ ہے، معنی یہ ہیں کہ مؤمن اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کیا کرے گا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں جنت کے درجات کا بیان ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ، لَا أَدْرِي أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا، إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ مَكَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ بِهَا، قَالَ مُعَاذٌ:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۹۶/۷

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۹۸/۷۔

أَلَا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُونَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا، وَفَوْقَ ذٰلِكَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو رمضان کے روزے رکھے، نماز پڑھے اور بیت اللہ کا حج کرے، عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ معاذ بن جبل نے زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے یا نہیں، تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق (یعنی فضل وکرم) ہے کہ وہ اس کی مغفرت کریں، خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین پر ٹھہرا رہے، جہاں وہ پیدا ہوا، معاذ نے عرض کیا: کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ وہ عمل کرتے رہیں، کیونکہ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے، جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے اور جنت الفردوس جنتوں میں سب سے اعلیٰ اور درمیان میں ہے، اس کے اوپر عرش رحمن ہے، اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں، لہذا جب تم اللہ سے (جنت) مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةً، وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ، وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُونُ الْعَرْشُ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے، اور فردوس درجے کی بلندی کے اعتبار سے تمام جنتوں سے اعلیٰ وبرتر ہے، اسی سے جنت کے چاروں دریا (یعنی، پانی، دودھ، شراب اور شہد) کے دریا نکلتے ہیں اور فردوس کے اوپر ہی عرش رحمن ہے، لہذا جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس ہی مانگا کرو۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ، لَوْ أَنَّ الْعَالَمِينَ اجْتَمَعُوا فِي إِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں سو درجے ہیں، اگر سارے جہان کے لوگ ان میں سے کسی بھی ایک درجے میں جمع ہو جائیں تو وہ سب کے لئے کافی ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔مکث: ٹھہرا رہے، سکونت اختیار کرے۔ ذر الناس: آپ لوگوں کو (عمل میں ہی) رہنے دیں، چھوڑ دیں۔ فردوس: وہ باغ جو ہر شئی کو جامع ہو، یہ جنت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا: الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون (یہ مذکورہ لوگ فردوس کے وارث بنیں گے، اور وہ اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے)۔ اعلی الجنۃ: جنت میں سب سے اونچی اور برتر۔ اوسطھا: تمام جنتوں کے درمیان، سب سے افضل اور عمدہ، کیونکہ جو چیز کسی چیز کے درمیان ہو، تو وہ آس

پاس کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوتی ہے، اس لئے اسے سب سے افضل، عمدہ اور بہترین شمار کیا جاتا ہے۔ **ومن فوقھا**: اور جنت الفردوس کے اوپر۔ **تفجر**: (مجہول کا صیغہ ہے) نکالی جاتی ہیں، جاری ہوتی ہیں۔ **العالمین**: (لام پر زبر) تمام مخلوق، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات۔ **لوسعتھم**: وہ درجہ ان تمام کو کافی ہو جائے، سما جائے۔

جنت کے درجات

"فی الجنۃ مائۃ درجۃ"

باب کی مذکورہ احادیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) "سو درجے" میں "سو" سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

☆ سو کے عدد سے تحدید پیش نظر نہیں، بلکہ اس سے کثرت مراد ہے، اس کی تائید سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عدد درج الجنۃ عدد آی القرآن فمن دخل الجنۃ من أھل القرآن فلیس فوقہ درجۃ۔**

☆ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے سو کا مخصوص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں سے ان سو درجوں کو بیان کرنا مقصود ہو، جن کے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین کے درمیان ہے، لہٰذا ایسا ہو سکتا ہے کہ جنت کے اور کثیر درجات ایسے ہوں کہ جن کے درمیان فاصلہ یا تو اس مسافت سے کم ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو، چنانچہ مسند فردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جنت میں کچھ درجے ایسے ہیں کہ جن تک وہی لوگ پہونچ سکیں گے، جو دنیا میں اللہ کی خاطر غم وحزن اور پریشانی میں مبتلی رہے ہوں گے۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ حدیث میں "درجات" سے "بلند مراتب" مراد ہیں، جو اہل جنت کو ان کے اچھے اعمال اور نیکیوں کی وجہ سے حاصل ہوں گے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ھم درجات عند اللہ** (اہل جنت اللہ کے نزدیک درجات ومراتب میں مختلف ہوں گے) معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے اپنے اعمال صالحہ کے بقدر الگ الگ مرتبے اور درجے ملیں گے، چنانچہ جس جنتی کے اعمال جس قدر زیادہ اچھے ہوں گے، اسے اتنے ہی زیادہ اونچے مراتب حاصل ہوں گے، جیسا کہ دوزخیوں کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے اپنے کفر وشرک کے اعتبار سے دوزخ کے مختلف نچلے حصوں میں زیر عتاب ہوں گے، جس کا عقیدہ جتنا زیادہ خراب اور کفر وشرک سے لت پت ہوگا، اسی کے مطابق جہنم کے نچلے حصے میں اسے ڈالا جائے گا، اسی کی طرف اس آیت میں یوں اشارہ کیا گیا ہے: **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** (یقیناً منافقین دوزخ کے نچلے حصوں میں پڑے ہوں گے)۔

(۳) جنتوں میں سب سے اعلیٰ جنت الفردوس ہے، اسی سے چار دریا یعنی پانی، دودھ، شراب اور شہد نکلتے ہیں، جن کا ذکر

قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ (سورۃ محمد/آیت:15)

ترجمہ: "جنت میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں، جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جس کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں، جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں، جو بالکل صاف شفاف ہوگا"

جنت الفردوس سے اوپر عرش رحمن ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا ہی سوال کیا کرو، تاکہ تمہیں سب سے اعلیٰ اور افضل جنت حاصل ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں اہل جنت کی عورتوں کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُرَى بَيَاضُ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ سَبْعِيْنَ حُلَّةً حَتَّى يُرَى مُخُّهَا وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُوْلُ: {كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ} فَأَمَّا الْيَاقُوْتُ فَإِنَّهُ حَجَرٌ لَوْ أَدْخَلْتَ فِيْهِ سِلْكاً ثُمَّ اسْتَصْفَيْتَهُ لَأُرِيْتَهُ مِنْ وَرَائِهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کی عورتوں میں سے ہر عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آتی ہے، یہاں تک کہ اس کی ہڈی کا گودا بھی دکھائی دیتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کانھن الیاقوت والمرجان (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور "یاقوت" ایک پتھر ہے، اگر تم اس میں دھاگا داخل کرو اور اسے خوب صاف کرلو تو وہ دھاگا تمہیں اس کے اندر سے دکھائی دے گا۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَى مِثْلِ أَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ، لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، عَلَى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً، يُرَى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَرَائِهَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سب سے پہلی جماعت، جو قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگی (یعنی انبیاء علیہم السلام) ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہروں کی چمک آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی سی ہوگی، ان میں

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۸۳/۹، ۵۹۸ کتاب الفتن، باب صفۃ الجنۃ، تحفۃ الاحوذی ۱۹۸/۷

سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی کے جسم پر لباس کے ستر جوڑے ہوں گے، اس کی پنڈلی کا گودا ان ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آئے گا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالثَّانِيَةُ عَلَى لَوْنِ أَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ، لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، عَلَى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُونَ حُلَّةً، يَبْدُو مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَرَائِهَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی اور دوسرے گروہ کی صورتیں آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی مانند (روشن و چمکدار) ہوں گی، ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی کے جسم پر لباس کے ستر جوڑے ہوں گے (اس کے باوجود) اس کی پنڈلی کا گودا ان جوڑوں کے باہر سے نظر آئے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔بیاض ساقہا: اس کی پنڈلی کی سفیدی۔ وراء: اندر سے، باہر سے۔ حلۃ: (حا پر پیش) جوڑا، پوشاک۔ مخہا: اس کی ہڈی کا گودا، مغز۔ یاقوت: مشہور قیمتی پتھر، جو سرخ نیلا زرد اور سفید رنگ کا نہایت صاف شفاف ہوتا ہے کہ اس کے اندر اگر دھاگا داخل کیا جائے تو وہ بھی دکھائی دے۔ مرجان: خاص قسم کے سفید موتی۔ زمرۃ: (زا پر پیش) جماعت، گروہ۔ علی مثل ضوء القمر: چاند کی چمک کی مانند۔ لیلۃ البدر: چودھویں رات۔ دری: (دال پر پیش اور را کی تشدید اور زیر کے ساتھ) موتی کی طرح حسین، خوب چمکدار ستارہ اور "کوکب دری" کے معنی ہیں، بہت چمکدار ستارہ، "کوکب" کو "در" (یعنی موتی) کی طرف منسوب کیا، اس کی صفائی اور سفیدی کی وجہ سے۔ یبدو: ظاہر ہوگا۔

جنت میں داخل ہونے والے دو گروہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں دو گروہ پہلے داخل ہوں گے:

(۱) سب سے پہلا گروہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہوگا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے۔

(۲) دوسری جماعت اولیاء اور نیک لوگوں کی جنت میں داخل ہوگی، اپنے اپنے درجات اور اعمال کے حساب سے ان کے چہرے آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی طرح جگمگائیں گے۔

اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لئے دو ایسی بیویاں ہوں گی، جن میں سے ہر ایک کے جسم پر ستر جوڑے لباس کے ہوں گے، اس کے باوجود ان کی ہڈیوں کا گودا ان ستر جوڑوں سے بھی نظر آئے گا، کیونکہ وہ بہت زیادہ شفاف اور نظیف ہوں گی۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو صرف دو بیویاں ملیں گی، جبکہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر جنتی کے لئے بہت سی بیویاں ہوں گی چنانچہ:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت میں سے جو کم درجہ کا جنتی ہوگا، اس کی بھی دنیا کی بیوی کے علاوہ حورعین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی۔

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ادنیٰ جنتی کے لئے بھی بہتر بیویاں اور اسی ہزار خادم ہوں گے۔

(۳) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، تو اللہ تعالیٰ بہتر حوروں سے اس کی شادی کرادیں گے، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اس لئے حدیث باب اور ان روایات میں تعارض ہے؟

شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل کے بارے میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، جن میں سے دو کا ذکر درج ذیل ہے:

☆ حدیث باب میں "زوجتان" سے دنیا کی عورتیں مراد ہیں، یہ بات اس شخص کے حق میں تو واضح ہے، جس کی دنیا میں دو بیویاں ہوں، لیکن وہ شخص جس کی دنیا میں کوئی بیوی ہی نہیں تھی یا صرف ایک تھی تو ممکن ہے کہ اس کی دنیا کی کسی ایسی عورت سے شادی کرادی جائے جس نے دنیا میں کسی کے ساتھ شادی نہیں کی ہوگی۔(۱)

لیکن اس جواب پر اشکال ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں لکل امرء زوجتان من الحور العین ہے کہ ہر جنتی کے لئے حورعین میں سے دو بیویاں ہوں گی، اس روایت میں من الحور العین کی تصریح موجود ہے، اس لئے زوجتان کی تشریح میں یہ کہنا کہ من نساء الدنیا کہ دنیا کی عورتوں میں سے دو بیویاں ہوں گی، یہ درست نہ رہا۔

☆ سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لئے کم از کم دو بیویاں ہوں گی، جن کی یہ یہ صفات ہوں گی، اس میں گویا کم از کم عدد کو بیان کرنا مقصود ہے، اس سے زیادہ کی نفی کرنا مقصود نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جواب کو "والاظہر" (زیادہ ظاہر یہی ہے) کہا ہے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ جِمَاعِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب اہل جنت کے جماع (کرنے کی طاقت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجِمَاعِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ: أَوَ يُطِيقُ ذَلِكَ؟ قَالَ: يُعْطَى قُوَّةَ مِائَةٍ.

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/۱۸۳ کتاب الجنۃ، باب اول زمرۃ، مرقاۃ المفاتیح ۹/۶۰۰ کتاب الفتن، باب صفۃ الجنۃ واھلھا

(۲) فتح الباری ۶/۳۹۳، ۴۰۰ کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۰۳

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کو جنت میں جماع کرنے کی اتنی اتنی طاقت عطا کی جائے گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ: کیا ایک مرد اتنی عورتوں سے جنسی اختلاط (یعنی جماع) کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: (جنت میں) ایک مرد کو سو مردوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔

اہل جنت کے جماع کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر مرد کو سو مردوں کے برابر قوت عطا کی جائے گی، جس کی وجہ سے وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے جماع کر سکے گا، اور اسے کوئی کمزوری بھی محسوس نہ ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اہل جنت کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ، وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، آنِيَتُهُمْ فِيهَا مِنَ الذَّهَبِ وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْأَلُوَّةِ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرَى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبُ رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح (روشن و چمکدار) ہوں گے، وہ لوگ نہ تھوکیں گے، نہ ناک صاف کریں گے، اور نہ ہی انہیں پاخانہ کا تقاضا ہوگا، ان کے برتن جنت میں سونے کے ہوں گے، اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، اور ان کی انگیٹھیاں اگر کی لکڑی سے سلگائی جائیں گی، اور ان کا پسینہ مشک (کی طرح خوشبودار) ہوگا، اور اہل جنت میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا کمال حسن کی وجہ سے گوشت کے باہر سے نظر آئے گا، ان کے درمیان نہ تو کوئی اختلاف ہوگا اور نہ ان کے دلوں میں بغض ہوگا، ان کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے، جو صبح و شام اللہ جل جلالہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَوْ أَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِمَّا فِي الْجَنَّةِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ لَهُ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا أَسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُومِ۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۰۳/۷۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر جنت کی چیزوں میں کوئی اتنی چیز (دنیا میں) ظاہر ہوجائے جس کو ناخن اٹھالے (یعنی ناخن سے بھی کم مقدار میں کوئی شی دنیا میں ظاہر کردی جائے) تو اس کی وجہ سے آسمان وزمین کے اطراف اور کناروں تک ہر چیز مزین اور روشن ہوجائے اور اگر اہل جنت میں سے کوئی شخص دنیا میں جھانکے اور اس کے کنگن ظاہر ہوجائیں، تو ان کی چمک دمک سورج کی روشنی کو ماند کردے، جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کردیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تلج: داخل ہوگی۔ **لا یبصقون:** اہل جنت نہ تھوکیں گے۔ **ولا یمتخطون:** اور نہ وہ ناک صاف کریں گے۔ **ولا یتغوطون:** اور نہ وہ پاخانہ کریں گے، اور نہ ہی انہیں قضا حاجت کا تقاضا ہوگا۔ **امشاط:** مشط کی جمع ہے: کنگھیاں۔ **مجامر:** مجمر کی جمع ہے: انگیٹھیاں۔ **الوۃ:** (ہمزے پر زبر اور پیش، لام پر پیش اور واؤ مشدد) اگر کی لکڑ، عود۔ **رشحہم:** ان کا پسینہ۔ **ما یقل ظفر:** (یا پر پیش اور قاف کے نیچے زیر، باب افعال سے) وہ چیز جسے ناخن اٹھا لے یعنی ناخن سے بھی کم مقدار والی کوئی چیز ظاہر ہوجائے۔ **لتزخرفت:** مزین اور روشن ہوجائے گی۔ **خوافق:** خافقۃ کی جمع ہے: طرف، کنارہ۔ **اطلع:** جھانکے۔ **أساور:** اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ، سوار کی جمع ہے: کنگن۔ **طمس:** مٹا دے، ماند کردے۔ **ضوء النجوم:** ستاروں کی روشنی۔

اہل جنت کا حال

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل جنت کا حال بیان کیا ہے کہ وہ جنت میں مختلف قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، ان کے جسم ظاہراً اور باطناً ہر لحاظ سے پاک صاف ہوں گے، اسی وجہ سے کوئی فاسد مادہ ان کے جسم سے نہیں نکلے گا، استعمال کے برتن سونے کے اور بالوں کی سیٹنگ کے لئے سونے اور چاندی کی کنگھیاں ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں "اگر" لکڑ سے سلگائی جائیں گی، ان کے جسم سے نکلنے والا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا، یہ ساری چیزیں محض لطف اندوزی اور لذت کے لئے ہوں گی ورنہ انہیں جنت میں تو کنگھی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے بال صاف ستھرے ہوں گے، میل اور گرد وغبار کا تو وہاں کوئی تصور نہیں، ایسے ہی انہیں انگیٹھی میں بخور کی بھی کوئی حاجت نہیں، ان کے جسم سے آنے والی خوشبو تو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔

اہل جنت کا آپس میں انتہائی انس اور پیار ہوگا، ان میں کوئی اختلاف اور دلوں میں کسی بھی قسم کی کدورت نہیں ہوگی، دل ہر قسم کی آلائش اور حسد وبغض کی غلاظت سے خالی ہوں گے، ان کا آپس میں اسقدر اتفاق اور محبت ہوگی کہ گویا ان سب کا ایک ہی دل ہے، ان نعمتوں کی شکر گذاری کے طور پر وہ صبح وشام یعنی ہر وقت اللہ جل جلالہ کی تسبیح بیان کریں گے، ان کے ہر سانس کے ساتھ یہ تسبیح جاری ہوگی، گوکہ یہ تسبیح ان پر لازم اور ضروری نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ اس کے مکلف ہوں گے، لیکن ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت

سے منور اور اس کی محبت سے اسقدر سرشار ہوں گے کہ پھر وہ ہر وقت اپنے محبوب کا ہی ذکر اور اس کی تسبیح میں لگے رہیں گے، کیونکہ یہ اصول ہے کہ جو چیز انسان کو پسند ہوتی ہے، اس کا تذکرہ ہر وقت کیا کرتا ہے، اس لئے اہل جنت بھی اللہ جل جلالہ کا ذکر اور تسبیح اتنی زیادہ کریں گے کہ وہ ان کی گویا طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔

دوسری روایت میں جنت کی نعمتوں کی عظمت اور اہمیت کو بیان فرمایا کہ اگر ناخن سے بھی کم مقدار میں جنت کی کوئی چیز دنیا میں ظاہر ہو جائے تو آسمان وزمین کے تمام اطراف کو مزین اور روشن کر دے، اور اگر جنتی کے ہاتھ کا کنگن دنیا میں نمودار ہو جائے تو وہ اپنی چمک دمک اور تابناکی کی وجہ سے سورج کو یوں ماند کر دے، جس طرح کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں جنتیوں کے کپڑوں کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ، مُرْدٌ، كُحْلٌ، لَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ، وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کے جسم پر نہ بال ہوں گے، نہ داڑھی، مونچھیں ہوں گی، اور وہ سرگیں آنکھوں والے ہوں گے، ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہوگی اور نہ ان کے کپڑے کبھی بوسیدہ ہوں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ قَالَ: ارْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وفرش مرفوعۃ (اور اونچے اونچے بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ: ان بچھونوں کی بلندی اتنی ہوگی، جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے، یعنی پانچ سو برس کی مسافت۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جرد: (جیم پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) اجرد کی جمع ہے: وہ شخص جس کے جسم پر بال نہ ہوں، نہ زیر ناف بال ہوں اور نہ بغلوں میں۔ مرد: (میم پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) أمرد کی جمع ہے: وہ شخص جس کی داڑھی اور مونچھیں نہ ہوں یا اگنے کے قریب ہوں۔ کحلی: (کاف پر زبر اور حا کے سکون کے ساتھ) کحیل کی جمع ہے اور مکحول کے معنیٰ میں ہے: سرگیں آنکھوں والے، یعنی وہ شخص جس کی پلکوں کی جڑیں پیدائشی طور پر سیاہ ہوں اور سرمہ لگائے بغیر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔ فرش: (فا اور را پر پیش) فراش کی جمع ہے: بچھونے، گدا، فرنیچر۔ مرفوعۃ: بلند و برتر، اونچے اونچے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۸۵، قدیمی۔

جنت کے مردوں کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں جنت کے مردوں کی چند صفات کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں انتہائی حسین وجمیل اور مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ان کے جسم پر، زیر ناف اور بغلوں میں کسی قسم کے کوئی بال نہ ہونگے، یہ بھی حسن کی ایک بڑی علامت ہے، داڑھی مونچھیں نہیں ہوں گی یا اگنے کے قریب ہوں گی، سرگیں آنکھیں ہوں گی تیس یا تینتیس سال کی عمر کے جوان ہوں گے، بس یہی ان کی عمریں رہیں گی، ان کا شباب بھی ختم نہ ہوگا، ان کے جسم کے کپڑے ہر وقت نئے ہوں گے، وہ کبھی بوسیدہ اور پرانے نہیں ہوں گے۔

جنت کے بچھونے

نبی کریم ﷺ نے "وفرش مرفوعة" کی تفسیر میں فرمایا: ارتفاعها... اس ارتفاع سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

(۱) اس سے جنت کے وہ بچھونے مراد ہیں، جو تختوں اور چارپائیوں کے اوپر ہوں گے اور اتنے بلند اور اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک ہیں۔

(۲) اس آیت میں جن اونچے اونچے بچھونوں کا ذکر ہے، یہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے، جن کی بلندی آسمان و زمین کی مسافت کے بقدر ہوگی، جیسا کہ اس سے پہلے حدیث گذری ہے کہ جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے۔(۱)

بعض مفسرین نے "فرش" سے عورتیں مراد لی ہیں، کیونکہ عربی زبان میں عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے "الولد للفراش" اس میں فراش سے بیوی مراد ہے، اس کے بعد کی آیتوں میں جو جنتی عورتوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں، ان سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، اس صورت میں لفظ مرفوعة، رفعتِ درجہ کے اعتبار سے ہوگا، یعنی بلند پایہ۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِمَارِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے پھلوں کے بیان میں ہے

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: وَذَكَرَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى قَالَ: يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّ

(۱) المرقاة المفاتيح ۵۹۹/۹ كتاب الفتن، باب صفة الجنة، تحفة الاحوذي ۲۰۹/۷

(۲) معارف القرآن ۲۷۵/۸ سورة الواقعة

الفَنَنِ مِنهَا مِائَةَ سَنَةٍ، أَوْ يَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةُ رَاكِبٍ، شَكَّ يَحْيَى، فِيهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ، كَأَنَّ ثَمَرَهَا القِلَالُ۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (سدرۃ المنتہیٰ ایسا درخت ہے کہ) کوئی (تیز رفتار) سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال تک چل سکے گا یا یہ فرمایا کہ اس کے سائے سے سو سوار (بیک وقت) سایہ لے سکیں گے۔ یہ یحییٰ راوی کا شک ہے۔ اس پر سونے کے پروانے ہیں، گویا اس کے پھل (بڑے ہونے میں) مٹکوں کے برابر ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ سدرۃ المنتہیٰ: ا۔ جنت کا ایک درخت ہے جس کے لغوی معنی ہیں: بیری کا وہ درخت جس پر انتہاء ہے، ۲۔ امام راغب کے نزدیک یہ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے، عرش رحمن کے دائیں جانب، ملائکہ وغیرہ کی اس سے آگے رسائی نہیں ہوسکتی۔ فنن: (فا اور نون پر زبر) درخت کی سیدھی شاخ جمع افنان۔ یستظل: وہ سایہ لے، سایہ میں بیٹھے۔ فراش: (فا پر زبر) فراشۃ کی جمع ہے: تتلی، پروانہ۔ قلال: (قاف کے نیچے زیر) قلۃ کی جمع ہے: مٹکے۔

سدرۃ المنتہیٰ

''سدرۃ المنتہیٰ'' جنت کا وہ درخت ہے، جو اس کے انتہائی کنارے پر واقع ہے، اس سے آگے کسی فرشتے کو جانے کی اجازت نہیں ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے، صرف نبی کریم ﷺ شب معراج میں اس درخت سے آگے تشریف لے گئے ہیں، ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر ہے، ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت بیان کی جاسکتی ہے کہ اس درخت کی جڑ تو چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہوں گی۔

''اس درخت پر سونے کے پروانے ہوں گے'' اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) اس درخت پر جو نورانی فرشتے کثیر تعداد میں ہیں، ان کے پر اس طرح چمکتے ہیں، جیسے اس کی شاخوں پر سونے کے پروانے اڑ رہے ہوں۔

(۲) یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار و برکات اٹھتے ہیں، اور شاخوں سے جو ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹتی رہتی ہے، اسے ''سونے کے پروانوں'' سے تعبیر کیا۔

اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ''سونے کے پروانے'' اس پر ہوں گے، دراصل اس آیت ''اذ یغشی السدرۃ ما یغشی'' کی تفسیر ہے۔(۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۰۵ کتاب أحوال القیامۃ، باب صفۃ الجنۃ، مظاہر حق ۵/۲۱۶

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَيْرِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے پرندوں کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا الْكَوْثَرُ؟ قَالَ: ذَاكَ نَهْرٌ أَعْطَانِيْهِ اللّٰهُ يَعْنِي فِي الْجَنَّةِ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، فِيْهِ طَيْرٌ أَعْنَاقُهَا كَأَعْنَاقِ الْجُزُرِ۔ قَالَ عُمَرُ: إِنَّ هٰذِهِ لَنَاعِمَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَكَلَتُهَا أَنْعَمُ مِنْهَا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک دریا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے، راوی کہتے ہیں یعنی جنت میں (میرے لئے مخصوص ہے) اس دریا کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس دریا میں ایسے پرندے ہیں، جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی طرح لمبی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ وہ پرندے تو بہت موٹے اور خوشحال ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان پرندوں کو کھانے والے (یعنی جنتی لوگ) ان پرندوں سے بھی زیادہ توانا، اور خوشحال ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔الکوثر: (۱) بڑی بھلائی، خیر کثیر وہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں عطا فرمائیں اور جو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔ ۲۔ جنت کے ایک دریا کا نام جس کی خاک خالص مشک کی ہوگی، اور جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور میٹھا ہوگا۔ أحلی: زیادہ شیریں اور میٹھا۔ اعناق: عنق کی جمع ہے: گردنیں۔ جزر: (جیم اور زا پر پیش کے ساتھ) جزور کی جمع ہے: وہ اونٹ جو نحر اور ذبح کے لئے تیار ہو۔ إن هذه: بے شک یہ یعنی طیور (پرندے)۔ ناعمة: موٹے اور خوشحال پرندے۔ أكلتها: ان پرندوں کو کھانے والے جنتی لوگ، اس لفظ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے، اگرچہ ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ ۱۔ ہمزے، کاف اور لام تینوں پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے، اس صورت میں یہ اکل (صیغہ اسم فاعل) کی جمع ہوگا، جیسے طلب، طالب کی جمع ہے۔ ۲۔ ہمزے پر مد اور کاف کے نیچے زیر ہو، اس صورت میں یہ واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہوگا، معنی ہوں گے: کھانے والی جماعت، کیونکہ عربی زبان میں صیغہ واحد مؤنث جماعت کے معنی کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ أنعم: (اسم تفضیل کا صیغہ ہے) زیادہ توانا، ناز و نعمت میں پروردہ اور زیادہ خوشحال۔

حوض کوثر میں جنت کے پرندے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جبکہ رسول ﷺ مسجد میں ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، پھر تبسم فرماتے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ

اس وقت آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت ایک سورت نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کے ساتھ سورۂ کوثر پڑھی، پھر فرمایا تم جانتے ہو: کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک جنت کا دریا ہے، جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، جس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن پانی پینے کے لئے آئے گی، اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے، میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں ایجاد کر لی تھیں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگا، اس میں دو پرنالوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائے گا، چونکہ اس نہر کا اکثر حصہ جنت میں ہے، اس لئے حدیث باب میں راوی نے "فی الجنۃ" یعنی جنت میں ہے، کہہ کر تفسیر کی ہے۔(۱)

"کاعناق الجزر" سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وہ پرندے جو حوض کوثر میں ہوں گے، نحر و ذبح کے لئے بالکل تیار ملیں گے، تاکہ حوض کوثر سے سیراب ہونے والے ان کا گوشت کھا سکیں، کیونکہ لفظ جزر۔ ایسے اونٹ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو نحر و ذبح کے لئے تیار ہو۔(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ: پھر تو وہ پرندے بڑے صحت مند، موٹے اور خوشحال ہوں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں کھانے والے ان سے کہیں زیادہ آسودہ، توانا اور خوشحال ہوں گے، کیونکہ انہیں تو اہل جنت کے استلذاذ اور لطف اندوزی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے گھوڑوں کے بیان میں ہے

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ؟ قَالَ: إِنَّ اللهَ أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ، تَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ إِلَّا فَعَلْتَ. قَالَ: وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ: هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: فَلَمْ يَقُلْ لَهُ: مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ فَقَالَ: إِنْ يُدْخِلْكَ اللهُ الْجَنَّةَ، يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ.

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۵۵۲/۲ سورۃ الکوثر، معارف القرآن ۸۲۹/۸، تحفۃ الاحوذی ۲۱۱/۷

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۳۰۷/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ الجنۃ

(۳) تحفۃ الاحوذی ۲۱۲/۷

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا جنت میں گھوڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو تم جب چاہو گے ایسے گھوڑے پر سوار کیے جاؤ گے، جو سرخ یاقوت کا ہوگا، وہ تمہیں لے کر جنت میں جہاں چاہو گے، اڑتا پھرے گا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ: کیا جنت میں اونٹ ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اسے پہلے صاحب کی طرح جواب نہیں دیا، بلکہ فرمایا: کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو تمہارے لئے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی، جسے تمہارا نفس چاہے گا اور جس سے تمہاری آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنِّي أُحِبُّ الْخَيْلَ، أَفِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنْ أُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ أُتِيتَ بِفَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ، لَهُ جَنَاحَانِ، فَحُمِلْتَ عَلَيْهِ، ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں گھوڑے پسند کرتا ہوں، تو کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں جنت میں داخل کیا گیا، تو تمہیں یاقوت کا ایسا گھوڑا دیا جائے گا، جس کے دو پر ہوں گے، تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا، پھر وہ تمہیں لے کر اڑے گا، جہاں تم چاہو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ خیل: گھوڑے (اس لفظ سے اس کا واحد نہیں)۔ تطیر بک: وہ تمہیں لے کر اڑے گا۔ ما اشتھت نفسک: جو کچھ تمہارا نفس چاہے گا، پسند کرے گا۔ ولذت عینک: اور جس سے تمہاری آنکھیں لذت حاصل کریں گی، لطف اندوز ہوں گی۔ اتیت بفرس: (صیغہ مجہول) تمہارے لئے گھوڑا لایا جائے گا، دیا جائے گا۔ له جناحان: اس گھوڑے کے دو پر ہوں گے (جس سے وہ اڑے گا)۔ فحملت علیه: تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا۔ الا فعلت: یہ لفظ معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ تو کرے گا، یعنی تو اپنی خواہش میں کامیاب ہوگا اور مجہول کی صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ تو کیا جائے گا یعنی تجھے تیرا مقصد عطا کر دیا جائے گا اور بعض روایات میں الا فعلت تائے تانیث کے ساتھ منقول ہے، اسکی ضمیر فرس کی طرف لوٹے گی، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ وہ گھوڑا تمہیں اٹھالے گا، سوار کرلے گا، اور عربی میں لفظ فرس مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں الا فعلت کے الفاظ نہیں ہیں۔

کیا جنت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے

جنت میں اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس پر سوال ہوا کہ کیا وہاں گھوڑے اور اونٹ بھی ہوں گے؟ آپ ﷺ نے سائل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ جنت میں داخل ہو گئے تو جب تم چاہو گے، تمہاری اس خواہش کو یوں پورا کیا

جائے گا، کہ سرخ یاقوت کا گھوڑا تمہیں دیا جائے گا، جس کے دو پر ہوں گے، تم جہاں چاہو گے، وہ اڑا کر لے جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا کہ تمہیں جنت میں گھوڑے اور اونٹ ملیں گے، اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) اگر تم جنت میں داخل ہو گئے، تو جیسے تم چاہو گے تمہاری ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا، اگر تم چاہو گے کہ دنیا کے گھوڑے اور اونٹوں کی طرح تمہارے لئے یہ ہوں، تو ویسے ہی وہ جانور تمہارے لئے مہیا کر دیئے جائیں گے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمہارے لئے ایسی ایسی سواریاں ہوں گی کہ تم دنیا کے گھوڑے اور اونٹ سے بے نیاز ہو جاؤ گے، وہاں سرخ یاقوت کے ایسے گھوڑے ہوں گے، جن کے دو پر ہوں گے، جس سے وہ اڑ کر ادھر ادھر جائیں گے، اس لئے جب تمہیں جنت میں گھوڑے یا اونٹ کی خواہش ہوگی، تو وہاں دنیا کے ان جانوروں سے کہیں زیادہ خوبصورت جانور تمہیں دیدیئے جائیں گے، جو وہ تمہیں اڑا کر جہاں تم چاہو گے، لے جائیں گے، علامہ طیبی نے اس دوسرے مطلب کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی تائید "له جناحان" کے لفظ سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے دو پر ہوں گے، جبکہ دنیا کے جانوروں کے تو کوئی پر نہیں ہوتے، ان احادیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اہل جنت کی ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنتیوں کی عمر کے بارے میں ہے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کا بدن بالوں سے صاف ہوگا، داڑھی اور مونچھیں نہیں ہوں گی، ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی، وہ تیس یا تینتیس برس (کی عمر) کے ہوں گے۔

اہل جنت کی عمر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کی عمر تیس برس کی ہوگی، اس حدیث میں تیس یا تینتیس سال شک کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اس میں راوی کو شک ہو گیا ہے، ورنہ ایک دوسری روایت میں جزم کے ساتھ تیس سال کا ہی ذکر ہے، اس حدیث سے متعلق باقی امور کی تفصیل باب ماجاء فی لباس أهل الجنة کے تحت گذر چکی ہے۔

(۱) مرقاة المفاتيح ۹/ ۲۰۳ کتاب أحوال القيامة، باب صفة الجنة

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ صَفُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اہل جنت کی کتنی صفیں ہوں گی

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، جن میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي قُبَّةٍ نَحْوًا مِنْ أَرْبَعِيْنَ، فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، مَا أَنْتُمْ فِي الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقریباً چالیس آدمی (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی لوگ تم ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا تم لوگ اس پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کی ایک تہائی ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو کہ آدھے جنتی تم لوگ ہو؟ اس لئے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہو سکیں گے اور تم لوگ تعداد میں مشرکین کی بنسبت اس طرح ہو جیسے کالے بیل کی کھال پر ایک سفید بال ہو یا سرخ بیل کی کھال پر ایک کالا بال ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قبة: (قاف پر پیش) خیمہ۔ شطر: نصف، آدھے۔ في الشرك: اس سے اہل شرک مراد ہیں، یعنی مشرکین کی بنسبت۔ الثور الاسود: کالا بیل۔ الشعرة البيضاء: سفید بال۔ الشعرة السوداء: کالا بال۔

جنت میں امت محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی

باب کی پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت میں امت محمدیہ کی تعداد اسی صفیں، یعنی دو تہائی ہوگی اور دوسری تمام امتوں کی چالیس صفیں یعنی ایک تہائی تعداد ہوگی، جبکہ اسی باب کی دوسری روایت میں ہے کہ اہل جنت کی آدھی تعداد اس امت کی اور آدھی تعداد دیگر امتوں کی ہوگی اور تمہاری نسبت کفار کے مقابلے میں اتنی ہے کہ جیسے سفید بال ہو، سیاہ بیل کے چمڑے میں یعنی تمہاری تعداد کفار کے مقابلے میں قلیل ہوگی، تو بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے؟ اس کے حل میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) شیخ عبدالحق صاحب اپنی کتاب "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی امید قائم کی ہو کہ آپ کی امت کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں، مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس امید کو اور بڑھا دیا ہو اور جنتیوں میں امت محمدیہ کی تعداد کو دو تہائی تک کرنے کی بشارت عطا فرمادی ہو یا یوں کہیے کہ پہلے وحی چوتھائی، تہائی اور نصف کے بارے میں آئی تھیں، بعد میں دو تہائی تعداد کی وحی آگئی، لہذا نبی کریم ﷺ نے پہلے کم تعداد ذکر فرمائی اور بعد میں دو تہائی ذکر فرمائی، اس لئے روایات میں حقیقۃً کوئی تعارض نہیں۔(۱)

(۲) علامہ طیبی نے یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ امت محمدیہ کی اسی صفیں صرف صفوں کی تعداد کے اعتبار سے تو زیادہ ہوں گی، مگر افراد کی تعداد کے اعتبار سے چالیس صفوں ہی کے برابر ہوں گی، گویا جنت میں جتنے افراد دیگر امتوں کے چالیس صفوں میں ہوں گے، اتنے ہی لوگ اس امت کی اسی صفوں میں ہوں گے، لیکن یہ احتمال انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ ایک سو بیس صفوں میں تمام صفیں آپس میں مساوی اور برابر ہوں گی، ان میں تعداد کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے دروازوں سے متعلق ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَابُ أُمَّتِي الَّذِي يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهُ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے جس دروازے سے میری امت کے لوگ داخل ہوں گے، اس کی چوڑائی تیز رفتار سوار کی تین سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، پھر بھی انہیں دروازے پر (زیادہ ہجوم اور رش کی وجہ سے، اتنا زیادہ) بھینچا اور دبایا جائے گا کہ قریب ہے کہ ان کے کندھے اتر جائیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عرضہ: (عین پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ) اس کی چوڑائی۔ مسیرۃ: مسافت۔ المجود: تیز رفتار شہسوار، گھوڑے کو تیز دوڑانے والا۔ لیضغطون: (صیغہ مجہول) وہ بھینچے اور دبائے جائیں گے۔ تکاد: قریب ہے کہ۔ مناکبھم: ان کے کندھے، مونڈھے۔ تزول: زائل ہوجائیں، منقطع ہوجائیں، اتر جائیں۔

امت محمدیہ کے لئے جنت کے دروازے کی وسعت وکشادگی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس دروازے کی وسعت وکشادگی کو بیان فرمایا، جس سے یہ امت جنت میں داخل ہو

(۱) حاشیہ جامع ترمذی ۸۱/۲

(۲) شرح الطیبی ۲۵۴/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ الجنۃ، مرقاۃ ۲۰۶/۹، تحفۃ الاحوذی ۲۱۶/۷

گی، چنانچہ اس دروازے کی چوڑائی تیز رفتار شہسوار کی تین سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، لیکن اس قدر ہجوم، رش اور زیادہ تعداد ہو گی کہ اس قدر وسیع دروازے کے باوجود امت محمدیہ کے لوگ اس دروازے سے داخل ہوتے وقت تنگی محسوس کریں گے، انہیں بھینچا اور دبایا جائیگا، اس کشاکشی میں قریب ہے کہ ان کے کندھے اتر جائیں، ٹوٹ جائیں۔

''تین سال کی مسافت کے بقدر'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے چار قول ہیں:

(۱) اس سے تین دن اور تین رات کی مسافت مراد ہے۔

(۲) اس سے تین سال کی مسافت مراد ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور اس تین سال سے بھی ''کثرت'' مراد ہے، تاکہ حدیث باب اس روایت کے معارض و مخالف نہ ہو، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کی دونوں کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے۔

(۳) اور اگر تین سال سے اس کے حقیقی معنی یعنی تین سال ہی مراد ہوں، کثرت مراد نہ لی جائے تو پھر یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے بذریعہ وحی اس دروازے کی چوڑائی کم بتائی گئی جس کو آپ نے تین سال کی مسافت کے فاصلہ سے ذکر فرمایا، پھر آپ کو زیادہ چوڑائی بتائی گئی، تو آپ نے اسے چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۴) یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں روایتوں کو مختلف لوگوں کے اعتبار سے دروازوں کے اختلاف پر محمول کیا جائے کہ بعض دروازوں کی وسعت بعض لوگوں کے اعتبار سے زیادہ ہوگی اور بعض کے اعتبار سے بعض دروازوں کی چوڑائی کم ہوگی۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے بازار سے متعلق ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّهُ لَقِيَ أَبَا هُرَيْرَةَ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَسْأَلُ اللهَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: أَفِيهَا سُوقٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوهَا نَزَلُوا فِيهَا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، ثُمَّ يُؤْذَنُ فِي مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا فَيَزُورُونَ رَبَّهُمْ وَيُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهُ وَيَتَبَدَّى لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، فَتُوضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوتٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَيَجْلِسُ أَدْنَاهُمْ وَمَا فِيهِمْ مِنْ دَنِيٍّ، عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ وَالْكَافُورِ، مَا يَرَوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَرَاسِيِّ بِأَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: وَهَلْ نَرَى رَبَّنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، هَلْ تَتَمَارَوْنَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: كَذَلِكَ لَا تَتَمَارَوْنَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ، وَلَا يَبْقَى فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا حَاضَرَهُ اللهُ مُحَاضَرَةً، حَتَّى يَقُولَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ: يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانٍ، أَتَذْكُرُ يَوْمَ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيُذَكِّرُهُ بِبَعْضِ غَدَرَاتِهِ فِي الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: أَفَلَمْ تَغْفِرْ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۱۸/۷، مرقاۃ ۶۰۷/۹۔

لِي؟ فَيَقُولُ: بَلَى فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِي بَلَغْتَ مَنْزِلَتَكَ هَذِهِ، فَبَيْنَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِنْ فَوْقِهِمْ فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيبًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ، وَيَقُولُ رَبُّنَا: قُومُوا إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ، فَخُذُوا مَا اشْتَهَيْتُمْ، فَنَأْتِي سُوقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ، فِيهِ مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُونُ إِلَى مِثْلِهِ وَلَمْ تَسْمَعِ الْآذَانُ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوبِ، فَيُحْمَلُ إِلَيْنَا مَا اشْتَهَيْنَا، لَيْسَ يُبَاعُ فِيهَا وَلَا يُشْتَرَى، وَفِي ذَلِكَ السُّوقِ يَلْقَى أَهْلُ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. قَالَ: فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ، فَيَلْقَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَمَا فِيهِمْ دَنِيٌّ، فَيَرُوعُهُ مَا يَرَى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ، فَمَا يَنْقَضِي آخِرُ حَدِيثِهِ، حَتَّى يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَحْزَنَ فِيهَا، ثُمَّ نَنْصَرِفُ إِلَى مَنَازِلِنَا، فَتَتَلَقَّانَا أَزْوَاجُنَا فَيَقُلْنَ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا لَقَدْ جِئْتَ وَإِنَّ لَكَ مِنَ الْجَمَالِ أَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ، فَيَقُولُ: إِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ، وَيَحِقُّنَا أَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا.

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ (ایک دن بازار میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ (جس طرح آج ہم دونوں مدینہ کے بازار میں جمع ہیں، اسی طرح) مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں (بھی) اکٹھا کردے، حضرت سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ کیا جنت میں بازار بھی ہوگا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں (جنت میں بازار بھی ہوگا) مجھے نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، تو وہ اپنے اپنے اعمال کے بقدر (جنت کی منزلوں اور درجوں میں) اتریں گے، پھر دنیاوی دنوں کے اعتبار سے جمعہ کے دن انہیں بلایا جائے گا، تاکہ وہ اپنے رب کا دیدار کرسکیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش کو ان کے سامنے ظاہر کریں گے، اور اللہ جل جلالہ اہل جنت کے لئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ظاہر ہوں گے، تجلی فرمائیں گے (تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلیں) پھر جنتیوں کے لئے اس باغ میں نور، موتی، زمرد، یاقوت، سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں سے ادنیٰ درجہ کا جنتی، اگرچہ ان میں کوئی ذلیل وخسیس نہیں ہوگا، بھی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوگا، لیکن ٹیلوں پر بیٹھنے والے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ منبر اور کرسیوں پر بیٹھنے والے لوگ جگہ اور نشست گاہ کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں (تاکہ اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھ کر پریشان اور غمگین نہ ہوں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم (اس دن) اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں یقیناً، کیا تم (دن میں) سورج کو اور چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں کوئی شبہ رکھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: اسی طرح تمہیں اس دن اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہوگا اور دیدار الٰہی کی اس مجلس میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا، جس سے اللہ تعالیٰ (تمام حجاب اٹھا کر)

بالمشافہ براہ راست کلام نہ کرے، یہاں تک کہ حاضرین میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے فلاں بن فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے، جس میں تو نے اس اس طرح کہا تھا (یعنی اپنی زبان سے ایسے الفاظ کہے تھے یا ایسے کام کئے تھے جو شرعاً ناجائز تھے)، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی بعض عہد شکنیاں (یعنی گناہ) اسے یاد دلائے گا، جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب کیا ہوگا، وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار: کیا آپ نے میرے وہ گناہ معاف نہیں کر دیئے ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں (یقیناً میں نے وہ معاف کر دیئے ہیں) میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی آج تم اس (بلند) مقام پر پہونچے ہو، اسی دوران انہیں ایک بادل اوپر سے ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ انہوں نے اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہیں پائی ہوگی، پھر پروردگار فرمائے گا: اٹھو اور میری اس کرامت یعنی اعزاز و اکرام کی طرف جاؤ، جو میں نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے اور تم اپنی پسند و خواہش کے مطابق جو چاہو لے لو۔

پھر ہم اس بازار کی طرف آئیں گے، جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا، اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں ہوں گی کہ ان جیسی کوئی چیز، نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوگی، نہ کسی کان نے سنی ہوگی اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا ہوگا، پھر ہمارے (محلات) کی طرف ہر وہ چیز اٹھا اٹھا کر لائی جائے گی، جس کی ہم خواہش کریں گے، حالانکہ اس بازار میں خرید و فروخت جیسا کوئی معاملہ نہیں ہوگا (بلکہ وہ بازار تو اہل جنت کو ان کی من پسند چیزیں دیئے جانے کا مرکز ہوگا) اس بازار میں اہل جنت آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (اس بازار میں باہمی ملاقات میں) ایک بلند مرتبہ والا شخص آئے گا اور اس جنتی سے ملاقات کرے گا جو (مرتبہ میں) اس سے کمتر ہوگا، حالانکہ اہل جنت میں کوئی بھی معمولی اور ذلیل نہیں ہوگا (گویا ذاتی اعتبار سے تو تمام جنتی بلند حیثیت کے حامل ہوں گے، تاہم اپنے اپنے اعمال کے حساب سے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا کہ کچھ لوگ اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں گے اور کچھ لوگ ان سے کم مرتبہ پر)، بہرحال اس کم درجہ والے کو وہ لباس شاندار معلوم ہوگا، جو اس بلند مرتبہ والے کے جسم پر ہوگا (یا بلند مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس ناپسند آئے گا جو کم درجہ والے جنتی کے جسم پر ہوگا) ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوگی کہ اس کے بدن پر اس کے ساتھی کے لباس سے بہتر لباس ظاہر ہو جائے گا (جس کی اس نے آرزو کی تھی، دوسرا ترجمہ: بلند مرتبہ والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ اس کم درجہ والے جنتی کا لباس تو میرے لباس سے بھی خوبصورت ہے) اور یہ (یعنی اعلیٰ لباس کا فوراً ظاہر ہو جانا) اس لئے ہوگا کہ جنت میں کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس میں غمگین ہو، پھر ہم سب اپنے گھروں کی طرف واپس ہوں گے، تو ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی، اور کہیں گی مرحبا و اھلا (خوش آمدید، تم اپنی اہل میں آئے ہو) اور ہر ایک اپنے مرد سے کہے گی کہ تم اس حال میں واپس آئے ہو کہ اس وقت تمہارا حسن و جمال، اس حسن و جمال سے کہیں زیادہ ہے، جو ہمارے پاس سے جدا ہوتے وقت، یعنی

جاتے وقت تم میں تھا، تو ہم میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ آج ہم نے اپنے پروردگار کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل کیا ہے، جو زبردست ہے، اور ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اسی حسن وجمال کے ساتھ لوٹیں، جس کے ساتھ کہ ہم لوٹے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوقًا، مَا فِيهَا شِرًى وَلَا بَيْعٌ إِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُورَةً دَخَلَ فِيهَا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں ایک بازار ہے، جس میں خرید و فروخت نہیں ہوگی، بلکہ وہاں مردوں اور عورتوں کی (طرح طرح کی حسین وجمیل) تصویریں ہوں گی، جو شخص (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) وہاں جس شکل کو پسند کرے گا، تو وہ اس میں داخل ہوجائے گا (یعنی وہ صورت اس کی ہوجائے گی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **بفضل اعمالهم**: اپنے اعمال کی زیادتی کے بقدر۔ **یوذن**: (صیغہ مجہول) انہیں پکارا اور بلایا جائے گا۔ **یبرز**: اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا۔ **یتبدی لهم**: اللہ جل جلالہ ان کے سامنے ظاہر ہوں گے، تجلی فرمائیں گے۔ **منابر مرتفعة**: بلند منبر، اونچی اونچی کرسیاں۔ **دنی**: گھٹیا، حقیر وذلیل۔ **کثبان**: (کاف پر پیش اور ثا کے سکون کے سکون) کثیب کی جمع ہے: ٹیلے۔ **هل تتمارون**: کیا تم شک کرتے ہو۔ **حاضره الله**: اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست بغیر کسی حجاب اور ترجمان کے، کلام کرے گا۔ **غدراته**: غدرۃ کی جمع ہے: دوکھا، یہاں معاصی اور گناہ مراد ہیں۔ **غشیتهم**: ان پر چھا جائے گا، ڈھانپ لے گا۔ **امطرت**: بادل ان پر برسائے گا۔ **ما اعددت**: جو کچھ میں نے تیار کیا۔ **کرامة**: کرامت وفضیلت، اعزاز واکرام، انعامات۔ **حفت**: اس کو گھیر رکھا ہوگا۔ **ولم یخطر**: نہیں کھٹکے گا۔ **یحمل الینا**: ہمارے محلات کی طرف اٹھا اٹھا کر لایا جائے گا۔ **یقبل**: (یا پر پیش اور قاف کے سکون کے ساتھ) آئے گا، متوجہ ہوگا۔ **یلقی**: ملاقات کرے گا، دیکھے گا۔ **ذو المنزلة الرفیعة**: اونچے مرتبہ والا جنتی۔ **فیروعه**: چنانچہ کم مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس شاندار اور خوبصورت لگے گا یا بلند مرتبہ والے کو وہ لباس ناپسند آئے گا۔ **ماینقض**: نہیں ختم ہوگی۔ **یتخیل علیه**: ظاہر ہوگا۔ **علیه من الباس**: اس میں "علیه" کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو احتمال ہیں: ۱۔ اس کا مرجع "من هو دونه" ہو یعنی کم مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس عمدہ اور شاندار معلوم ہوگا، جو اعلیٰ درجہ والے جنتی کے جسم پر ہوگا۔ ۲۔ اس کا مرجع "اعلیٰ درجہ والا جنتی ہو" تو اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بلند مرتبہ والے جنتی کو کم درجہ والے جنتی کا لباس ناپسند اور برا لگے گا (لیکن ابھی ان کی گفتگو ختم نہیں ہوگی کہ وہ کم درجہ والے جنتی کو یہ محسوس ہوگا کہ اس کے جسم پر خوبصورت لباس ہے، کیونکہ جنت میں کوئی شخص کسی بھی طرح غمگین اور پریشان نہیں ہوگا)۔ **ان یحزن فیها**: یہ کہ وہ جنت میں غمگین اور پریشان ہو۔ **تتلقانا**: ہمارا استقبال کریں گی۔ **یحق لنا**: ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ۔ **ننقلب**: ہم تبدیل ہوجائیں۔ **دخل فیها**: وہ اس صورت میں داخل ہوجاتا ہے، یعنی اس کی شکل وصورت اسی طرح ہوجائے گی، جس طرح کی شکل وصورت وہ پسند کرے گا۔

جنت کا بازار

اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے بقدر جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے، ہر جمعہ کو ندا ہوگی کہ فلاں باغ میں جمع ہو جاؤ، رب کریم تمہیں اپنا دیدار کرانا چاہتا ہے، اور جنت میں چونکہ شب وروز کی گردش اور نہ دنیا کی طرح لیل ونہار ہوں گے، اس لئے ''دنیاوی جمعہ کا دن'' سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جو وقت ہے، اس کا لحاظ کر کے اس دن کو جمعہ کا دن قرار دیا جائے گا، دنیا میں مسلمان اس دن نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوتے، اب جنت میں ہر جمعہ کو اپنے محلات سے نکل کر اپنے پروردگار کی زیارت کیا کریں گے، مختلف قسم کی عالیشان کرسیوں پر یہ لوگ دیدار کے لئے جلوہ افروز ہوں گے، اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونگے۔

اور فرمایا کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی بھی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے، اس ادنیٰ سے ذلیل وحقیر کے معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو جنتی درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے کمتر ہوگا، کیونکہ جنت میں ذاتی شخصیت کی حد تک ہر جنتی یکساں درجہ کا ہوگا، کوئی کسی کے مقابلے پر ذلیل وحقیر نہیں ہوگا، صرف حیثیت اور مرتبہ کا فرق ہوگا کہ بعض حضرات اپنے زیادہ نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ درجات اور زیادہ مراتب کے حامل ہوں گے اور کچھ لوگ ان کی بنسبت کم درجہ اور کم مرتبہ پر ہوں گے۔

اور جو لوگ ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، وہ کرسیوں اور منبروں پر بیٹھنے والوں کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے، کیونکہ جنت میں ہر شخص اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت پر صابر وشاکر ہوگا، جو لوگ کم درجہ کے ہوں گے، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ہم کم درجہ کے ہیں اور ہمارے مقابلے میں فلاں لوگ برتر درجہ کے ہیں، اپنے طور پر پوری طرح مطمئن ہوں گے، نہ وہ بلند مرتبہ کی آرزو کریں گے، نہ انہیں بلند مرتبہ کی محرومی کا احساس اور غم ہوگا اور نہ انہیں اس پر کسی طرح کی شرمندگی ہوگی۔

جنت میں ایک بازار ہوگا، جسے فرشتوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہوگا، اس میں طرح طرح کے اعزاز واکرام اور اہل جنت کے لئے انعامات ہوں گے، اس بازار میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی، بلکہ وہ بازار دراصل حسن وجمال سے مزین ہونے اور خوبصورت سے خوبصورت شکل وصورت میں تبدیل ہونے کا ایک مرکز ہوگا، وہاں ہر طرف ایک سے ایک حسین وجمیل صورت ہوگی اور اہل جنت میں سے جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ان صورتوں میں سے جسے پسند کرے گا، اسی طرح کا ہو جائے گا، چنانچہ شارحین حدیث، فرماتے ہیں کہ فاذا اشتھی الرجل صورۃ دخل فیھا میں دونوں معنی کا احتمال ہے:

(۱) ان کے سامنے خوبصورت تصویریں ہوں گی، ہر شخص جس شکل وصورت کو چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسی شکل وصورت میں اسے تبدیل کردیں گے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ ''صورۃ'' سے زیب وزینت مراد ہو، مطلب یہ ہے کہ ہر جنتی اس بازار میں مختلف قسم کے زیورات،

پوشاک اور تاج وغیرہ سے مزین ہوگا، گویا وہ زیب وزینت کا ایک بازار ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر ہے، جو رب کہ بلند و برتر ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّكُمْ، فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَرَأَ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: بیشک تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھو گے، جس طرح کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، دیدار الٰہی میں تم پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی تمہیں کوئی رکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوگی) اگر اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ تم اس نماز پر مغلوب نہ ہو، جو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور اس نماز پر جو غروب آفتاب سے پہلے ہے، تو ایسا کرلو (یعنی نماز فجر اور عصر کو اہتمام سے پڑھو) پھر آپ ﷺ نے یا حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب (تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے)

عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: {لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ} قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، نَادَى مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللهِ مَوْعِدًا، قَالُوا: أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ قَالُوا: بَلَى، فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، قَالَ: فَوَاللهِ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ۔

حضرت صہیب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد - للذین أحسنوا الحسنیٰ وزیادۃ - کی تفسیر میں فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تمہارے لئے اللہ کے پاس ایک (چیز کا) وعدہ ہے (جو تمہیں مل کر رہے گی) وہ کہیں گے کہ کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا اور ہمیں جہنم کی آگ سے نجات نہیں دی اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا (تو اب ہمیں مزید کس چیز کی ضرورت ہے؟) تو پکارنے والے کہیں گے: جی ہاں کیوں نہیں، پھر پردہ ہٹادیا جائے گا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم: انہیں اللہ جل شانہ نے ایسی کوئی چیز عطا نہیں کی، جو انہیں اللہ کی طرف دیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہو۔

(۱) مرقاۃ ۱۰/۳۱۰، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۲۳

عن ابنِ عُمَرَ یقولُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّ أَدْنٰی أَھْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ یَنْظُرُ إِلٰی جِنَانِهٖ وَ أَزْوَاجِهٖ وَنَعِیْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِیْرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ، وَأَکْرَمُھُمْ عَلَی اللهِ مَنْ یَنْظُرُ إِلٰی وَجْھِهٖ غُدْوَةً وَعَشِیَّةً، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَةٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ادنٰی درجہ کا جنتی بھی اپنے باغات، اپنی بیویوں، نعمتوں، خدمت گاروں اور اپنی تخت وکرسی کو ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر رقبہ میں پھیلا ہوا دیکھے گا، اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ محترم ومکرم وہ شخص ہوگا، جو صبح وشام اللہ کے چہرے کو دیکھے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی وجوہ یومئذ ناضرۃ إلی ربھا ناظرۃ (اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کو دیکھیں گے)۔

عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: تُضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ؟ تُضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ؟ قَالُوْا: لَا، قَالَ: فَإِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ، کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ، لَا تُضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تم پر کوئی ظلم وزیادتی کی جاتی ہے؟ کیا سورج دیکھنے میں تم پر زیادتی کی جاتی ہے؟ (یعنی کوئی مزاحمت اور رکاوٹ کی جاتی ہے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو اسی طرح (براہ راست) دیکھ سکو گے ،جس طرح کہ چودھویں کا چاند دیکھتے ہو، اللہ کے دیدار میں تم پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں ہوگی (یعنی تمہیں کوئی پریشانی اور دشواری نہیں ہوگی)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جلوس: (جیم پر پیش) جالس کی جمع ہے: ہمنشین، ساتھ بیٹھنے والے۔ ستعرضون: (صیغہ مجہول) عنقریب تم پیش کئے جاؤ گے۔ لا تضامون: اس لفظ کو دوطرح پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ (تا پر پیش اور میم کی تخفیف کے ساتھ) یہ "ضیم" سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم وزیادتی کرنے کے ہیں: تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا، مطلب یہ ہے کہ رب کائنات کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو دیکھ لیں اور کچھ محروم رہیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیدار میں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرنے لگو اور کسی کو جھٹلاؤ" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زیادہ تر اس لفظ کو یوں ہی پڑھا گیا ہے۔ ۲۔ لا تضامون (تاء پر زبر اور میم کی تشدید کے ساتھ) اس صورت میں یہ "تضام" سے ہوگا، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو دھکیلنا، دبانا، یا تنگی میں ڈالنا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے آپس میں مزاحمت اور ایک دوسرے کو دھکیلنے کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ ہر شخص نہایت امن وسکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ کر دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہوگا، کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ان لا تغلبوا: (یہ مجہول کا لفظ ہے) یہ کہ تم مغلوب نہ ہو یعنی ان دو نمازوں کا ضرور اہتمام کرو۔ موعدا: وعدہ، جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہو۔ الم یبیض:

کیا اس نے سفید نہیں کیا۔ جنان: (جیم کے نیچے زیر) جنۃ کی جمع ہے: باغات۔ نعیم: نعمتیں۔ خدم: (خا اور دال پر زبر کے ساتھ) خادم کی جمع ہے: خدمت گار۔ سرر: (سین اور را پر پیش) سریر کی جمع ہے: تخت، چارپائی۔ مسیرۃ الف سنۃ: ایک ہزار سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ۔ ناضرۃ: تروتازہ۔

آخرت میں ہر مؤمن کو اللہ کا دیدار ہوگا

جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اس کا دیدار نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ "رب أرنی" (اے میرے پروردگار: مجھے اپنی زیارت کرادیجئے) تو جواب میں ارشاد ہوا "لن ترانی" آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے البتہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ جل شانہ کی زیارت ہوا کرے گی، چنانچہ اس کا ثبوت صحیح اور متواتر احادیث سے ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں بھی چند روایات ذکر فرمائی ہیں، اور قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وجوہ یومئذ ناضرۃ، الی ربہا ناظرۃ (قیامت کے روز بہت سے چہرے تروتازہ، ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)

البتہ کافروں کو سزا کے طور پر آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون (کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہوں گے) (مطففین: ۱۵)

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت "لا تدرکہ الابصار" (انعام: ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا، تو آخرت میں کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں دو باتیں پیش نظر رہیں۔

۱۔ یہ نفی دنیا کے اعتبار سے ہے کہ اس دنیا میں کسی آنکھ میں دیدار الٰہی کی صلاحیت اور طاقت نہیں، آخرت کے دیدار کی نفی کرنا مقصود نہیں، وہاں اس آنکھ میں اللہ جل شانہ کو دیکھنے کی طاقت اور صلاحیت پیدا کردی جائے گی، اور نبی کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی، وہ بھی درحقیقت عالم آخرت کی زیارت ہے، شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ دنیا صرف اس جہاں کا نام ہے، جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، لہٰذا وہاں پہونچ کر جو زیارت ہوگی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار گویا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی، دنیا میں تو بالکل نہیں کرسکتی، اور آخرت میں اگرچہ زیارت اور دیدار الٰہی تو ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ دیکھنے میں وہاں بھی نہیں ہوسکے گا، کیونکہ انسان کی نظر محدود ہے اور اللہ کی ذات کی کوئی حد اور انتہا نہیں، ظاہر ہے کہ محدود نظر اس ذات کا کیسے احاطہ کرسکتی ہے، جو ذات کہ غیر محدود ہے۔[1]

---

(۱) معارف القرآن ۳/۴۱۱ سورۃ الانعام، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۲۴، مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۲۰، کتاب احوال القیامۃ، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوگی، آج دنیا میں تم جس طرح چودھویں رات کے چاند کو براہ راست دیکھتے ہو، اس میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کو نہایت آسانی سے اپنی نشستوں پر بیٹھ کر دیکھو گے۔

(۲) خاص طور پر نماز فجر اور نماز عصر کے اہتمام کی تاکید فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ اوقات عموماً غفلت اور لاپرواہی کے ہوتے ہیں، فجر کے وقت میں نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور عصر کا وقت کاروبار اور دیگر ضروریات کے لئے بڑا اہم ہوتا ہے، اس کے باوجود جو شخص ان نمازوں کا اہتمام کرے گا، تو وہ دیگر نمازوں کا بطریق اولیٰ اہتمام کرے گا، ایسے شخص کو آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

(۳) قرآن کریم کی آیت: للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ (یونس:۲۶) میں "حسنیٰ" سے جنت اور "زیادۃ" سے دیدار الٰہی مراد ہے، چنانچہ اہل جنت، جب جنت میں داخل ہوجائیں گے، تو اس وقت حجاب نور کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، جس کی وجہ سے تمام اہل جنت اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کریں گے اور یہ اہل جنت کے لئے آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

(۴) ادنیٰ درجہ کا جنتی بھی اس قدر نوازا جائے گا کہ اس کی ملکیت کی چیزیں باغات، بیویاں..... ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہوں گی اور وہ اپنی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتا رہے گا۔

(۵) اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محترم و مکرم وہ شخص ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی صبح و شام زیارت کر سکے گا، اسی لئے فجر اور عصر کی نمازوں پر پابندی اور مداومت کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ جنت میں انسان ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا اہل بن سکے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ (۱)

بَابٌ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالُوا: وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے: اے جنتیو! تمام جنتی جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں، تیری خدمت میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھیں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۲۵، الکوکب الدری ۳/۲۱۶

گے کہ کیا تم لوگ خوش ہو؟ وہ کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہم راضی نہ ہوں، جبکہ آپ نے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں، جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں اس سے بھی بہتر چیز تمہیں عطا کروں گا؟ وہ پوچھیں گے کہ وہ کونسی چیز ہے، جو اس سے بھی بہتر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تم پر اپنی خوشنودی اتارتا ہوں (یعنی اپنی رضا عطا کرتا ہوں) کہ اس کے بعد کبھی بھی تم سے میں ناراض نہیں ہوں گا۔

اہل جنت کے لئے رضاء الٰہی کا اعلان

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو ہر قسم کی نعمت عطا کرنے کے بعد سب سے بڑی نعمت یہ عطا فرمائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے اہل جنت سے راضی رہیں گے، کبھی بھی ان سے ناراض اور خفا نہیں ہوں گے، اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں، یہ اہل جنت کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا ذکر فرمایا: ورضوان من اللہ اکبر (اور اللہ کی رضامندی بہت بڑی چیز ہے) اور جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا خالق مجھ سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا تو اس کی زندگی کا لطف دوبالا ہو جائے گا اور اسے وہ ذہنی سکون حاصل ہوگا کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کا اہل بنائے۔(۱)

لبیک وسعدیک کی تحقیق

"لبیک" مفعول مطلق ہے، اس کا فعل وجوباً حذف ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: ألب لک إلبابین۔۔۔، فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا، پھر اس مزید فیہ مصدر کے زائد حروف کو حذف کرکے ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا، پھر تخفیفاً "لک" کے لام جارہ کو حذف کرکے ثلاثی مجرد کے مصدر کو لب۔ ضمیر کی طرف مضاف کر دیا تو "لبیک" ہو گیا، اس صورت میں یہ ألب بالمکان البابا سے مأخوذ ہوگا، جس کے معنی ہیں: کسی جگہ مقیم ہونا تو لبیک کا مطلب ہوا: "میں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری پر مقیم اور ثابت ہوں۔"

"سعدیک" یہ "سعد" سے ہے، جو یہاں إسعاد کے معنی میں ہے یعنی کسی کی مدد کرنا، یہ بھی مفعول مطلق ہے، اس کا فعل بھی وجوباً حذف ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: اسعدک اسعادا بعد اسعاد یعنی میں آپ کی مدد کے لئے بالکل تیار ہوں۔

لبیک و سعدیک دونوں اگرچہ تثنیہ کے صیغے ہیں، اصل میں لبین و سعدین تھے، "ک" ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ حذف ہو گیا، تو لبیک و سعدیک ہو گئے، مگر تثنیہ کے معنی یہاں مراد نہیں، بلکہ کثرت اور تکرار پر دلالت کرنے کے لئے انہیں تثنیہ ذکر کیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۲۹

(۲) کشف الباری کتاب الرقاق۔ص:۵۴۹

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرَائِي أَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْغُرَفِ

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اہل جنت بالا خانوں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ فِي الْغُرْفَةِ كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الشَّرْقِيَّ أَوِ الْكَوْكَبَ الْغَرْبِيَّ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ أَوِ الطَّالِعَ فِي تَفَاضُلِ الدَّرَجَاتِ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أُولَئِكَ النَّبِيُّونَ؟ قَالَ: بَلَى، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، وَأَقْوَامٌ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اہل جنت (جنت میں) آپس میں ایک دوسرے کو کمرے یعنی بالا خانے سے اس طرح دیکھیں گے، جس طرح وہ مشرقی یا مغربی ستارے کو غروب یا طلوع کے وقت افق (یعنی آسمان کے کنارے) پر دیکھتے ہیں، (اور یہ بالا خانوں کی بلندی وخوشنمائی وغیرہ) ان کے درمیان فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا وہ انبیاء ہوں گے، یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں (وہ انبیاء ہوں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور وہ لوگ ہوں گے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں گے اور دیگر پیغمبروں کی تصدیق کریں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ترائی: آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا، نظارہ کرنا۔ غرف: (غین پر پیش اور را پر زبر) غرفۃ کی جمع ہے: کمرے، بالا خانے۔ لیتراءون: وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ الغارب: غروب ہونے والا۔ الافق: (ہمزے اور فاء پر پیش) آفاق کی جمع ہے: کنارہ، آسمان کا کنارہ۔ طالع: طلوع ہونے والا۔ تفاضل: آپس میں ایکدوسرے سے فضیلت رکھنا، کسی چیز میں زیادہ ہونا۔ درجات: درجۃ کی جمع ہے، مراتب۔

اہل جنت بالا خانوں سے دیکھیں گے

جنت میں کچھ مخصوص بالا خانے ہیں، جو اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے اہل جنت کو حاصل ہوں گے اور جنتی ان میں سے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے، جس طرح انسان مشرقی ستارہ کو طلوع کے وقت یا مغربی ستارے کو غروب کے وقت آسمان کے کنارے پر دیکھے، تو وہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح بعض اہل جنت جب اپنے سے اوپر والے اہل جنت کو عالیشان بالا خانوں میں دیکھیں گے، تو وہ بھی بلندی کی وجہ سے ستاروں کی طرح چھوٹے محسوس ہوں گے، اس سے دراصل اہل جنت کے مراتب ودرجات کے فرق کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ حدیث باب میں "فی تفاضل الدرجات" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ عالیشان بالا خانے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں یہ محلات انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوں گے اور ہر اس کامل ایمان والے لوگوں کے بھی ہوں گے، جنہوں نے کامل طریقے سے اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے دور رہے، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، انہیں وہ کامل طریقے سے بجالاتے رہے، گویا وہ ایمان کے عام درجے پر نہیں بلکہ کامل درجے کے مؤمن تھے، جن کی صفات اللہ تعالیٰ نے اس آیات و عباد الرحمن الذین یمشون . . . واولئک یجزون الغرفۃ میں بیان فرمائی ہیں، ایسے صلحاء اور پرہیزگار لوگوں کو بھی یہ عالیشان بالاخانے ملیں گے، جن سے وہ لطف اندوز ہوں گے۔

و صدقوا المرسلین سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یہ بلند مقام صرف اس امت کے متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کسی بھی امت کے نیک لوگ جو تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر ہوں گے، اس بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ: أَلَا يَتْبَعُ كُلُّ إِنْسَانٍ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ، فَيُمَثَّلُ لِصَاحِبِ الصَّلِيبِ صَلِيبُهُ، وَلِصَاحِبِ التَّصَاوِيرِ تَصَاوِيرُهُ، وَلِصَاحِبِ النَّارِ نَارُهُ، فَيَتْبَعُونَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ، وَيَبْقَى الْمُسْلِمُونَ فَيَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ: أَلَا تَتَّبِعُونَ النَّاسَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، اللّٰهُ رَبُّنَا، وَهٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى نَرَى رَبَّنَا، وَهُوَ يَأْمُرُهُمْ وَيُثَبِّتُهُمْ، ثُمَّ يَتَوَارَى ثُمَّ يَطَّلِعُ فَيَقُولُ: أَلَا تَتَّبِعُونَ النَّاسَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، اللّٰهُ رَبُّنَا، وَهٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى نَرَى رَبَّنَا وَهُوَ يَأْمُرُهُمْ وَيُثَبِّتُهُمْ، قَالُوا: وَهَلْ نَرَاهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنَّكُمْ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ تِلْكَ السَّاعَةَ، ثُمَّ يَتَوَارَى ثُمَّ يَطَّلِعُ فَيُعَرِّفُهُمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُونِي، فَيَقُومُ الْمُسْلِمُونَ وَيُوضَعُ الصِّرَاطُ فَيَمُرُّونَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِيَادِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ وَقَوْلُهُمْ عَلَيْهِ: سَلِّمْ سَلِّمْ، وَيَبْقَى أَهْلُ النَّارِ فَيُطْرَحُ مِنْهُمْ فِيهَا فَوْجٌ، فَيُقَالُ: هَلِ امْتَلَأْتِ، فَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ ثُمَّ يُطْرَحُ فِيهَا فَوْجٌ فَيُقَالُ: هَلِ امْتَلَأْتِ، فَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ حَتّٰى إِذَا أُوعِبُوا فِيهَا وَضَعَ الرَّحْمٰنُ قَدَمَهُ فِيهَا، وَأُزْوِيَ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ، ثُمَّ قَالَ: قَطْ، قَالَتْ: قَطْ قَطْ، فَإِذَا أَدْخَلَ اللّٰهُ تَعَالَى أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلَ النَّارِ النَّارَ، أُتِيَ بِالْمَوْتِ مُلَبَّبًا، فَيُوقَفُ عَلَى السُّورِ الَّذِي بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَطَّلِعُونَ خَائِفِينَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ النَّارِ، فَيَطَّلِعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ يَرْجُونَ الشَّفَاعَةَ، فَيُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَلِأَهْلِ النَّارِ: هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ فَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ: قَدْ عَرَفْنَاهُ، هُوَ الْمَوْتُ الَّذِي وُكِّلَ بِنَا، فَيُضْجَعُ فَيُذْبَحُ ذَبْحًا عَلَى السُّورِ،

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۲۹۲ کتاب أحوال القیامۃ، باب صفۃ الجنۃ، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۲

ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ: خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک ہی جگہ جمع کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور فرمائیں گے کہ ہر انسان اس چیز کی پیروی کیوں نہیں کرتا، جس کی وہ (دنیا میں) عبادت کیا کرتا تھا (یعنی اپنی معبود کے ساتھ چل کر آئے) چنانچہ صلیب والے کے آگے صلیب کی، تصویروں والے کے لئے اس کی تصویریں، اور آگ والے کے لئے اس کی آگ کی صورت بن کر آجائے گی، تو تمام لوگ ان چیزوں (یعنی معبودوں) کے پیچھے چل پڑیں گے، جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، اور مسلمان باقی رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمائیں گے کہ تم لوگ ان کی اتباع میں کیوں نہیں گئے؟ تو وہ کہیں گے: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، اور یہی ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیں، اور اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیں گے اور ثابت قدم کریں گے، پھر (دوبارہ) چھپ جائیں گے، پھر اس کے بعد ظاہر ہوں گے اور فرمائیں گے کہ تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ تو وہ عرض کریں گے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، یہی ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ (دوبارہ) انہیں حکم دیں گے اور ثابت قدم کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں چودہویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی ضرر اور مشقت ہوتی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ (کوئی مزاحمت اور پریشانی نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا: بیشک تمہیں اللہ کے دیدار میں اس وقت کسی قسم کا ضرر اور مشقت نہیں ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ چھپ جائیں گے، پھر ظاہر ہوں گے اور اپنی ذات کا تعارف کرائیں گے، پھر فرمائیں گے: میں ہی تمہارا پروردگار ہوں، لہذا تم میری اتباع کرو (یعنی میرے ساتھ چلو)

چنانچہ سب مسلمان کھڑے ہوجائیں گے، اور پل صراط (دوزخ کے اوپر) رکھ دی جائے گی، پھر اس پر ایک گروہ عمدہ گھوڑوں اور ایک گروہ عمدہ اونٹوں کی طرح (تیزی سے) گذر جائے گا، اور انبیاء ورسل پل صراط پر سے گذرتے وقت سلم سلم (اے رب سلامت رکھئے، سلامت رکھئے) کہیں گے، اور اہل دوزخ باقی رہ جائیں گے، پھر ان میں سے ایک فوج جہنم میں ڈالی جائے گی، اور (جہنم سے) پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ عرض کرے گی: کیا اور کچھ ہے؟ پھر ایک فوج جہنم میں پھینکی جائے گی، اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ عرض کرے گی: کیا اور کچھ ہے؟ یہاں تک کہ جب سب اہل دوزخ کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اللہ رحمن اپنا قدم اس پر رکھ دے گا اور اس کا ایک حصہ دوسرے پر سمٹ جائے گا (یعنی ملا دیا جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ بس! وہ کہے گی: بس بس۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کردے گا، تو موت کو کھینچ کر لایا جائے گا، اور

اسے اس دیوار پر کھڑا کر دیا جائے گا، جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہے، پھر پکارا جائے گا اے جنتیو: تو وہ ڈرتے ڈرتے جھانکیں گے (یعنی دیکھیں گے، ظاہر ہوں گے) اور پھر پکارا جائے گا: اے جہنمیو: تو وہ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید شفاعت ہو جائے، اہل جنت اور اہل نار دونوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم لوگ اسے جانتے ہو؟ تو وہ سب کہیں گے کہ: تحقیق ہم اسے جانتے ہیں کہ یہ وہ موت ہے، جو ہم پر مسلط کی گئی تھی، پھر اسے لٹایا جائے گا اور اسی دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے جنت والو: اب تم ہمیشہ جنت میں رہو گے، کبھی موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو: اب تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے، کبھی موت نہیں آئیگی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ يَرْفَعُهُ قَالَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أُتِيَ بِالْمَوْتِ، كَالْكَبْشِ الْأَمْلَحِ، فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُذْبَحُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَاتَ فَرَحًا لَمَاتَ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَاتَ حَزَنًا لَمَاتَ أَهْلُ النَّارِ۔

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رِوَايَاتٌ كَثِيرَةٌ مِثْلُ هَذَا مَا يُذْكَرُ فِيهِ أَمْرُ الرُّؤْيَةِ أَنَّ النَّاسَ يَرَوْنَ رَبَّهُمْ وَذِكْرُ الْقَدَمِ وَمَا أَشْبَهَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ۔ وَالْمَذْهَبُ فِي هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الْأَئِمَّةِ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعٍ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ رَوَوْا هَذِهِ الْأَشْيَاءَ وَقَالُوا: تُرْوَى هَذِهِ الْأَحَادِيثُ وَنُؤْمِنُ بِهَا وَلَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَهَذَا الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ الْحَدِيثِ أَنْ يَرْوُوا هَذِهِ الْأَشْيَاءَ كَمَا جَاءَتْ وَيُؤْمَنَ بِهَا وَلَا تُفَسَّرَ وَلَا يُتَوَهَّمَ وَلَا يُقَالَ: كَيْفَ؟ وَهَذَا أَمْرُ أَهْلِ الْعِلْمِ الَّذِي اخْتَارُوهُ وَذَهَبُوا إِلَيْهِ۔ وَمَعْنَى قَوْلِهِ فِي الْحَدِيثِ: فَيُعَرِّفُهُمْ نَفْسَهُ يَعْنِي: يَتَجَلَّى لَهُمْ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو موت کو سفید وسیاہ رنگ والے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا، پھر اسے جنت وجہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، پھر اس حال میں ذبح کیا جائے گا کہ وہ سب اسے دیکھ رہے ہوں گے، چنانچہ اگر کوئی شخص خوشی سے مرتا (اس دن) تو اہل جنت مر جاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا ہوتا، تو سب دوزخ والے مر جاتے۔

یہ حدیث حسن ہے، نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کی طرح اور بھی بہت سی احادیث منقول ہیں، جن میں دیدار الٰہی کا ذکر ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کو (قیامت کے دن) دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ کے لئے جو لفظ قدم یا اس طرح کی اور جو چیزیں مذکور ہیں، انہیں آئمہ علماء سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک اور وکیع وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ان احادیث پر ہم ایمان لاتے ہیں، اور ان کی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، محدثین نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے، کہ وہ ان چیزوں کو اسی طرح روایت کرتے ہیں جس طرح وہ منقول چلی آتی ہیں، ان پر ہی ایمان لایا جاتا ہے، نہ تو ان کی تفسیر کی جاتی ہے اور نہ ہی وہم کیا جاتا ہے، اور نہ ہی کیفیت کے بارے میں کچھ کہا جاتا ہے، مذکورہ حدیث میں فیعرفھم نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر کرے

گا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ :۔ خلود: (خاء پر پیش) دوام ہمیشگی۔ صعید: جگہ، مٹی۔ یطلع: ظاہر ہوگا، نمودار ہوگا۔ الا یتبع: کیوں نہیں جاتا، کیوں پیروی نہیں کرتا۔ تضارون: اس لفظ کو را کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، تشدید کی صورت میں یہ "ضرر" سے مشتق ہوگا اور تخفیف کی صورت میں "ضیر" سے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی ضرر اور نقصان پہونچانا، معنی یہ ہیں: کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کسی قسم کے ضرر اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ مہینے کی ابتداء کا چاند دیکھنے میں بڑی مزاحمت اور دقت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ تمہیں چودھویں کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مثل: (صیغہ مجہول) صورت بنائی جائے گی۔ صلیب: وہ لکڑی جس پر سولی دی جائے، سولی دیا ہوا، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ لکڑی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ یتواری: چھپ جائے گا۔ یعرفهم نفسه: اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر فرمائیں گے۔ جیاد: جواد کی جمع ہے: عمدہ گھوڑے۔ رکاب: اونٹ، اس لفظ کا واحد نہیں ہے۔ یطرح: (صیغہ مجہول) پھینکے جائیں گے، ڈالا جائے گا۔ هل امتلأت: کیا تو بھر گئی، لبریز ہوگئی۔ هل من مزید: کیا اور بھی کچھ ہے، کیا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اذا أوعبوا فیها: جب تمام دوزخیوں کو احاطہ کر کے جہنم میں لایا جائے گا۔ أزوی: (صیغہ مجہول) سمیٹ دیا گیا، ملا دیا گیا۔ قط: اس لفظ کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ۱۔ طاء کے سکون کے ساتھ۔ ۲۔ طا کے نیچے زیر اور تنوین۔ ۳۔ طا کے نیچے زیر بغیر تنوین کے، اس کے معنی ہیں: کافی ہے، بس۔ فلیّنها: کھینچ کر، کھینچتے ہوئے۔ سور: (سین پر پیش) دیوار۔ الکبش الاملح: سفید و سیاہ رنگ والا سفید مینڈھا، چت کبرا مینڈھا۔

جنت و دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے علاوہ جس چیز کی عبادت کی ہوگی، قیامت کے دن ان معبودوں اور عبادت کرنے والوں کے الگ الگ گروہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس طرح تم لوگ دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے، تو آج بھی ان کے ساتھ ہی جاؤ، یہ ان کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے ہوگا، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہاں وہ باطل معبود مراد ہیں، جنہوں نے یا تو اپنی عبادت کا خود حکم دیا، یا اس پر راضی تھے، وہ بزرگ اور انبیاء علیہم السلام جن کی عبادت کی گئی، وہ چونکہ اس عبادت پر نہ تو راضی تھے اور نہ ہی انہیں معلوم تھا، اس لئے انہیں مشرکین کے ساتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔

صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے، کسی معبود کے ساتھ وہ نہیں جائیں گے، اللہ تعالیٰ جب پوچھیں گے کہ تم لوگ کیوں نہیں جاتے؟ تو مسلمان جواب دیں گے: نعوذ بالله منك (ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) یہ جملہ وہ اس لئے کہیں گے کہ وہ یہ نہیں پہچان سکیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہیں، کیونکہ اس وقت اللہ جل جلالہ غیر معروف شکل و صورت میں رونما ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ

پہچان نہیں سکیں گے، مسلمان کہیں گے، ہم تو اسی جگہ پر ہی موجود رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔

ثم یطلع فیعرفہم نفسہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں علم قطعی ڈال دیں گے کہ واقعی یہی ہمارے رب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: انا ربکم فاتبعونی، میں تمہارا رب ہوں، لہذا تم لوگ میری پیروی کرو یعنی میرے ساتھ چلو، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اتباع سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے حکم کی اتباع کریں گے کہ جس میں انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم ہوگا یا یہ کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت کی طرف جانے کے اعتبار سے اس حکم کی پیروی کریں گے۔

(۲) پل صراط کو جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، مسلمان اس پر سے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی مانند تیزی سے گذر جائیں گے، مسلمانوں کی زبان پر یا دوسری روایت کے مطابق انبیاء کی زبان مبارک پر رب سلم رب سلم کا جملہ ہوگا، چنانچہ خوش نصیب حضرات اس پل کو پار کرلیں گے اور کافر، مشرکین اور گنہگار اس سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے۔

(۳) جب جہنم بھر جائے گی، تو اس کے جوش وغضب کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھیں گے، اس قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

☆ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ بھی صفات متشابہات میں سے ہے، ہم اس کے حقیقی معنی پر ایمان لاتے ہیں، اور یہ کہ اللہ کا قدم ..... مخلوق کے قدموں کی طرح نہیں ہے، اب اس کی کیا کیفیت اور صورت ہے، اس کا ہمیں علم نہیں اور نہ ہی ہم اس کی تحقیق اور جستجو کے مکلف ہیں، اس لئے احتیاط یہی ہے کہ اس بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کی جائے، تاویل کا راستہ اختیار نہ کیا جائے۔

☆ بعض حضرات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں تاویلیں کرتے ہیں اور ان کے کوئی نہ کوئی معنی اور مطلب بیان کرتے ہیں، چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں پر دو تاویلیں ذکر کی ہیں:

ایک یہ کہ اس "قدم رکھنے" سے آگ کے جوش وغضب کو ٹھنڈا اور اس کی شدت کو ختم کرنا مراد ہے، کیونکہ اس وقت کافر اور گنہگار لوگوں پر جہنم اس قدر غضبناک اور جوش میں ہوگی کہ قریب ہے کہ تمام اہل محشر کو اپنی آغوش میں لے لے، اس کی اس شدت اور سختی کے ختم کرنے کو "قدم رکھنے" سے تعبیر فرمایا۔

دوسری یہ کہ اس "قدم" سے بطور کنایہ کے وہ لوگ مراد ہیں، جو جہنم میں دیر سے داخل ہوں گے، حالانکہ ان کا فیصلہ تو پہلے ہو چکا ہوگا، ان کے ناموں کی پوری لسٹ جہنم کے داروغوں کے پاس ہوگی، وہ ان لوگوں کی انتظار میں ہوں گے، چنانچہ ہر داروغہ اپنی لسٹ کے مطابق جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈالدے گا تو اس وقت وہ داروغے کہیں گے: قط، قط (بس، بس) اس وقت یہ جہنم تمام اہل جہنم پر بسٹ جائے گی، تو تاخیر سے داخل ہونے والوں کو "قدم رکھنے" سے ذکر کیا ہے۔ (۱)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/۲۰۴ کتاب الجنۃ، باب النار یدخلہا

موت کو ذبح کر دیا جائے گا

جس وقت اہل جنت، جنت میں اور اہل نار جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے، تو موت کو ذبح کر دیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ موت کو ایک چت کبرے مینڈھے کی مثالی صورت دے دی جائے گی، پھر اسے سب کے سامنے دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا، یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ موت کو کسی مثالی صورت کے بغیر ہی ذبح کر دیں، لیکن اس طرح مثالی صورت کے بعد ذبح کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تا کہ سب لوگ اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اور انہیں اطمینان اور یقین ہو جائے کہ اب کے بعد کبھی موت نہیں آئے گی۔

باقی یہ اعتراض کہ موت تو ایک عرض ہے، اسے جسم دے کر کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اس لئے درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ عرض کو جسم میں تبدیل کر دیں، جیسا کہ ایک سے زیادہ احادیث میں ہے کہ اعمال کو قیامت کے دن ان کے مناسب صورتیں دے دی جائیں گی، اب اس کی کیا کیفیت ہوگی، یہ ہمیں اس وقت معلوم نہیں، اس پر ہمارا ایمان ہے، اس کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب کبھی کسی پر کوئی موت نہیں آئے گی۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جنت کو ناپسندیدہ امور اور تکلیفوں سے گھیرا گیا ہے، اور جہنم کو شہوتوں سے گھیرا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیری گئی ہے اور جہنم لذتوں اور شہوتوں سے گھیری گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِيلَ إِلَى الْجَنَّةِ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَجَاءَهَا فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَوَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهَا فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خِفْتُ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ۔ قَالَ: اذْهَبْ إِلَى النَّارِ فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، فَإِذَا هِيَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضاً، فَرَجَعَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهَا، فَرَجَعَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَنْجُوَ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/۲۰۸، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۳۲

دَخَلَهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کو پیدا کیا ،تو جبرئیل کو جنت کی طرف بھیجا، اور فرمایا: تم جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھو، جو میں نے اہل جنت کے لئے جنت میں تیار کر رکھی ہیں، آپ نے فرمایا: جبرئیل آئے، انہوں نے جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے جنت میں تیار کر رکھی ہیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آئے اور عرض کیا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم، جو بھی اس کے متعلق سنے گا، وہ اس میں داخل ہونے کی خواہش اور کوشش کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو جنت کو ناپسندیدہ اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے، پھر اللہ نے فرمایا: (جبرئیل سے) تم دوبارہ جاؤ اور جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھو جو میں نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کر رکھی ہیں، پھر جبرئیل امین اللہ کے پاس لوٹ کر آئے، عرض کیا: اے اللہ تیری عزت کی قسم: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا (ان تکلیفوں اور مشقتوں کی وجہ سے، جو اس کے اردگرد ہیں)۔

(پھر) اللہ نے فرمایا: تم جہنم کی طرف جاؤ اور جہنم کو اور ان چیزوں کو دیکھو، جو میں نے اہل جہنم کے لئے (عذاب کے طور پر) تیار کر رکھی ہیں، انہوں نے دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر چڑھا ہوا ہے، چنانچہ حضرت جبرئیل واپس آئے اور عرض کیا: اے اللہ تیری عزت کی قسم: نہیں سنے گا کوئی اس کا حال کہ پھر وہ اس میں داخل ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے جہنم کے بارے میں حکم دیا تو اسے شہوتوں اور لذتوں سے گھیر دیا گیا ہے، پھر اللہ نے فرمایا (جبرئیل سے) دوبارہ جہنم کی طرف جاؤ، چنانچہ وہ اس کی طرف گئے، (پھر وہ لوٹے تو) عرض کیا: اے اللہ تیری عزت کی قسم: مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے کوئی شخص نجات نہ پا سکے گا، مگر یہ کہ وہ اس میں داخل ہو جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: حفت: (صیغہ مجہول) احاطہ کر لی گئی، گھیر لی گئی۔ مکارہ: مکرہ (میم پر زبر) کی جمع ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ مکروہ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک یہ خلاف قیاس۔ کرہ کی جمع ہے: ناپسندیدہ باتیں، مشقتیں، تکلیفیں۔ شھوات: شھوۃ کی جمع ہے: لذتیں۔ أعددت: میں نے تیار کر رکھی ہیں۔ یر کب بعضھا بعضاً: جہنم کا ایک حصہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہے۔

جنت و دوزخ کو ڈھانپ دیا گیا ہے

جنت کو مکارہ یعنی تکلیفوں، ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتا ہے، عبادات کو بجالاتا ہے اور ممنوع چیزوں سے بچتا ہے، گویا وہ یوں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے، صبر کرتا ہے، تب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے جنت میں داخل کر دیں، اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے، شہوات سے حرام کردہ چیزیں مراد ہیں، مثلاً: شراب، زنا، غیر محرم پر نظر، غیبت، جھوٹ اور الزام

تراشی وغیرہ، وہ خواہشات جو مباح کے درجے میں ہیں، وہ اس میں داخل نہیں، تاہم ان میں بھی کثرت ناپسندیدہ ہے، کیونکہ جائز خواہش کی کثرت سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے، یا عبادات وطاعات میں یکسوئی نہیں رہتی، اس لئے مباح خواہشات میں بھی میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي احْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

یہ باب جنت اور دوزخ کے بحث ومباحثہ کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: احْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: يَدْخُلُنِي الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِينُ، وَقَالَتِ النَّارُ: يَدْخُلُنِي الْجَبَّارُونَ وَالْمُتَكَبِّرُونَ، فَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي، أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ، وَقَالَ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان بحث ومباحثہ اور تکرار ہوا، جنت نے کہا: میرے اندر کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے، دوزخ نے کہا: میرے اندر ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، میں جس سے چاہوں، تیرے ذریعہ انتقام لیتا ہوں، اور جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، میں تیرے ذریعہ جس پر چاہتا ہوں، رحم کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ احتجاج: تکرار، بحث ومباحثہ۔ ضعفاء: ضعیف کی جمع ہے، کمزور، عاجز ومتواضع۔ جبارون: جبار کی جمع ہے، ظلم وزیادتی کرنے والا۔ المتکبرون: متکبر کی جمع ہے، تکبر وغرور کرنے والا۔ انتقم: میں انتقام اور بدلہ لیتا ہوں۔

جنت ودوزخ کا آپس میں مباحثہ

اس حدیث میں ہے کہ جنت ودوزخ آپس میں بحث ومباحثہ کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کریں گی، جنت کہے گی کہ میرے اندر ضعیف اور مسکین لوگ داخل ہوں گے، جس سے انہیں بلند مقام اور عظمت وشرافت کا اونچا درجہ حاصل ہو جائے گا، اس لئے میرا مقام اونچا ہے اور جہنم کہے گی کہ میرا مقام اونچا ہے، کیونکہ میرے اندر دنیا کے بڑے متکبر لوگ داخل ہوں گے، میں انہیں اپنا تابع بناؤں گی اور ذلیل کروں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی شرف وفضیلت نہیں، بس یہ سب کچھ میری مصلحت وحکمت اور مشیت کا تقاضا ہے کہ میں نے جنت کو اپنی رحمت اور لطف وکرم کا اور جہنم کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا، جنت کے ذریعہ میں نیکوکار لوگوں کو مختلف انعامات سے نوازوں گا اور جہنم کے ذریعہ میں کافر ومشرک اور گنہگار لوگوں سے انتقام لوں گا، اس لئے تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے، جس سے دوسرے کے مقابلے پر اس کی فضیلت و

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۲۳۶

برتری ظاہر ہو، اگرچہ اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق "عدل وانصاف" سے ہے اور جنت کے معاملات "محض اللہ کے فضل وکرم" سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت ودوزخ کا یہ مباحثہ اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قوت تمیز عطا فرمائیں گے، جس سے یہ دونوں بحث ومباحثہ پر قادر ہو جائیں گی، اس لئے یہاں پر مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ مَا لِأَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْكَرَامَةِ

یہ باب اس اعزاز واکرام کے بیان میں ہے، جو جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبہ والے کے لئے ہوگا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً الَّذِي لَهُ ثَمَانُونَ أَلْفَ خَادِمٍ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ زَوْجَةً، وَتُنْصَبُ لَهُ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ وَيَاقُوتٍ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ إِلَى صَنْعَاءَ۔

وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ يُرَدُّونَ بَنِي ثَلَاثِينَ فِي الْجَنَّةِ لَا يَزِيدُونَ عَلَيْهَا أَبَدًا، وَكَذَلِكَ أَهْلُ النَّارِ۔

وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ عَلَيْهِمُ التِّيجَانَ، إِنَّ أَدْنَى لُؤْلُؤَةٍ مِنْهَا لَتُضِيءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت میں سے سب سے کم مرتبہ کا جو شخص ہوگا، اس کے لئے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی، اور اس کے لئے موتی، زبرجد اور یاقوت سے اتنا بڑا خیمہ نصب کیا جائے گا، جتنا کہ صنعاء اور جابیہ شہروں کے درمیان فاصلہ ہے۔

اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (دنیا میں) اہل جنت میں سے جس کی موت ہو، خواہ وہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا، جنت میں ان میں سے ہر ایک کو تیس تیس سال کی عمر کا کر دیا جائے گا، وہ کبھی بھی اس عمر سے زائد کے نہیں ہوں گے، یہی حال دوزخیوں کا بھی ہوگا (کہ ان کی عمریں بھی ہمیشہ کے لئے تیس تیس سال کی ہوں گی)

اور اسی سند سے نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک اہل جنت کے سروں پر جو تاج ہوں گے، ان کا سب سے معمولی موتی بھی ایسا ہوگا کہ مشرق سے مغرب تک کو روشن کر دے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۱۹

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۵۷ کتاب احوال القیامۃ، باب خلق الجنۃ والنار، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۳۸

وَسِنِّهِ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِي۔ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فِي الْجَنَّةِ جِمَاعٌ وَلَا يَكُونُ وَلَدٌ، هٰكَذَا يُرْوَى عَنْ طَاؤُسٍ وَمُجَاهِدٍ وَإِبْرَاهِيمَ النَّخْعِيِّ۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ فِي حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ: إِذَا اشْتَهَى الْمُؤْمِنُ الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِي وَلٰكِنْ لَا يَشْتَهِي،

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا يَكُونُ لَهُمْ فِيهَا وَلَدٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر (بالفرض) کوئی مؤمن جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو (اس کی خواہش اس طرح پوری کی جائے گی کہ) بچہ کا حمل، اس کی پیدائش اور اس کی انتہائی عمر (یعنی تیس سال کی عمر) ایک گھڑی میں (مکمل) ہوجائے گی جیسا کہ وہ چاہتا ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ کرامة: اعزاز واکرام۔ أدنی: مرتبہ کے لحاظ سے کمتر۔ تنصب: نصب کیا جائے گا، گاڑھا جائے گا۔ قبة: (قاف پر پیش کے ساتھ) خیمہ۔ جابیة: ملک شام کا ایک شہر ہے۔ صنعاء: یہ ایک شہر ہے، جو یمن کا دارالخلافہ ہے۔ یردون: (صیغہ مجہول) اہل جنت لوٹائے جائیں گے۔ تیجان: تاج کی جمع ہے۔ لتضیٔ: وہ روشن کردے۔ اذا اشتھی: جب وہ خواہش اور تمنا کرے گا۔ وضعه: بچہ کا پیدا ہونا۔ سنه: اس کی انتہائی عمر یعنی تیس سال۔

ادنیٰ جنتی کا اعزاز واکرام

مذکورہ احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) سب سے کم درجے والے جنتی کی خدمت کے لئے اسی ہزار خادم اور حورعین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی، اور اس کا خیمہ اس قدر وسیع وعریض ہوگا کہ جتنا جابیہ اور صنعاء شہر کے درمیان فاصلہ ہے، اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کے سفر کے بقدر مسافت ہے، یہ خیمہ موتی، زبرجد اور یاقوت سے بنا ہوگا، یا یہ کہ ان چیزوں سے اسے آراستہ اور مزین کیا جائے گا، دیکھئے جب ادنیٰ جنتی کے لئے اتنا اعزاز واکرام ہوگا، تو اس سے اعلیٰ درجہ کے جنتیوں کے لئے کیا کچھ انعامات اور نوازشات ہوں گی۔

(۲) اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کی عمریں تیس تیس سال کی کردی جائیں گی، خواہ موت کے وقت اس کی عمر کم ہو یا زیادہ، اس سے زائد ان کی عمر نہیں ہوگی، یعنی وقت تو گذرے گا، لیکن اس سے ان کی جسمانی ساخت اور وضع قطع میں کوئی خاص فرق نہیں آئے گا، اور یہ اس لئے ہوگا تاکہ جو جنتی ہیں، وہ جنت کی نعمتوں سے صحیح طریقے سے لطف اندوز ہوسکیں اور جو جہنمی ہیں، انہیں اچھی طرح عذاب کی شدت کا احساس ہوجائے۔

(۳) اہل جنت کے سروں پر جو تاج ہوں گے، ان کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر شدید ہوگی کہ وہ مشرق ومغرب کو روشن کردے، تو جو اعلیٰ قسم کے موتی ہوں گے، ان کی چمک دمک کا کیا عالم ہوگا۔

(۴) اہل جنت کی اولاد ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، اس بارے میں ان کے تین قول ہیں، جنہیں امام ترمذی نے ذکر کیا ہے:

طاؤس، مجاہد اور ابراہیم نخعی کے نزدیک وہاں پر صرف جماع ہوگا، اولاد نہیں ہوگی، اور نہ ہی اس کی خواہش ہوگی۔

☆ امام بخاری اور اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جنتی اولاد کی خواہش کرے گا تو ایک گھڑی میں ہی اس کی خواہش پوری ہو جائے گی، مگر کوئی جنتی ایسا چاہے گا ہی نہیں۔

☆ ابورزین عقیلی ایک حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔(۱)

بعض حضرات نے ان تمام روایات اور اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا ہے کہ، جو لوگ اہل جنت کے لئے اولاد کی نفی کرتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی اولاد کی طرح ان کی اولاد نہیں ہوگی کہ جو جماع اور نکاح کے نتیجہ میں آتی ہے، اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان کی اولاد ہوگی، اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بالفرض کوئی جنتی اس کی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش کو پورا کیا جائے گا، کیونکہ اہل جنت کی ہر خواہش اور تمنا کو فوراً پورا کیا جائے گا، ان میں تاخیر نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ الْحُورِ الْعِينِ

یہ باب حور عین کی گفتگو سے متعلق ہے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعاً لِلْحُورِ الْعِينِ، يَرْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا، يَقُلْنَ: نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ، وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں حوران عین کے لئے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے (جہاں وہ سیر و تفریح اور آپس میں ملنے کے لئے جمع ہوتی ہیں) وہاں اپنی ایسی بلند آواز سے گیت گاتی ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی نے بھی ایسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی، وہ کہتی ہیں: ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، کبھی فنا نہیں ہوں گی، ہم ناز و نعمت میں پلنے والی ہیں، کبھی کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتیں، ہم (اپنے پروردگار یا اپنے شوہروں سے) خوش رہنے والیاں ہیں، کبھی ان سے ناراض نہیں ہوتیں، مبارکبادی اور خوشخبری ہے، اس شخص کے لئے جو (جنت میں) ہمارے لئے ہے اور ہم اس کے لئے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حور: حوراء کی جمع ہے: جنت کی خوبصورت اور سیاہ چشم عورتیں، کشادہ اور خوبصورت آنکھوں والی عورتیں۔ مجتمع: (میم پر زبر) جمع ہونے کی جگہ۔ یرفعن: اونچی آواز نکالیں گی۔ خالدات: خالدۃ کی جمع ہے: ہمیشہ رہنے

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۱۴، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۴۰

والیاں۔ لا نبید: ہم ہلاک نہیں ہوں گی، ہم پہ موت نہیں آئے گی۔ ناعمات: ناعمۃ کی جمع ہے: ناز ونعمت میں پلنے والیاں۔ لا نبأس: ہم محتاج نہیں ہوتیں۔ راضیات: راضیۃ کی جمع ہے: راضی اور خوش رہنے والیاں۔ لا نسخط: ہم ناراض نہیں ہوں گی۔ طوبیٰ: اچھی حالت، خوشخبری، مبارکبادی، خیر وبھلائی۔

حوروں کے نغمے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں ایک مخصوص جگہ ہے، جہاں حوریں جمع ہوتی ہیں اور بلند آواز سے نغمے اور گیت گاتی ہیں، ایسی پرلطف اور دلکش آواز سے گاتی ہیں کہ اس طرح کی آواز کبھی کسی نے نہ سنی ہوگی، ان کا ترانہ یہ ہوگا: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں.............، مقصد یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں ایسے اعمال کرنے چاہییں کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خوش ہوں، تاکہ جنت اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے دریاؤں کے بیان میں ہے

عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَحْرَ الْمَاءِ، وَبَحْرَ الْعَسَلِ، وَبَحْرَ اللَّبَنِ، وَبَحْرَ الْخَمْرِ، ثُمَّ تُشَقَّقُ الْأَنْهَارُ بَعْدُ۔

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں پانی کا دریا ہے، شہد کا دریا ہے، دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے، پھر جنتیوں کے جنت میں داخلے کے بعد اور نہریں نکالی جائیں گی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ بحر: اس کے اصل معنی تو سمندر کے ہیں، لیکن یہاں پر ''دریا'' کے معنی مراد ہیں، کیونکہ یہ نہریں جاری ہوں گی، جبکہ دنیا کے سمندر تو ایک ہی جگہ میں ٹھہرے رہتے ہیں، پھر جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو مزید ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی جائیں گی، جس سے ان کے کمروں میں بھی یہ چیزیں ہر وقت موجود ہوں گی۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَأَلَ اللهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ الْجَنَّةُ: اللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ النَّارُ، اللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ سے تین بار جنت مانگے، تو جنت کہتی ہے کہ اے اللہ! اسے تو جنت میں داخل کردے، اور جو شخص جہنم سے تین بار پناہ مانگے، تو جہنم کہتی ہے، اے اللہ! اسے تو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۳۰/۷، قدیمی کراچی

جنت ودوزخ کی دعا

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ سے اہتمام کے ساتھ جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگی جائے۔

(۲) تین کا عدد گنتی میں ایک خاص اثر رکھتا ہے کہ جو شخص تین تین بار جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگے، تو جنت اس کے لئے دعا کرتی ہے کہ یا اللہ اسے تو ضرور جنت میں داخل کر دے اور جہنم دعا کرتی ہے کہ یا اللہ اسے تو اپنے فضل سے عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔

(۳) جنت وجہنم کو عقل وشعور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ کے سامنے اس بندے کے حق میں سفارش کرتی ہیں، جمہور کے نزدیک اس کے حقیقی معنی مراد ہیں، اگرچہ اس کی کیفیت اس وقت ہمیں معلوم نہیں۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: ثَلَاثَةٌ عَلٰی كُثْبَانِ الْمِسْكِ۔ أُرَاهُ، قَالَ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَغْبِطُهُمُ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ: رَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَرَجُلٌ يَؤُمُّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُونَ، وَعَبْدٌ أَدّٰی حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن، کہ جن پر اگلے اور پچھلے سب ہی لوگ رشک کریں گے، ایک وہ مرد جو ہر دن اور رات میں پانچوں نمازوں کی اذان دیتا ہے، اور دوسرا وہ مرد جو لوگوں کی امامت کرتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہوں، اور تیسرا وہ غلام، جو اللہ کا حق اور اپنے آقاؤں کے حقوق ادا کرتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ يَرْفَعُهُ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُو كِتَابَ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِينِهٖ يُخْفِيهَا، قَالَ: أُرَاهُ مِنْ شِمَالِهٖ، وَرَجُلٌ كَانَ فِي سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ أَصْحَابُهُ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ایک وہ شخص جو (نماز تہجد کے لئے) رات کو کھڑا ہوتا ہے اور (نماز میں) کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ (نماز میں) اسے چھپاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بائیں ہاتھ سے (چھپاتا ہے) اور تیسرا وہ شخص جو ایک چھوٹے لشکر میں تھا، اس کے ساتھیوں نے شکست کھالی، لیکن اس نے (تنہا) دشمن کا مقابلہ کیا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ، فَأَمَّا الَّذِينَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ، فَرَجُلٌ أَتٰی قَوْمًا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۳۱/۷ قدیمی کراچی

فَسَأَلَهُمْ بِاللّٰهِ، وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوهُ، فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ، فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهِ إِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِي أَعْطَاهُ، وَقَوْمٌ سَارُوا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهِ، فَوَضَعُوا رُؤُوسَهُمْ قَامَ رَجُلٌ يَتَمَلَّقُنِي وَيَتْلُو آيَاتِي، وَرَجُلٌ كَانَ فِي سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوا، فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهِ حَتّٰى يُقْتَلَ أَوْ يُفْتَحَ لَهُ، وَالثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ: الشَّيْخُ الزَّانِي، وَالْفَقِيرُ الْمُخْتَالُ، وَالْغَنِيُّ الظَّلُومُ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور تین ہی قسم کے افراد کو ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، ان میں سے پہلا وہ شخص ہے، جو کسی قوم کے پاس آیا اور ان سے اللہ کے واسطہ سے سوال کیا اور ان سے اس رشتہ داری کی وجہ سے نہیں مانگا، جو اس کے اور ان لوگوں کے درمیان ہو، لیکن انہوں نے اسے کچھ بھی نہ دیا، پھر انہی میں سے ایک بندہ اس کے پیچھے ہوا اور اس کو خفیہ طریقے سے دیا، اس کے عطیہ کو اللہ تعالیٰ اور اس شخص کے علاوہ کہ جس کو اس نے دیا، کوئی نہیں جانتا تھا، اور (دوسرا وہ عبادت گذار جو) ایسی قوم سے ہے، جو ساری رات چلتی رہی، یہاں تک کہ جب انہیں نیند ہر اس چیز سے پیاری ہوئی، جو نیند کے برابر ہے، تو ان میں سے ایک شخص (میری عبادت کے لئے) کھڑا ہوا، جو میری چاپلوسی یعنی میرے سامنے آہ وزاری کرنے لگا اور میری آیتیں پڑھنے لگا اور تیسرا وہ شخص کہ جو ایک چھوٹے لشکر میں تھا جس نے دشمن سے مقابلہ کیا، پس وہ شکست کھا گئے، لیکن یہ شخص اپنے سینہ سے آگے بڑھتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے یا اسے فتح حاصل ہو جائے، اور وہ تین شخص جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں، پہلا بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرا متکبر فقیر اور تیسرا ظلوم (یعنی ٹال مٹول) کرنے والا مالدار۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ کثبان: (کاف پر پیش) کثیب کی جمع ہے: ٹیلے۔ یغبطھم: ان پر غبطہ اور رشک کرتے ہیں۔ سریۃ: چھوٹا لشکر، جس میں نبی کریم ﷺ شریک نہ ہوں۔ فاستقبل العدو: اس نے دشمن کا آمنا سامنا کیا، مقابلہ کیا۔ یبغضھم: اللہ تعالیٰ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ تخلف: پیچھے ہوا۔ مما یعدل بہ: ہر اس چیز سے جو نیند کے برابر قرار دی گئی ہو، یعنی نیند غالب آ گئی، یہاں تک کہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو گئی۔ یتملقنی: میری چاپلوسی کرنے لگا، یعنی میرے سامنے آہ وزاری اور گڑگڑانے لگا۔ المختال: تکبر کرنے والا، اترانے والا۔ ظلوم: ٹال مٹول کے ذریعہ بہت زیادہ زیادتی کرنے والا۔

اللہ کے ہاں کچھ پسندیدہ اور کچھ ناپسندیدہ لوگ

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان بعض لوگوں کا ذکر فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور جو ناپسند ہیں، ان لوگوں کی تفصیل، جو اللہ کو پسند ہیں، یہ ہے:

(۱) وہ مؤذن جو دن رات پانچوں نمازوں کی اذان دیتا ہے۔

(۲) وہ امام مسجد، جس سے اس کے مقتدی خوش ہوں۔

(۳) وہ غلام، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرتا ہے۔

(۴) رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے والا، جبکہ لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔

(۵) خفیہ طریقے سے نفلی صدقہ دینے والا۔

(۶) لشکر کے شکست کھانے کے باوجود، اسلام کی سربلندی کے لئے اکیلے دشمن سے مقابلہ کرنے والا، یہاں تک کہ اسے شہید کر دیا جائے یا اسے فتح حاصل ہو جائے۔

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں:

(۱) وہ زانی جو بوڑھا ہو۔

(۲) تکبر کرنے والا فقیر۔

(۳) وہ مالدار جو ادائیگی میں بلاوجہ کی ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔(۱)

باب

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُوْشِكُ الْفُرَاتُ يَحْسِرُ عَنْ كَنْزٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب دریائے فرات سونے کا خزانہ برآمد کرے گا، لہذا جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو تو وہ ہرگز اس میں سے نہ لے۔

دریائے فرات سے خزانے نکلنے کی پیشن گوئی

علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دریائے فرات کا پانی خشک ہو جائے گا، بعض کے نزدیک نزول عیسیٰ کے بعد، جبکہ بعض محدثین کے نزدیک امام مہدی کے ظہور کے وقت خروج عیسیٰ کے قریب یہ علامت ظاہر ہوگی، چنانچہ فرات کے نیچے سے پہاڑ کی صورت میں سونے کا خزانہ برآمد ہوگا، نبی کریم ﷺ نے اس خزانے کو لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اسے حاصل کرنے سے قتل وقتال اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوں گے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اس قدر شدید لڑائی ہوگی کہ ہر سو میں سے ننانوے آدمی قتل ہو جائیں گے، اس کے باوجود ہر شخص اس امید سے وہ خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ شاید میں قتل وقتال کے بغیر ہی حاصل کر لوں گا، لیکن بالآخر وہ بھی اس میں پھنس جائے گا، اس خزانے کو حاصل کرنے سے رکنا گویا دخول جنت کا باعث ہوگا، اس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۵/۷

لئے امام ترمذی نے اس حدیث کو ابواب صفۃ الجنۃ میں ذکر کیا ہے، اور جو اسے حاصل کرے گا، اس نے حضور ﷺ کے امر کی مخالفت کی ہے لہذا اس پر اس کی باز پرس ہو سکتی ہے۔(۱)

اس حدیث میں "لا یأخذ" نہی کا صیغہ ہے۔

(۱) فتح الباری ۱۴/ ۱۰۱ کتاب الفتن، باب خروج النار، الکوکب الدری ۳/ ۱۱۹، مرقاۃ المفاتیح ۱۰/ ۷۸، کتاب الفتن، باب أشراط الساعۃ

أبواب صفة جهنم عن رسول الله ﷺ

نبی کریم ﷺ سے جہنم سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ النَّارِ

یہ باب جہنم کی آگ کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ، يَجُرُّوْنَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَهُ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ، وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ، يَقُوْلُ: إِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ، وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن دوزخ کی آگ ایک لمبی گردن کی صورت میں نکلے گی، جس کی دو آنکھیں ہوں گی، جو دیکھتی ہوں گی، اور دو کان ہوں گے، جو سنتے ہوں گے، اور ایک زبان جو بولتی ہوگی، وہ کہے گی: بیشک مجھے تین شخصوں پر مقرر کیا گیا ہے (کہ میں انہیں اپنے اندر داخل کر دوں) ہر ظلم کرنے والا متکبر، اور ہر اس شخص کو جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے (یعنی شرک کرے) اور تصویر کھینچنے والوں کو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ جهنم: آخرت کی آگ کا نام ہے، اکثر نحوی حضرات کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی "انتہائی گہرے یا سخت" کے ہیں اور اسے جہنم بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی آگ بہت ہی گہری ہے، یا یہ کہ اس کا معاملہ بہت سخت ہے۔ یؤتی: (مجہول کا صیغہ ہے) لایا جائے گا۔ یجرونها: وہ فرشتے اس جہنم کو کھینچ کر لائیں گے۔ عنق: (عین اور نون پر پیش کے ساتھ): دوزخ کی آگ کی لمبی گردن، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے ایک طاقتور شخص مراد ہے[1]۔ وکلت: (متکلم مجہول) مجھے مقرر کیا گیا ہے۔ جبار: سرکش متکبر۔ عنید: ظالم جو جاننے کے باوجود حق کو رد کر دے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۳۲۰/۲

دوزخ کو میدان حشر میں لایا جائے گا

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو اپنی جائے پیدائش سے میدان حشر میں لایا جائے گا، تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں، اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے میدان حشر میں کھینچ کر لائیں گے، اس جہنم کو میدان حشر میں کس طرح لایا جائے گا، اس کی صحیح حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، کیونکہ جہنم جو اس وقت ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سب سمندر آگ ہو کر اس میں شامل ہو جائیں گے۔ (۱)

دوسری حدیث میں فرمایا کہ جہنم کی آگ کی گردن ہوگی، جو دو آنکھوں سے دیکھے گی، دو کانوں سے سنے گی اور زبان سے بولے گی، چنانچہ جہنم کہے گی کہ مجھے تین شخصوں پر مقرر کیا گیا ہے، تاکہ میں انہیں اپنی آغوش میں لے لوں، ایک وہ شخص جو متکبر اور ظالم ہو، دوسرا مشرک اور تیسرا وہ شخص جو تصویر کھینچتا ہو، آج ہمارے معاشرے میں تصویر کشی کا بہت رواج ہو گیا ہے، تقریباً ہر شخص اس میں مبتلا ہے، مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ اسے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ شرعی عذر کے بغیر تصویر کھینچنا اور کھنچوانا یہ سب ناجائز اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ

یہ باب جہنم کی گہرائی سے متعلق ہے

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ عَلَى مِنْبَرِنَا هَذَا، مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الصَّخْرَةَ الْعَظِيمَةَ لَتُلْقَى مِنْ شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَتَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ عَاماً، مَا تُفْضِي إِلَى قَرَارِهَا، قَالَ: وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ: أَكْثِرُوا ذِكْرَ النَّارِ، فَإِنَّ حَرَّهَا شَدِيدٌ، وَإِنَّ قَعْرَهَا بَعِيدٌ، وَإِنَّ مَقَامِعَهَا حَدِيدٌ۔

حضرت حسن کہتے ہیں عتبہ بن غزوان نے ہمارے بصرہ کے اس منبر پر حضور اکرم ﷺ کی حدیث سنائی کہ آپ نے فرمایا: ایک بڑا پتھر جہنم کے کنارے سے (اس میں) پھینکا جائے اور وہ اس میں ستر برس تک نیچے گرتا رہے، تب بھی وہ اس کی تہ تک نہیں پہونچ سکے گا، عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جہنم کو بکثرت یاد کیا کرو، کیونکہ اس کی گرمی نہایت سخت ہے، اس کی گہرائی بہت دور ہے (یعنی بہت ہی گہری ہے) اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ: الصَّعُودُ جَبَلٌ مِنْ نَارٍ، يَتَصَعَّدُ فِيهِ الْكَافِرُ سَبْعِينَ خَرِيفاً، وَيَهْوِي فِيهِ

(۱) معارف القرآن ۸/۷۴۳

كَذَالِكَ أَبَدًا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صعود'' نامی جہنم کا ایک پہاڑ ہے، جس پر کافر ستر برس میں چڑھے گا، اور اتنی ہی مدت میں گرتا رہے گا، اور ہمیشہ اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔صخرۃ: (صاد پر زبر اور خاء کے سکون کے ساتھ) بڑا سخت پتھر۔لتلقی: (صیغہ مجہول) پھینکا جائے گا، ڈالا جائے گا۔شفیر: کنارہ۔تھوی فیھا: جہنم میں گرتا رہے گا۔مانفضی: وہ پتھر نہیں پہونچ سکے گا۔قرارھا: جہنم کی گہرائی، اس کی تہ۔قعر: (قاف پر زبر اور عین کے سکون کے ساتھ) گہرائی، تہ۔مقامع: مقمعۃ کی جمع ہے، ہتھوڑے، کوڑے۔صعود: (صاد پر زبر) جہنم کا ایک پہاڑ۔یتصعد: (صیغہ معروف) چڑھتا ہے۔خریفا: سال۔ابدا: ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اصل عبارت اس طرح ہے: یکون ذالماقی عذاب الصعود والھبوط یعنی وہ کافر اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہے گا۔

جہنم کی گہرائی کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ جہنم کی گہرائی کا ذکر فرمایا، وہ یہ کہ جہنم کے کنارے سے ایک بہت بڑا سخت پتھر اگر اس میں ڈال دیا جائے اور مسلسل ستر سال تک وہ نیچے گرتا رہے، تب بھی وہ جہنم کی تہ تک نہیں پہونچ سکے گا، ''ستر'' کے عدد سے مخصوص تعداد مراد نہیں، بلکہ اس سے کثرت وزیادتی مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ بیسیوں سال بھی اگر وہ پتھر جہنم میں نیچے کی طرف گرتا رہے تو بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہونچ سکتا، اس سے اندازہ لگائیے کہ جہنم کس قدر وسیع وعریض اور گہری ہے، چنانچہ عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دوزخ کو کثرت سے یاد کیا کرو، اس کی گرمی بہت سخت، اس کی گہرائی بہت بعید اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں، بار بار یاد کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دل نیکی کی طرف مائل ہوگا اور گناہوں سے پھر جائے گا۔(۱)

''صعود'' جہنم کا ایک پہاڑ

''صعود'' جہنم کا ایک پہاڑ ہے، جس کے ذریعہ کافر کو سزا دی جائے گی، اسے حکم ہوگا کہ تم اس پہاڑ پر چڑھو، وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور پھر ستر سال تک اس سے گرتا رہے گا، یہ عذاب اسے ہمیشہ کے لئے ہوتا رہے گا کہ ایک عرصہ تک اوپر چڑھے گا، پھر ایک مدت کے بعد نیچے تک پہونچے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی اس آیت "سأرھقه صعودا" کی تفسیر میں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۵۰

فرمایا کہ "صعود" جہنم کا ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا، جب وہ اس پہاڑ پر ہاتھ رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اٹھائے گا، تو وہ پہاڑ صحیح سالم ہو جائے گا، ایسے ہی جب کافر اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا، اٹھائے گا تو وہ پہاڑ صحیح حالت میں ہو جائے گا، وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے اترے گا۔

اور اصل میں قرآن کریم کی آیت "سارھقہ صعودا" ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس نے دین اسلام کی حقانیت واضح ہو جانے کے باوجود ابوجہل کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا، اسے اللہ نے خوب مال و دولت اور اولاد سے نوازا تھا، اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ وہ اللہ کا شکر بجالاتا، لیکن وہ بھی دیگر کفار مکہ کی طرح بدبخت ہی ہوا۔........ اس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ ہم اسے صعود پہاڑ پر چڑھائیں گے، پھر وہ ہمیشہ اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں ہی مبتلی رہے گا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِظَمِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب اہل دوزخ (کی جسامت) کے بڑے ہونے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أُحُدٍ، وَفَخِذُهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ مَسِيرَةُ ثَلَاثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ کی طرح اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہوگی، اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تین دن کی مسافت کے بقدر ہوگی، جیسا کہ ربذہ ہے، (یعنی اتنی مسافت کے بقدر جتنا کہ ربذہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور بیضاء ایک پہاڑ کا نام ہے)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الْكَافِرَ لَيُسْحَبُ لِسَانُهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّأُهُ النَّاسُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک کافر اپنی زبان کو (زمین پر) تین اور چھ (انگریزی) میل تک گھسیٹے گا، لوگ اسے روندتے پھریں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، وَإِنَّ ضِرْسَهُ مِثْلُ أُحُدٍ، وَإِنَّ مَجْلِسَهُ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک کافر کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی، اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلے کے برابر ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عظم: (عین کے نیچے زیر اور ظاء پر زبر) بڑائی، کسی چیز کا بڑا ہونا۔ ضرس: (ضاد کے نیچے زیر) داڑھ، داڑھ۔ بیضاء: ایک پہاڑ کا نام ہے۔ لیسحب: گھسیٹے گا، نکالے گا۔ فرسخ: زمین کی مسافت جو انگریزی تین میل کے

(۱) معارف القرآن ۸/۶۰۵

برابر ہو۔ یعو طاہ: اس زبان کو روندیں گے، روندتے پھریں گے۔ غلظ: (غین کے نیچے زیر اور لام پر زبر) موٹا ہونا، موٹائی۔ ذراعا: ہاتھ، گز۔ ربذۃ: (راء اور باء پر زبر) مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ایک قصبہ، جو ذات عرق کے قریب ہے۔

دوزخ میں کافر کی جسامت

مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کافر کی جسامت بڑی کردی جائے گی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ عذاب ہوسکے، چنانچہ اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح، ران بیضاء پہاڑ کے برابر اور اس کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی اور اپنی لمبی چوڑی جسامت کی وجہ سے اپنے بیٹھنے کے لئے اتنی جگہ گھیرے گا، جتنی کہ مدینہ اور ربذہ کے درمیان ہے یا جتنا کہ مکہ و مدینہ کے درمیان فاصلہ ہے، اس کی زبان اتنی بڑی ہوگی کہ وہ کافر اسے ایک فرسخ اور دو فرسخ یعنی تین تین اور چھ چھ میل تک زمین پر گھسیٹے گا، لوگ اس کو اپنے تلووں کے نیچے روندتے ہوئے گذریں گے۔

اس باب کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں کافروں کے جسم بڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے، جبکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ "قیامت کے دن متکبر لوگوں کو میدان حشر میں اس طرح لایا جائے گا کہ ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح ہوں گے اور ان کی صورتیں مردوں کی ہوں گی اور پھر انہیں جہنم کے قید خانے کی طرف ہانک کرلے جایا جائے گا" بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض سا ہے؟

اس تعارض کے حل کے لئے شارحین حدیث نے تین توجیہات ذکر کی ہیں:

(۱) حدیث میں "متکبرین" سے "گنہگار مؤمن" مراد ہیں، جبکہ باب کی احادیث میں کفار کا ذکر ہے کہ ان کے جسم بہت بڑے کردیئے جائیں گے۔

(۲) بعض نے کہا کہ میدان حشر میں تو انہیں چیونٹیوں کے جسم میں لایا جائے گا، جہاں وہ لوگوں کے قدموں کے نیچے روندے جائیں گے، اس کے بعد ان کے بدن اپنی شکل میں ہو جائیں گے، پھر انہیں دوزخ میں ڈال کر ان کے جسم غیر معمولی ساخت میں بڑے کردیئے جائیں گے، جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ انہیں زیادہ عذاب دیا جاسکے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ اہل دوزخ کے عذاب مختلف ہوں گے، بعضوں کو عذاب کے طور پر چیونٹیوں کی طرح کردیا جائے گا، اور بعضوں کے جسموں کو غیر معمولی انداز سے بڑا کردیا جائے گا، چنانچہ جس کافر پر جس قدر سخت عذاب کا فیصلہ ہوگا، تو اس کا جسم بھی اسی قدر بڑی جسامت والا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب میں ہوگا تو اس کی جسامت اور بیٹھنے کی جگہ بھی نسبتاً کم، لمبی چوڑی ہوگی۔(۱)

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/ ۲۱۰ کتاب الجنۃ، باب النار یدخلہا الجبارون، مرقاۃ ۱۰/ ۳۴۱، کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ النار

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب دوزخیوں کے مشروبات کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ كَالْمُهْلِ قَالَ: كَعَكَرِ الزَّيْتِ، فَإِذَا قَرَّبَهُ إِلَى وَجْهِهِ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهِ فِيهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "کالمھل" کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ تیل کی تلچھٹ کی مانند ایک چیز ہوگی اور جب دوزخی (اسے پینے کے لیے) اپنے منہ کے قریب کرے گا تو (گرمی کی وجہ سے) اس کے منہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلَى رُؤُوسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلِتُ مَا فِي جَوْفِهِ حَتَّى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ، ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک گرم پانی دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا، تو وہ گرم پانی (جسم میں) سرایت کر جائے گا، یہاں تک کہ وہ اس کے پیٹ تک پہونچ جائے گا، اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا، جو اس کے پیٹ میں ہیں (یعنی گردے، آنتیں اور کلیجہ وغیرہ) یہاں تک کہ وہ گرم پانی پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹتا اور گلاتا ہوا اس کے پیروں کے راستے سے باہر نکل جائے گا، قرآن کریم کی اس آیت (یصھر به ما فی بطونھم و الجلود) میں لفظ "صھر" کے یہی معنیٰ ہیں، پھر اس دوزخی کو دوبارہ اسی طرح کر دیا جائے گا، جیسا کہ وہ پہلے تھا (یعنی وہ صحیح سالم ہو جائے گا)۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: (وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ) قَالَ: يُقَرَّبُ إِلَى فِيهِ فَيَكْرَهُهُ، فَإِذَا أُدْنِيَ مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهِ، فَإِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ أَمْعَاءَهُ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهِ، يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ}، وَيَقُولُ: {وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا}۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "و یسقی من ماء صدید یتجرعه" (اور اس کو (دوزخ میں) ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ، لہو ہوگا، جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا۔) کی تفسیر میں فرمایا کہ (جب) وہ پانی اس (گنہگار دوزخی) کے قریب کیا جائے گا، تو وہ اسے ناپسند کرے گا، اور جب وہ پانی مزید اس کے قریب کیا جائے گا، تو وہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا، اور اس کے سر کی کھال اسی میں گر پڑے گی، اور جب وہ اس پانی کو پیئے گا، تو اس کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، یہاں تک کہ وہ پانی (پاکی ہوئی

آنتیں) اس کے پاخانے کے راستے سے باہر نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وسقوا ماء حمیما فقطع امعاءھم (انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ دے گا) اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وان یستغیثوا...... (اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے، تو انہیں تیل کی تلچھٹ کی مانند پانی دیا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون دے گا، بری ہے پینے کی یہ چیز، اور بری ہے رہنے کی جگہ)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: كَالْمُهْلِ قَالَ: كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَإِذَا قُرِّبَ إِلَيْهِ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهِ فِيهِ۔

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لِسُرَادِقِ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ، كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مَسِيرَةُ أَرْبَعِينَ سَنَةً۔

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لأَنْتَنَ أَهْلَ الدُّنْيَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "کالمھل" کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے، جب اسے دوزخی کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہیں اور ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور اسی سند سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دوزخیوں کی کھال سے بہنے والا خراب خون اور پیپ کا ایک ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے، تو ساری دنیا والے سڑ جائیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ: {اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ} قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ، فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامَهُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے یہ آیت: **اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون** (اللہ سے اس طرح ڈرو، جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز تم نہ مرو، مگر یہ کہ تم مسلمان ہو) تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اگر تھوہر کا ایک قطرہ (بھی) دنیا کے گھر پر ٹپکا دیا جائے، تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **مھل:** (میم پر پیش اور ہاء پر سکون) تیل کی تلچھٹ۔ **عکر:** (عین اور کاف پر زبر) تیل کی تلچھٹ۔ **فروۃ:** (فاء پر زبر) چمڑا، کھال۔ **حمیم:** کھولتا ہوا گرم پانی۔ **یصب:** (صیغہ مجہول) ڈالا جائے، گرایا جائے۔ **ینفذ:** نفوذ کر جائے گا، سرایت کرے گا۔ **حتی یخلص:** یہاں تک کہ وہ پہونچ جائے گا۔ **یسلت:** (لام پر پیش اور زیر کے ساتھ) وہ کاٹ دے گا۔ **حتی یمرق:** یہاں تک کہ وہ نکل جائے گا۔ **صھر:** (صاد پر زبر کے ساتھ) پگھلانا۔ **صدید:** پیپ۔ **یتجرعہ:** وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا۔ **الی فیہ:** اس کے منہ کی طرف۔ **أدنی:** (صیغہ مجہول) قریب کیا جائے گا۔ **شوی:** بھون ڈالے گا۔ **وان**

یستغیثوا: اور اگر وہ فریاد طلب کریں۔ مرتفقا: رہنے کی جگہ، منزل۔ سرادق: (سین پر پیش، راء پر زبر اور دال کے نیچے زیر) چاروں طرف سے گھیرنے والی دیوار یا پردہ اور قناتیں وغیرہ۔ جدر: جدار کی جمع ہے: دیوار۔ کثف: (کاف کے نیچے زیر اور ثاء پر زبر) موٹائی۔ غساق: (غین پر زبر اور سین پر تشدید) دوزخیوں کی کھال سے بہنے والا خراب خون اور پیپ۔ أنتن: سڑ جائیں، بدبودار ہو جائیں، یھراق: (صیغہ مجہول) بہایا جائے۔ حق تقاتہ: جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ زقوم: (زاء پر زبر) ایک تلخ اور بدبودار درخت، جس کا پھل اہل دوزخ کی غذا ہے، اور اس کی جڑ دوزخ کی تہ میں ہے، دوزخی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے نہیں کھائیں گے، تو زبردستی انہیں کھلایا جائے گا، تھوہر۔ قطرت: (صیغہ مجہول) قطرہ ٹپکایا جائے۔ افسدت: تہس نہس کر دے، تباہ و برباد کر دے۔ معایش: معیشۃ کی جمع ہے، سامان زندگی۔

اہل دوزخ کے مشروب

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا، جو اہل دوزخ کفار کو عذاب کے طور پر پلائی اور کھلائی جائیں گی، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جب وہ پانی طلب کریں گے، تو انہیں ایسا پانی پینے کے لئے دیا جائے گا، جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، جب وہ اپنے منہ کے قریب کریں گے، تو ان کے چہرے کو بھون ڈالے گا، سر کی کھال اس میں گر جائے گی، اور جب وہ اسے پئیں گے تو ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت وان یستغیثوا... میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) گرم پانی انہیں پینے کے لئے دیا جائے گا، اور عذاب کے طور پر ان کے سروں پر بھی ڈالا جائے گا، پیٹ کے اندر یہ پانی جائے گا تو اس سے آنتیں اور پیٹ کے اندر کے سب اجزاء واعضاء گل جائیں گے، کچھ پانی اوپر بہے گا جس سے کھال گل جائے گی، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہی "صہر" ہے، جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے یصب من فوق رؤسھم الحمیم یصھر بہ مافی بطونھم والجلود (ان کے سروں پر تیز گرم پانی ڈالا جائے گا، جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں وغیرہ) اور ان کی کھالیں سب پگھل جائیں گی) اور "صہر" کے معنی بھی پگھلانے کے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کے جسموں سے بہنے والا غساق، یعنی خراب خون اور پیپ، اتنا سڑا ہوا اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک ڈول دنیا میں ڈالا جائے، تو ساری دنیا بدبودار ہو جائے اور سڑ جائے۔

(۴) دوزخ کے احاطہ کے لئے آگ کی چار دیواریں اور قناتیں ہوں گی، جن میں سے ہر ایک کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے بقدر ہوگی، جہنمی اسی احاطے میں رہیں گے، اس سے باہر نہیں جا سکیں گے۔

(۵) "حق تقاتہ" کے معنی ہیں فرائض وواجبات کو صحیح طریقے سے بجا لانا اور گناہوں سے پرہیز کرنا، یعنی اس سے کمال تقویٰ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ کے مطابق زندگی گذارتا رہے اور اس میں خوب اہتمام کرے، تو وہ مسلمان ہو کر ہی مرے گا

اور دنیا کی آفات اور فتنوں سے محفوظ اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا، اور جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا، تو وہ آخرت کے عذاب میں مبتلی ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیت یعنی اتقوا اللہ حق تقاتہ ۔ ۔ ۔ کے بعد اہل دوزخ کی غذا ''زقوم'' کو ذکر فرمایا، اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ''تقویٰ'' ہی عذاب دوزخ سے بچنے کا اصل سبب ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار نہ کرے، تو وہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

اور ''زقوم'' اہل دوزخ کی غذا ہوگی یہ ایک تلخ اور بدبودار درخت کا پھل ہے، جو جہنمیوں کی غذا ہوگا، وہ اتنا زہریلا، گرم اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا پر ٹپکا دیا جائے تو ساری دنیا کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے، تو جن لوگوں کی یہ خوراک ہوگا، ان کا کیا حال ہوگا، اللہ ہی محفوظ رکھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب اہل دوزخ کی غذاء کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ، فَيَسْتَغِيثُونَ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيعٍ، لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ، فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ، فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُجِيزُونَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالشَّرَابِ فَيُدْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيمُ بِكَلَالِيبِ الْحَدِيدِ فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوهِهِمْ شَوَتْ وُجُوهَهُمْ، فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِي بُطُونِهِمْ، فَيَقُولُونَ: ادْعُوا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ، فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالُوا: فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ. قَالَ: فَيَقُولُونَ: ادْعُوا مَالِكًا، فَيَقُولُونَ: يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ، قَالَ: فَيُجِيبُهُمْ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ، قَالَ الْأَعْمَشُ: نُبِّئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِجَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ، قَالَ: فَيَقُولُونَ: ادْعُوا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ، فَيَقُولُونَ: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ، رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ، قَالَ: فَيُجِيبُهُمْ: اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ. قَالَ: فَعِنْدَ ذَلِكَ يَئِسُوا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذَلِكَ يَأْخُذُونَ فِي الزَّفِيرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ.

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کی جائے گی کہ اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی، جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہوں گے، (بھوک کی شدت سے تنگ آکر) وہ کھانے کی فریاد کریں گے، تو ضریع کے کھانے سے ان کی فریاد پوری کی جائے گی، جو نہ موٹا کرے گا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۵۸

اور نہ بھوک کو ختم کرے گا (اس کھانے کے بے فائدہ ہونے کی وجہ سے) وہ دوبارہ کھانا طلب کریں گے، تو انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا، جو گلے میں اٹکنے والا ہوگا، اس وقت وہ یاد کریں گے کہ دنیا میں گلے میں اٹکی ہوئی چیزوں کو پانی سے نیچے اتارتے تھے، تب وہ پانی طلب کریں گے، تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی لوہے کے آنکڑوں کے ذریعہ دیا جائے گا، اور جب گرم پانی کے برتن ان کے مونہوں کے قریب ہوں گے، تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے اور جب وہ (یعنی پیپ اور غساق وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوں گی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گی، تو وہ کفار ایک دوسرے سے کہیں گے کہ جہنم کے داروغوں کو بلاؤ، وہ داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: جی ہاں کیوں نہیں (رسول نشانیاں لے کر آئے تھے) وہ فرشتے کہیں گے کہ تم پکارو اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر کافر کہیں گے کہ "مالک" کو پکارو (یعنی داروغۂ جہنم سے مدد کی درخواست کرو)، چنانچہ وہ کہیں گے: اے مالک آپ کے رب کو چاہیے کہ وہ ہمارا فیصلہ کردے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ مالک (اپنی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے) انہیں جواب دے گا کہ تم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہی میں رہنا ہے،

اعمش (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان کی پکار اور مالک کے جواب میں ایک ہزار برس کی مدت ہوگی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم اپنے رب کو پکارو، کیونکہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں پھر وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب: ہم پر بدبختی غالب آگئی ہے، اور ہم گمراہ تھے، اے ہمارے پروردگار: ہمیں اس عذاب سے نکال دے، اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں، تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا: اسی دوزخ میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو، آپ نے فرمایا: اس وقت وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور گدھے کی طرح ڈینگیں مارنے لگیں گے اور حسرت و تباہی کو پکاریں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ، قَالَ: تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتَّى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهِ وَتَسْتَرْخِي شَفَتُهُ السُّفْلَى حَتَّى تَضْرِبَ سُرَّتَهُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وھم فیھا کالحون (اور وہ کافر جہنم میں بدشکل ہوں گے، ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا: کہ دوزخ کی آگ کافر کے منہ کو بھون ڈالے گی، جس سے اس کے اوپر کا ہونٹ اوپر کو سمٹ جائے گا، یہاں تک کہ سر کے درمیانی حصہ تک پہونچ جائے گا، اور اسکا نیچے کا ہونٹ لٹک جائے گا، یہاں تک کہ اس کی ناف تک پہونچ جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ هَذِهِ، وَأَشَارَ إِلَى مِثْلِ

الْجُمْجُمَةِ، أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَهِيَ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ، وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا، اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعْرَهَا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر سیسہ کا ایک گولہ اس جیسا ہو اور آپ ﷺ نے (سر کی طرف) اشارہ فرمایا کہ وہ کھوپڑی جیسا ہو، آسمان سے زمین کی طرف چھوڑا جائے، جس کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے، تو وہ رات سے پہلے زمین پر پہونچ جائے (یعنی بہت مختصر مدت میں) اور اگر وہ گولہ "زنجیر" کے سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال مسلسل دن رات چلنے کے بعد اس زنجیر کی جڑ یعنی اس کے آخری سرے تک یا یہ فرمایا کہ اس کی تہ تک پہونچے گا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ یلقی: (صیغہ مجہول) مسلط کی جائے گی۔ یعدل: وہ برابر ہوگا۔ یستغیثون: کھانے کی فریاد کریں گے، طلب کریں گے۔ فیغاثون: ان کی مدد کی جائے گی، ان کی فریاد رسی کی جائے گی۔ ضریع: دوزخ کا ایک خاردار اور بہت کڑوا درخت، جو بدبودار اور انتہائی زہریلا ہوگا، یہاں حدیث میں ضریع سے آگ کے کانٹے مراد ہیں، جو ایلوے سے زیادہ کڑوے، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوں گے۔ لا یسمن: موٹا نہیں کرے گا۔ لا یغنی: بے نیاز نہیں کرے گا، ختم نہیں کرے گا۔ ذی غصۃ: گلے میں اٹک جانے والا۔ یجیزون: گذار لیتے ہیں، آسانی سے نگل لیتے ہیں۔ غصص: غصۃ کی جمع ہے، اٹکی ہوئی چیز، اٹکا ہوا لقمہ۔ کلالیب: کلوب کی جمع ہے، آنکڑے، خم دار تین نوکی لوہے کی سلاخ، جو کسی پھنسی ہوئی چیز کو نکالنے کے لئے ہوتی ہے، زنبور۔ دنت: گرم پانی کے برتن ان کے قریب ہوں گے۔ شوت: بھون ڈالیں گے۔ دخلت بطونھم: جب وہ گرم پانی، پیپ اور غساق ان کے پیٹوں میں جائیں گے۔ قطعت: وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ یقولون: وہ کافر ایک دوسرے سے کہیں گے۔ خزنۃ: (خا اور زا پر زبر کے ساتھ) خازن کی جمع ہے: محافظ، داروغہ۔ بینات: بینۃ کی جمع ہے، نشانیاں، واضح دلائل۔ مالک: جہنم کا داروغہ۔ انکم ماکثون: تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہی رہو گے۔ نبئت: مجھے خبر دی گئی۔ شقوتنا: ہماری بدبختی۔ فان عدنا: اگر ہم دوبارہ کفر و شرک کی طرف لوٹے۔ اخسئوا فیھا: تم جہنم میں ہی پھٹکارے ہوئے رہو۔ یئسوا: ناامید ہو جائیں گے۔ زفیر: گدھے کی طرح چیخ و پکار اور آواز۔ حسرۃ: افسوس۔ ویل: ہلاکت و تباہی، کلمہ عذاب ہے، کالحون: بدشکل، بگڑی ہوئی شکل والے، جس کے دونوں ہونٹ اس کے دانتوں کو نہ چھپائیں، ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے، اور دانت نکلے ہوئے نظر آئیں۔ تشویہ النار: آگ اس کو بھون ڈالے گی۔ تقلص: سمٹ جائے گا۔ شفتہ العلیا: اوپر کے ہونٹ۔ تسترخی: لٹک جائے گا۔ سرتہ: اس کی ناف تک۔ رصاصۃ: سیسہ، رانگ کا گولہ۔ جمجمۃ: (جیم پر پیش، میم ساکن، جیم پر پیش اور میم پر زبر) سر کی کھوپڑی۔ أرسلت: (صیغہ مجہول) اس گولے کو چھوڑا جائے۔ راس السلسلۃ: زنجیر کے سرے سے۔ أصلھا: اس کی جڑ یعنی آخری انتہا تک۔ قعرھا: اس کی تہ تک۔

اہل دوزخ کا کھانا

اہل دوزخ پر اس قدر شدید بھوک مسلط کی جائے گی کہ اس کی تکلیف جہنم کے دیگر عذابوں کے برابر ہوگی، ایسے میں وہ کھانا مانگیں گے، تو انہیں ضریع کا کھانا دیا جائے گا، جس کے کھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا نہ وہ بھوک مٹائے گا اور نہ اس سے کوئی صحت بنے گی، چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت: **لیس لھم طعام الا من ضریع لا یسمن و لا یغنی من جوع** (اور ان دوزخیوں کو ایک خاردار جھاڑ کے سوا اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا، جو نہ تو کھانے والوں کو موٹا کرے گا اور نہ ان کی بھوک کو دفع کرے گا) میں اسی عذاب کا ذکر ہے، یہ کھانا چونکہ بے فائدہ ہوگا، تو وہ دوبارہ کھانا طلب کریں گے، تو اب انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا، جو ہڈی یا آگ کے کانٹے وغیرہ کی طرح ہوگا، جو گلے میں پھنس جائے گا، قرآن کریم کی اس آیت **ان لدینا انکالا و جحیما و طعاما ذا غصۃ و عذابا الیما** (حقیقت یہ ہے کہ (کفر و شرک کرنے والوں کے لئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ کی بھڑکتی آگ ہے، اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے) میں اسی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

انہیں یاد آئے گا کہ دنیا میں اچھو لگنے سے پانی پیا جاتا تھا، تو وہ اٹکا ہوا کھانا نگل لیا جاتا تھا، اس لئے وہ پانی مانگیں گے، تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی لوہے کے آنکڑوں کے ذریعہ دیا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا اور پیٹ کے اندر کی چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا، اس تکلیف سے خلاصی کے لئے وہ جہنم کے داروغہ مالک سے شفاعت کی درخواست کریں گے، ادھر سے کوئی مثبت جواب نہیں ملے گا، تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے: **ربنا غلبت علینا شقوتنا**......، ہم پہ بدبختی غالب آگئی کہ ہم دنیا میں کفر و شرک میں لگے رہے، جس کی وجہ سے آج ہمیں ذلت و رسوائی کا سامنا ہے، اے ہمارے رب: ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج، اب کی بار اگر ہم کفر و شرک کی طرف لوٹے تو بہت بڑے ظالم ہوں گے، یہ ان کی طرف سے ایک جھوٹ ہوگا، کیونکہ قرآن کریم نے ایک اور آیت میں بتادیا کہ وہ دوبارہ کفر و شرک ہی اختیار کریں گے، اللہ نے فرمایا: **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ و انھم لکذبون** (اور اگر یہ لوگ پھر دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں، تب بھی یہ وہی کام کریں گے، جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیں گے کہ تمہیں دھتکار ہو، مجھ سے دور ہو جاؤ، اور مجھ سے کوئی بات نہ کرو، جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہوجائے گی، تو اس وقت وہ حسرت و افسوس کے نالہ و فریاد اور گدھے کی طرح چیخ و پکار کرنے لگ جائیں گے، تاہم اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، غرض یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں ہی مبتلی رہیں گے۔(۱)

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا، جس کے جواب میں حکم ہوجائے گا کہ ہم سے کلام نہ کرو،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۶۱/۷

پھر وہ کسی سے کچھ بھی کلام نہ کر سکیں گے، جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو طرف بھونکیں گے۔(۱)

دوزخیوں کے منہ بدشکل ہوں گے

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل دوزخ کی منہ کی بدشکلی کا ذکر فرمایا کہ عذاب کی وجہ سے ان کا اوپر کا ہونٹ سمٹ کر سر کے درمیان پہونچ جائے گا، اور نچلا ہونٹ لٹک کر ناف تک آجائے گا، یہ دراصل قرآنی آیت وھم کالحون کی تفسیر ہے، بعض مفسرین نے کالحون کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: ''ان کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں گی، اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ'' ان کے دانت ظاہر اور کھلے ہوئے ہوں گے'' یہ معنی اس تفسیر کے زیادہ مناسب ہے، جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔(۲)

دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر

اہل دوزخ کو جہنم کے اندر زنجیر سے باندھا جائے گا، تاکہ وہ ادھر ادھر حرکت نہ کر سکیں، کیونکہ اس سے بھی آگ میں جلنے والا قدرے عذاب میں تخفیف محسوس کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زنجیر سے وہ زنجیر مراد ہے، جس میں کافر دوزخی کو اس طرح جکڑا جائے گا کہ پاخانے کے راستے سے اس میں ڈال کر، ناک کے راستے سے اسے نکالا جائے گا، تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔(۳)

اس زنجیر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ کی اس آیت میں کیا ہے: **ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوه** (پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دوزخی کو ایک زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے)۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اس زنجیر کی لمبائی ستر گز بیان کی گئی ہے، جبکہ اس باب کی تیسری حدیث میں اس زنجیر کی اس سے کہیں زیادہ لمبائی کا ذکر ہے، تو بظاہر ان دونوں مقداروں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) تعارض نہیں کیونکہ ستر کے عدد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں، بلکہ اس سے محض کثرت و مبالغہ مراد ہے، اور عربی زبان میں ستر کے عدد سے کثرت کے معنی مراد لینا عام ہے۔

(۲) اس گز سے دنیا کا گز مراد نہیں، بلکہ اس سے آخرت کا گز مراد ہے، جس کی وسعت، لمبائی اور کیفیت و صورت اللہ ہی کو معلوم ہے، اسے دنیا کے گز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال باب کی تیسری حدیث سے اس زنجیر کی لمبائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ایک سیسہ کا گولہ آسمان سے چھوڑا

---

(۱) معارف القرآن ۶/۳۳۷

(۲) شرح الطیبی ۱۰/۶۸۳ کتاب احوال القیامۃ، تفسیر قولہ تعالیٰ: وھم فیھا کالحون، مرقاۃ ۱۰/۳۴۸

(۳) تفسیر ابن کثیر عربی ۳/۵۴۵، سورۃ الحاقۃ

جائے تو وہ تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہونچ جائے گا، کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کی طرف بہت جلدی آتی ہے، حالانکہ زمین وآسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے، لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال تک چلنے کے بعد وہ گولہ اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہونچ سکے گا، اس سے اندازہ لگایئے کہ وہ زنجیر کتنی بڑی ہوگی، ہر کافر دوزخی کو اس میں جکڑا جائے گا، تا کہ وہ آگ سے بچاؤ کے لئے ادھر ادھر حرکت نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سے امان میں رکھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَارَكُمْ هٰذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ تمہاری دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں (۷۰) حصہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَارُكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تُوْقِدُوْنَ، جُزْءٌ وَاحِدٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ، قَالُوْا: وَاللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّيْنَ جُزْءًا، كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو، دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ: بخدا یہ آگ (جلانے کے لئے) یقیناً کافی ہے، آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو (دنیا کی آگ پر) انہتر حصہ بڑھا دیا گیا ہے اور ان انہتر حصوں میں سے ہر ایک حصہ، دنیا کی آگ کی حرارت کے برابر ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَارُكُمْ هٰذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ، لِكُلِّ جُزْءٍ مِنْهَا حَرُّهَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، ان میں سے ہر ایک حصہ کے لئے دنیا کی آگ کی گرمی کے برابر گرمی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أُوْقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ کی آگ ایک ہزار برس تک سلگائی گئی، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک جلائی گئی، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک جلائی گئی، یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک روشن کی گئی، یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی، چنانچہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۶۳، شرح الطیبی ۱۰/۲۸۷

اب وہ خوب سیاہ وتاریک ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فضلت: بڑھادی گئی۔ توقدون: تم جلاتے ہو، سلگاتے ہو۔ ان کانت: یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ مثل حرھا: دنیا کی آگ کی گرمی کے برابر۔ حتی احمرت: یہاں تک کہ وہ آگ سرخ ہوگئی۔ حتی ابیضت: یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔ حتی اسودت: یہاں تک کہ وہ آگ سیاہ ہوگئی۔ سوداء: سیاہ۔ مظلمۃ: تاریک۔

دوزخ کی آگ کی گرمی

ان احادیث سے دوزخ کی آگ کی شدت حرارت ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، ستر کے عدد سے کثرت ومبالغہ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ جہنم کی آگ دنیا کی اس آگ کے مقابلے میں کہیں زیادہ گرم ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی عذاب کے لئے ہے، تو پھر اس کی حرارت کیسے زیادہ نہ ہو، چنانچہ اس آگ کو یوں تیار کیا گیا کہ پہلے ایک ہزار برس تک اس آگ کو جلایا گیا، تو وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس جلانے کے بعد سیاہ ہو گئی، چنانچہ اب وہ خوب سیاہ اور تاریک ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا کی آگ کی جہنم کی آگ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن چونکہ دنیا میں شدید ترین سزا آگ کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے سمجھانے کے لئے جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: دنیا کی آگ ہی عذاب کے لئے کافی ہے، اس پر مزید انہتر گنا اضافہ کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم کی آگ کو اس لئے بڑھایا گیا ہے، تاکہ اللہ کا عذاب دنیا والوں کے عذاب کے مقابلے میں ممتاز ہو جائے اور تاکہ اہل دوزخ کو پتہ چل جائے کہ اللہ کا عذاب اہل دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ وَمَا ذُكِرَ مَنْ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دوزخ کے لئے دو سانس ہیں اور اہل توحید کا اس سے نکالے جانے کے ذکر میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، وَقَالَتْ: أَكَلَ بَعْضِي بَعْضاً، فَجَعَلَ لَهَا نَفَسَيْنِ: نَفَساً فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَساً فِي الصَّيْفِ، فَأَمَّا نَفَسُهَا فِي الشِّتَاءِ فَزَمْهَرِيرٌ، وَأَمَّا نَفَسُهَا فِي الصَّيْفِ فَسَمُومٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ نے شکایت کی اور حال عرض کیا کہ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۳۶ کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ النار، شرح الطیبی ۱۰/۲۷۲

میرے بعض اجزاء بعض کو کھا گئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو سانس مقرر کردیئے، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، چنانچہ سردی میں اس کا سانس زمہریر یعنی سخت سردی کا سبب ہوتا ہے اور گرمی میں اس کا سانس سموم یعنی سخت لو کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَالَ هِشَامٌ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، وَقَالَ شُعْبَةُ: أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً، أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً، أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً. وَقَالَ شُعْبَةُ: مَا يَزِنُ ذُرَةً مُخَفَّفَةً.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہشام کی روایت میں ہے کہ جہنم سے نکلے گا اور شعبہ کہتے ہیں کہ: حکم ہوگا کہ دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال دو، جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے، اور اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان ہے، اور جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو، جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر ایمان ہے، اور دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال دو، جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر ایمان ہو اور شعبہ نے اپنی روایت میں کہا کہ اس کے دل میں ایک مکئی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، شعبہ نے لفظ ذرہ کو تخفیف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ: أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي يَوْمًا أَوْ خَافَنِي فِي مَقَامٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائیں گے کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو، جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا ہو یا، مجھ سے کسی جگہ ڈرا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنِّي لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا: رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ: قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى الْجَنَّةِ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ، فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ: قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ، فَيُقَالُ لَهُ: تَمَنَّ، قَالَ: فَيَتَمَنَّى، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ الَّذِي تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُوْلُ: أَتَسْخَرُ بِي، وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ، حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو خوب پہچانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا، وہ ایک مرد ہوگا، جو جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا اور عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: لوگوں نے تو جنت کے سب گھر لے لیے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف جا اور

اس میں داخل ہو جا، آپ نے فرمایا: چنانچہ وہ جائے گا، تاکہ جنت میں داخل ہو، لیکن وہ لوگوں کو اس حال میں پائے گا کہ انہوں نے جنت کے تمام گھر لے لئے ہیں، پھر وہ لوٹے گا اور عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: لوگوں نے واقعی سب گھر لے لئے ہیں، فرمایا آپ نے: اس سے کہا جائے گا: کیا تجھے وہ وقت یاد ہے، جس میں تو تھا (یعنی عذاب دوزخ یا اس سے دنیا کی ملکیت مراد ہے) وہ کہے گا: جی ہاں (یاد ہے) پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو آرزو کر، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ آرزو کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ بیشک تیرے لئے وہ کچھ ہے، جس کی تو نے تمنا کی ہے اور دنیا کا دس گنا (بھی)، فرمایا آپ نے: وہ (تعجب سے) کہے گا، کیا آپ میری مذاق اڑا رہے ہیں جبکہ آپ تو (بادشاہوں کے بھی) بادشاہ ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہونے لگیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنِّي لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، يُؤْتَى بِرَجُلٍ، فَيَقُولُ: سَلُوا عَنْ صِغَارِ ذُنُوبِهِ وَأَخْبِئُوا كِبَارَهَا، فَيُقَالُ لَهُ: عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا، فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، لَقَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ، مَا أَرَاهَا هَاهُنَا، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَضْحَكُ، حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میں دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والے اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے کو جانتا ہوں (اسکی صورت یہ ہوگی کہ) ایک مرد کو لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس سے اس کے چھوٹے گناہوں کے بارے میں پوچھو اور بڑے گناہوں کو چھپا دو، تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن، اس اس طرح کیا ہے، اور فلاں فلاں دن تو نے ایسا ایسا کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے ہر برائی کے بدلہ ایک نیکی ہے، فرمایا آپ نے: وہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: میں نے اور بھی بہت سے گناہ کئے تھے، جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا، راوی کہتے ہیں کہ تحقیق میں نے نبی کریم ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُعَذَّبُ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ فِي النَّارِ، حَتَّى يَكُونُوا فِيهَا حُمَمًا، ثُمَّ تُدْرِكُهُمُ الرَّحْمَةُ، فَيُخْرَجُونَ، وَيُطْرَحُونَ عَلَى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيَرُشُّ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءَ، فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْغُثَاءُ فِي حِمَالَةِ السَّيْلِ، ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو جہنم کا عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ دوزخ میں کوئلے (کی طرح) ہو جائیں گے، پھر رحمت الٰہی ان کو پالے گی، چنانچہ انہیں جہنم

سے نکالا جائے گا، اور جنت کے دروازوں پر ڈال دیا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جنتی لوگ ان پر آب حیات چھڑکیں گے، جس سے وہ اس طرح اگنے لگیں گے، جیسے سیلاب کے ساتھ بہنے والا دانہ، بہنے والے پانی کے کنارے پر (بہت جلد) اگتا ہے، پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الإِيمَانِ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَمَنْ شَكَّ فَلْيَقْرَأْ {إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ}

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم سے ہر وہ شخص نکلے گا، جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا، ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جس کو یہ شک ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ آیت پڑھے: ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (بیشک اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ رَجُلَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِيَاحُهُمَا، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَخْرِجُوهُمَا، فَلَمَّا أُخْرِجَا، قَالَ لَهُمَا: لِأَيِّ شَيْءٍ اشْتَدَّ صِيَاحُكُمَا؟ قَالَا: فَعَلْنَا ذَلِكَ لِتَرْحَمَنَا، قَالَ: رَحْمَتِي لَكُمَا أَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِيَا أَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ، فَيَنْطَلِقَانِ، فَيُلْقِي أَحَدُهُمَا نَفْسَهُ فَيَجْعَلُهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا، وَيَقُومُ الآخَرُ فَلَا يُلْقِي نَفْسَهُ، فَيَقُولُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُلْقِيَ نَفْسَكَ كَمَا أَلْقَى صَاحِبُكَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا تُعِيدَنِي فِيهَا بَعْدَمَا أَخْرَجْتَنِي، فَيَقُولُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: لَكَ رَجَاؤُكَ، فَيَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ جَمِيعًا بِرَحْمَةِ اللَّهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم میں داخل ہونے والوں میں سے دو آدمیوں کی چیخ سخت ہونے لگے گی، اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ انہیں نکالو، جب انہیں نکالا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کس وجہ سے تمہارا چیخنا بلند ہوا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ تو ہم پر رحم کرے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میری رحمت تم دونوں کے لئے یہی ہے کہ تم جاؤ اور اپنی جانوں کو جہنم کے اسی عذاب میں ڈال دو، جہاں تم (پہلے) تھے، چنانچہ وہ دونوں جائیں گے، ان میں سے ایک شخص اپنی جان کو جہنم میں ڈال دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیں گے اور دوسرا کھڑا رہے گا، اپنے نفس کو جہنم میں نہیں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کس چیز نے اس سے روکا ہے کہ تو اپنے آپ کو جہنم میں ڈالے جیسا کہ تیرے ساتھی نے ڈال دیا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار مجھے امید ہے کہ آپ مجھے دوبارہ جہنم میں نہیں ڈالیں گے بعد اس کے کہ آپ نے مجھے اس سے نکالا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تیرے ساتھ تیری امید کے مطابق معاملہ ہوگا، بالآخر دونوں کو اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي، يُسَمَّوْنَ

الْجَهَنَّمِيِّيْنَ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ ضرور میری سفارش سے جہنم سے نکلیں گے، جنہیں "جہنمی" کہا جاتا ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے دوزخ کے برابر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا سو جائے اور جنت کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی کہ اس کا طلب کرنے والا سو جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اشتکت: دوزخ نے شکایت کی۔ نفس: (نون اور فا پر زبر کے ساتھ) سانس۔ زمھریر: سخت ٹھنڈک۔ سموم: (سین پر زبر) گرم لو، شدید گرمی۔ مایزن شعیرۃ: جو کے وزن کے برابر۔ برۃ: (با پر پیش) گیہوں، گندم۔ ذرۃ: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ (ذال پر زبر اور را کی تشدید کے ساتھ) معمولی ذرہ، انتہائی باریک ذرہ، مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔ ۲۔ شعبہ راوی کے طریق میں ذرہ (ذال پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) ہے، جس کے معنی مکی کے ہیں، یہ معنی اگرچہ جو اور گندم کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، لیکن جمہور نے پہلے معنی یعنی ذرہ کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ زحفا: زمین پر گھسٹتا ہوا۔ بدت نواجذہ: نواجذ جمع ہے ناجذۃ کی: ڈاڑھیں، معنی یہ ہیں: آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ أخبؤا بجم چھپادو۔ کبار: کبیرۃ کی جمع ہے: بڑے گناہ، کبیرہ گناہ۔ حمما: (حا پر پیش اور میم پر زبر) حممۃ کی جمع ہے: کوئلے۔ تدرکھم: رحمت الٰہی ان کو پالے گی۔ یطرحون: (صیغہ مجہول) انہیں ڈالا جائے گا۔ یرش: (صیغہ معروف) چھڑکیں گے۔ ینبتون: وہ اگ گئیں۔ غثاء: (غین پر پیش) سیلاب کے ساتھ بہ کر آنے والا دانہ، خس وخاشاک۔ حمالۃ السیل: وہ خس وخاشاک اور دانہ جسے ندی کا پانی اور سیلاب بہالے، اٹھالے۔ صیاحهما: ان دونوں کی چیخ وپکار۔ برداوسلاما: ٹھنڈی اور سلامتی والی۔ ان لا تعیدنی: یہ کہ تو مجھے دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔ لک رجاءک: تیرے لئے تیری امید ہے، یعنی تیرے ساتھ تیری امید کے مطابق معاملہ ہوگا۔ لیخرجن: ضرور نکلے گی۔ جھنمیین: جھنمی کی جمع ہے، اس نام سے انہیں اس لئے پکارا جائے گا، تاکہ وہ اپنا پہلا ٹھکانہ جہنم کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اس سے ان کی توہین اور تذلیل مقصود نہیں، اس نام سے وہ پکارے جائیں گے اور، ان کا لقب "عتقاء اللہ" (اللہ کی طرف سے آزاد کردہ) ہوگا۔ (۱)

جہنم دو سانس لیتی ہے

جہنم نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ میرے بعض حصے نے دوسرے بعض کو کھا لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی، "دو سانسوں" سے کیا مراد ہے؟

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۲۷

علماء فرماتے ہیں کہ اس سے جہنم کے دو سانس مراد ہیں کہ ایک سانس سے دنیا میں شدید حرارت اور دوسرے سانس سے سخت سردی ہو جاتی ہے، چنانچہ کافروں کو جس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا، اسی طرح زمہریر یعنی سخت ٹھنڈک کا عذاب بھی انہیں دیا جائے گا، دنیا میں اس حرارت و برودت کا ظہور سورج کے ذریعہ ہوتا ہے، زمین کا جو خطہ جس قدر سورج کے قریب ہوتا ہے، اس میں شدید گرمی اور جو ممالک جس قدر اس سے دور ہیں، اسی قدر ان میں گرمی کم اور سردی زیادہ ہوتی ہے، اور جو علاقے سورج سے نہ تو بہت دور ہیں اور نہ بہت قریب، ان میں سردی اور گرمی کا توازن برابر ہی رہتا ہے۔(۱)

اشتکت النار سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ جہنم واقعتاً اپنی زبان سے شکایت کرے گی یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ اس میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ آخرت میں جہنم اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گی، اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ: وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحھم۔ (اور کوئی چیز نہیں، جو اس کی خوبیاں نہیں پڑھتی، لیکن تم ان کا پڑھنا نہیں سمجھتے) (اسراء: ۴۴)

(۲) علامہ بیضاوی کے نزدیک اس سے مجازی معنی مراد ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک "شکایت" سے جہنم کا جوش مارنا، بعض کا بعض کو کھانے سے اس کے اجزاء کا ازدحام اور سانس لینے سے وہ عذاب مراد ہے، جو جہنم سے نکلے گا۔(۲)

گنہگار مسلمان بھی بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا

اس باب کی باقی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس گنہگار مسلمان نے دنیا میں توبہ نہ کی ہو، تو آخرت میں کچھ عرصہ اسے عذاب جہنم سے دو چار ہونا پڑے گا، پھر نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

من ذکرنی یوماً او خافنی فی مقام اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھے ایمان کے ساتھ مخلص ہو کر یاد کیا، یا کسی مقام پر جبکہ اس کے نفس میں گناہ کا تقاضا پیدا ہوا، مجھ سے ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کیا، اس سے رک گیا تو ایسے شخص کو بھی بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اتذکر الزمان الذی کنت فیہ اس سے یا تو عذاب دوزخ مراد ہے یا اس سے دنیا کی ملکیت مراد ہے، حافظ ابن حجر نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔

أتسخر بی وانت الملک" کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہیں، اس تحریہ سے یہاں کیا مراد ہے؟

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۲۳

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۶۸

اس میں دو قول ہیں:

(۱) ابوبکر کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریہ کی نفی کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مزاح نہیں کر رہے، کیونکہ آپ رب العالمین ہیں اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں وہ بھی حق ہیں، بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے، جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں تھا، اس میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

(۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے سے تحریہ کے حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت کی وجہ سے صادر ہو گا، جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے فرط محبت میں یوں کہہ دیا: انت عبدی وانا ربک (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں)۔

کماینبت الغثاء... مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ دانہ جو سیلاب کے ساتھ بہہ کر آتا ہے، اور ندی کے کنارے پر بہت جلد اگ جاتا ہے، اسی طرح اہل جنت بھی جو جہنم سے نکالے جائیں گے، نہایت جلد آب حیات کی وجہ سے اگ جائیں گے، یعنی ان کے جسم صحیح اور درست ہو جائیں گے۔

رحمتی لکما ان تنطلقا... اس میں سوال یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونا کیسے رحمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان دونوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی نہیں گذاری، بلکہ اللہ کی نافرمانی اور غفلت میں وقت گذارا اور توبہ کے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے، تو اب انہیں قیامت میں حکم ہوگا کہ تم اپنے آپ کو جہنم میں ڈال دو، تاکہ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ اللہ کی رحمت کا نزول اسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے مکمل طور پر پرہیز کی جائے۔(۱)

جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کی کوشش میں اس قدر غفلت

اس باب کی آخری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوفناک چیز سے یا اپنے کسی ظالم دشمن سے جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگتا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک اسے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک نہ آرام کرتا ہے، نہ سوتا ہے اور نہ بیٹھتا ہے، اسی طرح انسان اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے، خوب تگ و دو کرتا ہے، ذرا غفلت اور سستی نہیں کرتا اور نہ سوتا ہے اور جب تک وہ چیز حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ سکون سے نہیں بیٹھتا، لیکن دوزخ اور جنت کے بارے میں انسانوں کا عجیب حال ہے، حالانکہ دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہیں، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے رات دن ایک کیا جائے، اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کی جائے، لیکن اس سے بچنے کے خواہشمند بھی غفلت کی نیند سو رہے ہیں، اور جنت جس کو حاصل کرنے کے لئے جس قدر کوشش اور تگ و دو کرنی چاہیے، اس کے طلب گار بھی اس طرح کی جدوجہد نہیں کر رہے، بلکہ غفلت کی نیند سو رہے ہیں، غرض یہ کہ جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۷۴

احکام کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دوزخیوں میں اکثریت عورتوں کی ہوگی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ، فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو دیکھا کہ اہل جنت کی اکثریت فقراء کی تھی اور جہنم میں جھانکا تو دیکھا کہ اہل دوزخ کی اکثریت عورتوں کی تھی۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جہنم میں جھانکا تو پتہ چلا کہ اہل جہنم کی اکثریت عورتیں ہیں اور جنت میں جھانکا تو معلوم ہوا کہ جنتیوں کی اکثریت فقراء ہیں۔

جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی

نبی کریم ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا، دیکھنے کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ معراج کے موقع پر اور دوسرا یہ ہے کہ نماز کسوف میں آپ نے دیکھا ہے۔

باب کی مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جنت میں اکثریت فقراء کی ہوگی، جنہوں نے دنیا میں تقویٰ کے مطابق زندگی گذاری ہوگی، جنت میں داخلے کا سبب ان کا یہ فقر نہیں بلکہ ان کا صلاح اور نیک ہونا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں مال و دولت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ اس میں عورتوں کو اس بات پر براہیختہ کیا جارہا ہے کہ وہ دین کے امور پر محافظت اور پابندی کیا کریں۔

(۲) دوزخ میں اکثریت عورتوں کی ہوگی، اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دو دو عورتیں ملیں گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں زیادہ عورتیں ہوں گی؟

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۷۶/۷

شارحین حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

(۱) ابتداءً جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی شوہر کی ناشکری وغیرہ کی وجہ سے، مگر چونکہ وہ اہل ایمان ہوں گی، اس لئے سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گی، تو پھر جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔(۱)

(۲) حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ جنت کی یہ دو بیویاں جنت کی حوروں میں سے ہوں گی، جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔(۲)

(۳) بعض نے یہ جواب دیا کہ عورتوں کی تعداد چونکہ دنیا میں زیادہ ہے، اس لئے عورتوں کی تعداد جنت میں جنت کے مردوں سے زیادہ ہوگی، اور جہنم میں ان کی تعداد جنت کی عورتوں اور جہنم کے مردوں سے بھی زیادہ ہوگی۔(۳)

باب

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَاباً، رَجُلٌ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ.

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک دوزخ والوں میں سب سے خفیف عذاب ایک مرد کو ہوگا جس کے دونوں پاؤں کے تلووں میں دو ایسی چنگاریاں ہوں گی جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أهون: سب سے خفیف اور ہلکا۔ أخمص: پاؤں کا نچلا حصہ، تلوا۔ جمرتان: جمرة کا تثنیہ ہے: چنگاری۔ يغلي: کھولتا ہوگا، جوش مارے گا۔

جہنم کا ادنیٰ درجہ کا عذاب

اس روایت میں جہنم کا سب سے ادنیٰ درجہ کا عذاب ذکر کیا گیا ہے، کہ اس جہنمی کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے، جس کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا، اور پیٹ سے آگ کے شعلے نکلیں گے، لیکن یہ عذاب بھی اتنا شدید ہوگا کہ وہ آدمی یہ سمجھ رہا ہوگا کہ جہنم کا سب سے سخت عذاب گویا مجھے دیا جارہا ہے۔

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ اس "رجل" سے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب مراد ہیں، جو اگرچہ حالت کفر میں مرے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مشکل وقت میں بڑی مدد و نصرت کی تھی، اس لئے انہیں جہنم کا سب سے خفیف

(۱) فتح الباری ۱/۶، ۳۰ کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ
(۲) فیض الباری ۱/۱۱۷ کتاب الایمان، باب: کفران العشیر
(۳) الکوکب الدری ۳/۳۲۵

عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔(۱)

بَابٌ

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ، يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ: كُلُّ ضَعِيْفٍ، مُتَضَعِّفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ، لَأَبَرَّهُ. أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ: كُلُّ عُتُلٍّ، جَوَّاظٍ، مُتَكَبِّرٍ۔

حضرت حارثہ بن وھب خزاعی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق نہ بتاؤں؟ جنت میں ہر وہ ضعیف داخل ہوگا، جسے لوگ حقیر جانتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر (کسی چیز کے بارے میں) قسم کھائے، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کردیں، اور کیا میں تمہیں اہل دوزخ کے متعلق نہ بتاؤں؟ اہل دوزخ میں ہر اکھڑ مزاج، اجڈ (یعنی بد مزاج) اور متکبر شخص ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ ضعیف : کمزور آدمی۔ متضعف : وہ ضعیف شخص جسے لوگ حقیر جانتے ہیں۔ أقسم علی الله : اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھالے۔ لأبرہ : تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کردیں۔ عتل : (عین اور تا پر پیش) روکھا، اکھڑ مزاج آدمی۔ جواظ : اکڑ کر چلنے والا، اجڈ، اکھڑ۔ متکبر : اپنے کو اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر و ذلیل اور گھٹیا سمجھنے والا، فخر و غرور کرنے والا۔

جنت اور جہنم میں کون لوگ داخل ہوں گے

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ان لوگوں کی صفات کا ذکر فرمایا، جو جنت اور جہنم میں جائیں گے، چنانچہ جنت میں وہ لوگ جائیں گے جو بظاہر دنیاوی اعتبار سے شان و شوکت کے حامل نہیں ہوں گے، لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہوں گے، وہ نرم دل، نرم خو اور نرم زبان ہوں گے، لیکن ان کا اللہ کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہوگا کہ اگر وہ کسی کام کے بارے میں اللہ پر اعتماد کر کے قسم کھالیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمادیں، اور جہنم میں ہر وہ شخص جائے گا، جو تند خو، بد مزاج، اکھڑ مزاج اور متکبر ہوگا، یعنی حق بات سے اعراض اور لوگوں کو حقیر سمجھتا ہوگا۔(۲)

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۲۷، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۷۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۲۷۹، تکملۃ فتح الملہم ۶/۲۱۱، کتاب الجنۃ، باب النار یدخلها الجبارون

ابواب الایمان عن رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے ایمان سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

ایمان کے لغوی معنی

''ایمان'' کا لفظ ''اَمن'' سے ہے، جس کے معنی کسی چیز سے بے خوف ہونے کے ہیں، جب یہ لفظ باب افعال سے آئے تو متعدی ہوجاتا ہے یعنی اٰمن، اس کے معنی ہیں: امن دیا، بے خوف کردیا اور ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے بھی آتے ہیں، جب اس کے صلہ میں باء آجائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: اٰمن بہٰذا، اس کے معنی ہیں: اس کی تصدیق کی، کیونکہ جب کسی چیز کی تصدیق کردی جائے تو اس کی تکذیب سے گویا امن حاصل ہوجاتا ہے۔

ایمان کی تعریف

ایمان کی شرعی تعریف شارحین حدیث نے مختلف الفاظ سے ذکر کی ہے، جن کا حاصل تقریبا ایک ہی ہے، چنانچہ جمہور محقق علماء نے اسکی تعریف یوں کی ہے:

''التَّصدِیْقُ بِمَا عُلِمَ مَجِیئُ النَّبِیِّ ﷺ بِہٖ ضَرُوْرَۃً تَفْصِیلاً فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیلاً وَاِجْمَالاً فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالاً''(۱)

مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز کی تصدیق کرنا جسکا ثبوت نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر ہے اور یہ بات ضرورۃ یعنی بداھۃً معلوم ہو، اگر آپ سے اس شی کا علم تفصیلی طور پر حاصل ہوا ہے تو اسپر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اور جس شی کا علم آپ سے اجمالی طور پر ہوا ہے، تو اسپر اجمالی ایمان کافی ہے، مثلاً عذاب قبر کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، لیکن اجمال کے ساتھ، اس لیے اجمالاً عذاب قبر کی تصدیق کرنا ایمان کیلئے لازم اور ضروری ہوگا، اور عذاب قبر سے متعلق باقی تفصیلات چونکہ خبر واحد سے ثابت ہیں اسلئے ان پر ایمان لانا مؤمن ہونے کیلئے ضروری نہیں، البتہ ایک مسلمان کو خبر واحد پر بھی اطمینان اور عمل کرنا چاہئے اور اسے ماننا چاہئے لیکن اگر کوئی نہ مانے تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

''تصدیق'' سے مراد یہ ہے کہ دل سے ان تمام باتوں کی اپنے اختیار سے تصدیق کی جائے جن کو نبی کریم ﷺ لیکر آئے تھے، اور ساتھ ہی اسے ''التزام طاعت وشریعت اور انقیاد قلبی'' بھی حاصل ہو اور ہرقل اور ابوطالب نے گوکہ آپکی تصدیق کی اور آپکی صداقت کا زبان سے اظہار بھی کیا لیکن ان میں چونکہ التزام طاعت وشریعت نہیں تھا، اور نہ ہی انہوں نے دوسرے مذہب سے براءت کا اظہار کیا تھا، اس لیے وہ مومن نہیں۔

---

(۱) فتح الملہم: ۱/۴۲۷ کتاب الایمان، الایمان لغۃ وشرعا

"ضرورۃ" سے وہ امور مراد ہیں، جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر اور دلیل قطعی سے ثابت ہوں اور وہ اس درجہ مشہور ہوں کہ عام لوگوں کی ایک کثیر جماعت اسے جانتی ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوْهَا، عَصَمُوْا مِنِّي دِمَائَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں، پس جب وہ یہ کلمہ کہہ لیں تو انہوں نے اپنے خون (یعنی جانیں) اور مال مجھ سے محفوظ کر لیے، مگر کلمۂ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی اگر وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرلیں جس سے ان کی یہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مثلاً کوئی ناحق قتل کر دیتا ہے یا کسی کا مال غصب کر لیتا ہے وغیرہ، اور جو شخص زبان سے یہ کلمہ پڑھ لے، اسے مسلمان قرار دیا جائیگا، اس کے دل میں واقعۃً اسلام ہے یا نہیں، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے) اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهُ، كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ؟ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: وَاللهِ، لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِي عِقَالًا، كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنَّ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوئے تو عرب میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے، اس موقع پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا: آپ لوگوں سے کیسے لڑائی کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ یہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ نہ پڑھ لیں، اور جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس نے اپنے جان ومال کو مجھ سے محفوظ کرلیا، مگر کلمۂ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی وہ کوئی ایسا کام کرلیں، جو ان کی ان چیزوں کو حلال کر دے) اور اس کا حساب اللہ پر ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں ہر اس بندے سے ضرور لڑائی کروں گا، جو نماز اور زکوۃ کے

(۱) نفحات التنقیح ۱/۲۰۰

درمیان تفریق کرے گا، کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم، اگر یہ لوگ مجھے ایک ایسی رسی بھی بطور زکوۃ دینے سے انکار کردیں گے، جو یہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے اسکی عدم ادائیگی کی وجہ سے جنگ کروں گا، اس پر حضرت عمر نے فرمایا: اللہ کی قسم، میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا ہے (یعنی مطمئن کردیا ہے) اور میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔عصموا: وہ بچالیں گے، محفوظ کرلیں گے۔**دماء:** دم کی جمع ہے: خون، یہاں جانیں مراد ہیں۔ **الابحقها:** مگر اس کلمے کے حق کے ساتھ، اس میں "ہا" ضمیر کلمہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ **حسابهم علی الله:** ان کا حساب اللہ پر ہے یعنی اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں تو انہیں مسلمان قرار دیا جائیگا، اور اگر اس نے منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے لیں گے، تاہم دنیا میں اس پر ایک مسلمان کے احکام جاری ہونگے۔**استخلف:** صدیق اکبر خلیفہ ہو گئے۔**الابحقه:** اس میں "ہ" ضمیر یا تو اسلام کی طرف لوٹ رہی ہے یا مذکور کی تاویل سے نفس یا مال کی طرف عائد ہے۔**لاقاتلن:** میں ضرور بضرور لڑائی اور جہاد کروں گا۔**عقال:** (عین کے نیچے زیر) وہ رسی جس سے صدقے کے اونٹ کو باندھا جاتا ہے، کیونکہ صاحب زکوۃ پر جس طرح زکوۃ کا جانور دینا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح جانور سپرد کرتے وقت رسی کا دینا بھی ضروری ہے، تاکہ اس جانور کو عامل صدقہ وصول کرسکے۔**منعونی:** مجھ سے روک لیں یعنی مجھے نہ دیں۔**شرح صدر ابی بکر:** اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کا سینہ کھول دیا یعنی مطمئن کردیا۔

کفار سے جنگ کا حکم

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کفار سے جنگ وجدال اور قتال کا حکم دیا گیا ہے الا یہ کہ وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر وہ لڑائی سے بچ جائیں گے، اور "حتی یقولوا لا اله الا الله" میں اگرچہ رسالت اور دیگر احکام کا ذکر صراحۃً نہیں لیکن مراد اس کلمہ سے اسلام ہے لہٰذا رسالت اور اسلام کے دیگر احکام ضمناً اس میں داخل ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے بہرحال قتال کیا جائے گا الا یہ کہ وہ اسلام قبول کرلیں، حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مناسب موقع پر کفار سے صلح بھی کی جاسکتی ہے تاکہ لڑائی کی نوبت نہ آئے ایسے ہی اگر وہ جزیہ دے دیں، تب بھی قتال نہیں کیا جاتا تو پھر اس حدیث میں صرف قتال کے ذکر پر کیوں اکتفا فرمایا گیا ہے؟

اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ابتداء اسلام کی ہو اور جزیہ وصلح کا حکم بعد میں نازل ہوا ہو۔(۱)

---

(۱) شرح الطیبی ۱/۱۲۹

۲۔ اس حدیث میں لفظ "ناس" گو کہ عام ہے لیکن اس سے اہل کتاب کے علاوہ مشرکین مکہ اور بت پرست مراد ہیں، گویا صلح کا حکم پہلے تھا لیکن بعد میں مشرکین عرب کیلئے صلح کا حکم نہیں رہا بلکہ ان کے بارے میں یہ حکم ہے، اما السیف و اما الاسلام (یعنی اسلام قبول کرو ورنہ لڑائی ہوگی)

۳۔ حدیث میں "قتال" سے حقیقی قتال مراد نہیں بلکہ اس سے "اعلاء کلمة الله" یعنی دین کی سربلندی اور غلبہ مراد ہے، یہ مقصد بعض کفار کو قتل کرنے سے، بعض سے جزیہ لینے اور بعض سے صلح کا معاہدے کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ حدیث میں "قتال" سے مراد ہے لڑائی او وہ چیز جو قتال کے قائم مقام ہو خواہ جزیہ ہو یا معاہدہ صلح ہو، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ قتال میں جزیہ اور صلح دونوں داخل ہیں۔

أمرت ان أقاتل الناس اس میں "أمرت" کا لفظ اگرچہ مجہول کا صیغہ ہے، لیکن اس سے مراد "اللہ تعالیٰ" ہیں کیونکہ حضور ﷺ کو حکم دینے والے اللہ جل شانہ ہی ہیں اور جب کوئی صحابی یوں کہے کہ "أمرنا" (ہمیں حکم دیا گیا) تو اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

"الا بحقها" اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب اسلام قبول کرلے تو اس کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، ہاں اگر وہ ایسا کوئی کام کرلے، جس کی سزا ہی اسلام میں قتل ہو، تو پھر اسے قتل کیا جائے گا، مثلاً جو شخص کسی کو ناحق قتل کردے، یا شادی شدہ آدمی زنا کرلے تو ایسی صورت میں پھر اسے قتل کیا جائیگا، کیونکہ یہی اسلام کا حکم ہے۔

وحسابهم على الله اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بظاہر اسلام قبول کرلے، زبان سے اقرار کررہا ہے تو دنیا میں اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائیگا، دل سے اس نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں، اس تحقیق کے ہم مکلف نہیں، دل کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے معاملہ فرمائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ملحد اور زندیق ہو جائے یعنی اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے، جس سے اس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو لیکن پھر جلد ہی اسے احساس ہو جائے اور یہ دل سے توبہ کرلے، تو اسکی توبہ کو قبول کیا جائیگا، لیکن اگر اسکی توبہ محض جان بچانے کیلئے اور اسلامی سزا سے بچنے کیلئے ہو، تو پھر اسکی توبہ قبول نہیں کی جائیگی۔ (۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جرأت مندانہ فیصلہ

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول قرار پائے تو اس وقت مختلف قسم کے نئے فتنے رونما ہوگئے، ان میں سے ایک "فتنہ ارتداد" ہے، جس کا مقابلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت کے ساتھ کیا۔

---

(۱) فتح الملہم، ۵۵۳/۱ کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس، فتح الباری ۱۰۳/۱ کتاب الایمان، باب: فان تابوا.....

"کفر من کفر من العرب" علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے قبیلہ غطفان، فزارہ اور بنی سلیم وغیرہ مراد ہیں کہ انہوں نے زکوۃ کا انکار کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ کے وقت اسلام سے روگردانی کرنے والے لوگ تین طرح کے تھے:

۱۔ بعض لوگوں نے اسلام چھوڑ کر بت پرستی کی راہ اختیار کر لی۔

۲۔ اور بعضوں نے نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ اور اسود عنسی کی تصدیق اور پیروی شروع کر دی، چنانچہ اہل یمامہ نے مسیلمہ کذاب کی اور صنعاء کے باشندوں نے اسود عنسی کو اپنا نبی مان لیا تھا، بعد میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

۳۔ تیسرا طبقہ وہ تھا جو دین اسلام پر برقرار تھا لیکن انہوں نے زکوۃ کی فرضیت کا یا بقول بعض اسکی ادائیگی کا انکار کر دیا تھا، اور تاویل میں یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کی آیت خذ من اموالهم صدقة کے مطابق زکوۃ کا حکم صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا۔

ان تین قسموں میں سے پہلی دو قسم کے لوگ تو تمام صحابہ کرام کے نزدیک کافر تھے، ان سے لڑائی کرنے میں کسی صحابی کو کوئی اشکال اور تامل نہیں تھا، البتہ تیسرے طبقہ سے لڑائی کے بارے میں حضرت عمر فاروق کو ذرا تامل تھا، کہ بظاہر یہ کلمہ اسلام پڑھتے ہیں، ایسے میں اگر ان سے اس وقت لڑائی کی گئی تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حقیقت حال بتائی، تو پھر وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور ان کا اس بات پر شرح صدر اور یقین کامل ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی فراست اور ان کے تدبر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ میں ان سے ضرور جنگ کروں گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زکوۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے ہیں تو میں ان سے ان کے کفر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے لڑائی کروں گا، اس صورت میں "کفر من کفر" سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہونگے، اور اگر وہ زکوۃ کے منکر نہ ہوں بلکہ زکوۃ ادا نہ کر رہے ہوں تو پھر ان سے میری جنگ شعائر اسلام کی حفاظت اور اس فتنہ کے سد باب کے لیے ہوگی، اس صورت میں ان پر "کفر" کا اطلاق مجازا ہوگا، کیونکہ ان کا زکوۃ ادا نہ کرنے کا جرم انتہائی شدید ہے۔

صحابہ کرام کے ہاں یہ بات طے شدہ تھی کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوۃ میں تفریق کرے کہ نماز کی فرضیت کا تو قائل ہو اور زکوۃ کی فرضیت کا انکار کر دے تو میں اس سے ضرور قتال کروں گا، کیونکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔(۱)

شیخین کے اس مناظرے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کے استدلال میں جو روایت یعنی حدیث باب ذکر کی ہے، اس میں نماز اور زکوۃ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ چیزیں تھیں ورنہ

(۱) فتح الملہم ۱/۵۴۹، الکوکب الدری ۲/۳۳۲، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۸۲، مرقاۃ ۴/۲۴۷ کتاب الزکاۃ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قیاس کو ذکر نہ فرماتے چنانچہ انہوں نے فرمایا: واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ، حالانکہ اس روایت کے عبد اللہ بن عمر کے طریق میں نماز اور زکوۃ کا ذکر صراحتاً منقول ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ترک قتال کیلئے جس طرح ایمان ضروری ہے، اسی طرح نماز کو قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا بھی ضروری ہے لہذا اگر کوئی شخص ایمان کا اقرار کرتا ہے اور نماز کا بھی قائل ہے لیکن زکوۃ کو نہیں مانتا یا اسکی ادائیگی نہیں کرتا تو اس کے ساتھ لڑائی کی جائیگی اسلئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کا ذکر فرمایا، تو حضرات شیخین کے اس بحث و مباحثہ سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے نماز اور زکوۃ کا ذکر نہیں سنا تھا، یا ان کے ذہن میں مستحضر نہیں تھا، ورنہ حضرت عمر سمیت کسی صحابی کو اس فیصلے میں ذرا تامل نہ ہوتا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں اور نماز قائم کریں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنْ يَسْتَقْبِلُوا قِبْلَتَنَا، وَيَأْكُلُوا ذَبِيحَتَنَا، وَأَنْ يُصَلُّوا صَلَاتَنَا، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کریں اور ہماری ذبح کی ہوئی چیزیں کھائیں اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھیں، جب وہ ایسا کرلیں تو ہم پر ان کی جانیں اور مال حرام ہوجائیں گے مگر کلمہ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی اگر وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرلیں جسکی وجہ سے ان کی یہ چیزیں حلال ہوجائیں) ان کیلئے (وہ تمام منافع) ہیں جو مسلمانوں کیلئے ہیں اور ان پر وہ تمام حقوق لازم ہیں جو دیگر مسلمانوں پر ہیں۔

کفر کی تعریف اور اسکی اہم تشریح

کفر کی تعریف: انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ، دین کی اس بات کا انکار کرنا جو قرآن وسنت سے قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کے معنی اور مفہوم بھی قطعی ہو، اور جس کے بارے میں ہر خاص و عام مسلمان کو معلوم ہو کہ یہ دین کا حصہ ہے، پھر اگر وہ انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا لہذا اگر دین کا کوئی امر قطعی ہے مگر لوگوں کو عام طور سے معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہوگا ہاں فسق ضرور ہوگا۔

(۱) فتح الباری، کتاب الایمان، باب فان تابوا... ۱/۱۰۳، تحفۃ الاحوذی ۷/۲۸۲

اس بارے میں مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی چیز کا انکار کرتا ہے، جس کا ثبوت بھی قطعی ہے اور قطعی الدلالہ ہے یعنی اپنے معنی پر دلالت کرنے میں بھی قطعی ہے، لیکن عام طور سے لوگوں میں دین کا حصہ ہونے کی حیثیت سے مشہور نہیں، تو اس کے اوپر فوراً کفر کا حکم نہیں لگایا جائیگا بلکہ اسے متوجہ کیا جائیگا کہ آپ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہے اور اس کے قطعی ہونے کے دلائل بھی اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اگر وہ مان لیتا ہے تو وہ مسلمان رہے گا، لیکن اگر ساری تفصیل اس کے سامنے پیش کرنے کے باوجود، وہ اپنے کفر پر اصرار کرتا ہے، تو پھر اس پر کفر کا حکم لگادیا جائیگا۔(۱)

کفر کی اقسام

شارحین حدیث نے کفر کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ کفر انکار: یہ وہ کفر ہے کہ انسان کے دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو، نہ دل میں تصدیق ہو اور نہ زبان سے تسلیم و اقرار ہو، یہ عام کافروں کا کفر ہے۔

۲۔ کفر جحود: یہ وہ ہے کہ دل سے وہ پہچانتا ہے، اسلام کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے شیطان کا کفر کہ دل سے وہ سب کچھ جانتا ہے، سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود زبان سے انکار کرتا ہے۔

۳۔ کفر عناد: اس سے مراد یہ ہے کہ دل سے ایک انسان ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دوسرے دین سے برأت کا اظہار کر کے رسول کی اطاعت اور اتباع کیلئے تیار نہیں، جیسے ہرقل اور ابو طالب کا کفر۔

۴۔ کفر نفاق: کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے، التزام طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے، لیکن دل میں انکار موجود ہے، دل سے قبول کرنے اور ماننے کیلئے تیار نہیں(۲)

مومن ہونے کیلئے تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے

مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ شخص ان تمام امور پر ایمان لائے، جنکا ثبوت قطعی طور پر ثابت ہے، جنہیں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص اسلام کے بعض احکام پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یا ان میں ایسی کوئی تاویل کرے جو قرآن و سنت کے اصولوں کے سراسر خلاف ہو تو ایسا شخص کافر ہوتا ہے۔

اس باب کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تمام ضروریات دین کا احاطہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ حدیث آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی، جب اہل کتاب اپنا مذہب چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہونا چاہ رہے تھے تو اس مناسبت سے آپ نے ان

---

(۱) انعام الباری ۱/۳۱۲ کتاب الایمان، کفر کی تعریف،

(۲) کشف الباری ۱/۵۷۵ فیض الباری ۱/۷۱ کتاب الایمان

چند اعمال کا ذکر فرمایا جو اس وقت اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان حد فاصل اور مابہ الامتیاز تھے، کیونکہ دو مذہبوں میں فرق اور ان میں امتیاز، ان کے الگ الگ شعائر سے ہی ہوسکتا ہے، اسلامی شعار میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرنا اہل کتاب کے مقابلے میں سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے، اسی طرح معاشرتی لحاظ سے اہل کتاب مسلمانوں کے ذبیحہ سے بہت نفرت کرتے تھے، بلکہ کھاتے ہی نہ تھے، چنانچہ اس حدیث میں انہیں بتایا گیا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور عبادات میں وہ ہماری طرح قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں، اور معاشرتی لحاظ سے مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے لگیں تو یہ اس بات کی علامت اور دلیل ہوگی کہ انہوں نے اسلام کو تہ دل سے قبول کر لیا ہے، جس کا اظہار نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ ان کے عمل سے بھی ہو رہا ہے، اب مسلمانوں کو ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہیے۔(۱)

قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے بہت سے امور سے استدلال کرتے ہیں، ایک ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے کہ جس میں تین اعمال کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور ہمارا قبلہ بھی وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے، اور ہم مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں لہذا ہم بھی مسلمان ہیں۔

اس کا جواب سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک مسلمان کی اس وقت کے لحاظ سے صرف ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں، لہذا جب تک اس سے قطعی طور پر اسلام کے معارض کوئی بات ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک اسے غیر مسلم اور کافر کہنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص آخرت کا انکار کرتا ہے، قرآن اور ختم نبوت کا انکار کرتا ہے لیکن اس میں یہ تینوں ظاہری علامتیں پائی جارہی ہیں تو اس کے باوجود اس کو مومن کہا جائے، ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس حدیث میں مومن کی مکمل تعریف ذکر نہیں کی گئی بلکہ ایمان کی صرف چند ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں۔(۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زکوۃ اور دیگر ارکان اسلام کا ذکر نہیں فرمایا۔

اسکی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے صرف نماز کے بیان پر اکتفاء فرمایا کیونکہ نماز دین کا ستون اور سب سے اہم اسلامی شعار ہے۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کے بیان کے وقت نماز کے علاوہ دیگر ارکان کی فرضیت کے احکام ابھی تک نازل ہی نہ ہوئے ہوں، اس لیے آپ نے انہیں ذکر بھی نہیں فرمایا(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۵۲ کتاب الایمان، الفصل الاول، نفحات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح ۱/۳۰۶

(۲) انعام الباری، کتاب الایمان، ۱/۳۱۸

(۳) تحفۃ الاحوذی، ۷/۲۸۵

بَابُ مَا جَاءَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

ارکان اسلام

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسلام کے پانچ ارکان کا ذکر فرمایا ہے، اس سے دراصل اسلام کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح خیمہ پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا خیمہ بھی پانچ ستونوں پر قائم ہے، پانچ کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ تمام فرائض میں سب سے اہم ہیں، اور اسلام کے دیگر فرائض اور احکام کی بنا انہی پر ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ جِبْرَئِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ الْإِيمَانَ وَالْإِسْلَامَ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں جبرئیل امین نے نبی کریم ﷺ کیلئے ایمان اور اسلام کو بیان کیا ہے۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقَدَرِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ قَالَ: خَرَجْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَتّٰى أَتَيْنَا الْمَدِينَةَ، فَقُلْنَا: لَوْ لَقِينَا رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا أَحْدَثَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ فَلَقِينَاهُ، يَعْنِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَا وَصَاحِبِي، فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، إِنَّ قَوْمًا يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ، وَيَزْعُمُونَ أَنْ لَا قَدَرَ وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ قَالَ: فَإِذَا لَقِيتَ أُولٰئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي مِنْهُمْ بَرِيءٌ، وَأَنَّهُمْ مِنِّي بُرَآءُ، وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ: لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا قُبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔ قَالَ: ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُ، فَقَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ، شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتّٰى أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَأَلْزَقَ رُكْبَتَهُ بِرُكْبَتِهِ، ثُمَّ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۸۶/۷

قَالَ: يَا مُحَمَّدُ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ: فَمَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔ قَالَ: فَمَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: فِي كُلِّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَهُ: صَدَقْتَ۔ قَالَ: فَتَعَجَّبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ۔ قَالَ: فَمَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَمَا أَمَارَاتُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ۔ قَالَ عُمَرُ: فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ بِثَلَاثٍ، فَقَالَ: يَا عُمَرُ: هَلْ تَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟ ذَاكَ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ۔

حضرت یحیٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ معبد جہنی پہلا شخص ہے جس نے تقدیر کے متعلق گفتگو کی، کہتے ہیں کہ میں اور حمید بن عبدالرحمن حمیری نکلے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ آ گئے، ہم نے کہا کہ اگر ہم نے کسی صحابی رسول سے ملاقات کی تو ہم ان سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھیں گے جو ان لوگوں نے پیدا کر رکھا ہے، چنانچہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے ملاقات کی، جبکہ وہ مسجد سے باہر تھے، چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے انہیں گھیر لیا، میرا خیال تھا کہ میرا ساتھی کلام کو میرے سپرد کرے گا (یعنی مجھے متکلم بنائیگا) میں نے عرض کیا: اے ابو عبدالرحمن: کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم بھی طلب کرتے ہیں (یعنی سیکھتے ہیں) اور (اس کے باوجود) وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر نہیں ہے، اور یہ کہ امر جدید ہے (یعنی پہلے سے کسی امر کا اندازہ نہیں ہوتا، اور نہ ہی وقوع سے پہلے اللہ کے علم میں ہوتا ہے) حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: جب آپ ان سے ملیں تو انہیں بتا دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، اس ذات کی قسم جس کی عبداللہ قسم کھایا کرتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی خرچ کر دے، تو ان سے وہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئیں، خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری ہو۔

راوی کہتے ہیں کہ: پھر حضرت عبداللہ بن عمر حدیث بیان کرنے لگے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: ہم (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید کپڑوں اور نہایت سیاہ بالوں والا آدمی آیا، نہ اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی دیتا تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے نبی کریم ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے (یعنی انتہائی قریب ہو کر بیٹھ گیا) پھر اس نے کہا: اے محمد ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے، اس نے کہا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نو وارد نے کہا: احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم

اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو (یعنی مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ) کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کے جواب میں حضور ﷺ سے کہتا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، کہتے ہیں: ہمیں اس پہ تعجب ہونے لگا کہ وہ آپ سے پوچھتا ہے اور پھر آپ کی تصدیق کرتا ہے، اس رجل نے کہا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جارہا ہے وہ اس کے متعلق سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، اس نے کہا: قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟ (چند علامتیں یہ ہیں کہ) باندی اپنی سیدہ کو جنے گی اور تم دیکھو گے کہ برہنہ پا، برہنہ جسم، تنگدست اور بکریوں کے چرواہے، عمارت میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میری نبی کریم ﷺ سے تین دن کے بعد ملاقات ہوئی، تو آپ نے فرمایا: اے عمر: کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ وہ جبرئیل امین تھے، جو تمہیں تمہارے دینی امور سکھانے کیلئے آئے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔اکتنفته: (صیغہ واحد متکلم) میں نے اسے گھیر لیا، دونوں طرف سے احاطہ کرلیا۔ میکل الی: میری طرف سپرد کرے گا۔ یقفرون: وہ طلب کرتے ہیں، سیکھتے ہیں۔ أنف: (ہمزے اور نون پر پیش کے ساتھ) جدید، نیا اور وان الامر أنف: کے معنی یہ ہیں کہ معاملہ جدید ہے یعنی اس سے پہلے اس کا کچھ اندازہ نہیں کیا گیا اور العیاذ باللہ، اللہ کے علم میں بھی یہ امر اس وقت آتا ہے جب یہ واقع ہو جاتا ہے، اس سے پہلے اللہ کے علم میں نہیں ہوتا۔ أنشأ یحدث: حضرت عبداللہ بن عمر حدیث بیان کرنے لگے۔ أثر السفر: سفر کے نشان یعنی گرد وغبار اور تھکاوٹ کے اثرات۔ الزق: اس نے ملالیا۔ المسئول عنها: وہ شخص جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جارہا ہے۔ أمارة: أمارة کی جمع ہے: علامتیں۔ حفاة: حافی کی جمع ہے: برہنہ یا ننگے پاؤں والا۔ عراة: عاری کی جمع ہے: برہنہ جسم۔ عالة: عائل کی جمع ہے: محتاج، وفقیر۔ رعاء: راعی کی جمع ہے: چرواہے۔ الشاء: شاة کی جمع ہے: بکریاں۔ یتطاولون: وہ آپس میں فخر وغرور کریں گے۔ بنیان: (باء پر پیش اور نون کے سکون کے ساتھ) تعمیر، عمارت، مکان۔

حدیث جبرئیل کی اہمیت اور اس کا پس منظر

اس حدیث کو "حدیث جبرئیل" کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سائل بن کر حضور ﷺ سے چند سوالات کیے تھے، اس حدیث میں چونکہ اسلام کے بنیادی مسائل اور احکام بیان کئے گئے ہیں، اس لیے علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو "ام السنۃ" کہنا چاہئے، جس طرح کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں بھی پورے قرآن کا خلاصہ اور بنیادی امور ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد کس وقت ہوئی؟ اس میں بھی شارحین نے کلام کیا ہے، بعض روایتوں میں صراحت ہے

کہ وہ نبی کریم ﷺ کی آخری عمر میں آئے تھے اور بعض نے حجۃ الوداع سے کچھ پہلے اور بعض نے حجۃ الوداع سے کچھ بعد میں قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ آنا حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہے، تا کہ ایک مرتبہ تمام مسلمانوں کو دین کا خلاصہ اور اہم امور سکھلا دیئے جائیں، چنانچہ اس کے تین ماہ بعد آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس حدیث کا پس منظر اور سبب یہ پیش آیا کہ قرآن مجید کی یہ آیت: یایها الذین امنوا لا تسألوا عن أشياء ان تبدلكم تسؤكم (مائدة:۱۰۱) جب نازل ہوئی تو اس کے بعد صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے پوچھنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم آپ سے کوئی فضول سوال نہ کرلیں، صحیح مسلم میں حضرت عمارہ بن قعقاع کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: مجھ سے مسائل پوچھو تو صحابہ کرام غلبۂ ہیبت کی وجہ سے آپ سے سوال نہ کرسکے، اتنے میں ایک نو وارد آدمی مجلس میں آئے اور حضور کے سامنے مخصوص کیفیت کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ سے چند سوالات کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے جواب دیئے، اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دین سے متعلق مسائل واحکام پوچھے جائیں، یہ ممنوع نہیں، البتہ ممنوع وہ سوالات ہیں جو لایعنی اور فضول قسم کے ہوں۔(۱)

سب سے پہلے تقدیر کا انکار کس نے کیا

صحابہ کرام کے آخری دور میں تقدیر سے انکار کا فتنہ رونما ہوا، اس وقت جو صحابہ کرام زندہ تھے، انہوں نے اس فتنے کی بڑی سختی سے تردید کی، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے تھے، انہیں قدریہ کہا جاتا ہے، ان کا ابتدائی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو العیاذ باللہ کسی عمل اور فعل کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ اس عمل اور فعل کو کرنہ لیا جائے، اس عقیدہ کا حامل چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کا منکر ہے، اس لیے یہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، بعد میں ان کے نظریئے میں تبدیلی آئی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے تو یہ قائل ہوگئے لیکن بندے کو مختار مطلق اور اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں، گویا اللہ کا ارادہ ومشیت بندوں کے اعمال کے ساتھ وابستہ نہیں، اس سے یہ انکاری ہیں، قدریہ کا یہ عقیدہ قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور کے خلاف ہے اگرچہ اس عقیدے کی وجہ سے علماء نے انہیں کافر قرار نہیں دیا تاہم اہل بدعت میں انہیں ضرور شمار کیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ أنی منهم بری و انهم منی برآء۔۔۔، اس سے قدریہ کی پہلی قسم مراد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کرتے تھے۔

اس فتنے کا آغاز بصرہ کے ایک مجوسی سے ہوا، جسے سیسویہ یا سوسن کہا جاتا تھا، پھر اس شخص سے ''معبد جہنی'' نے اور اس سے ''غیلان'' نامی شخص نے یہ عقیدہ سیکھا، رفتہ رفتہ یہ فتنہ عراق سے شام وحجاز تک پھیل گیا، اس کا قصہ یہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو آگ لگ گئی، تو ایک شخص نے کہا: احترقت بقدر الله کہ اللہ کی تقدیر کا یہی فیصلہ تھا، اس پر دوسرا کہنے لگا: لم يقدر الله هذا الله

(۱) فتح الباری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان ۱/۱۵۲، ۱۵۹، ۱۶۷۔

نے اس طرح مقدر نہیں فرمایا، بس یہ قصہ پیش آتا تھا کہ قضاء وقدر کی بحث چھڑ گئی، قدریہ اپنے عقیدے کی تعبیر "الامر انف" (امر نیا ہے، اس سے پہلے اس کا اندازہ نہیں لگایا گیا) سے کرتے تھے۔(۱)

اس "رجل" کی صفات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم، نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید اور بال شدید سیاہ تھے، اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا، نہ گرد وغبار اور تھکاوٹ تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ یہیں کا باشندہ ہے لیکن ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا، کیونکہ مدینہ کی آبادی اس وقت محدود تھی، ہر شخص دوسرے کو جانتا تھا کہ یہ مدینہ کا ہے یا نہیں، وہ حضور ﷺ کے پاس آگئے، آپ کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ اپنے گھٹنے نبی کریم ﷺ کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیئے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ نبی کریم ﷺ کی ران پر رکھ دیے، اس طرح بیٹھنے کا مقصد ایک تو ادب واحترام کا اظہار تھا اور دوسرا یہ کہ ان کی حالت لوگوں سے پوشیدہ رہے، تاکہ صحابہ کرام انہیں پہچان نہ سکیں۔

اس روایت میں تو آنے کے وقت سلام کرنے کا ذکر نہیں ہے، لیکن ابوفروہ کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سلام کیا، پھر اس کے بعد بیٹھ کر آپ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اسکی علامات کے بارے میں سوالات کئے، پھر ان کے جواب سن کر آپ کی تصدیق بھی کرتے تھے، جس سے صحابہ کرام کو مزید تعجب ہوا کہ سوال کرنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ سائل کو ان چیزوں کا علم نہیں ہے اور تصدیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو ان تمام امور کا علم ہے۔(۲)

ایمان اور اسلام کے درمیان نسبتوں کا بیان

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کا استعمال شریعت میں تین طرح سے منقول ہے، گویا ان کے درمیان تین طرح کی نسبتیں ہیں:

۱۔ تساوی: بعض کے نزدیک اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں، جو معنی ایمان کے ہیں، وہی اسلام کے بھی ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ تساوی کی نسبت ہے، ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی سورۃ الذاریات کی وہ آیات ہیں، جن میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھرانہ کا ذکر ہے:

فأخرجنا من كان فيها من المؤمنين، فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين۔ (ذاریات:۳۶)

"(جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا) تو ہم نے جتنے ایماندار تھے، سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا، سو بجز

---

(۱) فتح الملهم، كتاب الايمان، القدرية ومعتقداتها ۱/۴۶۲، ۴۶۳۔

(۲) فتح الباری ۱/۱۵۶

مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا"

اس بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا، یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ، انہیں کو مومن بھی کہا اور مسلم بھی، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں ترادف اور تساوی کی نسبت ہے۔

۲۔ تباین: دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تباین ہے، لیکن تباین کے باوجود دونوں آپس میں ایک دوسرے کو متلازم ہیں، معنی یہ ہیں کہ کوئی ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں، اور کوئی اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں مگر دونوں میں نسبت تباین کی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قالت الاعراب آمنا، قل: لم تؤمنوا ولکن قولوا: اسلمنا کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے، اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک تو تم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

حدیث جبرئیل میں بھی ایمان اور اسلام کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، اس سے بھی ان کے درمیان تباین کی نسبت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ تداخل یعنی عام خاص مطلق کی نسبت: ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: أی العمل افضل؟ (کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے) آپ نے فرمایا: ایمان باللہ، جبکہ عمرو بن عبسہ کی روایت میں ارشاد ہے: فأی الاسلام افضل؟ آپ نے فرمایا: الایمان، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تداخل کی نسبت ہے، اس صورت میں اسلام عام ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور زبان واعضاء سے بھی، جبکہ ایمان کا تعلق صرف قلب سے ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس مقام پر اسلام اور ایمان کے درمیان یہ نسبت ہے؟ تو اس کے بارے میں شراح فرماتے ہیں کہ اگر اسلام اور ایمان ساتھ ساتھ مذکور ہوں اور سوال کے طور پر ذکر کیے جائیں تو اس وقت ان کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی، جیسا کہ حدیث جبرئیل میں یہ دونوں کلمے ساتھ ساتھ ہیں، اور سوال کے موقع پر ہیں اور اگر ایک ساتھ نہ ہوں یا مقام سوال میں نہ ہوں تو پھر ان کے درمیان تداخل کی نسبت مراد ہوگی۔

اور حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ "فقیر اور مسکین" کی طرح ہیں جب ایک ساتھ بولے جائیں تو ان میں تباین کی نسبت ہوگی، یعنی ان کے الگ الگ معنی مراد ہوتے ہیں اور جب الگ الگ مذکور ہوں تو ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں یعنی ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔(۱)

---

(۱) فتح الملہم: ۱/۴۲۸ کتاب الایمان، البحث الاول فی موجب اللغة

احسان کے معنی اور اس کے درجات

"احسان" کے لغوی معنی ہوتے ہیں: "کسی کام کو اچھی طرح سنوار کر کرنا"

احسان کی تعریف: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں احسان کی تعریف یہ کی ہے: ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کہ تم عبادت وغیرہ کو اس طرح بجالاؤ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اس کو "مقام مشاہدہ، مکاشفہ" کہا جاتا ہے، اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں رہے تو بھی آپ عبادات وغیرہ کو اچھی طرح ادا کرو، کیونکہ اللہ جل جلالہ تو تمہیں ہر حال میں دیکھ رہے ہیں، اسے "مقام مراقبہ" کہا جاتا ہے، اس انداز سے جب عبادت کی جائیگی تو اس میں خشوع وخضوع نہایت کامل درجے کا ہوگا۔

"احسان" کے تین درجے ہیں:

۱۔ تمام عبادات کو ان کے فرائض، ارکان اور واجبات کے ساتھ ادا کرنا، احکام شرع کو بجالانا ممنوع اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا، احسان کا یہ درجہ واجب ہے جس کی تحصیل ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۲۔ "مقام مشاہدہ، مکاشفہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس تصور کے ساتھ عبادت کرے، گویا کہ وہ اللہ کا مشاہدہ کررہا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے، کہ وہ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں، اور امت کے نیک لوگوں کو بھی یہ درجہ بڑی محنت ومشقت سے حاصل ہوسکتا ہے، چنانچہ حدیث کے اس جملے، ان تعبد اللہ کأنک تراہ" سے اس درجے کو بیان کیا گیا ہے، اس مقام کا حاصل کرنا لازم وفرض نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

۳۔ انسان پر ہر وقت یہ کیفیت رہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میرا ہر عمل، خواہ وہ اچھا ہو یا برا، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اس درجے کو "مقام مراقبہ" کہا جاتا ہے، جب انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جائے تو وہ نیکی کے ہر کام کو بڑے اچھے انداز سے کرتا ہے اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتا ہے، اس درجے کو حاصل کرنے کیلئے ضرور کوشش کرنی چاہئے، تاکہ عبادات صحیح طریقے سے ادا ہوسکیں، احسان کے اس درجے کو حدیث کے اس جملے "فان لم تکن تراہ فانہ یراک" میں بیان کیا گیا ہے۔(۱)

"احسان" کی شرح میں دو قول ہیں

نبی کریم ﷺ نے احسان کی جو یہ تعریف فرمائی ہے: ان تعبد اللہ... اسکی شرح میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جملے سے احسان کے دو درجوں کا ذکر فرمایا ہے

(۱) فتح الملہم ۱/۴۸۲۔

ایک اعلیٰ ہے جسے ''مقام مشاہدہ'' کہا جاتا ہے کہ انسان اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ جل جلالہ کا مشاہدہ اور دیدار کر رہا ہے، یہ احسان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو اپنے اندر یہ کیفیت ضرور پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ احسان کا ادنیٰ اور کمزور درجہ ہے، یوں اس کا وہ عمل اور عبادت نہایت خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ ادا ہوگی، اسے ''مقام مراقبہ'' کہا جاتا ہے، جب انسان اس درجے کو اہتمام کے ساتھ بجالاتا رہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پھر اسے مقام مشاہدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس تشریح کے مطابق فان لم تکن تراہ فانہ یراک میں پہلی فاء برائے تفصیل اور ''ان'' شرطیہ ہے اسکی جزاء محذوف ہے، اصل عبارت اسطرح ہے: فان لم تکن تراہ فاستمر علی احسان العبادة فانہ یراک (اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے، تب بھی استقامت کے ساتھ عبادات کو بجالاتے رہو، کیونکہ اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے)۔(۱) اور دوسری فاء برائے تعلیل ہے۔

۲۔　امام نووی اور علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں احسان کے دو درجوں کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف ایک ہی درجے کو بیان کیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہو تو وہ عبادات کو مکمل آداب وحقوق اور کامل خشوع وخضوع سے ادا کرے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم تو اللہ کو نہیں دیکھ رہے اور نہ ہی اس دنیا میں ہمارا دیکھنا ممکن ہے، تو پھر یہ...... کانک تراہ کیسے کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کو حقیقت میں نہیں دیکھ رہے پھر بھی تمام عبادات وغیرہ کو مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کرو کیونکہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر عبادات میں خشوع وخضوع بجالاتا ہے تو اس کی وجہ اس کا دیکھنا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس کی وجہ اللہ جل شانہ کا اسے دیکھنا ہے، اور اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کو ہر وقت دیکھ رہا ہے خواہ انسان اسے دیکھے یا نہ دیکھے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی بھی وقت کوئی بھی ایسا کام نہ کرے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہوں۔

اس تشریح کے اعتبار سے فان لم تکن تراہ فانہ یراک میں ''ان'' وصلیہ ہوگی، شرطیہ نہیں ہوگی اور فانہ یراک میں فاء تعلیلیہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی تفسیر کے مطابق انسان کو اولاً پہلا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو سکے تو پھر دوسرا درجہ حاصل کرے اور یہ مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

امام نووی اور علامہ سندھی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شروع سے ہی دوسرے درجہ کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اور یہ مراقبہ آسان بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اصل بھی یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو یا نہ دیکھو، بس یہ حقیقت تمہارے دل ودماغ میں رچ بس جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ انسان عبادات وغیرہ کو اچھے طریقے سے ادا کرے گا۔(۲)

---

(۱)　فتح الباری ۱/۱۶۰ کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل...

(۲)　فتح الملہم ۱/۴۸۲، ۴۸۳، کشف الباری، ۲/۶۱۳ کتاب الایمان، انعام الباری ۱/۵۳۸۔

علامات قیامت

أشراطها شرط (شین اور را پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے اس کے معنی علامت کے ہیں، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ قیامت کی علامتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ علامتیں ہیں جو قیامت سے پہلے پائی جائیگی، اور دوسری وہ بڑی علامتیں ہیں، جو بالکل قیامت کے قریب ظاہر ہونگی جیسے نزول عیسیٰ، جانور کا نکلنا، اور مغرب سے سورج کا طلوع ہونا...... اس حدیث میں پہلی قسم کی علامتیں مراد ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''اشراط'' جمع کا لفظ ہے، اور جمع میں کم از کم تین فرد ہوتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں صرف دو علامتوں کو ذکر کیا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ جمع میں کم از کم دو فرد ہوتے ہیں

۲۔ صحیح جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اختصار ہے، اس میں راوی نے صرف دو علامتوں کو ذکر کیا ہے ایک ان تلد الامة... اور دوسری یتطاولون فی البنیان... تیسری علامت کو ذکر نہیں کیا جو کتاب التفسیر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے: اذا کان الحفاة العراة رؤوس الناس کہ جب برہنہ جسم اور برہنہ پا، لوگوں کے سردار اور حکمران بن جائیں گے۔(۱)

أن تلد الامة ربتها

''ربۃ'' سیدہ کے معنی میں ہے، بعض روایات میں ''ربھا'' ہے، جو سید اور مالک کے معنی میں ہے۔

اس جملے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ اس جملے سے درحقیقت زمانے کے انقلاب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قرب قیامت میں حالات میں اس قدر تغیر اور تبدیلی ہو جائیگی کہ جو سردار تھے وہ غلام اور جو غلام تھے وہ آقا بن جائیں گے، اعلی درجہ کے لوگ گھٹیا اور ادنی درجہ کے لوگ اعلی شمار ہونگے، باصلاحیت افراد کو کنارے پر لگا کر نااہل لوگوں کو زمام اقتدار دے دی جائیگی، تربیت یافتہ لوگ زیر تربیت، اور قابل تربیت افراد، لوگوں کی تربیت کرنا شروع کردیں گے۔

۲۔ امام خطابی اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب اسلام خوب پھیل جائیگا، مختلف ملک اور علاقے فتح ہونگے، ان کے بچے اور عورتیں قید ہونگی پھر ان باندیوں سے اولاد ہوگی، جسکی وجہ سے وہ ام ولد بن جائیگی، یہ اولاد نسب میں چونکہ باپ کے تابع ہے، ان کو نسبی شرافت حاصل ہوگی، یہ اولاد گویا اپنی ماں کی آزادی کا سبب ہیں، اس لیے وہ اپنی ماں کیلئے بمنزلہ سید کے ہیں، اس لیے حدیث میں اسے ان تلد الامة ربتها سے تعبیر کیا ہے، امام نووی نے اسے اکثر حضرات کا قول قرار دیا ہے۔

۳۔ اس سے اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں اولاد اپنے والدین کے ساتھ نافرمانی کا

---

(۱) فتح الباری ۱۲۲/۱، کشف الباری ۲۲۶/۱

سلوک کریگی، اطاعت کے بجائے ان کے ساتھ حاکمانہ رویہ اختیار کریں گے، ان کے ساتھ اس انداز سے پیش آئیں گے جیسے آقا اپنے غلام کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔(۱)

قال عمر: فلقینی النبی ﷺ بعد ذلک بثلاث

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو تین دن کے بعد بتایا کہ وہ "رجل" حضرت جبرئیل تھے، جو تمہیں دین سکھانے کیلئے آئے تھے، جبکہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ هذا جبرئیل، یعلم الناس دینهم تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

ان دونوں روایتوں میں علماء کرام نے تطبیق یوں دی ہے کہ جب صحابہ کرام اس شخص کی تلاش میں نکلے، جن میں حضرت عمر بھی تھے، جب وہ شخص نہ ملا تو صحابہ کرام واپس آگئے ہونگے، آپ کو جب بتایا کہ وہ شخص نہیں ملا تو اس مجلس میں موجود لوگوں کے سامنے آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ شخص جبرئیل امین تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نہیں آئے اس لئے ان کو حضور ﷺ نے تین دن کے بعد بتایا کہ وہ نووارد شخص جبرئیل امین تھے، اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔(۲)

اس روایت سے چند اہم امور کا ثبوت

اس روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہو تو اس سے بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ اپنے اس عمل سے باز آجائے اور توبہ کرلے۔

۲۔ شاگرد کو اپنے استاد کے سامنے، مرید کو اپنے شیخ کے سامنے اور اولاد کو اپنے والدین کے سامنے باادب طریقے سے بیٹھنا چاہئے۔

۳۔ جو سوال اہم اور ضروری ہوں، ان کے پوچھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم پوچھنے کا انداز بہرحال درست ہونا چاہئے۔

۴۔ تمام امور میں "احسان" کی صفت سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۵۔ جب کسی عالم، مفتی اور بزرگ سے کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جائے تو اگر اس مسئلے کا صحیح جواب اس وقت ذہن میں ہو تو بتا دے، ورنہ اگر اس کا جواب ذہن میں نہ ہو یا اس میں کچھ شک ہو تو صاف الفاظ سے کہہ دے کہ اس وقت یہ مسئلہ معلوم نہیں، بعد میں پوچھ لیں، اس سے اسکی عزت واعتماد میں کمی نہیں، اضافہ ہوگا۔

۶۔ معلم اور استاد کی نشست حاضرین کے مقابلے میں ذرا نمایاں اور ممتاز ہو، تاکہ سب لوگ صحیح طریقے سے استفادہ کرسکیں، یہ جائز ہے، خلاف سنت نہیں، کیونکہ اس روایت کے بعض طرق میں الفاظ اس طرح ہیں: کان النبی ﷺ بارزاً یوماً

---

(۱) فتح الباری ۱/۱۲۳، کشف الباری ۱/۶۲۸، فتح الملهم ۱/۴۸۷

(۲) فتح الباری، ۱/۱۶۶۔

للناس، اور شارحین حدیث نے بارز کے ایک معنی یہی بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ سامعین کے مقابلے ذرا امتیازی نشست پر تشریف فرماتے تھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِضَافَةِ الْفَرَائِضِ إِلَى الْإِيْمَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فرائض کی نسبت ایمان کی طرف ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالُوا: إِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذُهُ عَنْكَ، وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ: الْإِيْمَانُ بِاللهِ، ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ.

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قبیلہ عبد قیس کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: بیشک ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں (اور ہمارے اور آپکے درمیان قبیلہ مضر کے لوگ رہتے ہیں) اور ہم آپ کی خدمت میں صرف اشہر حرم (وہ چار مہینے جن میں لڑائی حرام ہے) میں حاضر ہو سکتے ہیں، لہذا ہمیں ایسی چیز کا حکم دیجئے جسے ہم آپ سے لیں لیں اور ہم اسکی طرف ان لوگوں کو بھی دعوت دیں جو ہمارے پیچھے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں: اللہ پر ایمان لانے کا، پھر آپ نے ان کیلئے اسکی تفسیر فرمائی کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نماز قائم کرنا، اور زکوۃ ادا کرنا اور اس بات کا حکم کہ تم اس مال کا پانچواں حصہ ادا کرو، جو تم غنیمت میں حاصل کرو۔

وفد عبد القیس

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کے وفد آیا کرتے تھے، اسی طرح کا ایک وفد "وفد عبد القیس" ہے یہ قبیلہ بحرین اور عراق میں آباد تھا، وفد عبد القیس آپکی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا تھا، پہلی مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ یا اس سے بھی پہلے آیا، اس وقت ان کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ تھی، دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر ہوا اب ان کی تعداد چالیس تھی۔

اس وفد کی آمد کے بارے میں یہ منقول ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے سردار منذر بن عائذ نے اپنی لڑکی منقذ بن حبان کو دی تھی، منقذ کی تجارت کا مرکز اگرچہ بحرین تھا لیکن پھر بھی ان کے تجارتی سفر مدینہ منورہ کی طرف ہوا کرتے تھے، ہجرت کے بعد ایک دفعہ یہ مدینہ گئے، ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاقاً وہاں سے نبی کریم ﷺ کا گذر ہوا، منقذ بن حبان اس عظیم شخصیت کے ادب

(۱) فتح الملہم کتاب الایمان، ۱/۴۹۰

میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ پتہ چلا تو آپ نے ان سے، ان کے قبیلے کے سردار اور بحرین کے دیگر سرداروں کے بارے میں نام لے کر حال دریافت فرمایا۔

منقذ بن حبان نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک اور اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا، دینی تعلیم سیکھنا شروع کر دی، سورۃ فاتحہ اور سورۃ علق کی تعلیم حاصل کی، جب یہ اپنے وطن جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے قبیلہ کے سرداروں کے نام خطوط دیئے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، وطن پہنچ کر انہوں نے فوراً اسلام کو ظاہر نہیں کیا بلکہ مناسب موقع کی انتظار میں رہے البتہ نماز اور قرآن مجید پڑھتے رہے، ان کی بیوی نے اپنے والد منذر بن عائذ سے تذکرہ کیا کہ مدینہ سے واپسی کے بعد منقذ کی عجیب حالت ہے کہ مخصوص اوقات میں جسم کے فلاں فلاں اعضاء اسطرح دھوتے ہیں اور پھر اٹھتے بیٹھتے ہیں، قبلہ رو ہو کر کبھی کھڑے ہوتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی سجدہ کرتے ہیں۔

پھر منذر نے اپنے داماد سے ساری داستان سنی اور منقذ نے یہ بھی بتایا کہ حضور ﷺ نے آپ کا حال بھی بڑی خصوصیت سے دریافت فرمایا، یہ سن کر منذر بھی مسلمان ہو گئے پھر منقذ بن حبان نے نبی کریم ﷺ کا خط مبارک منذر بن عائذ کو دیا، انہوں نے قبیلہ کے تمام لوگوں کو وہ خط سنایا، جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، چنانچہ پورے قبیلے نے ایک ہی وقت میں اسلام قبول کر لیا اور سب نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا۔

چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے، جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھنے کیلئے کھڑے ہوئے، تو انہیں ۱۳ آدمیوں پر مشتمل یہ قافلہ نظر آیا، جب یہ قافلہ قریب آ گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو نبی کریم ﷺ کی بشارت سنائی، اور اسی قافلہ کے ساتھ ہی دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

اہل قافلہ کی نظر جوں ہی چہرہ انور پر پڑی تو سب کے سب بے تاب ہو کر آپ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط شوق میں اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپکی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے دست مبارک چومنے لگے، اس قبیلہ کے سردار منذر بن عائذ جن کا لقب "اشج" تھا اگرچہ تو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے، سفر کا لباس تبدیل کیا، پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے دست مبارک کو بوسہ دیا، آدمی بدشکل تھے، اس لیے جب نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی، تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آدمی کی قیمت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ "زبان اور دل" ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جن کو اللہ اور رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی اور بردباری، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میرے اندر یہ دو خصلتیں پیدائشی ہیں یا میں نے کسب سے حاصل کی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پیدائشی ہیں، تو اس نے عرض کیا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا، جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں۔

ان کا لقب "اشج" ہے جو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیا تھا، کیونکہ ان کے چہرے پر کوئی اثر تھا، اور عربی زبان میں "رجل اشج" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے چہرے پر کوئی نشان ہو(۱)

مضر اور ربیعہ دو بڑے قبیلے ہیں، اور قبیلہ ربیعہ کی شاخوں میں سے ایک شاخ "عبدالقیس" ہے، اور یہی وہ قبیلہ ہے جن کی مسجد میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ قائم ہوا تھا، قبیلہ عبدالقیس کے لوگ اگر مدینہ منورہ آنا چاہتے تو مضر قبیلہ کے علاقے سے ہو کر آنا پڑتا تھا، اور یہ لوگ انتہائی جنگجو اور لڑائی کے عادی تھے، جو بھی ان کے پاس سے گذرتا، یہ اس سے ضرور لڑائی کرتے، اس لیے وفد عبدالقیس نے عرض کیا کہ ہم شہر حرام کے علاوہ عام دنوں میں نہیں آسکتے، یہ لوگ لڑائی کرتے ہیں، لہذا ہمیں ایسی تعلیم دے دیں کہ جس پر ہم خود بھی عمل کریں اور واپس جا کر قبیلے کے باقی افراد کو بھی سکھا سکیں۔

الا فی الشهر الحرام، شہر حرام سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس سے جنس شہر مراد ہے کیونکہ اس پر الف لام جنس کے لیے ہے، جو قلیل و کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے، اور اس سے چار ماہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مراد ہیں، ان چار مہینوں کا زمانہ جاہلیت میں بہت احترام کیا جاتا تھا، اس وجہ سے ان میں قتل وقتال اور لڑائی سے مکمل طور پر گریز کیا جاتا تھا، ابتداء اسلام میں بھی ان مہینوں کی تعظیم کا حکم تھا، لیکن بعد میں اس آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (براءۃ: ۵)

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الشہر پر جو الف لام ہے یہ جنس کیلئے نہیں بلکہ عہد کیلئے ہے اور اس سے رجب کا مہینہ مراد ہے، جیسا کہ بیہقی کی روایت میں تصریح آئی ہے، اور ابوبکر کی روایت میں "رجب مضر" کا لفظ منقول ہے، کیونکہ قبیلہ مضر رجب کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا، اس میں وہ تقدیم وتاخیر بھی نہیں کرتے تھے جبکہ باقی تین مہینوں میں وہ اپنی اغراض اور مفادات کی وجہ سے تقدیم وتاخیر کر لیا کرتے تھے، اس لیے جن لوگوں کی قبیلہ مضر سے کوئی عداوت ہوتی تھی تو وہ صرف رجب کے مہینے میں وہاں سے سفر کرتے تھے، اسی وجہ سے وفد عبدالقیس نے یہاں پر "الشهر الحرام" مفرد لفظ ذکر کیا۔(۲)

فقال: امرکم بأربع: الایمان باللہ۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ اللہ تعالی اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔　　۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوۃ دینا۔　　۴۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالنا۔

اس صورت میں ترکیبی لحاظ سے "واقام الصلاۃ وایتاء الزکاۃ وان تؤدوا۔۔۔ مجرور ہونگے اور ان کا عطف "الایمان" پر ہوگا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کا عطف "شھادۃ" پر ہو تو پھر یہ مرفوع ہونگے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے نبی

---

(۱) نفحات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح ۱/ ۳۲۱، کتاب الایمان

(۲) تحفة الاحوذی ۷/ ۲۹۳، نفحات التنقیح ۱/ ۳۲۲

کریم ﷺ کے قول آمرکم باربع میں چار چیزوں میں سے پہلی چیز ایمان اور اسکی تفسیر کو ذکر فرمایا باقی تین چیزوں کو اختصار یا نسیان کی وجہ سے ذکر نہیں کیا(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِكْمَالِ الإِيْمَانِ وَزِيَادَتِهِ وَنُقْصَانِهِ

یہ باب ایمان کو مکمل کرنے اور اس میں کمی زیادتی کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ایمان کے اعتبار سے مومنین میں سب سے کامل مؤمن وہ ہے، جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو، اور جو ان میں اپنی اہل کے ساتھ زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ، فَوَعَظَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ: تَصَدَّقْنَ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لِكَثْرَةِ لَعْنِكُنَّ، يَعْنِي وَكُفْرِكُنَّ الْعَشِيْرَ، قَالَ: وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَغْلَبَ لِذَوِي الأَلْبَابِ، وَذَوِي الرَّأْيِ مِنْكُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَمَا نُقْصَانُ عَقْلِهَا وَدِيْنِهَا؟ قَالَ: شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ مِنْكُنَّ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ، وَنُقْصَانُ دِيْنِكُنَّ: الْحَيْضَةُ، فَتَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ الثَّلَاثَ وَالأَرْبَعَ، لَا تُصَلِّي۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور انہیں وعظ ونصیحت کی پھر (عورتوں کے پاس سے گزرے تو) فرمایا: اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ دیا کرو کیونکہ اہل دوزخ میں تمہاری اکثریت ہوگی، ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: تمہاری کثرت سے لعن طعن کرنے کی وجہ سے یعنی اپنے شوہر کی ناشکری کی وجہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کسی ناقص عقل و دین کو نہیں دیکھا، جو تمہارے مقابلے میں عقلمند اور ذی رائے لوگوں پر زیادہ غالب آئے، ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: اسکے عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، اور تمہارے دین کا نقصان: حیض ہے کہ تم میں ہر حیض والی عورت (کم از کم) تین چار دن تک ٹھہر جاتی ہے، نماز نہیں پڑھتی (اور روزہ بھی نہیں رکھتی)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ بَابًا، فَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَأَرْفَعُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۹۴/۷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے یعنی شعبے ہیں اور ان میں سب سے ادنیٰ درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے اعلیٰ شعبہ لا الٰہ الا اللہ کا کہنا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ استکمال: پورا کرنا، مکمل کرنا۔ الطفھم: مومنین میں جو زیادہ نرمی کا برتاؤ کرنے والا ہو۔ معشر: جماعت۔ تصدقن: (صیغہ امر) تم صدقہ کرو۔ عشیر: شوہر۔ یعنی کفر کن العشیر یعنی تمہاری اپنے شوہروں کی ناشکری کی وجہ سے، یہ کسی راوی کا قول ہے۔ اغلب: زیادہ غلبہ پانے والی۔ ذوی الالباب: عقل والے، الباب جمع ہے لب کی، اس کے معنی عقل کے ہیں۔ بضع: (تین سے لے کر نو تک) چند۔ باب: دروازہ، یہاں حدیث میں اس سے شعبہ مراد ہے اور شعبہ کے لغوی معنی ہیں کسی شی کا ٹکڑا، یہاں اس سے خصلت وعادت یا جزء مراد ہے۔ اماطۃ: ہٹانا۔ الاذیٰ: تکلیف دہ چیز۔

ایمان کے بارے میں اہم مباحث

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ایمان میں کمی اور زیادتی کو بیان کیا ہے، لیکن یہ بحث چونکہ اس پر موقوف ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط، اس لیے پہلے اس بحث کو بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس بات کو بیان کیا جائیگا کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب

ایمان ترکیب کو قبول کرتا ہے یا نہیں، مرکب ہے یا بسیط، اس کے بارے میں مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ جہمیہ: یہ وہ گمراہ فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے، ایمان صرف معرفت قلبی کا نام ہے خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا غیر اختیاری، ان کے نزدیک ایمان کیلئے تصدیق اور التزام شریعت ضروری نہیں، یہ مذہب بالکل باطل ہے، کیونکہ یہ معرفت تو کفار اہل کتاب کو بھی حاصل تھی، حتی کہ فرعون کو بھی حاصل تھی جبکہ ابوطالب اور ہرقل کو صرف معرفت ہی نہیں بلکہ معرفت اختیاری بھی حاصل تھی مگر اس کے باوجود وہ بالاتفاق کافر ہیں۔

۲۔ مرجئہ: ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کیلئے صرف تصدیق قلبی کافی ہے یعنی ایمان بسیط ہے، یہی تصدیق نجات کیلئے کافی ہے، عمل کی کوئی ضرورت نہیں، گویا انہوں نے عمل کو موخر کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدے مند نہیں، اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں، عمل کو موخر کرنے اور پس پشت ڈال دینے کی وجہ سے انہیں مرجئہ کہا جاتا ہے، یہ مذہب بھی باطل ہے۔

۳۔ کرامیہ: یہ گمراہ فرقہ محمد بن کرام کی طرف منسوب ہے، ان کے نزدیک ایمان اقرار باللسان کا نام ہے، بس

زبان سے کوئی اقرار کرلے، دل میں تصدیق ہو یا نہ ہو، وہ مسلمان ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے مذہب کی جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ انکے نزدیک دنیا میں اسلام کا حکم اس وقت لاگو ہوگا، جب وہ زبان سے اسلام کا اقرار کرلے، البتہ یہ لوگ آخرت میں نجات کیلئے تصدیق قلبی کو ضروری سمجھتے ہیں، اس تحقیق کے لحاظ سے اہل سنت اور کرامیہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

۴۔ معتزلہ وخوارج: ان دونوں فرقوں کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور مذکورہ تین فرقوں کے نزدیک ایمان بسیط ہے، مرکب نہیں۔

یہ دونوں فرقے یہ کہتے ہیں کہ ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے، وہ ایمان کی تعریف یوں کرتے ہیں: الایمان هو التصديق بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالاركان کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عمل نہیں کرے گا تو وہ دائمی جہنمی ہے، اور خوارج کے نزدیک اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے تو وہ ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے، جبکہ معتزلہ کے یہاں ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے ایمان سے تو خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے۔

۵۔ جمہور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عمل ایمان کا جزو تو ہے لیکن جزو اصلی نہیں بلکہ جزو تزئینی ہے، اس سے ایمان مکمل ہوتا ہے، لہذا اگر کسی کا عمل ناقص ہو، تو اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے، اور اگر کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے، تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لہذا اگر وہ بغیر توبہ کے مرگیا تو کچھ عرصہ سزا کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کردیا جائیگا۔

۶۔ حنفیہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان مرکب نہیں بلکہ بسیط ہے یعنی اس کے اجزاء نہیں، بلکہ تصدیق قلبی کا نام ہے اور عمل اس کا جزو نہیں کیونکہ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ایک جزو کے نہ پائے جانے سے کل کا ختم ہونا لازم آئے گا لہذا اگر عمل کو جزء اصلی کہا جائے تو جو شخص عمل نہیں کرتا یا اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں، اس وجہ سے حنفیہ اور متکلمین نے یہ تعبیر اختیار کی ہے تاکہ معتزلہ اور خوارج کی تائید بھی نہ ہو، اور نہ ہی عمل چھوڑنے سے آدمی اسلام سے خارج ہو۔

ایمان کے بارے میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف

اہل سنت کے درمیان ایمان کی تعبیر میں اختلاف واقع ہوا ہے لیکن یہ نزاع صرف الفاظ کی حد تک ہے معنی اور مطلب کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ امام بخاری نے فرمایا: وهو قول وفعل

محدثین نے ایمان کی تعریف یوں کی: الایمان معرفة بالقلب واقرار باللسان وعمل بالاركان، کہ ایمان تصدیق

قلبی، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

امام ابوحنیفہ اور متکلمین نے یوں تعریف کی ہے: الایمان ھو التصدیق بالقلب والاقرار باللسان شرط لاجراء الاحکام، والعمل بالارکان نتیجۃ التصدیق وثمرۃ الایمان کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے، اور دنیا میں اسلام کے احکام کے اجراء کیلئے زبان سے اقرار شرط ہے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا یہ تصدیق کا نتیجہ اور ایمان کا ثمرہ ہے۔

الفاظ کا یہ اختلاف صرف تعبیرات کی حد تک ہے ورنہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جہنم سے بچاؤ کیلئے نفس تصدیق ضروری ہے، تصدیق کے بغیر کسی صورت میں نجات نہ ہوگی، نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی دائمی جہنمی قرار پاتا ہے، بس اس گناہ کی وجہ سے وہ فاسق ضرور ہوتا ہے۔

محدثین اور شوافع اگرچہ ایمان کی ترکیب کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی عمل ایمان کا جزء اصلی نہیں بلکہ جزء تزئینی اور جزو کمال ہے، کیونکہ اگر اسے جزء اصلی قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ عمل کو چھوڑنے والا کافر ہو کیونکہ جزء کے فوت ہونے سے کل بھی فوت ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات عمل کو ایمان کا حقیقی جزء نہیں مانتے، اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔

تعبیر کا یہ فرق اس لیے ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں معتزلہ اور خوارج کا بہت زور تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ عمل ایمان کا جزء ہے، اعمال کے ترک سے انسان اسلام سے نکل جاتا ہے، اس لیے امام اعظم اور متکلمین نے ان کی تردید کیلئے موثر عنوان اختیار کیا کہ اعمال اصل ایمان میں داخل نہیں اور نہ ترک عمل سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور اس وقت یہی کہنا مناسب تھا، اور محدثین کے زمانے میں مرجئہ رونما ہو گئے جو اس بات کا پرچار کرتے تھے کہ عمل کی کوئی حیثیت نہیں اور عمل نہ کرنا ایمان کیلئے نقصان دہ نہیں، تو اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ عمل کی اہمیت بیان کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ عمل نہ کرنا بہرحال نقصان دہ ہے حتی کہ اس سے ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے حضرات محدثین نے اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے یہ انداز اختیار کیا کہ عمل اس قدر اہم ہے کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا گویا کہ عمل ایمان کا جزء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے دور میں نفس ایمان کی حقیقت بتائی گئی اور مرجئہ کے دور میں کمال ایمان پر زور دیا گیا، اس لیے ان دونوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ ہر ایک اپنی جگہ پر درست ہے کیونکہ ہر حال کا مقتضاء اور مقصود الگ الگ ہے۔

اعمال کی جزئیت پر دلائل

حضرات محدثین، خوارج اور معتزلہ ایمان میں اعمال کی جزئیت کے قائل ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

۱۔ حدیث وفد عبدقیس سے کہ اس میں ایمان کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے نماز، زکوۃ اور روزہ وغیرہ اعمال کو ذکر کر کے ان پر ایمان کا اطلاق کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اعمال سے مرکب ہے۔

۲۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: خوب غور سے سن لو کہ زیب وزینت نہ کرنا اور کبھی کبھی

شکستہ حالت میں رہنا بھی، ایمان کا اثر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ "بذاذہ" یعنی زیب وزینت نہ کرنا، ایک عمل ہے جو ایمان کا جزء ہے۔

۳۔ اس باب کی پہلی حدیث کہ جس میں حسن اخلاق کو ایمان کا اعلیٰ درجہ قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ اس باب کی اس حدیث سے جس میں حیا کے بہت سے شعبوں کا ذکر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی روایات سے استدلال کیا، جن میں اعمال پر ایمان کا لفظ بولا گیا ہے۔

مذکورہ دلائل کا جواب

متکلمین ان تمام دلائل کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ احادیث میں اعمال پر ایمان کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے، کیونکہ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ عمل کیا جائے، گویا عمل ایمان کا مقتضی ہے، یا یوں کہیں کہ عمل ایمان کا اثر ہے اور بسا اوقات شی کے اثر پر شی کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے لفظ "شمس" جس طرح کہ سورج کی ٹکیہ پر بولا جاتا ہے اسی طرح سورج کی روشنی پر بھی بولا جاتا ہے جو شمس کا اثر ہے، ایسے ہی ان دلائل میں ایمان کا لفظ اپنے اثر یعنی عمل پر بولا گیا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ عمل ایمان کا جزء اصلی ہے۔

اعمال کے جزء نہ ہونے پر متکلمین کے دلائل

متکلمین نے اعمال کے جزء ایمان نہ ہونے پر بہت سی آیات اور احادیث سے استدلال کیا ہے، چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا (الکھف: ۱۰۷) اسی طرح وہ تمام آیات جن میں اعمال کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے، اور عطف میں اصل مغایرت ہے، لہذا جب عمل کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے تو عمل ایمان کا مغایر ہوگا اور ایمان کا جزء نہیں ہوگا۔

۲۔ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں عمل کیلئے ایمان کو شرط بنایا گیا ہے مثلاً ومن یعمل من الصالحات من ذکر او أنثی وھو مؤمن، (نساء: ۱۲۴) اس کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں عمل صالح کے لیے ایمان کو شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط اور مشروط میں مغایرت ہوتی ہے، لہذا عمل "مشروط" اور ایمان "شرط" میں بھی مغایرت ہوگی اور عمل کو ایمان کا جزء قرار نہیں دیا جائیگا۔

۳۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے عرف میں ایمان سے صرف تصدیق قلبی مراد ہوتی ہے، عمل اس میں داخل نہیں ہوتا، لہذا قرآن مجید میں جہاں بھی امنوا صیغہ امر سے حکم ہے، اس سے تصدیق قلبی ہی مراد ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور عمل اس میں داخل نہیں۔

ایمان میں زیادتی اور کمی کا مسئلہ

ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں، اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایمان زیادت اور نقصان دونوں کو قبول کرتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔

یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط، جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں کہ وہ مجرد تصدیق قلبی کا نام ہے، اس کا کوئی جز نہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں لا یزید ولا ینقص کہ ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ، کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اور جو حضرات عمل کو ایمان کا جزء اصلی اور ایمان کو مرکب مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں طاعت سے اضافہ اور معصیت سے کمی واقع ہوتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مشائخ کا یہ اختلاف بھی لفظی ہے، حقیقی اختلاف نہیں، کیونکہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایمان کا سب سے ادنی درجہ یعنی نفس تصدیق کہ جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں رہتا، اسے "ایمان منجی" کہتے ہیں، جس شخص کو ایمان کا یہ درجہ حاصل ہوگا، وہ جہنم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہے گا، سزا کے بعد بالآخر اس کی نجات ہو جائیگی، گویا انسان کی نجات اس درجہ پر موقوف ہے۔

۲۔ ایمان کا سب سے اعلی درجہ یعنی درجہ کمال کہ جو انسان کو جہنم میں داخل ہونے سے بچاتا ہے، اسے "ایمان منجی" کہا جاتا ہے، اس لیے کہ تصدیق کے مختلف مراتب اور درجات ہیں ایک ادنی درجہ ہے جسے ایمان منجی کہا جاتا ہے، ایک اس سے اوپر، یعنی...... ایمان کے انوار و برکات، سکینہ اور انشراح۔

ان دو قسموں میں سے پہلی قسم یعنی ایمان منجی یہ ایمان میں کمی بیشی کو قبول نہیں کرتی، اس میں کمی تو اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ پہلے ہی سے ادنی درجہ ہے اب اگر اس میں مزید کمی آجائے تو نفس تصدیق ہی باقی نہیں رہے گی، یقین کے بجائے اس میں شک اور تردد پیدا ہو جائے گا حالانکہ ایمان تو نفس تصدیق اور یقین کا نام ہے، اس لیے ایمان کا یہ درجہ کمی اور نقصان کو قبول نہیں کرتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کا ادنی درجہ کمی کو تو قبول نہیں کرتا لیکن زیادتی کو قبول کر سکتا ہے تو یہ کیسے کہا ہے کہ یہ زیادتی کو قبول نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زیادتی کو قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان منجی سے اوپر جو تصدیق کے مختلف مراتب ہیں، جہنم کا ہمیشہ کیلئے حرام ہونا ان پر موقوف نہیں، یہ مقصد تو ایمان منجی سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے اس پر مزید زیادتی کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایمان کی دوسری قسم "ایمان منجی" میں زیادت و نقصان ہوتا ہے کہ طاعات سے اضافہ اور نافرمانی سے کمی ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری وغیرہ نے اس بات پر کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے، قرآن مجید کی ان تمام آیات سے استدلال کیا ہے جن میں ایمان کے زیادہ ہو جانے کا ذکر ہے مثلاً واذا تلیت علیهم ایاته زادتهم ایمانا . . . اسی طرح اس مفہوم

کی احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس باب میں چند روایات ذکر کی ہیں اور ان سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ ایمان کی بیشی کو قبول کرتا ہے۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین، ایمان میں برابر نہیں ہیں بلکہ بعض کا ایمان زیادہ کامل ہے اور بعض کا ناقص ہے، جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہو، اس کا ایمان کامل ہے اور جو ایسا نہیں کرتا تو اس کا ایمان ناقص ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کمی بیشی کو قبول کرتا ہے۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے دین اور ایمان میں نقص اور کمی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ ہر ماہ کچھ دن ناپاک رہتی ہیں، انہیں ماہواری آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ نماز پڑھ سکتی ہیں اور نہ روزہ رکھ سکتی ہیں، اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کی عبادت اور طاعت زیادہ ہو تو اس کے دین و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور جس کی عبادت جس قدر کم ہو تو اتنا ہی اس کا دین و ایمان ناقص ہوتا ہے، لہذا ایمان کمی بیشی کو قبول کرتا ہے۔

تیسری حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، اس کا کم از کم شعبہ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بہت سے شعبے اور اجزاء ہیں بعض میں یہ شعبے زیادہ ہونگے اور بعض میں کم، اس سے بھی یہی حکم ثابت ہوتا ہے کہ ایمان زیادت ونقصان کو قبول کرتا ہے۔

اس روایت میں ستر سے زیادہ ابواب کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر ایمان کے شعبوں کا ذکر ہے، بعض میں ۷۶ اور بعض میں ۷۷، تو بظاہر اس تعداد میں تعارض سا ہے؟

شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

۱۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "بضع و سبعون" کے الفاظ راجح ہیں، کیونکہ اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۲۔ اس سے کسی مخصوص عدد کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں، نیز عربی زبان میں ستر کا عدد بطور کثرت کے استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ بعض نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر حالات کے اعتبار سے مختلف عدد ذکر کیے ہیں اور اس وقت آپ کو اسی کا علم دیا گیا تھا، وہ سب ہی اپنی جگہ بجا ہیں، اس لیے ایک عدد سے دوسرے عدد کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔(۱)

حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے مذکورہ دلائل کے درج ذیل جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ ایمان میں اضافے سے نور کی زیادتی مراد ہے کہ جو شخص احکام اسلام پر اہتمام سے عمل کرتا ہے، سنت کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اس کے نور ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور جو شخص جس قدر اعمال میں غفلت اور سستی کرتا ہے، اسی اعتبار سے اسکے نور ایمان میں بھی کمی واقع ہوتی رہتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کمی بیشی اصل ایمان میں نہیں ہوتی بلکہ نور ایمان میں

---

(۱) مرقاۃ ۱/ ۱۳۳

کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

۲۔ اس سے سکینہ اور طمانیت مراد ہے کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے اسے ایک خاص قسم کا سکون اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے، اور یہ سکینہ تصدیق کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو کامل ایمان والوں کو حاصل ہوتی ہے، گویا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی سکینہ وطمانیت کے اعتبار سے ہے، نفس تصدیق کے اعتبار سے نہیں۔

۳۔ ایمان کی زیادتی سے "مومن بہ" کی زیادتی مراد ہے، نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآنی آیات اور شرعی احکام نازل ہوتے گئے اور اس کے علم میں آتے گئے تو اسی اعتبار سے اس مومن بہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور یہ وہی چیز ہے جس کو امام ابوحنیفہ نے تعبیر فرمایا کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر ایمان کی زیادتی کا ذکر آیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: ھذا اجمال وذالک تفصیل کہ جہاں ایمان کی زیادتی کا ذکر ہے، اس سے مومن بہ کی تفصیل مراد ہے، اصل ایمان میں اضافہ مراد نہیں۔(۱)

بَابُ مَاجَاءَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ وَھُوَ یَعِظُ أَخَاهُ فِی الْحَیَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گذرے، جبکہ وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: حیا ایمان کا حصہ ہے۔

حیاء کے معنی اور اسکی اقسام

حیا کے لغوی معنی: وہ تبدیلی اور انکساری جو سزا یا ملامت کے خوف سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حیا کی اصطلاحی تعریف: "حیا وہ فطری صفت ہے جو انسان کو ممنوع چیزوں سے رکنے پر آمادہ کرتی ہے اور فرائض وحقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے"(۲)

پھر اس حیا کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ حیاء شرعی: وہ حیا کہ جس کا سبب امر شرعی ہو اور حیا نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص شرعاً ملامت کا مستحق قرار پاتا ہو۔

(۱) اس پوری بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملہم ۲۲۷/۱، کتاب الایمان، انعام الباری ۲۸۳/۱

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۳۵/۱، کتاب الایمان، الفصل الاول

۲۔ حیاء عقلی: وہ حیاء کہ جس کا سبب کوئی امر عقلی ہو کہ اسے چھوڑنے سے انسان عقلاء کے ہاں زجر اور ملامت کا مستحق ہوتا ہو۔

۳۔ حیاء عرفی: وہ چیزیں جو عرف میں ناپسندیدہ اور قبیح ہوں، ان سے انقباض پیدا ہو جائے۔

۴۔ حیاء طبعی: وہ چیزیں کہ جن سے طبعی طور پر انسان کو انقباض سا ہو جائے اور انہیں وہ نہ کرے۔

شریعت میں اصل مقصود حیاء شرعی ہے، اس میں حیاء عقلی بھی داخل ہے کیونکہ شریعت کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت کے موافق ہیں لہذا ان دونوں میں تعارض نہیں ہوسکتا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز شرعاً قبیح ہو اور عقلاً اچھی ہو یا عقلاً قبیح ہو اور شرعاً پسندیدہ ہو، بشرطیکہ عقل، عقل سلیم ہو، اور جہاں کہیں ان دونوں میں تعارض محسوس ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل سلیم وہاں نہیں۔

حیاء عرف اور حیاء طبعی بھی محمود ہے بشرطیکہ یہ حیاء شرعی کے مزاحم نہ ہوں، اگر مزاحم ہوں تو پھر حیاء عرفی و طبعی کو ترک کر دیا جائیگا۔(۱)

حیاء ایمان کا اہم شعبہ ہے

حیاء ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے، جب یہ صفت انسان کے اندر موجود ہو تو اسے ہر برے کام سے روکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ شخص اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں وعظ و نصیحت کر رہا تھا کہ زیادہ حیاء نہ کیا کرو ورنہ تمہارا بہت نقصان ہوگا اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حیاء پر ڈانٹ رہا تھا کہ اگر تم اسے نہیں چھوڑو گے تو میں تمہیں اس پر ماروں گا، محدثین فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے سمجھا بھی رہا ہو اور ساتھ ہی اس نے عتاب بھی کیا ہو، بعض راویوں نے صرف وعظ و نصیحت کو ذکر کر دیا اور بعض نے عتاب اور ڈانٹ کا ذکر کر دیا، لیکن اس کا مقصد ایک ہی تھا کہ تم حیاء کو ترک کر دو۔

تو نبی کریم ﷺ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو آپ ﷺ نے اسے منع فرما دیا کہ تم اسے حیاء ترک کرنے کے بارے میں نہ کہو کیونکہ حیاء ایک اچھی صفت ہے اور ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر فطری طور پر جو حیاء رکھی ہے تم اس کو استعمال کرو، شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کر کے حیاء کرو، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجا لانے کیلئے حیاء سے مدد لو، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر یہ فطری جذبہ موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود، وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، حالانکہ انہیں اس جذبہ کے مقتضاء پر عمل کرنا چاہئے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ

یہ باب نماز کی عظمت اور فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ

---

(۱) کشف الباری ۱/۶۹۶، نفحات التنقیح ۱/۲۷۱، انعام الباری ۱/۳۵۰۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۳

اللهِ: أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ: اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، قَالَ: ثُمَّ تَلَا [تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ. حَتَّى بَلَغَ. يَعْمَلُونَ] ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ كُلِّهِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟: قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذَلِكَ كُلِّهِ؟ قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ، قَالَ: كُفَّ عَلَيْكَ هَذَا. فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ: وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ، أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ، إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، ایک دن میں صبح کو آپ ﷺ کے قریب ہوگیا، ہم سب لوگ چل رہے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی عمل بتا دیجئے، جو مجھے جنت میں داخل کردے اور دوزخ سے مجھے دور کردے، آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا پوچھا ہے اور یہ اس شخص کیلئے نہایت آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان کردے اور وہ یہ ہے کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ (تو سنو) روزہ ایک ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات میں آدمی کا نماز (تہجد) پڑھنا (اسی طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے) راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تتجافی جنوبہم ... یعملون تک (پوری آیت کا ترجمہ: ان مؤمنین کے پہلو رات میں بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں، اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، کسی نفس کو کوئی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے خزانہ غیب میں کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان موجود ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے، جو وہ کرتے تھے)۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ہر امر کا سر (یعنی جڑ)، اس کا ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں (ضرور بتا دیجئے) اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: براس الامر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل اور خلاصہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں، یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجئے)، راوی کہتے ہیں: پھر

آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اسکو اپنے اوپر روک کر رکھو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: کیا ہماراان باتوں پر بھی مواخذہ ہوگا جو ہم بولتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ: تمہاری ماں تمہیں گم پائے، لوگوں کو جہنم میں ان کے چہروں یا نتھنوں کے بل ان کی زبانوں کی کٹی ہوئی کھیتیاں یعنی بری باتیں ہی گرائیں گی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ: {إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ} الآية۔

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی مرد کو مسجد میں باقاعدہ حاضر ہوتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے دیکھو تو اسکے لیے اسکے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: یقیناً اللہ تعالی کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حرمة: (حا پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) اسکے مختلف معنی ہیں، یہاں پر اس کے معنی ''عظمت و فضیلت'' کے ہیں۔ نسیر: ہم چل رہے تھے۔ عن عظیم: ایک بڑے امر کے بارے میں، بڑا سوال۔ لليسير: البتہ آسان ہے۔ تعبد الله و تشرك . . . یہ تمام افعال یا تو امر کے معنی میں ہیں یا یہ خبر ہیں اور ان کا مبتداء محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: هو أن تعبد الله . . . ۔ ألا أدلك: کیا میں آپ کو نہ بتادوں۔ جنة: (جیم پر پیش کے ساتھ) ڈھال۔ تطفئ: مٹادیتا ہے، بجھا دیتا ہے۔ تتجافى: الگ رہتے ہیں۔ جنوبهم: ان کے پہلو۔ مضاجع: مَضجع کی جمع ہے، بستر۔ راس الامر: ہر امر کی اصل، بنیاد اور جڑ۔ عمود: (عین پر زبر کے ساتھ) ستون۔ ذروة: (ذال پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں) چوٹی۔ سنام: (سین پر زبر کے ساتھ) کوہان۔ ملاک الامر: (میم پر زبر اور زیر کے ساتھ) کسی معاملہ کی اصل، روح، خلاصہ۔ کف علیک: تم اپنے اوپر اسے روک کر رکھو۔ ثکلتک أمک: تمہاری ماں تمہیں گم پائے۔ یکب: گرائے گی۔ علی مناخرهم: ان کے نتھنوں کے بل، مناخر جمع ہے منخر کی۔ حصائد: حصید کی جمع: کٹی ہوئی کھیتیاں، اس سے زبان کی برائیاں مراد ہیں۔ السنة: لسان کی جمع ہے: زبانیں۔ یتعاهد: مسجد میں پابندی سے حاضر ہوتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

باعث نجات اعمال

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک کے سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، شدید گرمی کے وقت لوگ منتشر ہو گئے، تو میں نبی کریم ﷺ کے قریب ہو گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی عمل بتادیجئے، جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کردے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت بڑا سوال کیا ہے، لیکن یہ ہر اس بندے کیلئے آسان ہے، جس کیلئے اللہ تعالی آسان کردے، پھر نبی کریم ﷺ نے ارکان اسلام کا ذکر فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاتا ہوں، وہ تین چیزیں ہیں، ایک روزہ جو ڈھال ہے کہ دنیا میں انسان کو گناہوں سے اور ناجائز خواہشات سے بچاتا ہے اور آخرت میں دوزخ سے نجات کا باعث ہوگا، دوسری چیز صدقہ ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کیا جائے کہ یہ ہر اس گناہ کو مٹا دیتا ہے، جو حقوق اللہ سے متعلق ہو، اور اگر کسی بندے کے حق میں زیادتی کی ہو تو اس کے مقابل کو اس کی یہ نیکی دے دی جاتی ہے اس کے ظلم کے بدلے میں، اور صدقہ گناہوں کو یوں مٹاتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے، اور تیسری چیز نماز تہجد ہے جو رات کی تنہائی میں پڑھی جائے جبکہ سب لوگ گہری نیند میں ہوتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے اس کی تائید میں قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی جس میں ان لوگوں کی فضیلت اور اجر عظیم کا ذکر ہے، جو رات کے آخری حصے میں اپنے رب کو امید اور خوف کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: دین میں اصل امر، اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی یعنی اسلام کی سربلندی کا باعث جہاد ہے کہ اس سے کافروں کی طاقت ختم ہوتی ہے اور اسلام غالب آتا ہے، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ان تمام چیزوں کا خلاصہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی زبان کی حفاظت کرو، اس کی وجہ سے بیسیوں لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ زبان کو قابو میں رکھنا انتہائی اہم امر ہے، کہ اسے اپنے کنٹرول میں رکھ کر انسان اوج ثریا تک بھی پہنچ سکتا ہے، اور اسے آزاد چھوڑ کر دنیا و آخرت کی ہلاکت و تباہی، ذلت اور رسوائی کا شکار بھی ہو سکتا ہے، یہ دو دھاری تلوار ہے جیسے اسے استعمال کیا جائے گا، اسی کے مطابق اسکے اثرات ثابت ہونگے، اس لیے اگر آدمی یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں زبان کے زہریلے زخم اور گناہوں سے بچ جاؤں اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ رہوں تو اسے چاہئے کہ اپنی زبان کو مکمل کنٹرول میں رکھے، اس سے ایسا کوئی لفظ اور کلام نہ کرے، جو گناہ پر مشتمل ہو، یا اس میں کسی کی دل آزاری ہو، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔(۱)

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص پابندی سے جماعت میں حاضر ہوتا ہے اور مسجد کی دیکھ بھال، صفائی ستھرائی اور خدمت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے، تم اس کے ایمان کی گواہی دے سکتے ہو، کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

باب ما جاء فی ترک الصلاة

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں

عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا کفر اور ایمان کے درمیان (رابطہ) ہے (یعنی نماز چھوڑنے سے مؤمن کفر کے ساتھ مل جاتا ہے، اس کے قریب ہو جاتا ہے)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۲

بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ أَوِ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

اور اسی سند کے ساتھ حضرت اعمش سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا مسلمان بندے اور شرک یا کفر کے درمیان (وصلہ یعنی رابطہ) ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا مسلمان بندے اور کفر کے درمیان (وصلہ یعنی رابطہ) ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور منافقین کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا تو وہ کفر کے قریب ہو گیا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيْقٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ۔

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہ، نماز کے علاوہ اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

نماز چھوڑنا انتہائی سنگین گناہ ہے

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں، جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں، کہ نماز چھوڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ مسلمان اس کی وجہ سے کفر میں یا کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة

اس میں "ھم" ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس ضمیر کا مرجع منافقین ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان امن وامان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم انہیں قتل نہیں کرتے اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں کرتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے، جماعت میں حاضر ہونے اور اسلام کے دوسرے ظاہری احکام کی تابعداری کرنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، لہذا جس نے اس افضل ترین عبادت یعنی نماز کو ترک کر دیا تو گویا وہ کافر ہو گیا، اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز کو ترک کر کے کفر کو ظاہر نہ کریں، اس طرح اس جملے یعنی "فقد کفر" کے معنی ہوں گے کہ اس نے کفر کو ظاہر کر دیا۔

علامہ توربشتی فرماتے ہیں اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ سے منافقین کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا: "غور سے سن لو: مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے"

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک "ھم" ضمیر کا مرجع ان لوگوں کی طرف عمومی طور پر ہے، جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، خواہ وہ منافق ہوں یا نہ ہوں، معنی یہ ہیں کہ جس نے قصداً نماز کو ترک کر دیا تو اللہ کے ہاں اس کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔

کان اصحاب محمد لا یرون شیئا...

اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کی نظر میں نماز نہ پڑھنا سب سے بڑا جرم تھا، جو سخت ترین سزا کے لائق ہے اور انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔(۱)

تارک صلاۃ کا حکم

اگر کوئی شخص نماز کو اس وجہ سے چھوڑتا ہے کہ وہ اس کی فرضیت کا ہی قائل نہیں، تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے، اور اگر ایک شخص نماز کی فرضیت کا تو قائل ہے لیکن محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے قصداً چھوڑتا ہے، تو اس کے حکم کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب دلائل کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک، اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قصداً سستی کی وجہ سے نماز چھوڑنے والا کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، لہذا ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کیا جائیگا(۲)، ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

☆ اس باب کی تمام احادیث کے ظاہر سے استدلال کیا کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے "کفر" کا لفظ استعمال فرمایا۔

☆ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: من ترک الصلاۃ متعمدا فقد برأت منه الذمة کہ جو شخص قصداً نماز کو ترک کردے، تو اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے

مذکورہ احادیث سے استدلال کرکے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ کافر و مرتد ہے، اسے تین دن تک قید میں رکھ کر سمجھایا جائیگا تاکہ وہ نماز شروع کردے، سمجھانے کے باوجود اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو تین دن کے بعد اسے قتل کر دیا جائیگا۔(۳)

جو حضرات تارک صلاۃ کے کافر نہ ہونے کے قائل ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا ایک گناہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں، لہذا جن احادیث میں کفر کے الفاظ آئے ہیں وہ یا تو مستحل پر محمول ہیں کہ جو شخص نماز کے چھوڑنے کو جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے یا ان

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۷

(۲) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء ۶/۱۰ ط: الریاض

(۳) المغنی لابن قدامۃ ۲/۲۹۷، کتاب الصلاۃ، باب الحکم فیمن ترک الصلاۃ، ط: بیروت

سے مراد یہ ہے کہ اس کا فعل کافروں کے مشابہ ہے، کہ یوں کرتا رہا تو خطرہ ہے کہ کہیں کفر میں داخل نہ ہو جائے۔(۱)

۲۔　امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز کو چھوڑنے والا اگرچہ مرتد تو نہیں لیکن اس کا یہ جرم چونکہ انتہائی سنگین اور سخت ہے، لہذا اسے سزا کے طور پر قتل کیا جائیگا، قتل پر ان حضرات کا استدلال:

☆　ایک قرآنی آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم کل مرصد فان تابوا وأقاموا الصلوة وآتوا الزکوة فخلوا سبیلهم (براءة:۵)

اس آیت میں قتل سے بچنے کیلئے کفر و شرک سے توبہ، نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کو لازم قرار دیا گیا ہے، لہذا قتل سے بچنے کیلئے نماز قائم کرنا ضروری ہے، اگر نماز نہیں پڑھے گا تو پھر قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

☆　دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جس کے بعض طرق میں الفاظ یوں ہیں: أمرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ویقیموا الصلوة ویؤتوا الزکاة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائهم وأموالهم۔

اس حدیث میں جان و مال کی حفاظت کیلئے ایمان، نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لہذا اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھے گا تو اسکے جان و مال محفوظ نہیں ہونگے بلکہ اسے قتل کر دیا جائیگا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس روایت سے تارک صلاۃ کے قتل پر اسی طرح استدلال کیا ہے۔

مذکورہ دلائل کا احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں قتال کا ذکر ہے، قتل کا نہیں، اور قتال اور قتل میں فرق ہے، اس لیے کہ قتال کے معنی لڑائی کرنے کے ہیں اور لڑائی کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مد مقابل غیر مسلم ہو، کیونکہ اگر کوئی مسلمان بغاوت پر اتر آئے تو اس سے بھی قتال ہو سکتا ہے یا یہ کہ اگر تمام مسلمان کسی اسلامی شعائر کو ترک کر دیں تو ان سے بھی قتال ہو سکتا ہے، اور نماز اور زکوۃ بھی بلاشبہ شعائر اسلام میں سے ہیں، اور اگر انفرادی طور پر کوئی زکوۃ نہ دے تو اس شخص کو امام احمد بھی نہ مرتد کہتے ہیں اور نہ ہی اسے واجب القتل قرار دیتے ہیں اور مالکیہ و شافعیہ بھی اس طرح نہیں کہتے حالانکہ جو حکم اقیموا الصلاۃ کا ہے، وہی زکوۃ کا بھی ہونا چاہئے۔

اور قرآن مجید کی آیت میں "اقتلوا" سے قتل مراد نہیں بلکہ اس سے قتال ہی مراد ہے، اس پر پہلا قرینہ خود یہ حدیث ہے، کیونکہ حدیث قرآنی آیت کی تفسیر ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس آیت میں تخلیہ سبیل یعنی خلاصی کے لئے دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں: نماز اور زکوۃ، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے اور زکوۃ ادا نہ کرے تو پھر وہ قتل سے نہیں بچ سکتا، حالانکہ اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان زکوۃ نہ دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔(۲)، لہذا جس طرح حدیث میں قتال سے قتل مراد نہیں، ایسے ہی آیت قتل سے، قتل نہیں بلکہ قتال مراد ہے۔(۳)

---

(۱)　شرح مسلم للنووی ۶۱/۱ کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ

(۲)　نفحات التنقیح ۳۰۳/۱ کتاب الایمان

(۳)　فتح الباری، کتاب الایمان، باب فان تابوا، ۱۰۴/۱

امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے تارک صلاۃ کے کافر نہ ہونے پر حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خمس صلوات كتبهن الله على العباد، من أتى بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن، كان له عند الله عهد ان يدخله الجنة، و من لم يأت بهن فليس له عند الله عهد، ان شاء عذبه و ان شاء غفر له" پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالی نے بندوں پر فرض کیا ہے، جو انہیں صحیح آداب و شروط کے ساتھ بغیر کسی نقص کے ادا کرے گا تو اللہ تعالی کا یہ عہد ہے کہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا، اور جو انہیں ادا نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالی کے ہاں اس کیلئے کوئی عہد نہیں وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو عفو و درگذر فرمادے۔(۱)

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قصداً نماز کو چھوڑ دینا کفر و ارتداد کا سبب نہیں بلکہ یہ دیگر گناہوں کی طرح ایک سنگین گناہ ہے، لہذا قاضی اس کو تعزیراً کوئی سخت سزا دے سکتا ہے لیکن حد شرعی کے طور پر اسے قتل نہیں کیا جائیگا۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس مشہور روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوتا، جب تک کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے: قصاصاً قاتل کو قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا اور دین سے پھر جانے والے کو ارتداداً قتل کرنا(۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تارک صلاۃ کا قتل ذکر نہیں فرمایا، اگر اس کا حکم واقعی قتل ہی ہوتا، تو آپ ﷺ ضرور بیان فرمادیتے، اس لئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ترک صلاۃ سے نہ ارتداد ہوتا ہے اور نہ وہ واجب القتل ہوتا ہے، البتہ یہ ایک انتہائی سنگین گناہ ہے، جس پر قاضی اسے تعزیراً کوئی سخت سزا دے گا تاکہ وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کرے۔(۳)

باب حلاوة الایمان

یہ باب ایمان کی مٹھاس اور لذت کے بیان میں ہے

عَنِ الْعَبَّاسِ بنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ: ذَاقَ طَعْمَ الإِيْمَانِ: مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا، وَ بِالإِسْلَامِ دِيناً، وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالی کو اپنا پروردگار،

---

(۱) ۔ فتح الملهم ۵۶۳/۱ كتاب الايمان، حكم تارك الصلاة عمداً، كشف البارى ۱۴۳/۱ كتاب الايمان، تارک صلاۃ کا حکم، تحفة الاحوذی ۳۰۸/۷

(۲) صحيح بخاری ۱۰۱۶/۲ کتاب الديات، باب قول الله تعالى: ان النفس بالنفس

(۳) انعام الباری ۶۱۲/۱ کتاب الایمان، تارک صلاۃ کا حکم۔

اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی خوشی سے مان لیا تو (سمجھ لو کہ) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ المَرْءَ، لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ پالے گا، (۱) اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔ (۲) کسی بھی بندے سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لیے ہو۔ (۳) اور وہ کفر میں جانے کو ناپسند کرے، بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے نجات دی ہے، جیسا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حلاوۃ: لذت، مٹھاس، یہاں حدیث میں اس سے مراد ہے ''استلذاذ بالطاعات'' یعنی طاعات و عبادات میں اسے لطف اور سرور آنے لگے۔ **طعم:** (طاء پر زبر کے ساتھ) ذائقہ، مزہ۔ **أنقذہ اللہ:** اللہ نے اس کو کفر سے خلاصی دی، چھٹکارا دیا۔ **یقذف:** (صیغہ مجہول) ڈالا جائے، گرایا جائے۔

ایمان کا لطف

باب کی پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ ہی سے مانگتا ہے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا، اللہ کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے، نعمتوں کا شکر اور آزمائش پر صبر کرتا ہے، سنت کے مطابق زندگی گذارتا ہے اور شریعت کے تمام احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے، جب کوئی شخص ان صفات کا حامل ہو جائے تو اس کے رگ و پے میں ایمان کی حلاوت سرایت کر جاتی ہے، پھر وہ ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

باب کی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں کہ جس میں یہ ہونگی، تو اسے نیکی میں لذت اور سرور آئیگا،

۱۔ اللہ و رسول کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت ہو۔

۲۔ کسی بھی انسان سے محبت اور دوستی کا تعلق صرف اللہ کی رضا کے لیے اور دین کی خاطر ہو۔

۳۔ اگر پہلے کافر ہو تو اسلام قبول کرنے کے بعد، کفر کو انتہائی ناپسند کرے، جس طرح کہ اپنے نفس کو آگ میں ڈالنا ناپسند کرتا ہے۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۱۱

محبت کے معنی اور اس کی اقسام

محبت کے معنی: کسی امتیازی وصف کی وجہ سے دل کا کسی جانب مائل ہو جانا۔

محبت کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ حب طبعی: انسان طبعی طور پر کسی چیز سے محبت کرے جیسے انسان اپنے والدین، اولاد، اور رشتہ داروں سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ حب عقلی: عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے، کہ اس شی کے ساتھ محبت کی جائے، جیسے انسان کی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت والفت۔

۳۔ حب کمالی: کسی میں کوئی ہنر، فن اور کمال ہو کہ جس کی وجہ سے اس سے محبت کی جارہی ہے۔

۴۔ حب جمالی: کسی کے ساتھ محبت، اسکے حسن و جمال کی وجہ سے کی جائے

۵۔ حب احسانی: کسی کے احسان کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔(۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ میں محبت کے تمام اسباب پائے جارہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ مدار ایمان کون سی محبت ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ اس سے محبت عقلی مراد ہے کہ عقلی طور پر انسان یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل محبت اور قابل تعظیم ہیں۔

اور یہ جو حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ: مجھے آپ سے ہر چیز سے زیادہ محبت ہے لیکن اپنی جان سے زیادہ نہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہوگے جب تک تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو، اس پر حضرت عمر نے عرض کیا: کہ الآن کہ اب آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ الآن اب تم نے ایمان کے اس تقاضے کو پورا کیا۔

اس حدیث میں حضرت عمر نے جس محبت کی نفی کی تھی وہ محبت عقلی نہیں بلکہ محبت طبعی تھی، اس لیے کہ محبت عقلی کے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی قائل تھے لیکن انہوں نے یہ سمجھا کہ حدیث میں جو محبت طبعی مطلوب ہے اس درجہ کی مجھے حاصل نہیں، اس واسطے یہ اشکال ہوا کہ میں مؤمن ہوں یا نہیں؟ جب نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غور کیا کہ میں تو حضور ﷺ کے ایک اشارے پر جان بھی قربان کرسکتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں میری جان کو ہلاکت سے بچانے والی آپ ہی کی ذات گرامی ہے، تو اس وقت ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس حدیث میں محبت طبعی نہیں، بلکہ محبت عقلی مراد ہے، اور عرض کیا: الآن یا رسول اللہ: کہ اب مجھے آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔(۲)

---

(۱) نفحات التنقیح ۱/۲۷۷ کتاب الایمان، کشف الباری ۱/۱۴، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۱۲

(۲) فتح الباری ۱۱/۶۴۷ کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی ﷺ، انعام الباری ۱/۳۲۹

۲۔　بعض حضرات کے نزدیک اس سے محبت طبعی مراد ہے، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو غیر اختیاری ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں محبت طبعی کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے حاصل ہوتا ہے، یعنی اس محبت کے اسباب پر غور کریں تو اسباب محبت یعنی حسن و جمال، کمال، اور عطاء و احسان پر غور وفکر کرنے سے جو محبت پیدا ہوگی وہ محبت طبعی ہی ہوگی، پھر اس کے ساتھ دوسری محبتیں بھی شامل ہو جائیگی تو عشق کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث کے لفظ "مما سواھما" میں اللہ اور رسول دونوں کیلئے ایک ضمیر استعمال کی گئی ہے حالانکہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے خطبہ دیا اور کہا: من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقد غوی اس نے اللہ و رسول کیلئے "ھما" ضمیر استعمال کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم برے خطیب ہو، یوں کہو: و من یعص اللہ و رسولہ، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول دونوں کو ایک ضمیر میں جمع نہیں کر سکتے، اب اشکال یہ ہے کہ پھر نبی کریم ﷺ نے یہاں اس حدیث میں دونوں کو ایک ضمیر میں کیسے جمع فرمادیا؟

اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے راجح جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں محبت کا ذکر ہے، اور اللہ اور رسول کی محبت دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، کامیابی کے لیے دونوں کی محبتوں کا مجموعہ ضروری ہے، صرف ایک کی محبت کافی نہیں، اس لیے یہاں حدیث میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ شریعت میں دونوں محبتوں کا مجموعہ شرط ہے۔

جبکہ خطیب والی روایت میں نافرمانی کا ذکر ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اللہ و رسول میں سے ہر ایک کی نافرمانی اپنی ذات میں باعث ہلاکت اور خسارہ ہے، ایسے موقع میں نبی کریم ﷺ نے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے ذکر کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ ایک ضمیر میں جمع کرنے سے کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید دونوں کی نافرمانی کا مجموعہ تو نقصان دہ ہو، ایک کی نافرمانی باعث ہلاکت نہ ہو اس وہم کے ازالہ کیلئے نبی کریم ﷺ نے نافرمانی کے ذکر کے موقع میں ایک ضمیر میں جمع کرنے سے منع فرمادیا۔(۲)

حافظ ابن حجر نے بھی اس جواب کو سب سے بہتر جواب قرار دیا ہے(۳)

---

(۱)　انعام الباری ۱/۳۶۹

(۲)　شرح الطیبی ۱/۱۲۱، نفحات التنقیح ۱/۲۸۷

(۳)　فتح الباری ۱/۸۴ کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان

بَابُ لَا یَزْنِی الزَّانِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ

باب: زنا کرنے والا زنا کی حالت میں صاحب ایمان نہیں رہتا

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَزْنِی الزَّانِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلٰکِنَّ التَّوْبَةَ مَعْرُوضَةٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زنا کرنے والا زنا کے وقت صاحب ایمان نہیں رہتا، اور چوری کرنے والا چوری کے وقت ایمان والا نہیں رہتا، لیکن اس پر توبہ کو پیش کیا جائیگا (اگر اس نے توبہ کر لی، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائیں گے)

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: قَالَ: إِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِیْمَانُ، فَکَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ کَالظُّلَّةِ، فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِکَ الْعَمَلِ، عَادَ إِلَیْهِ الْإِیْمَانُ۔

اور ایک دوسرے طریق میں حضرت ابوہریرہ ہی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے، وہ اس کے سر پر سائبان کی طرح رہتا ہے، پھر جب وہ اس گناہ کے عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اسکی طرف واپس لوٹ آتا ہے۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ أَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَتْ عُقُوبَتُهُ فِی الدُّنْیَا، فَاللّٰهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ یُثَنِّیَ عَلٰی عَبْدِهِ الْعُقُوبَةَ فِی الْآخِرَةِ، وَمَنْ أَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَفَا عَنْهُ، فَاللّٰهُ أَکْرَمُ مِنْ أَنْ یَعُوْدَ فِی شَیْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ۔

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا، جو قابل حد ہے اور اس کی سزا اسے دنیا میں ہی دے دی گئی، (یعنی اسے کوڑے لگائے گئے یا ہاتھ کاٹا گیا، اسے سنگسار کر دیا گیا) تو اللہ تعالیٰ زیادہ عادل ہیں اس سے کہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دیں، اور جس نے کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو چھپالیں اور اسے معاف کر دیں تو اللہ تعالیٰ زیادہ مہربان ہیں، اس سے کہ وہ اس قصور کی دوبارہ سزا دیں، جس کو انہوں نے ایک بار معاف کر دیا ہے

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ معروضة: پیش کی جائیگی ۔ کالظلة: سایہ دار چیز کی طرح، سائبان، چھتری، شامیانہ ۔ من أصاب حدا: جس نے کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کیا۔ عجلت عقوبته: اس کو سزا دے دی گئی۔ أعدل: زیادہ عدل وانصاف والے ہیں۔ یثنی: وہ دہرائیں، دوبارہ سزا دیں۔ ان یعود فی شیء: کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی دوبارہ سزا دیں۔

گناہ کبیرہ سے آدمی خارج ایمان نہیں ہوتا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے تو وہ اگرچہ فاسق اور گنہگار ہوتا ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس سے معتزلہ اور خوارج پر رد کرنا مقصود ہے کہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ کبیرہ گناہ سے انسان، اسلام سے نکل جاتا ہے۔

لا یزنی الزانی وھو مؤمن کے کیا معنی ہیں؟ اس میں چار قول ہیں:

۱۔ اس گناہ سے اس کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے، پھر جب وہ تہ دل سے اس گناہ سے توبہ کرلے تو وہ نور ایمان واپس لوٹ آتا ہے۔

۲۔ معصیت کے ارتکاب کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں رہتا، بلکہ ناقص ہو جاتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو شخص زنا اور چوری کو حلال اور جائز سمجھتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، ختم ہو جاتا ہے۔

۴ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس سے زجر اور تہدید مقصود ہے، تاکہ مسلمان اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں، کیونکہ یہ عمل انسان کو کفر کے قریب کردیتا ہے، یہ کافروں کے اعمال میں سے ہے۔(۱)

حدود معصیت کا کفارہ ہیں یا نہیں

باب کی دوسری حدیث میں یہ بحث ہے کہ اگر انسان کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرلے، جو باعث حد ہو اور پھر اس پر دنیا میں وہ حد جاری کردی گئی، تو کیا اس سے اس کا وہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، یا یہ کہ الگ سے اس گناہ کی معافی کیلئے توبہ کرنا ضروری ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

آئمہ ثلثہ کے نزدیک حدود کفارات ہیں، جس کو وہ "سواتر" سے تعبیر کرتے ہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر اس پر چوری کی حد جاری کی گئی، یا زنا کی وجہ سے اس پر حد زنا نافذ کی گئی، تو اس سزا سے ہی اس کا یہ جرم معاف ہو جائیگا، الگ سے توبہ کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں، ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس پر دنیا میں حد جاری کی گئی تو آخرت میں اسے دوبارہ سزا نہیں ہوگی۔(۲)

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۱۳/۷

(۲) فتح الباری ۹۰/۱ کتاب الایمان، باب،

احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ حدود کفارات نہیں بلکہ زواجر ہیں یعنی ان کو نافذ کرنیکا مقصد یہ ہے کہ تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہوجائے، یہ حدود بذات خود گناہ کی معافی کی ضمانت نہیں ہیں، بلکہ اس کیلئے توبہ ضروری ہے، لہذا جب تک توبہ نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان شرک کرنا شروع کردے تو وہ مرتد ہوجائیگا، اور ارتداد کی وجہ سے اس پر قتل کی سزا جاری ہوگی تو یہ سزا اس کیلئے بالاتفاق زاجر ہے، ساتر نہیں ہے، کیونکہ کفر پر معافی نہیں ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے۔

احناف کے دلائل

احناف کے موقف پر قرآن مجید کی واضح آیات ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء ابما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم، فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فان اللہ یتوب علیه، ان اللہ غفور رحیم۔ (مائدۃ:۳۸)

اس آیت یعنی فمن تاب میں "ف" تعقیب کیلئے ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے چور کے ہاتھ کاٹے جاچکے ہیں، اس پر حد جاری ہوچکی ہے، اب اگر وہ اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، اور اگر شوافع وغیرہ کی بات مانی جائے کہ صرف حد کے نفاذ سے ہی گناہ معاف ہوجاتا ہے تو پھر فمن تاب من بعد ظلمه۔۔۔ کو ذکر کرنے کے کوئی معنی نہیں، اس لیے اس آیت سے واضح طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آیت محاربہ (مائدہ:۳۳) میں ڈاکوؤں کی سزا بیان فرمانے کے بعد فرمایا: ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا کہ یہ سزا دنیا میں ان کے لیے باعث ذلت ہے اور آخرت میں ان کیلئے عذاب عظیم ہوگا، مگر یہ کہ وہ توبہ کرلیں تو آخرت کا گناہ معاف ہوجائے گا پھر وہاں انہیں سزا نہیں ہوگی، لہذا اگر ان سزاؤں سے ان کے گناہ معاف ہوچکے ہوتے تو پھر الا الذین تابوا کیوں فرمایا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا أدری، الحدود کفارات لأھلھا ام لا، مجھے پتہ نہیں کہ حدود کفارات ہیں یا نہیں۔

حدیث باب کا جواب

احناف یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات سے صاف یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ محض حد جاری ہونے سے وہ جرم معاف نہیں ہوتا جب تک کہ اس کیلئے مستقل توبہ نہ کی جائے، اس لیے حنفیہ نے فھو کفارۃ له کے دو معنی بیان کیے ہیں:

(۱) اس سے کفارہ سیئات مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ جس طرح دنیا کی ہر تکلیف، ہر غم اور ہر پریشانی کی وجہ سے انسان کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی طرح حد کی سزا سے بھی اس کی سیئات معاف ہوتی ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ

گناہ بھی معاف ہو جائیگا جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے۔

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اتنی سخت سزا جاری ہوتی ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس نے اس گناہ کی تہ دل سے توبہ بھی کر لی ہوگی، اس لحاظ سے آپ ﷺ نے فهو كفارة له فرمایا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اور کامل مؤمن وہ ہے، جسے لوگ اپنی جانوں اور اموال کا امین سمجھیں۔

عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسے مسلمان افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمان افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

کامل مسلمان

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے جس سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی اذیت اور تکلیف نہ پہونچے، اس انداز سے حکمت کے ساتھ وہ زندگی گذارے کہ ہر انسان اس سے خوش رہے، اس کی زبان، ہاتھ اور جسم کے کسی عضو یا کسی عمل سے کسی انسان کو تکلیف نہ پہونچے، حدیث میں خاص طور پر زبان اور ہاتھ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ عموماً دوسرے لوگوں کی اذیت کا باعث یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، آپس میں لڑائی جھگڑے بھی انہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، اس لئے ان دو کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔(۲)

---

(۱) اس پوری بحث کے لئے دیکھئے: انعام الباری ۱/۳۸۵، کشف الباری ۱/۲۷، تحفۃ الاحوذی ۷/۴۱۰ قدیمی

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۱۶

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اسلام غربت میں شروع ہوا اور عنقریب وہ غربت میں لوٹ جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: إِنَّ الإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اسلام غربت سے شروع ہوا اور عنقریب دوبارہ غربت میں لوٹ جائیگا، جیسا کہ شروع ہوا تھا، لہذا غرباء کیلئے خوشخبری ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ فِي الْحِجَازِ مَعْقِلَ الأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي۔

حضرت عمرو بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک دین حجاز کی طرف اس طرح سمٹ کر آئے گا، پناہ لے گا جس طرح سانپ اپنے بل یعنی سوراخ کی طرف سمٹتا اور پناہ لیتا ہے، اور دین حجاز مقدس کیطرف ضرور اس طرح پناہ لے گا جس طرح جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، بے شک دین غربت سے شروع ہوا ہے اور عنقریب غربت کیطرف لوٹ آئیگا، لہذا ان غرباء کیلئے خوشخبری ہے، جو میری اس سنت کی اصلاح کرتے ہیں جسے لوگوں نے بگاڑ دیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ غریب: پردیسی، مسافر، اجنبی، غربت والا۔ یأرز: سمٹ کر آئے گا، پناہ لے لیگا۔ حجاز: اس سے مکہ، مدینہ اور ان کے اطراف کا علاقہ مراد ہے۔ جحر: (جیم پر پیش اور حا کے سکون کے ساتھ) بل، سوراخ۔ لیعقلن: ضرور پناہ لے گا، جگہ لے گا۔ أروية: (ہمزہ پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) جنگلی بکری، بکری کو اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ نر کے مقابلے زیادہ دشوار جگہوں پر جا سکتی ہے۔ معقل: قلعہ، پناہ لینے کی جگہ۔ رأس الجبل: پہاڑ کی چوٹی۔ یصلحون: جو اصلاح اور درست کرتے ہیں، یعنی اس پر وہ خود بھی عمل کرتے ہیں اور ذہنی وسعت کے بقدر دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔

اسلام کی ابتداء اور انتہاء

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا جب آغاز ہوا تو اس وقت اس کے حامی کم تھے، صرف چند ہی افراد تھے، وہ معاشرے میں معاشی لحاظ سے ذرا کمزور بھی تھے، لوگ انہیں اجنبی نظروں سے دیکھتے تھے اور اسلام کے دشمنوں نے انہیں اس قدر ستایا کہ انہیں اپنا گھر، شہر اور وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح قرب قیامت میں بھی اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے والے

کم رہ جائیں گے، جو فتنے کے اس دور میں بھی نبی کریم ﷺ کی مٹی ہوئی سنتوں اور احکام کو زندہ کریں گے، جن کو حدیث میں ''غرباء'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کے لیے ''طوبیٰ'' ہے۔

''طوبیٰ'' سے کیا مراد ہے؟ اس سے غرباء کیلئے فرحت ومسرت، ہر قسم کی خیر وبرکت، اور جنت مراد ہے، اور بعض کے بقول ''طوبیٰ'' جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔

''غرباء'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) ان سے وہ مسلمان مراد ہیں جو اسلام کے آغاز کے وقت تھے اور جو قیامت کے قریب آئیں گے یہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی تکلیف پر صبر کریں گے۔

(۲) ان سے وہ مہاجرین مراد ہیں، جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی ہے۔

(۳) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان سے وہ مخلص مسلمان مراد ہیں، جو فتنے کے دور میں مٹی ہوئی سنتوں کی اصلاح اور ان کو زندہ کریں گے، جیسا کہ اس باب کی دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

دین سمٹ کر حجاز کی طرف آجائیگا

آخر زمانہ میں جب طرح طرح کے فتنوں کا ظہور ہوجائیگا، دشمنان اسلام اور ظالم لوگ عالم اسلام پر تسلط کرلیں گے، اس وقت ایمان کو بچانے کیلئے اہل ایمان حجاز یعنی مکہ ومدینہ کا رخ کریں گے اور اس کی طرف بھاگ کر جائیں گے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف جلدی سے بھاگ کر اپنی جان بچاتا ہے، اور جیسے جنگلی بکری دشوار گذار پہاڑوں کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، کیونکہ اسلام کا آغاز بھی چند افراد پر ہوا تھا، اس وقت ان پر مختلف قسم کی آزمائشیں آئی تھیں، ایسے ہی قیامت کے قریب اہل ایمان کی تعداد کم ہو جائیگی، فتنے کے وقت وہ بھی اپنے ایمان کو بچانے کیلئے دیوانہ وار مدینہ کی طرف بھاگیں گے، ان کو حدیث میں ''غرباء'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے، جو نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو درست کریں گے یعنی ان پر خود بھی عمل پیرا ہونگے اور حکمت کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں گے۔(۱)

بَابٌ فِي عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ

یہ باب منافق کی علامت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی علامتیں تین ہیں، جب بات کرے تو

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۲۱۸، مرقاة المفاتیح ۱/۳۶۲ کتاب الایمان، باب الاعتصام، شرح الطیبی ۱/۳۲۰

جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے، تو اس میں وہ خیانت کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا وَإِنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ، كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں جس میں ہونگی وہ منافق ہوگا، اور اگر ان میں سے ایک خصلت اس میں ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ چھوڑ دے، جب بات کرے تو وہ جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے یعنی اسے پورا نہ کرے، جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے، اور جب کوئی معاہدہ کرے تو دھوکہ دے یعنی اسے توڑ دے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ وَيَنْوِي أَنْ يَفِيَ بِهِ فَلَمْ يَفِ بِهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔

حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص وعدہ کرے تو یہ نیت ہو کہ وہ اسے پورا کرے گا لیکن کسی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أخلف: وعدہ خلافی کرے۔ ائتمن: امین بنایا جائے۔ خان: وہ خیانت کرے۔ خصلة: عادت، صفت۔ حتی یدعها: یہاں تک کہ وہ اسے ترک کر دے، چھوڑ دے۔ خاصم: لڑائی جھگڑا کرے۔ فجر: سب وشتم اور گالی گلوچ دے۔ فلم یف به: پھر اسے وہ پورا نہ کر سکا، وعدہ نبھا نہ سکا۔

نفاق کے معنی اور اس کی قسمیں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفاق کے معنی ہیں کہ باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو، پھر اس نفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نفاق اعتقادی: ایک شخص کسی مصلحت اور غرض کی وجہ سے بظاہر اسلام کا اظہار کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اندرونی طور پر کافر ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار

یہ نفاق اب کسی کو حتمی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا اور نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دیا جاتا تھا، تاہم اس کے چال چلن اور طرز زندگی سے اگر یقینی طور پر یہ پتہ چل جائے کہ یہ آدمی مخلص مسلمان نہیں بلکہ منافق اعتقادی ہے تو پھر اس کے ساتھ عہد رسالت کی طرح نرمی نہیں کی جائے گی کیونکہ ابتداء اسلام میں مصلحت کی وجہ سے منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، اب اس پر کفر اور ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، اگر اسلامی حکومت ہو تو اس پر ارتداد کی سزا قتل جاری کی جائیگی۔

(۲) نفاق عملی: اس شخص کا عقیدہ تو درست ہے، یہ مخلص مسلمان، لیکن اس کا عمل باطن کے خلاف ہے، اس کے اعمال منافقوں والے ہیں مثلاً وعدہ خلافی کرنا، گالیاں دینا، جھوٹ بولنا وغیرہ، یہ اعمال منافقین والے ہیں، یہ کام مسلمان کی شایان شان نہیں۔

باب کی مذکورہ احادیث میں یہی قسم یعنی "نفاق عملی" مراد ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ کیا میرے اندر آپ کچھ نفاق محسوس کرتے ہیں، تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: نہیں، اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد نفاق عملی ہی تھا، نہ کہ نفاق اعتقادی، کیونکہ حضرت عمر کے بارے میں نفاق اعتقادی کا تو وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

لہٰذا اگر کسی شخص میں نفاق کی یہ علامتیں پائی جائیں تو اس پر منافق کا حکم نہیں لگایا جائیگا، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس کے اندر منافق کی خصلتیں یا علامتیں پائی جارہی ہیں۔

یہ ساری تفصیل اس پر مبنی ہے کہ "المنافق" میں جو لام ہے اسے "جنس" کیلئے قرار دیا جائے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے "لام عہد" مراد ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مخصوص شخص یا عہد رسالت کے منافقین کے بارے میں یہ احادیث ارشاد فرمائی ہیں، ان کا استدلال چند ضعیف احادیث سے ہے۔

لیکن سب سے بہتر تشریح یہی ہے کہ اس سے مطلق منافق مراد لیا جائے اور نفاق سے نفاق عملی مراد ہو۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں منافق کی تین علامتیں اور دوسری حدیث میں چار علامتیں ذکر کی گئی ہیں، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ کو پہلے تین علامتیں بتائی گئیں تو آپ ﷺ نے تین ذکر فرمادیں، پھر ایک مزید علامت کا بتایا گیا تو پھر آپ ﷺ نے چار علامتیں ذکر فرمادی ہیں، اس لیے احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) ایک عدد دوسرے عدد کی نفی نہیں کرتا، بعض اوقات ایک چیز کی بہت سی علامتیں ہوتی ہیں، حالات اور موقع کے اعتبار سے کم و بیش انہیں ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح نفاق کی بھی متعدد علامتیں ہیں، کہیں تین کو بتانا مناسب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے تین علامتیں ذکر فرمادیں، اور کہیں اس سے زیادہ کا ذکر مناسب معلوم ہوا تو زیادہ ذکر فرمادیں، اس لیے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

وعدہ خلافی نفاق کی علامت کب ہے

حضرت زید بن ارقم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اس صورت میں مذموم اور نفاق کی علامت ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت ہی اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو، لیکن اگر وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کا قصد اور ارادہ تھا لیکن پھر کسی وجہ سے اسے پورا نہ کرسکا تو یہ وعدہ خلافی کے حکم میں نہیں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۱/۷، شرح الطیبی ۱۹۱/۱

بَابُ مَا جَاءَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قِتَالُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ كُفْرٌ وَ سِبَابُهُ فُسُوقٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کا اپنے بھائی کے ساتھ لڑائی کرنا کفر اور اسے گالی دینا فسق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، کسی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے۔

گالی دینا فسق ہے

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو سب وشتم کرنا، برا بھلا کہنا اور گالی دینا گناہ اور فسق ہے، اس لیے گالی گلوچ سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، بعض لوگوں کی زبان پر ہر وقت نامناسب کلمے اور گالیاں جاری رہتی ہیں، ہر بات میں گالی بلکہ بعض اوقات ان کا تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے، یہ طریقہ کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

(۲) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے قتال کرے تو یہ کفر ہے۔

اس ''کفر'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں پانچ قول ہیں:

☆ جو شخص مسلمان کے ساتھ قتال اور اسے قتل کرنا جائز اور حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جائیگا۔

☆ اس سے کفران نعمت اور ناشکری مراد ہے۔

☆ یہ عمل بالآخر آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

☆ یہ کافروں والا کام ہے

☆ اس سے زجر وتوبیخ مقصود ہے تا کہ دوسرے مسلمان یہ عمل نہ کریں۔ (۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۴، مرقاۃ ۹/۵۴

بَابُ فِيمَنْ رَمَى أَخَاهُ بِكُفْرٍ

یہ باب اس شخص (کی وعید) کے بارے میں ہے جو اپنے مسلمان بھائی پر کفر کا الزام لگائے۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَاعِنُ الْمُؤْمِنِ كَقَاتِلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَاتِلِهِ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ، عَذَّبَهُ اللهُ بِمَا قَتَلَ بِهِ نَفْسَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے پر اس چیز کی منت لازم نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہ ہو، اور مؤمن کو لعنت کرنے والا (گناہ میں) اس کے قاتل کی طرح ہے، اور جو شخص کسی مؤمن پر کفر کا الزام لگائے تو وہ (حرمت یا سزا میں) اس کے قاتل کی طرح ہے، اور جس شخص نے کسی چیز سے خودکشی کی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی چیز سے عذاب دیں گے، جس چیز سے اس نے اپنے نفس کو قتل کیا ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ: كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک نہ ایک ضرور اس بات کے (وبال کے) ساتھ لوٹا۔

کسی کو کافر کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو کافر کہہ دے اور جس کو کہا ہے وہ اگر حقیقت میں بھی کافر ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے سے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کیلئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے، لیکن اگر اس کا مقصد اس شخص پر محض طعنہ زنی اور بلاضرورت اس کے کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ شریعت نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ شخص، جس کو اس نے کافر کہا ہے، حقیقت میں کافر نہیں، بلکہ وہ مسلمان ہے، یہ اس کی طرف کفر کی نسبت محض جھوٹ کی بنیاد پر کر رہا ہے، تو یہاں روایت میں فرمایا ہے کہ وہ کلمہ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، یعنی وہ کافر ہو جاتا ہے۔

"فقد باء بها احدهما" جمہور کے نزدیک اس حدیث کے حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ایک مسلمان، خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کرلے جیسے قتل اور زنا وغیرہ اور خواہ وہ اپنے کسی بھائی کو کافر کہہ دے تو اس سے وہ آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ دین اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، جبکہ مذکورہ حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہہ دے جبکہ حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جائیگا، اس وجہ سے اس ارشاد گرامی کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) یہ حکم مستحل کیلئے ہے یعنی جو شخص کسی مسلمان کیطرف کفر کی نسبت کرنے کو جائز اور حلال سمجھتا ہے تو کلمہ تکفیر اسی کی طرف لوٹتا ہے، لیکن سیاق کلام سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔

(۲) بعض کے نزدیک اس سے خوارج مراد ہیں کہ جو اہل ایمان اور بہت سے صحابہ کو کافر کہتے تھے، ایسے صحابہ کہ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی شہادت دی تھی، تو یہ درحقیقت اس شہادت کی تکذیب کر رہے ہیں جو حضور ﷺ نے دی ہے، اسوجہ سے یہ کافر ہونگے جبکہ اکثر حضرات نے خوارج کو گمراہ ضرور کہا ہے لیکن کافر قرار نہیں دیا۔

(۳) اس سے دوسرے مسلمانوں کو تنبیہ اور ڈرانا مقصود ہے تاکہ کوئی مسلمان اس قسم کا جملہ نہ کہے۔

(۴) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے وہ اگر واقعتاً کافر ہے پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا ہے وہ اس کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئیگا، اس حدیث کی یہ توجیہ سب سے اچھی ہے۔(۱)

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) نذر اور منت آدمی صرف اس چیز کی مان سکتا ہے جس کا وہ منت کے وقت مالک ہے، ایسے میں اسے پورا کرنا اس پر ضروری ہوتا ہے، اور جس چیز کا انسان مالک ہی نہ ہو، اس کی منت ماننا درست نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں زید کی گاڑی صدقہ کروں گا، اگر کوئی شخص اس قسم کی منت مان بھی لے، تو شرعاً وہ منعقد ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص کسی مؤمن پر لعن طعن کرے تو یہ اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، یعنی جس طرح مؤمن کو قتل کرنا حرام ہے اسی طرح اس پر لعنت کرنا بھی حرام ہے، یا جس طرح مؤمن کو قتل کرنا باعث سزا ہوتا ہے اسی طرح اس پر لعنت بھیجنا بھی باعث سزا و عقاب ہے۔

(۳) کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگانا ایسا ہی حرام ہے، جس طرح اسے بلاوجہ قتل کرنا حرام ہے، اس کی مزید تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

(۴) آدمی نے دنیا میں جس چیز کے ساتھ خودکشی کی ہوگی مثلاً زہر سے یا آلات قتل میں سے کسی چیز کے ساتھ، تو آخرت میں اسی چیز کے ساتھ بطور سزا اپنے آپ کو قتل کرے گا، تاکہ سزا، گناہ ہی کی جنس سے ہو، اگرچہ آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۵۶۱ کتاب الادب، باب ما ینہی من السباب واللعن تحفۃ الاحوذی ۷/۳۲۵، مرقاۃ ۹/۵۵ کتاب الادب باب حفظ اللسان، کشف الباری (ص: ۴۲۲) کتاب الادب

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۲۶

بَابٌ فِيمَنْ يَمُوْتُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

یہ باب اس شخص کے (حکم کے) بیان میں ہے جس کا خاتمہ توحید پر ہو۔

عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ: مَهْلًا لِمَ تَبْكِي، فَوَاللهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ، وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ، وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ، ثُمَّ قَالَ: وَاللهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَأُحَدِّثُكُمُوهُ الْيَوْمَ، وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

صنابحی کہتے ہیں کہ میں عبادہ بن صامت کے پاس گیا جبکہ وہ موت کے قریب تھے، میں رونے لگا تو عبادہ بن صامت نے فرمایا: صبر سے کام لو، کیوں رو رہے ہو، اللہ کی قسم: اگر مجھ سے تمہارے (ایمان کے متعلق) گواہی طلب کی گئی تو میں تمہارے (ایمان کی) ضرور گواہی دوں گا، اور اگر مجھے (قیامت کے دن) شفاعت کی اجازت دی گئی تو میں ضرور تمہارے لیے شفاعت کروں گا، اور اگر میرے بس میں ہوا تو تمہیں ضرور نفع پہنچاؤں گا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو اور اس میں تمہارے لیے خیر ہو مگر یہ کہ وہ حدیث میں نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہے، ہاں ایک حدیث ہے، جو آج میں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں، جبکہ موت نے میری جان کو گھیر لیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کر دیتے ہیں (یعنی کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کو جہنم میں نہیں ڈالا جائیگا)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا، كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ: أَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ؟ يَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: أَفَلَكَ عُذْرٌ؟ فَيَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: بَلَى، إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: احْضُرْ وَزْنَكَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟ فَقَالَ: فَإِنَّكَ لَا تُظْلَمُ، قَالَ: فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ، وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ، فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ، وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو عاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن میری امت میں سے ایک شخص کو الگ کر کے تمام لوگوں کے سامنے لائیں گے، اور اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر اس کے سامنے کھولے گا، ہر رجسٹر تا حد نگاہ بڑا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے (انسانوں کے اعمال) لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں نے تم پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہارا کوئی عذر ہے؟ وہ عرض کرے گا نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہاں کیوں نہیں، ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی موجود ہے، اور یقیناً آج تم پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوگا، پھر ایک پرچہ نکالا جائیگا، جس میں لکھا ہوگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم اپنے اس عمل کا وزن کر کے لاؤ (یا یوں ترجمہ کریں: تم اس پرچہ کے وزن کے وقت حاضر ہو جاؤ) وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار: اس پرچہ کا ان رجسٹروں کے ساتھ کیا مقابلہ (یعنی ان رجسٹروں کے سامنے اس پرچہ کا کیا وزن ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر وہ تمام رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں اور وہ ایک پرچہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائیگا تو رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہو جائیگا (یعنی اوپر اٹھ جائیگا) اور اس پرچہ کا پلڑا بھاری ہو جائیگا اور (یہ حقیقت ہے کہ) اللہ کے نام کے برابر کوئی چیز وزنی نہیں ہوسکتی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **مھلا:** ٹھہرو، صبر سے کام لو۔ **استشھدت:** (صیغہ مجہول) مجھ سے گواہی طلب کی گئی۔ **سیخلص:** الگ اور ممتاز کرے گا۔ **فینشر:** پھیلائیں گے۔ **سجل:** (سین اور جیم کے نیچے زیر کے ساتھ) رجسٹر، کاغذات کا مجموعہ، اس کی جمع سجلات ہے۔ **مثل مد البصر:** تا حد نگاہ بڑا۔ **کتبتی:** کاتب کی جمع ہے: میرے لکھنے والے فرشتے۔ **بطاقۃ:** پرچہ، کارڈ۔ **احضر وزنک:** تم اپنے اس عمل کا وزن کر کے لاؤ یا اس کے وزن کے وقت موجود رہو۔ **کفۃ:** (کاف کے نیچے زیر اور فا پر زبر و تشدید) ترازو کا ایک پلڑا۔ **طاشت:** وہ رجسٹر ہلکے پڑ گئے، یعنی ان کا پلڑا، وزن کی کمی کی وجہ سے اوپر کو اٹھ گیا۔ **ثقلت:** اس پرچہ کا پلڑا بھاری اور وزنی ہو گیا۔

کلمہ توحید کی فضیلت

باب کی مذکورہ احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے اخلاص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھا ہوگا تو اسے بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائیگا اور اگر اس نے گناہوں سے پاک زندگی گذاری ہو، فرائض و واجبات اور اپنے ذمہ کے حقوق اس نے ادا کیے ہوں، تو اسے ابتداء میں ہی جنت میں داخل کر دیا جائیگا، اور اگر گناہوں سے توبہ کے بغیر دنیا سے چلا گیا تو اگر اللہ چاہیں تو کچھ عرصہ اسے جہنم میں ڈالا جائیگا اور پھر بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے ہر قسم کی حدیث تم لوگوں کو سنادی ہے لیکن یہ حدیث کہ من قال لا الہ الا اللہ . . . میں ابھی موت کے وقت تمہیں سنا رہا ہوں، اور پہلے اس لیے نہیں سنائی تاکہ کوئی مسلمان، صرف اس کا سہارا لے کر اعمال میں غفلت اور سستی نہ کرے، یہ مفہوم دوسری احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

(۱) امام زہری سے اس ارشاد کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ابتداء اسلام میں یہ امر تھا کیونکہ اس وقت اسلام کے دیگر احکام و مسائل، فرائض، امر، اور نہی کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

لیکن امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ اس مفہوم کی احادیث کے ایک راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو سن سات ہجری میں اسلام لائے تھے، اس وقت یقیناً اسلام کے اکثر احکام نہ صرف یہ کہ نازل ہو چکے تھے بلکہ مسلمان ان پر عمل بھی کر رہے تھے، اسلئے یہ مطلب ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا مطلب وہی ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اہل ایمان کو بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائیگا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک اور حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل توحید کی ایک جماعت کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا، اسی طرح بہت سے تابعین سے قرآن مجید کی اس آیت "ربما یود الذین کفروا لو کانو مسلمین" کی تفسیر میں یہ اثر منقول ہے کہ جب گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا تو جہنم میں موجود کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج ہم اس سخت عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لیتے۔

باب کی دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی گنہگار رہو، اللہ کی نافرمانی میں اس نے ساری زندگی گذاری ہو، لیکن اس کا عقیدہ توحید درست ہے، اخلاص کے ساتھ اس نے کلمہ توحید پڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ کلمہ توحید کے اس چھوٹے سے پرچہ کو اتنا وزنی کر دیں گے کہ اس کے گناہوں کا پلڑا ترازو میں ہلکا ہو جائیگا اور لا الہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہو جائیگا، کیونکہ اس میں لفظ "اللہ" ہے، جو بلاشبہ کائنات اور اس کی ہر چیز سے زیادہ وزنی اور بابرکت ہے، وہ آدمی حیران ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتے، لہٰذا تمہارے ساتھ بھی آج کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترازو میں وزن تو اجسام اور ٹھوس چیز کا کیا جاتا ہے اور اعمال تو اعراض ہیں، اجسام کے قبیل سے نہیں ہیں، تو پھر آخرت میں میزان عدل میں انہیں کیسے تولا جائیگا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ان رجسٹروں کا وزن کیا جائیگا، جن میں اعمال درج ہونگے، براہ راست اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔

(۲) آخرت کا معاملہ دنیا سے مختلف ہے، وہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو بھی جسم عطاء فرمادیں، پھر ان

کا وزن کرلیا جائے گا، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔(۱)

اور اب تو اس دنیا میں بھی ایسی چیزوں کا وزن کرلیا جاتا ہے، جو اعراض کے قبیل سے ہوتی ہیں، اجسام کے قبیل سے نہیں ہوتیں مثلاً تھرمامیٹر سے بخار معلوم کرلیا جاتا ہے، درجہ حرارت و برودت کو آلات سے ریکارڈ کرلیا جاتا ہے، اس لیے اب تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں کلمہ طیبہ کی کس قدر فضیلت کا ذکر ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس شرف واعزاز کی قدر کرنی چاہیے اور اپنی زندگی کے اکثر اوقات کو، اللہ جل جلالہ کی یاد اور اس کے ذکر میں گذارنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

بَابُ افْتِرَاقِ هٰذِهِ الأُمَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اس امت کے بٹ جانے اور کئی فرقوں میں ہوجانے کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَفَرَّقَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، أَوِ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، وَالنَّصَارٰى مِثْلَ ذٰلِكَ، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے، اسی طرح عیسائی بھی اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالَ: مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت پر ضرور وہی کچھ آئیگا، جو بنی اسرائیل پر آیا، اور دونوں میں اتنی مطابقت ہوگی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق یعنی برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے جو ایسا ہی کریں گے، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی، وہ تمام فرقے دوزخی ہونگے سوائے ایک فرقہ کے کہ وہ جنتی ہوگا، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ (جو جنت میں جائیگا) آپ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلیں گے (یعنی کتاب وسنت پر)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۲۸

فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهِ، فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدَى، وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ، فَلِذٰلِكَ أَقُوْلُ: جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی مخلوق (یعنی جن وانس) کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنا نور ڈالا، چنانچہ جس تک وہ نور پہنچا تو وہ راہ راست پر لگ گیا، اور جس تک وہ نور نہ پہنچا تو وہ گمراہ ہوگیا، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی (یعنی تقدیر) پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ فَقُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ حَقَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا: قَالَ: أَتَدْرِيْ مَا حَقُّهُمْ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ ایسا کرلیں؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو عذاب نہ دے۔

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرَائِيْلُ فَبَشَّرَنِيْ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے اور اس بات کی مجھے بشارت دی کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا ہوگا، وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (یعنی اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے اور توبہ کے بغیر مرجائے تو کچھ عرصہ عذاب کے بعد، بالآخر اسے جنت میں داخل کردیا جائیگا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ تفرقت: تقسیم ہوگئے، بٹ گئے۔ حذو النعل بالنعل: جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق اور برابر ہوتا ہے۔ من أخطأہ: جس شخص سے اس نور نے تجاوز کرلیا یعنی اس تک وہ نور نہ پہنچا۔ فبشرني: مجھے خوشخبری اور بشارت دی۔

امت محمدیہ ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو طور طریقے بنی اسرائیل کے تھے، وہ سارے میری امت کے اندر بھی پائے جائیں گے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے موافق ہوتا ہے، ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر بنی اسرائیل کے کسی فرد نے اپنی ماں کے

ساتھ علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے، جو اس طرح کا کام کریں گے، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھی، میری امت تہتر گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ: ان تمام جماعتوں میں کونسی جماعت مذہب حق پر ہوگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما أنا علیه و أصحابی، جو جماعت اور افراد میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم اور طریقے پر ہونگے، وہ کامیاب ہو جائیں گے، اس کے علاوہ باقی تمام گروہوں کو جہنم میں ڈالا جائیگا۔

"تفترق امتی" میں امت سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) بعض نے کہا کہ اس سے "امت دعوت" مراد ہے یعنی امت محمدیہ کے تمام افراد، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، اس صورت میں ۷۳ فرقوں میں وہ مذہب والے گروہ بھی داخل ہونگے، جو ہمارے ساتھ قبلہ میں شریک نہیں۔

(۲) راجح یہی ہے کہ اس سے "امت اجابت" مراد ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے، جو ایک ہی قبلہ کے پیروکار ہیں، ان کے ۷۳ فرقے ہونگے۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس مذموم اختلاف سے ائمہ کرام اور فقہاء کا فروعی اختلاف مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ اختلاف شرعاً مذموم نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے، اس اختلاف سے اصول توحید، خیر و شر کی تقدیر اور نبوت و رسالت کی شروط وغیرہ کا اختلاف مراد ہے، کیونکہ یہ لوگ بسا اوقات ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں جبکہ فقہاء کرام کا یہ طریقہ نہیں ہے، فقہاء کرام آپس میں اختلاف ضرور کرتے ہیں لیکن وہ محض اخلاص اور دلائل پر مبنی ہوتا ہے جس میں نہ تو کسی کی تکفیر کی جاتی ہے اور نہ کسی کو فاسق قرار دیا جاتا ہے۔

یہ تہتر فرقے کونسے سے ہیں اور ان میں فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

(۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے بڑے گروہ آٹھ ہیں:

(۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہہ (۸) ناجیہ (نجات پانے والا)

پھر معتزلہ کے بیس، شیعہ کے بائیس، خوارج کے بیس اور مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں، نجاریہ کے تین، مرجیہ اور مشبہہ کا ایک ایک فرقہ ہے، یہ بہتر فرقے ہوگئے، اور آخری فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے جو نجات پانے والا فرقہ ہے اور یہ وہ فرقہ ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہے۔

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب "بذل المجهود" میں فرماتے ہیں کہ اس اختلاف سے فروعی اور فقہی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس سے اصولی اختلاف مراد ہے، اور ۷۳ کے عدد سے کثرت مقصود ہے کہ اس امت میں اصولی اختلاف رکھنے والے بے شمار فرقے پیدا ہو جائیں گے، نجات پانے والا اور راہ راست پر صرف ایک ہی فرقہ ہوگا جسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت ہی ہیں، یہ کس طرح معلوم ہوا، کیونکہ ہر گروہ اپنے آپ کو مذہب حق پر سمجھتا ہے

اور اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ بھی کہتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ دین اسلام ہم تک نقل اور روایت کے ذریعہ پہنچا ہے، اس میں محض عقل کافی نہیں ہے، لہذا متواتر احادیث، اخبار اور آثار صحابہ سے تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اہل سنت والجماعۃ جن عقائد پر ہیں انہی عقائد پر صحابہ و تابعین اور امت کے اولیاء کرام تھے، دوسرے باطل فرقے سب بعد میں پیدا ہوئے چنانچہ ان میں سے کچھ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پیدا ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار فرمایا بلکہ ان سے ہر قسم کے تعلقات اور رابطے منقطع کردیئے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل سنت والجماعۃ ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔(۱)

جن وانس کو ظلمت میں پیدا کرنے کے معنی

جن وانس کو اللہ تعالیٰ نے ظلمت میں پیدا کیا، "ظلمت" سے نفسانی خواہشات کی تاریکی مراد ہے، کہ انسان کی فطرت میں نفسانی خواہشات حسد، بغض، کینہ وغیرہ اور غفلت کا مادہ رکھا ہوا ہے، جیسا کہ اس کی طبیعت میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ نور ڈال دیں تو وہ راہ راست پر آجائیگا، اور جس تک نور نہ پہنچا تو وہ گمراہی کے اندھیرے میں رہے گا، اس "نور" سے "آیات اور دلائل" مراد ہیں۔

جف القلم علی علم اللہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں جو کچھ لکھ دیا ہے، طے کردیا ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ جبراً کوئی فیصلہ فرمادیا ہے کہ اب انسان مجبور محض ہے اور اپنی مرضی اور اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ جانتے ہیں کہ کونسا انسان کیا اعمال کرے گا، اپنی زندگی کس طریقے سے گذارے گا، ہدایت پر ہوگا یا ضلالت و گمراہی میں ڈوبا رہے گا، انسان جو کچھ اپنے اختیار سے عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو علم غیب کی وجہ سے پہلے سے ہی ازل میں لکھ دیا ہے، اب اس میں رد و بدل نہیں ہوسکتا۔(۲)

توحید کی اہمیت

حضرت معاذ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا عقیدہ توحید درست ہوگا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا، تو وہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ جائیگا، اگر اس کے اعمال صالحہ غالب رہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلی مرتبہ ہی جنت میں داخل فرمادیں، اور گناہوں کی صورت میں کچھ عرصہ جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کردیا جائیگا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۶ قدیمی کراچی، مرقاۃ المفاتیح ۱/۳۸۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب الکوکب الدری ۳/۳۵۲

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۸۰ کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر

اس حدیث میں "یعبدوہ" سے توحید اور طاعات کو بجالانا اور گناہوں سے بچنا مراد ہے، اس کے ضمن میں شرک کی نفی کا حکم بھی ثابت ہوجاتا ہے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے "ولا یشرکوا بہ شیا" الگ سے بھی ذکر فرمایا، اس سے ان کافروں پر رد کرنا مقصود ہے جو اللہ کی عبادت کا دعوی کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں، لہذا جو شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو کلمہ توحید کی برکت سے بالآخر اس کی ضرور نجات ہوجائیگی۔

"ما حقھم علی اللہ"

اللہ تعالی پر تو بندوں کی کوئی چیز لازم نہیں تو پھر اس "حق" سے کیا مراد ہے؟ اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں:

(۱) اس حق سے "لائق اور مناسب" کے معنی مراد ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالی پر لازم نہیں، ورنہ تو اللہ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے، جبکہ اللہ تعالی ہر قسم کے عیب، نقص اور عجز سے پاک ہے۔

(۲) اللہ تعالی نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے اوپر ایک شی کو لازم کرلیا ہے ورنہ بندوں کی طرف سے اللہ تعالی پر کوئی چیز لازم نہیں، اسے وجوب احسانی اور تفضلی کہا جاتا ہے۔

(۳) کلام کے حسن اور مشاکلۃ کے طور پر لفظ حق استعمال کیا ہے، پہلے لفظ "حق اللہ علی العباد" استعمال فرمایا تو اسی کے لحاظ سے دوسرے مقام پر بھی حق کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے لزوم اور وجوب کے معنی مراد نہیں۔(۱)

(۱) مرقاۃ ۱/۱۶۷، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۳۶

أبواب العلم من رسول الله ﷺ

نبی کریم ﷺ سے علم کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

باب إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّينِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

تفقہ فی الدین کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے علم اور اہل علم کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی فہم وبصیرت اور سمجھ عطا فرما دیتے ہیں، اسے قرآن وسنت میں اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں، چنانچہ بعض بزرگوں سے فقیہ کی تعریف یوں منقول ہے:

انما الفقيه: الزاهد في الدنيا، الراغب في الآخرة، البصير بأمر دينه، المداوم على عبادة ربه

فقیہ: وہ شخص ہے جسے دنیا سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل ہو، آخرت کی زندگی میں شوق ورغبت رکھنے والا ہو یعنی اس کی تیاری کی فکر کرتا ہو، دینی امور میں اسے خوب سمجھ اور بصیرت حاصل ہو، مواظبت اور پابندی کے ساتھ (سنت کے مطابق) اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو۔

مذکورہ تمام اوصاف جس شخص میں پائے جائیں تو وہ فقیہ کہلانے کا مستحق ہے، کیونکہ دین کی سمجھ صرف چند حروف و نقوش کے جان لینے، یا محض کتاب پڑھ لینے، اور اصطلاحات یاد کرنے کا نام نہیں، بلکہ دین کی صحیح سمجھ اس بات پر موقوف ہے کہ انسان نے جو کچھ پڑھا ہے، اس پر سنت کے مطابق اہتمام سے عمل کرے، اور فرمایا کہ جس شخص کو دین کی سمجھ حاصل نہ ہو تو وہ گویا خیر سے محروم رہا۔(۱)

(۱) فتح الباری ۱/۲۱۸ کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا... مرقاۃ ۱/۲۱۰ کتاب العلم، الفصل الاول، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۳۸

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ

یہ باب طلب علم کی فضیلت کے ذکر میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسے راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو طلب کرے گا تو اللہ تعالی اس کیلئے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ، حَتَّى يَرْجِعَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم (شرعی) کو طلب کرنے کیلئے نکلا تو وہ مسلسل اللہ کی راہ میں ہے، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔

عَنْ سَخْبَرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى۔

حضرت سخبرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم کو طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گذشتہ (صغیرہ) گناہوں کیلئے کفارہ ہو جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ من سلک: جو شخص چلے۔ یلتمس: طلب کرتا ہے۔ کفارۃ لما مضی: گذشتہ گناہوں کا کفارہ اور ازالہ۔

طلب علم کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے، جو علم دین کو حاصل کرنے کیلئے گھر سے نکلے، یہ علم خواہ علم ضروری ہو یا فرض کفایہ کے درجہ میں ہو۔

چنانچہ پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص طلب علم کیلئے گھر سے نکلتا ہے، سفر کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کیلئے جنت تک پہنچنے کے راستے کو آسان کر دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ طلب علم کیلئے سفر کرنا مستحب ہے چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف علم سیکھنے کیلئے سفر کیا، حضرت جابر بن عبداللہ نے ایک ماہ کی مسافت کے بقدر صرف ایک حدیث کو حاصل کرنے کیلئے حضرت عبداللہ بن قیس کی طرف سفر کیا۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین کو حاصل کرنے کیلئے اپنے وطن اور شہر سے نکلتا ہے خواہ وہ علم، فرض عین کے درجہ کا ہو یعنی علم ضروری ہو یا فرض کفایہ ہو یعنی اسے حاصل کرنا شرعا اس کیلئے ضروری نہ ہو تو ایسا طالب علم راہ خدا کے سربلف مجاہد کی طرح ہے، جو اجر وثواب اس مجاہد کو ملتا ہے، وہی ثواب اس طالب علم کو بھی ملتا ہے، اس لیے کہ جس طرح ایک مجاہد دین کی سربلندی اور غلبہ کیلئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتا ہے، اسی طرح طالب علم بھی گھر کے آرام و راحت اور عزیز و اقارب کو اس لیے

چھوڑتا ہے تاکہ اسے علم صحیح حاصل ہو جائے، جس سے وہ خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسرے لوگوں کی بھی دینی رہنمائی اور اصلاح کرے، یوں وہ اپنی خواہشات اور جذبات کو دین کیلئے قربان کرتا ہے۔

یہ اجر و ثواب اس طالب علم کیلئے حصول علم سے فارغ ہو کر گھر واپس آنے تک ہے، اور جب یہ اخلاص کے ساتھ علم حاصل کر کے لوٹتا ہے تو اس کی حیثیت اب دین کے ایک رہنما اور مصلح کی سی ہوتی ہے، اور اب وہ "انبیاء کے وارثین" کے زمرے میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

تیسری حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کیلئے نکلتا ہے تو اس کی برکت سے اس کے گذشتہ صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے معاف فرما دیتے ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كِتْمَانِ الْعِلْمِ

یہ باب علم کی بات چھپانے (کی وعید) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی، جو اسے معلوم تھی مگر اس نے اسے چھپایا (یعنی بتایا نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الجم: (صیغہ مجہول) منہ میں لگام ڈالی جائے گی۔ کتمہ: اس نے علم کی بات کو چھپایا۔

دینی بات چھپانے پر وعید

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے کوئی دینی بات پوچھی گئی اور اسے وہ بات معلوم ہے لیکن پھر بھی وہ پوچھنے والے کو نہیں بتاتا تو اسے قیامت کے دن یہ سزا ہوگی کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام داخل کی جائے گی، کیونکہ اس منہ سے اس نے جواب نہیں دیا، تو اب اسی میں اسے سزا دی جائے گی۔ "علم" سے دین کی ایسی بات مراد ہے جس کی تعلیم ضروری اور لازم ہو مثلاً کوئی کافر اسلام قبول کرنے کیلئے اسلام کے بارے میں سوال کرتا ہے، یا نماز کے وقت نماز کے مسائل دریافت کرتا ہے، یا کسی مسئلہ کا شرعی حکم کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام تو ان سب امور کا جواب دینا اس پر ضروری ہے کیونکہ عالم کا کام یہ ہے کہ وہ امت کی رہنمائی کرے، غیر ضروری اور نفلی امور سے متعلق جواب دینا ضروری نہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک اس "علم" سے علم شہادت مراد ہے کہ اگر کسی معاملے میں اس کی گواہی مطلوب ہو اور اسے اس

---

(۱) کتاب العلم، تحفۃ الاحوذی ۷/ ۳۴۰

قصہ کا صحیح علم حاصل ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی دے، ایسے میں اس نے گواہی نہ دی، تو وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الاِسْتِيصَاءِ بِمَنْ يَطْلُبُ الْعِلْمَ

یہ باب اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بیان میں ہے، جو علم کو طلب کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَأْتِي أَبَا سَعِيدٍ، فَيَقُولُ: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّ رِجَالاً يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الأَرْضِ، يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ، فَإِذَا أَتَوْكُمْ، فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا

حضرت ابو ہارون عبدی کہتے ہیں کہ ہم ابو سعید کے پاس (علم سیکھنے کیلئے) آیا کرتے تو وہ فرماتے: مرحبا یعنی میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید کہتا ہوں، کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک لوگ تمہاری (اقوال وافعال اور اخلاق میں) پیروی کریں گے اور بہت سے لوگ علم دین سمجھنے کیلئے اطراف عالم سے آپ کے پاس آئیں گے، لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں، تو تم ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يَأْتِيكُمْ رِجَالٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، يَتَعَلَّمُونَ فَإِذَا جَاؤُكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا، قَالَ: فَكَانَ أَبُو سَعِيدٍ إِذَا رَآنَا، قَالَ: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مشرق کی طرف سے بہت سے لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرنا، راوی کہتے ہیں کہ ابو سعید جب ہمیں دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق ہمیں خوش آمدید کہا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الاستیصاء: خیر خواہی اور بھلائی کرنا، حسن سلوک کی وصیت کرنا۔ أقطار: قطر کی جمع ہے: اطراف۔ یتفقھون: دین کی سمجھ حاصل کرنے کیلئے۔ فاستوصوا بھم: تم ان کو وصیت کرنا۔

طالب علم کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ میرے بعد لوگوں کے رہنما آپ ہونگے، لوگ آپ کے اقوال وافعال اور اخلاق کی پیروی کریں گے، اور علم دین سیکھنے اور اس میں فہم وبصیرت حاصل کرنے کیلئے دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آپ کے پاس آئیں گے، لہذا جب وہ آجائیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی تعلیم وتربیت میں کوتاہی نہ کرنا، ان کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کرنا، اور انہیں نبوت کی وراثت یعنی دین کی صحیح تعلیم دینا، اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب علم یا طالبہ

(۱) مرقاۃ ۱/۴۳۷، کتاب العلم، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۴۱

شوق وجذبہ سے سرشار ہو کر دور دراز علاقے کا سفر کر کے کسی مدرسہ، ادارے یا کسی فرد کے پاس آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اپنی طاقت کے بقدر ہر ممکن طریقے سے ان کی دیکھ بھال کی جائے، تا کہ نبی کریم ﷺ کی اس وصیت پر صحیح طریقے سے عمل کیا جا سکے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ

یہ باب دنیا سے علم کے اٹھ جانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں (کے دل ودماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھا لے گا، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عالم کو نہیں چھوڑیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار یعنی رہنما بنالیں گے، چنانچہ ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ، فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ، فَوَاللهِ لَنَقْرَأَنَّهُ وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا. فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ: إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، هٰذِهِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟ قَالَ جُبَيْرٌ: فَلَقِيتُ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، قُلْتُ: أَلَا تَسْمَعُ إِلٰى مَا يَقُولُ أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، قَالَ: صَدَقَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، إِنْ شِئْتَ لَأُحَدِّثَنَّكَ بِأَوَّلِ عِلْمٍ يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ: الْخُشُوعُ، يُوشِكُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَلَا تَرٰى فِيهِ رَجُلًا خَاشِعًا.

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی، پھر فرمایا: یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں سے علم وحی کو چھینا جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ اس علم میں سے کسی بھی چیز (کو حضور ﷺ سے حاصل کرنے) پر قادر نہیں ہوں گے، زیاد بن لبید انصاری نے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۴۲

عرض کیا: اس علم کو ہم سے کیسے اچک لیا جائے گا جبکہ ہم نے قرآن مجید پڑھا ہے اور اللہ کی قسم ہم اسے ضرور پڑھتے رہیں گے، اور ہم ضرور اسے اپنی عورتوں اور اولاد کو (بھی) پڑھائیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: زیاد! تمہاری ماں تمہیں گم پائے، میں تو تمہیں مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا، یہ تورات اور انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں، کیا یہ کتابیں (عمل کے بغیر) انہیں کوئی فائدہ دیتی ہیں؟ جبیر کہتے ہیں کہ پھر میری عبادۃ بن صامت سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا: کیا آپ نے وہ بات سنی ہے جو آپ کے بھائی ابوالدرداء کہتے ہیں؟ پھر میں نے ان کو وہ بات بتائی جو ابوالدرداء کہتے ہیں، تو عبادہ بن صامت نے فرمایا: ابوالدرداء نے سچ کہا ہے؟ اگر آپ چاہیں تو میں یہ بتا سکتا ہوں کہ علم میں سے سب سے پہلے کیا چیز لوگوں سے اٹھائی جائے گی؟ وہ خشوع ہے، عنقریب ایسا ہوگا کہ تم کسی جامع مسجد میں داخل ہوگے تو اس میں ایک بھی خشوع والا آدمی تم نہیں دیکھو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **لا یقبض**: نہیں اٹھائے گا۔ **انتزاعا**: کھینچ کر، نکال کر۔ **لم یترک**: اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا۔ **رؤس**: راس کی جمع ہے: سردار، یعنی دینی رہنماو پیشوا۔ **فافتوا**: پھر وہ فتویٰ دیں گے۔ **شخص ببصرہ**: اپنی نظر کو اٹھایا، بلند کیا۔ **یختلس**: (صیغہ مجہول) اچک لیا جائے گا، چھینا جائے گا، سلب کرلیا جائے گا۔ **ثکلتک امک**: تمہاری ماں تمہیں گم پائے، یہ جملہ عربی زبان میں تعجب کے اظہار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ **ان کنت**: یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ **لأعدک**: البتہ میں تمہیں شمار کرتا تھا۔ **ماذا تغنی عنھم**: عمل کے بغیر یہ کتابیں یہود و نصاریٰ کو کیا فائدہ دیتی ہیں؟۔

علم کو اٹھالیا جائے گا

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) قرآن وسنت کا علم اٹھالیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ رفتہ رفتہ اہل علم کو اٹھالیا جائے گا، جب کوئی ذی علم دنیا میں نہیں رہے گا، تو لوگ جاہل لوگوں کو اپنا رہنما بنالیں گے، جو انہیں علم کے بغیر ہی فتویٰ دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، اس سے درحقیقت اس بات پر ترغیب دینا مقصود ہے کہ علم دین کی حفاظت کی جائے اور جاہلوں کو اپنا لیڈر اور رہنما نہ بنایا جائے۔

(۲) دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت زیاد کو یہ تنبیہ فرمائی کہ صرف قرآن پڑھ لینے یا آگے اپنی اولاد کو پڑھا دینا کافی نہیں، اصل مقصود اس پر عمل کرنا ہے، اس میں جو احکام ہیں ان کے مطابق زندگی گذارنی ہے، ایک وقت آئے گا کہ مسلمان صرف قرآن مجید کی تلاوت کریں گے اور اس کا علم بھی سیکھیں گے مگر ان کا عمل قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہوگا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ اپنی اپنی کتابوں کا علم حاصل کرتے اور انہیں پڑھتے تھے لیکن ان کا عمل ان کتابوں کے مطابق نہیں تھا، تو ان کتابوں کے محض پڑھنے اور علم حاصل کرنے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا، ایسے ہی مسلمانوں کو صرف علم اور تلاوت قرآن مکمل فائدہ نہیں

دے گی جب تک ان کا پورا عمل قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ابوالدرداء نے سچ فرمایا ہے اور میں بھی تمہیں بتاتا ہوں کہ سب سے پہلے لوگوں سے ''خشوع'' کو اٹھالیا جائے گا، انسان مسجد میں جائے گا تو اسے ایک مسلمان بھی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نظر نہیں آئے گا۔

حتی لایقدر وا منه علی شیئ

اس جملے کے دو معنی ہیں:

(۱) وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں گے، اس علم سے علم وحی مراد ہے، اور هذا اوان يختلس العلم من الناس سے گویا آپ ﷺ نے اپنی وفات کی طرف ارشاد فرمایا ہے، کہ میری وفات کے بعد اس دنیا سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ ''منہ'' میں ضمیر کا مرجع ''علم'' ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ علم میں سے کسی بھی چیز کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَطْلُبُ بِعِلْمِهِ الدُّنْيَا

یہ باب اس شخص (کی مذمت) کے بارے میں ہے، جو اپنے علم کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ.

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے علم دین کو اس لیے حاصل کیا تاکہ اس کے ذریعہ علماء کے ساتھ مقابلہ کرے، یا بیوقوفوں یعنی جاہلوں سے بحث ومباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے اور اس کے ذریعہ لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیرے (یعنی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَيْرِ اللَّهِ، أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللَّهِ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ علم اللہ کی رضا کے علاوہ (جاہ ومنصب اور مال ومتاع) کیلئے سیکھا، یا یوں فرمایا کہ جس نے اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۴۲/۷، مرقاۃ ۴۵۹/۱، ۳۸۴، کتاب العلم

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لیجاری بہ: تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ مقابلہ کرے، تاکہ میرا علمی مقام اور صلاحیت لوگوں کے سامنے آجائے، اس سے اس کا مقصد نام ونمود اور ریاکاری ہوتا ہے۔ لیماری بہ: تاکہ وہ اس کی وجہ سے بحث ومباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے۔ السفھاء: سفیہ کی جمع ہے: بیوقوف لوگ، یہاں حدیث میں اس سے جاہل لوگ مراد ہیں۔ لغیر اللہ: اللہ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد یعنی نام ونمود، جاہ ومنصب اور دنیا کے مال ومتاع کیلئے حاصل کرتا ہے۔ فلیتبوأ: اسے چاہئے کہ وہ بنالے۔

دنیا کیلئے علم حاصل کرنے کا حکم

جو شخص علم دین کو اللہ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد کیلئے سیکھتا ہے، تاکہ اس کے علمی مقام کا لوگوں میں چرچا ہو، اور اسے بڑا عالم سمجھا جائے، یا اس لیے تاکہ اس کے ذریعہ جاہلوں سے بحث ومباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے، اور سب کی توجہ اپنی طرف کرلے اور اس کے ذریعہ دنیا کے مال ومتاع اور جاہ ومنصب حاصل ہوں، ایسے آدمی کا انجام اس حدیث میں بیان فرمایا کہ اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا، لہذا اس علم کو حاصل کرنے میں اس قسم کی کوئی فاسد نیت نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس سے صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی رضاء وخوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہو، مزاج میں تواضع وانکساری ہو، ریاکاری سے دور اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاعِ

یہ باب سنی ہوئی احادیث آگے پہنچانے کی ترغیب کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ: خَرَجَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنْ عِنْدِ مَرْوَانَ بِنِصْفِ النَّهَارِ، قُلْنَا: مَا بَعَثَ إِلَيْهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا لِشَيْءٍ سَأَلَهُ عَنْهُ، فَقُمْنَا، فَسَأَلْنَاهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، سَأَلَنَا عَنْ أَشْيَاءَ سَمِعْنَاهَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

حضرت ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) صحابی رسول حضرت زید بن ثابت دوپہر کے وقت مروان کے پاس سے نکلے، ہم نے کہا کہ مروان نے ان کو اس وقت اسی لیے بلایا ہوگا تاکہ وہ ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے، چنانچہ ہم نے حضرت زید سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں اس نے ہم سے کئی چیزوں کے بارے میں پوچھا، جنہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا (پھر ان میں سے ایک روایت بیان کی) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے (دل سے یا تحریر وکتابت کے ذریعہ) محفوظ رکھا یہاں تک کہ وہ اسے دوسرے تک پہنچادے، کیونکہ بہت سے فقہ یعنی علم حدیث کو

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۴۶/۷

اٹھانے والے، ان لوگوں تک وہ حدیث پہنچا دیتے ہیں، جو ان سے زیادہ فقیہ یعنی سمجھدار ہوتے ہیں، اور بعض حامل فقہ (یعنی علم حدیث و دین کو براہ راست حاصل کرنے والے) فقیہ نہیں ہوتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ ، يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی اس آدمی کو تر و تازہ رکھے، جس نے ہم سے کوئی چیز سنی، پھر اس کو اسی طرح آگے پہنچا دیا، جس طرح کہ اس نے سنا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے لوگ جنہیں حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نضر الله: اللہ تعالی تر و تازہ اور بارونق رکھے۔ حامل فقه: فقہ سے یہاں "حدیث" مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ فقہ کو حاصل کرنے والے۔ رب مبلغ: بہت سے وہ لوگ جنہیں حدیث پہنچائی جائے۔ اوعی: زیادہ محفوظ کرنے والے۔

حدیث بیان کرنے کی فضیلت

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کیلئے دعا فرمائی ہے جو حدیث کو اسی طرح روایت کرتے ہیں، جس طرح انہوں نے سنی ہوتی ہے، کہ اللہ تعالی انہیں تر و تازہ اور بارونق رکھے، اور فرمایا کہ بسا اوقات جس آدمی کو وہ حدیث بیان کی جاتی ہے وہ اسے زیادہ سمجھتا اور محفوظ کرتا ہے، بنسبت سامع کے، چنانچہ وہ ان سے مسائل کا استخراج اور استنباط کرتا ہے، خود بھی ان پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے، ایسے لوگوں کیلئے خوش و خرم رہنے کی دعا کی گئی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی مقدس احادیث کو سننا، ان پر عمل کرنا اور آگے لوگوں تک پہنچانا دونوں جہانوں میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے، اور علماء لکھتے ہیں کہ حدیث کو حاصل کرنے، اسے یاد رکھنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں اگر بفرض محال اور کوئی فائدہ نہ بھی ہوتا تو بھی دنیا و آخرت دونوں جگہ برکت کیلئے نبی کریم ﷺ کی یہ مبارک دعا ہی کافی ہوتی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سامع نے حدیث کو جن الفاظ کے ساتھ سنا ہو، انہی کے ساتھ آگے بیان کرے، ان میں اپنی طرف سے اضافہ اور تبدیلی نہ کرے، اس سے روایت بالمعنی کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حدیث نقل کرنے والا شخص، حدیث کو کامل طریقے سے نقل کرے اور اس میں کوئی کمی زیادتی نہ کرے، چونکہ روایات میں اصل معانی ہیں، الفاظ مقصود نہیں، اس لیے جمہور علماء کے نزدیک روایت بالمعنی جائز اور درست ہے جبکہ روایت بالمعنی کرنے والا عربی زبان میں خوب ماہر ہو، معنی و مفہوم کو صحیح سمجھتا ہو، اس حدیث کے الفاظ اسے بھول گئے ہوں لیکن اس کے معنی اور مفہوم اس کے ذہن میں مستحضر ہوں، ایسا شخص حدیث کو اس کے معنی کو سامنے رکھ کر روایت بالمعنی کر سکتا ہے۔(۱)

(۱) مرقاة ۱/۳۴۱، کتاب العلم، تحفة الاحوذی، ۷/۳۴۸

تابعی، صحابی سے زیادہ فقیہ ہو سکتا ہے

"الی من ھو افقہ منہ" اس سے معلوم ہوا کہ ایک تابعی بسا اوقات صحابی سے زیادہ فقیہ اور زیادہ احفظ ہو سکتا ہے، چنانچہ بعض تابعین ایسے تھے جن کا فقہ میں بہت اونچا مقام تھا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے رجوع کیا کرتے تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد حضرت علقمہ تابعی ہیں، لیکن فقہ میں ان کا بہت بلند مقام تھا، فقہ میں بڑے بڑے صحابہ کرام ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علقمہ فقہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے کم نہیں، مگر وہ صحابی ہیں اور علقمہ تابعی ہیں، یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، کیونکہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا سنگین جرم ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ يَلِجُ فِي النَّارِ.

حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کیا کرو، کیونکہ جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قصداً (کا لفظ بھی ارشاد) فرمایا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کا حکم

ان روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی انسان کوئی حدیث بیان کرنا چاہے تو پہلے یہ تحقیق کرے کہ اس بارے

(۱) انعام الباری ۸/۲ کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ أوعى...

میں آپ ﷺ سے حدیث منقول ہے یا نہیں، تحقیق کے بغیر کوئی بات حدیث کے طور پر پیش نہ کی جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا انتہائی سنگین جرم اور گناہ کبیرہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی بھی جھوٹی بات منسوب کرنا جائز نہیں، اگرچہ فضائل اعمال سے متعلق کوئی بات ہو، اس سے درحقیقت ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اعمال پر ترغیب دینے کیلئے کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے، تو یہ جائز ہے اگرچہ وہ بات حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو، یہ لوگ استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ یہاں حدیث میں نبی کریم ﷺ نے "عَلَيَّ" فرمایا ہے کہ مجھ پر جھوٹ نہ بولو، "لَا تَكْذِبُوا لِي" نہیں فرمایا کہ میرے لیے جھوٹ نہ بولو، لہٰذا دینی احکام پر عمل کرانے کی غرض سے لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے اگر کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے تو بقول ان کے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہ سے قابل اعتبار نہیں:

(۱) ایک تو اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد لا تکذبوا علی یا و من کذب علی کے معنی یہ ہیں کہ مطلقاً میری طرف کوئی بھی ایسی بات منسوب نہ کرو، جس کا ثبوت مجھ سے نہ ہو، خواہ وہ بات ترغیب سے متعلق ہو یا کسی بھی معنی پر مشتمل ہو، بہر صورت وہ جھوٹ ہے اور اس کی یہی سزا ہے کہ قصداً ایسا کرنے والے شخص کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(۲) دوسرا اس وجہ سے کہ قرآن مجید اور بہت سی احادیث میں جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے، اس میں یہ کوئی تفصیل نہیں کہ اگر لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے جو آپ ﷺ سے ثابت نہ ہو تو یہ جائز ہے اور یہ جھوٹ میں داخل نہیں، لہٰذا جب اس طرح کی کوئی قید نہیں تو لازماً یہی حکم ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں جھوٹ بولنے کی مطلقاً اجازت نہیں سوائے ان چند مواقع کے کہ جن کے بارے میں بعض مصالح کی وجہ سے حدیث میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، اور ان میں یہ صورت داخل نہیں کہ لوگوں کو ترغیب اور شوق دلانے کیلئے جھوٹی حدیث بیان کی جائے؛ اس لیے مذکورہ استدلال درست نہیں اور ان کی یہ بات چونکہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے، اس لیے شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رَوَى حَدِيثًا وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ

یہ باب اس شخص کی مذمت کے بارے میں ہے جو کسی ایسی حدیث کو روایت کرے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹی حدیث ہے۔

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا، وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری طرف کوئی حدیث منسوب کر کے بیان کرے جبکہ اس کا گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک یا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۵۰/۷

موضوع حدیث روایت کرنے کا حکم

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ من گھڑت اور موضوع ہے، نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ہے تو اسے وہ لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے ورنہ وہ ناقل بھی اس گناہ اور جھوٹ میں برابر کا شریک ہوگا کیونکہ موضوع روایت کو آگے بیان کر کے اس نے گناہ میں تعاون کیا ہے، یہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب وہ یہ بیان نہ کرے کہ یہ موضوع روایت ہے، لیکن اگر ایسی حدیث کو بیان کر کے یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ حدیث موضوع ہے، نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ہے تو پھر اس روایت کو بیان کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔(۱)

"الکاذبین" اگر یہ لفظ تثنیہ کا ہو تو بعض کے نزدیک اس سے دو جھوٹے نبوت کے دعویدار مسیلمہ اور اسود عنسی مراد ہیں کہ یہ بھی ان دو کی طرح ایک جھوٹا ہے، اور بعض کے نزدیک کاذبین سے حدیث کو گھڑنے والا اور نقل کرنے والا مراد ہے کہ یہ دونوں جھوٹ میں شریک ہیں۔

"وھو یری انہ کذب" اس میں "یری" کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے:

(۱) یا پر پیش ہو، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ باب افعال سے مجہول کا صیغہ ہوگا، اس کے معنی ہیں: یظن یعنی اس کا گمان اور خیال ہے۔

(۲) یا پر زبر ہو، (باب فتح سے) معنی ہیں: اسے علم اور یقین ہے(۲)

بَابُ مَا نُهِيَ عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے جسے حدیث رسول ﷺ کے سننے کے وقت کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ، وَغَيْرِهِ رَفَعَهُ، قَالَ: لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ.

حضرت ابو رافع سے اس سند سے موقوفاً روایت ہے اور قتیبہ کے علاوہ دوسرے طریق میں یہ روایت مرفوعاً منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ہرگز تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے آراستہ تخت اور صوفہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، اس کے پاس ایسا کوئی امر آجائے جس کا میں نے حکم دیا ہے، یا جس سے میں نے منع کیا ہے تو وہ یہ کہہ دے کہ مجھے تو معلوم نہیں، ہم تو جو بات قرآن میں پائیں گے، صرف اس کی ہی پیروی کریں گے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۵۲/۷

(۲) الکوکب الدری شرح ترمذی [illegible]

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا هَلْ عَسَى رَجُلٌ، يَبْلُغُهُ الْحَدِيثُ عَنِّي، وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ، فَيَقُولُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَلَالًا اسْتَحْلَلْنَاهُ، وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ، وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ.

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ: عنقریب ایک ایسا وقت آ رہا ہے کہ ایک شخص کے پاس میری کوئی حدیث پہنچے گی جبکہ وہ اپنے آراستہ تخت اور صوفہ پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوگا تو وہ یہ کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، چنانچہ ہم جو کچھ اس میں حلال پائیں گے تو اسے حلال سمجھیں گے اور جو کچھ ہم اس میں حرام پائیں گے تو اسے حرام قرار دیں گے، (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ بھی (حکم میں) اسی طرح ہے، جسے اللہ جل جلالہ نے حرام کیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا الفین: میں ہرگز نہ پاؤں۔ متکئا: تکیہ اور سہارا لگائے ہوئے۔ اریکۃ: آراستہ تخت، صوفہ۔ ھل عسی: عنقریب ایک وقت آنے والا ہے، آ رہا ہے۔ استحللناہ: ہم اسے حلال اور جائز سمجھیں گے۔

انکار حدیث جائز نہیں

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان جاہل اور متکبر لوگوں کا ذکر فرمایا کہ جو متکبرانہ نشست پر بیٹھ کر یوں کہیں گے کہ ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے، اس کی ہم پیروی کریں گے، حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں، لیکن ان کی یہ بات چونکہ قرآن وسنت کے صریح خلاف ہے، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں، حدیث رسول ایک شرعی دلیل اور حجت ہے، جو شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید احکام شرع کے لئے حجت اور دلیل ہے اسی طرح حدیث بھی حجت اور دلیل ہے، ان احادیث سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی مسلمان اس طرح کا نظریہ ہرگز اختیار نہ کرے، کیونکہ یہ ایک انتہائی خطرناک فکر اور سوچ ہے جو انسان کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گرا سکتی ہے۔

حدیث: ایک دلیل شرعی

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث رسول ایک دلیل شرعی اور حجت ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، لیکن کچھ لوگ مغربی تہذیب وتمدن سے دلدادہ ہو کر ''تجدد پسندی'' کے روپ میں رونما ہوئے، ہندوستان میں سرسید احمد خان، مصر میں طہٰ حسین، ترکی میں ضیا گوک الپ اس طبقہ کے رہنما اور لیڈر تھے، انہوں نے بعض احادیث کا یا تو صحت سے انکار کر دیا، یا بعض مقامات پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ ہمارے دور میں یہ احادیث قابل استدلال اور حجت نہیں، پھر اس نظریہ میں مزید ترقی ہوئی یہاں تک کہ پاکستان میں عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں ایک فرقہ بنا جو اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہتا تھا، اس کا مقصد اور منشور حدیث رسول ﷺ سے کلی

طور پر انکار کرتا تھا، پھر مختلف ادوار اور حالات سے گذرتے ہوئے بالآخر اس فتنہ کی باگ دوڑ غلام احمد پرویز نے سنبھال لی، اس کے بعد اس فتنہ کو ایک منظم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دے دی گئی۔

ذیل میں ان کے تین اہم بنیادی نظریات، دلائل، پھر جمہور کی طرف سے ان پر رد، اور دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

منکرین حدیث کے نظریات

منکرین حدیث کے تین بنیادی نظریات یہ ہیں:

(۱) رسول کریم ﷺ کا فریضہ صرف قرآن مجید کو پہنچانا تھا، لہذا اطاعت صرف قرآن مجید کی لازم ہے، آپ کی اطاعت رسول ہونے کی حیثیت سے نہ تو صحابہ پر واجب تھی اور نہ ہی ہم پر واجب ہے (معاذ اللہ)، نیز قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے ارشادات صحابہ پر تو حجت تھے، ہم پر حجت نہیں۔

(۳) احادیث حجت تو ہیں لیکن موجودہ احادیث ہمارے پاس قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں، اس لیے ہم انہیں ماننے کے مکلف نہیں۔

منکرین حدیث کی ہر تحریر ان تین نظریات میں سے کسی ایک کی ضرور ترجمانی کرتی ہے، خواہ وہ منکرین حدیث کا کوئی بھی گروہ اور جماعت ہو، اس لیے ان تین نظریات کو دلائل سے رد کیا جائے گا۔

پہلے نظریہ کی تردید

قرآن مجید کی بہت سی آیات سے پہلے نظریہ کی تردید ہوتی ہے، ذیل میں چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) وما کان لبشر ان یکلمه اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا۔ (شوریٰ:۵۱)

اس آیت میں "وحی" کو ایک مستقل قسم کے طور پر ذکر فرمایا ہے، اور وحی سے وحی غیر متلو یعنی حدیث مراد ہے۔

(۲) وما جعلنا القبلة... (بقرة:۱۴۳) اس میں "القبلة" سے بیت المقدس مراد ہے، اور اس کی طرف رخ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے "جعلنا" کے لفظ سے اپنی طرف منسوب فرمایا حالانکہ پورے قرآن میں کہیں بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم مذکور نہیں، تو لامحالہ یہ حکم حدیث سے دیا گیا تھا، اور اسے اپنی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ حدیث پر عمل بھی اسی طرح واجب ہے، جس طرح کہ قرآن پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۳) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ (سورۂ نحل:۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک فرض منصبی کو بیان فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ذکر یعنی قرآن مجید نازل فرمایا

تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح کر کے بیان کریں، اس کی شرح کریں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث رسول حجت ہے اگر امت کیلئے حجت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن بیان کرنے کا ارشاد نہ فرماتے۔

(۴) قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اس میں آپ کی اطاعت کو رسول ہونے کی حیثیت سے لازم کیا گیا ہے۔

دوسرے نظریہ کی تردید

.... یہ نظریہ بھی باطل ہے، کیونکہ اسے اگر درست قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کریم ﷺ کی رسالت صرف عہد صحابہ تک مخصوص تھی، حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کرتی ہیں:

(۱) یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ (الاعراف:۱۵۸)

(۲) وما أرسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ (سبا:۲۸)

(۳) وما أرسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ (الحج:۱۰۷)

(۴) تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ (فرقان:۱)

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت قیامت تک کے انسانوں کیلئے ہے، صرف عہد صحابہ کے ساتھ خاص نہ تھی۔

تیسرے نظریہ کی تردید

یہ کہنا کہ موجودہ احادیث حجت نہیں کیونکہ یہ ہم تک با اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں، درست نہیں، اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

(۱) جن واسطوں سے ہم تک قرآن پہنچا ہے انہی واسطوں سے ہم تک حدیث بھی پہنچی ہے، اب اگر یہ واسطے با اعتماد نہیں تو پھر قرآن مجید کا ثبوت بھی مشکوک ہو جائے گا، منکرین حدیث اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود اپنے ذمے لیا ہے جبکہ حدیث کے بارے میں ایسی کوئی ذمہ داری نہیں لی گئی، لیکن پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت وانا لہ لحافظون بھی ہم تک انہیں واسطوں سے پہنچی ہیں جو بقول آپ کے با اعتماد ذرائع نہیں، تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت کسی نے اپنی طرف سے نہیں بنائی، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہے اور قرآن الفاظ اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے، اس لیے اس آیت میں جہاں قرآن کے الفاظ کی ضمانت داخل ہے اسی طرح اس کے معانی بھی اس میں شامل ہیں اور قرآن کے معنی کی تعلیم حدیث سے ہوئی۔

منکرین حدیث کے دلائل

منکرین حدیث کے چند دلائل، اوران کے جواب درج ذیل ہیں:

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے: ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر، ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کی رو سے قرآن بالکل آسان ہے، لہذا اسے سمجھنے اوراس پر عمل کرنے کیلئے کسی کی تعلیم اور تشریح کی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے مضامین دو قسم کے ہیں کچھ مضامین تو ایسے ہیں جن کا مقصد خوف خدا، فکر آخرت، رجوع الی اللہ اور عام نصیحت کی باتیں کرنا ہیں اور کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں احکام و شرائع اور ان کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں ولقد یسرنا... کی آیت پہلی قسم کے مضامین سے متعلق ہے، نہ کہ دوسری قسم کے مضامین سے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں "للذکر" کی قید بڑھائی گئی ہے اگر مسائل کا استنباط آسان ہوتا تو یہ قید نہ ہوتی۔

(۲) منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن نے کئی مقامات پر اپنی آیات کو "بینات" قرار دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود واضح ہے، اس کی مزید شرح کی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "بینات" کا تعلق بنیادی عقائد سے ہے، معنی یہ ہیں کہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل اس قدر واضح ہیں کہ ذرا توجہ کی جائے تو دل میں ان کی حقیقت اتر جاتی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآنی احکام کی تشریح و تفسیر کی ضرورت نہیں۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے انما انا بشر مثلکم یوحی الی، اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان قرار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اتباع صرف قرآن کی واجب ہے: آپ کے ارشادات کی پیروی ضروری نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریم ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے، جواب میں انہیں بتایا گیا کہ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، اپنی مرضی سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا جب تک کہ اللہ جل جلالہ نہ چاہیں اس سے معلوم ہوا کہ مثلکم میں تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ میں اللہ کی مشیت کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا، ہر لحاظ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں، نیز اس آیت میں وحی کا لفظ ہے جو قرآن مجید اور حدیث دونوں کو شامل ہے، لہذا اس آیت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ حضور ﷺ کی پیروی لازم نہیں، کسی بھی طرح درست نہیں۔

(۴) منکرین حدیث ان واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے کسی عمل پر قرآن کریم میں عتاب نازل ہوا مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا، وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے تصریح کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ منشاء خداوندی کے موافق نہ تھا، ایسے میں آپ کے اقوال وافعال کو کیسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان واقعات میں بیشک آپ سے اجتہادی لغزش ہوئی جس پر بذریعہ وحی متنبہ کیا گیا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اس واقعہ سے بھی آپ کی اتباع ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ پر تو محبوبانہ عتاب

نازل ہوا لیکن صحابہ کرام جنہوں نے اس بارے میں آپ کی پیروی کی تھی، ان پر کوئی عتاب نازل نہیں ہوا، لہذا اس قسم کے واقعات سے آپ کی اتباع کی نفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اتباع کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(۵) ان کا استدلال اس واقعہ سے بھی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ کو کھجور کی پیوندکاری کرنے سے منع فرمایا، صحابہ کرام نے اس پیوندکاری کو چھوڑا تو پیداوار گھٹ گئی، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انتم أعلم بأمور دنیاکم (تم لوگ دنیاوی امور کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو) اس لیے اس معاملہ میں میری اتباع تم پر لازم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی دو حیثیتیں ہیں ایک وہ ارشادات ہیں جو آپ ﷺ نے رسول ہونے کی حیثیت سے بیان فرمائے، اس طرح کے امور میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی لازم ہے، اور دوسرے وہ ارشاد ہیں جو شخصی مشوروں پر مشتمل ہیں، چنانچہ کھجور کی پیوندکاری والا معاملہ اس دوسری قسم سے متعلق ہے، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں میری پیروی تم پر لازم نہیں، لہذا اس واقعہ سے علی العموم یہ استدلال کرنا کہ حضور ﷺ کی اتباع لازم نہیں، کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں علم کو لکھنے کی کراہت کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: اسْتَأْذَنَّا النَّبِيَّ ﷺ فِي الْكِتَابَةِ، فَلَمْ يَأْذَنْ لَنَا.

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيهِ

یہ باب علم کو لکھنے کی رخصت اور اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُهُ، وَلَا يَحْفَظُهُ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ: إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُنِي وَلَا أَحْفَظُهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ لِلْخَطِّ.

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھا کرتے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سنتے تھے، وہ انہیں بہت پسند آتی تھیں لیکن وہ انہیں یاد نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی کریم

(۱) پوری بحث کے لئے دیکھئے درس ترمذی ۲۵/۱

ﷺ سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ: بیشک میں آپ سے احادیث سنتا ہوں، وہ مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن میں انہیں یاد نہیں رکھ سکتا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے خط یعنی لکھنے کا اشارہ فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو شَاهٍ: اكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، پھر راوی نے حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا (یعنی اس خطبہ نبوی کی تفصیل بیان کی) تو ابو شاہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ: یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو شاہ کیلئے لکھ دو، اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنِّي إِلَّا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا أَكْتُبُ.

حضرت ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہوں سوائے عبداللہ بن عمرو بن عاص کے، اس لیے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حدیث لکھنے کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں وہ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں حدیث لکھنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے باب میں کتابت حدیث کی رخصت اور اجازت کا ذکر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کس وجہ سے حدیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا؟ اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ابتداء اسلام میں حدیث لکھنے سے اس وجہ سے منع کیا گیا تھا کہ اس وقت قرآن مجید نازل ہو رہا تھا، کتابی صورت میں اسے لکھا نہیں گیا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف چیزوں پر اسے لکھا کرتے، ہڈیوں پر، کھجور کی شاخوں اور چمڑے وغیرہ پر قرآن کی آیتیں لکھتے تھے، دوسری طرف صحابہ کرام ابھی تک پوری طرح قرآن مجید کے اسلوب سے واقف اور مانوس نہیں تھے کہ پہلی نظر میں ہی وہ اسلوب کے ذریعہ قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز اور فرق کر سکیں، ایسے میں قوی اندیشہ تھا کہ اگر صحابہ کرام نے احادیث رسول کو بھی اسی طرح لکھنا شروع کر دیا، جس طرح کہ قرآن مجید کو لکھا جا رہا ہے تو کہیں قرآن اور غیر قرآن میں التباس نہ ہو جائے، قرآن و حدیث آپس میں خلط ملط اور گڈمڈ نہ ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ لکھی ہوئی حدیث کو قرآنی آیت سمجھا جانے لگے، اس خطرے کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے حدیث لکھنے سے ابتداء میں منع فرمایا تھا، پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے اسلوب سے پوری

طرح مانوس ہو گئے تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔

(۲) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ کتابت حدیث مطلقاً کسی بھی زمانے میں ممنوع نہیں تھی بلکہ صرف یہ صورت ممنوع تھی کہ قرآن مجید اور حدیث کو ایک ساتھ لکھا جائے، کیونکہ اس میں التباس کا اندیشہ تھا، قرآن مجید سے الگ کر کے حدیث کو لکھنا ممنوع نہیں تھا۔(۱)

اس سے منکرین حدیث پر رد ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چونکہ حدیث کو لکھنا ممنوع تھا، بعد میں یہ حدیثیں لکھی گئی ہیں، اس لیے احادیث قابل اعتماد اور حجت نہیں ہیں، ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ کتابت حدیث کی ممانعت صرف ایک صورت کے ساتھ خاص تھی یا اس وقت تک ممانعت تھی جب تک صحابہ کرام قرآن مجید کے اسلوب سے واقف اور مانوس نہیں تھے، پھر جب اسلوب قرآن سے انس ہو گیا تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی، چنانچہ کئی سارے صحابہ کرام نے اپنی طور پر صحیفے لکھ رکھے تھے۔

دوسرے باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے خود لکھنے کا ارشاد فرمایا، ابوشاہ کیلئے اس خطبہ کی پوری حدیث لکھوانے کا حکم دیا، اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے اور یہ بات دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے صحیفہ کا نام ''الصحیفۃ الصادقۃ'' رکھا تھا، اور یہ صحابی حضور ﷺ کے زمانے میں ہی لکھا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔(۲)

حضرت ابوہریرہ کی روایات زیادہ ہونے کے اسباب

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی روایات مجھ سے زیادہ ہوں، سوائے عبداللہ بن عمرو بن عاص کے، کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ احادیث زیادہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایات ان کی بنسبت کم ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ کی روایات پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں، ایسے میں حضرت ابوہریرہ کا یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہیں؟

شارحین حدیث نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ روایات زیادہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ساری دوسروں کے سامنے روایت بھی کی گئی ہوں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کو حدیثیں روایت کرنے کا زیادہ موقع ملا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اتنا موقع نہیں ملا، اس لیے ان کی روایات زیادہ مقدار میں لوگوں کے سامنے نہیں آ سکیں۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۱/۲۷۷ کتاب العلم، باب کتابة العلم

(۲) انعام الباری ۲/۱۷۸، کتاب العلم، باب کتابة العلم

(۳) الکوکب الدری ۳/۳۶۵

اس کے کیا اسباب تھے؟ اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے، جن کا خصوصی ذوق عبادت کا تھا، وہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے، اس لیے انہیں زیادہ حدیثیں روایت کرنے کا موقع نہ مل سکا، اگرچہ ان کے پاس حضرت ابو ہریرہ سے زیادہ احادیث تھیں، جبکہ حضرت ابو ہریرہ کا ذوق اور مستقل مشغلہ زیادہ حدیثیں روایت کرنے کا تھا، اس لیے لوگوں کے سامنے ان کی روایات زیادہ تعداد میں پہنچی ہیں۔

(۲) مدینہ منورہ اس وقت علم کا مرکز تھا، اس لیے جو شخص حدیث حاصل کرنا چاہتا تو وہ مدینہ منورہ کا ہی رخ کرتا، اور حضرت ابو ہریرہ کا قیام چونکہ مدینہ میں ہی تھا، اس لیے ان کی روایات کی تعداد بڑھ گئی، اور ان سے کثیر لوگوں نے احادیث کو حاصل کیا، چنانچہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ تقریباً آٹھ سو تابعین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، یہ شرف کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا قیام فتوحات کے بعد زیادہ تر مصر اور طائف میں رہا، اور حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا رجحان چونکہ ان دو شہروں کی طرف نہیں تھا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمرو سے زیادہ لوگوں نے احادیث روایت نہیں کیں، جس کی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد کم سامنے آئی ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کو خاص طور پر یہ دعا دی تھی کہ وہ احادیث کو نہ بھولیں، اس دعا کا اثر تھا کہ ان کی روایات زیادہ تعداد میں امت کے سامنے آئی ہیں۔

(۴) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو شام میں اہل کتاب کی کچھ کتابیں ہاتھ آ گئی تھیں، وہ ان کتابوں کا مطالعہ کر کے لوگوں کے سامنے انہیں بیان کرتے، اس وجہ سے، بہت سے تابعین نے احتیاط کی بناء پر ان سے روایت حاصل کرنے سے اجتناب کیا، اس وجہ سے ان کی روایت کی تعداد حضرت ابو ہریرہ کی بنسبت کم رہی۔(۱)

"و کنت لا اکتب"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نہیں لکھا کرتے تھے، لیکن مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے ایک شاگرد نے ان سے ایک حدیث روایت کی، حضرت ابو ہریرہ نے اس سے انکار کیا کہ میں نے یہ روایت نہیں کی، شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے واقعی آپ ہی سے سنی ہے، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اچھا میں اپنے پاس صحیفہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ حدیث اس میں لکھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ میں جو حدیث نقل کرتا ہوں وہ میرے پاس لکھی ہوتی ہے، پھر جب اس صحیفے میں دیکھا تو واقعۃً وہ روایت اس میں موجود تھی۔(۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ خود لکھا کرتے تھے، جبکہ اس باب کی حدیث میں فرما رہے ہیں کہ میں

---

(۱) فتح الباری ۲۷۶/۱ کتاب العلم، باب کتابة العلم

(۲) المستدرک للحاکم ۵۸۴/۳، ط: بیروت

احادیث نہیں لکھا کرتا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو لکھا کرتے تھے، یوں ان دونوں روایات میں تعارض ثابت ہورہا ہے؟

اس تعارض کو دو طرح سے حل کیا گیا ہے:

(۱) ابن عبدالبر نے دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابوہریرہ عہد نبوی میں تو نہیں لکھتے تھے، اس کے بعد پھر انہوں نے احادیث کو ایک جگہ لکھ لیا تھا، تو حدیث باب میں عہد نبوی کا ذکر ہے کہ اس وقت وہ نہیں لکھتے تھے، اور مستدرک حاکم کی روایت میں عہد نبوی کے بعد کا ذکر ہے کہ اس وقت انہوں نے احادیث کا ذخیرہ کتابی صورت میں جمع کر لیا تھا۔

(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے کسی بھی زمانے میں احادیث کو خود نہیں لکھا جیسا کہ ترمذی کی اس روایت سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے، ان کے پاس جو احادیث کا کتابی ذخیرہ موجود تھا، وہ انہوں نے دوسروں سے لکھوایا تھا، ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا نہیں تھا، اس لیے دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہ باب بنی اسرائیل سے روایت کرنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری باتیں (دوسروں تک) پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

بنی اسرائیل سے روایت کرنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین امر ذکر فرمائے ہیں:

(۱) حضور اکرم ﷺ کے ارشادات دوسروں تک پہنچائے جائیں اور اس میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے، ایک تو اس حدیث کی سند ذکر کی جائے اور دوسرا اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی اور اضافہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، انہی الفاظ کو نقل کیا جائے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں، اس سے روایت بالمعنی کی نفی کرنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو مخصوص شرائط کے ساتھ بعض صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ پیچھے اس کی تفصیل گذر چکی ہے، مقصود یہ ہے کہ حدیث کو نقل کرنے میں کامل احتیاط کی جائے۔

ولو ایۃ اصل عبارت یوں ہے: ولو کان المبلغ ایۃ (اگرچہ آیت ہی پہنچائی جائے) یہاں اس "ایۃ" سے کیا مراد

(۱) فتح الباری ۱/۲۷۶

ہے؟اس میں دو قول ہیں:

☆......اس سے قرآن مجید کی آیت مراد ہے، اور احادیث بھی ضمناً اس میں داخل ہیں کیونکہ قرآن مجید باوجودیکہ اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، وہ اطراف عالم میں مشہور اور پھیل چکا ہے پھر بھی اللہ نے اس کو آگے دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تو احادیث کا پہنچانا تو بدرجہ اولی ضروری ہوگا۔

☆......دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے کلام مفید یعنی وہ احادیث مراد ہیں، جو جوامع الکلم کے قبیل سے ہیں، ان کے الفاظ تو بظاہر کم ہیں لیکن ان کے معنی اور مفہوم انتہائی وسیع ہوتے ہیں مثلاً: من صمت نجا (جو خاموش رہا تو اس نے نجات پالی) اور فرمایا: الدین النصیحة (دین تو خیر خواہی کا نام ہے) معنی یہ ہیں کہ تمہارے پاس خواہ چھوٹی سی بھی حدیث ہو، اسے بھی ضرور دوسروں تک پہنچاؤ، ہوسکتا ہے کہ اس سے کسی انسان کی زندگی بدل جائے، وہ راہ راست پر آ جائے، یوں اس کی راہنمائی کرنے والا بھی اس اجر وثواب میں برابر کا شریک ہوگا۔(۱)

(۲) نبی کریم ﷺ نے ابتداء اسلام میں بنی اسرائیل سے روایت کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا، پھر جب شریعت کے امور مستحکم ہو گئے، صحابہ کرام دین میں ثابت قدم اور مضبوط ہو گئے، وہ احادیث رسول اور بنی اسرائیل کی روایات میں امتیاز کرنے لگے، ان کے سامنے یہ بات آ گئی کہ بنی اسرائیل نے اپنی کتابوں کو جلا دیا تھا، اور اپنی کتابوں میں تحریف اور ردوبدل کر لی تھی، اس لیے قرآن مجید اور احادیث رسول کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں تاہم اب اگر تم لوگ ان کی وہ روایات نقل کرو، جو قرآن وحدیث کے اصول اور شریعت کے موافق ہوں، جو وعظ ونصیحت، قصے اور مثالوں پر مشتمل ہوں، عبرت کیلئے ان روایات کو نقل کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں، لیکن ایسے واقعات اور قصے جو من گھڑت قسم کے ہوں، جن کو عقل بھی تسلیم نہ کرے، محض فرضی ہوں، انہیں بیان نہ کیا جائے، البتہ بنی اسرائیل کے احکام کو نقل کرنا اور ان کی تبلیغ کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت محمدیہ کے آ جانے کے بعد دیگر تمام شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دی گئی ہیں، لہذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری کسی شریعت کے عقائد اور احکام واعمال کی روایت اور تبلیغ کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

(۳) تیسرا حکم یہ ہے کہ جب بھی کوئی حدیث بیان کی جائے یا اسے لکھا جائے تو مکمل تحقیق کے بعد اسے روایت کیا جائے، جان بوجھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی کوئی بات منسوب کرنا جو حضور ﷺ سے ثابت نہیں، جائز نہیں، گناہ کبیرہ ہے، ایسے آدمی کا انجام جہنم ہے۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۶۰/۷، الکوکب الدری ۳۶۵/۳، مرقاة المفاتیح ۳۰۶/۱ کتاب العلم۔

(۲) بذل المجهود ۳۲۸/۱۵ کتاب العلم، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، الکوکب الدری ۳۶۶/۳، مرقاة ۳۰۷/۱

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا (اجر وثواب میں) اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَسْتَحْمِلُهُ، فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُ مَا يَتَحَمَّلُهُ، فَدَلَّهُ عَلَى آخَرَ فَحَمَلَهُ. فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ: إِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ سے سواری مانگنے کیلئے آیا، لیکن اس نے آپ ﷺ کے پاس ایسی کوئی چیز نہ پائی کہ جس پر وہ سوار ہو سکے، آپ ﷺ نے اسے ایک دوسرے آدمی کا بتایا (کہ تم اس کے پاس سواری کیلئے چلے جاؤ، ممکن ہے وہاں سے تمہارا کام ہو جائے، جب اس کے پاس آیا) تو اس نے اسے سواری دے دی، پھر وہ دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس یہ بتانے کیلئے حاضر ہوا (کہ اس آدمی نے سواری عطا کر دی ہے) تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیشک خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا (اجر وثواب میں) اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ أُبْدِعَ بِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ائْتِ فُلَانًا، فَأَتَاهُ، فَحَمَلَهُ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ أَوْ قَالَ عَامِلِهِ.

حضرت ابومسعود بدری فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سواری مانگنے کیلئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری سواری مجھ سے منقطع ہو گئی ہے یعنی مر گئی ہے، تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ اس کے پاس گئے، تو انہوں نے اسے سواری دے دی، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی کو خیر کا راستہ بتائے تو اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر وثواب ہے جتنا کہ کرنے والے کیلئے ہے، یا فرمایا: جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے کیلئے ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: اشْفَعُوا وَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ.

حضرت ابوموسی اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم دوسروں کیلئے سفارش کیا کرو تا کہ تمہیں اجر دیا جائے، اور اللہ تعالی اپنے نبی کی زبان پر وہی بات جاری فرماتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں (خواہ آپ علیہ السلام سفارش کو قبول فرمالیں یا اسے رد کر دیں، وہ سب اللہ کی طرف سے ہے)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ أَسَنَّ الْقَتْلَ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: سَنَّ الْقَتْلَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جسے ظلماً قتل کیا جائے مگر یہ کہ اس کے قتل کا ایک حصہ یعنی گناہ آدم کے بیٹے کو ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ہی قتل کا طریقہ جاری کیا ہے،

عبدالرزاق راوی "سن" کی جگہ "سن" کا لفظ نقل کرتے ہیں (معنی دونوں کے ایک ہی ہیں)
مشکل الفاظ کے معنی:۔ یستحمله: وہ آپ سے سواری طلب کرنے لگے۔ حمله: اس شخص نے اسے سواری دے دی۔ قد ابدع بی: (صیغہ مجہول) وہ سواری مجھ سے منقطع ہوگئی ہے یعنی وہ مرگئی ہے۔ لتو جروا: (صیغہ مجہول) تاکہ تمہیں اجروثواب دیا جائے۔ ولیقضی اللہ: (لام تاکید کے ساتھ) اور البتہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں، جاری فرماتے ہیں۔ کفل: (کاف کے نیچے زیر اور فاء کے سکون کے ساتھ) حصہ یعنی گناہ۔ أسن، سن: (دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں: طریقہ جاری کیا، صرف ابواب کے اعتبار سے فرق ہے کہ "أسن" باب افعال سے اور "سن" مجرد سے ہے۔

خیر کا راستہ بتانے والے کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کا راستہ دکھایا جائے، یوں اسے بھی اتنا ہی اجروثواب ملے گا جتنا کہ اس نیکی پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے اور اگر بالفرض دوسرے نے اس نیکی پر عمل نہ بھی کیا تو بتانے والے کو بہرحال خیر کی طرف رہنمائی کا اجر ضرور ملتا ہے۔

باب کی پہلی اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کی رہنمائی کی کہ تم فلاں کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہیں سواری دے دے گا، چنانچہ وہ صحابی ان کے پاس گئے تو انہوں نے سواری دے دی۔

تیسری حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب تم کسی بندے کے بارے میں مناسب سمجھو تو میرے سامنے اس کی سفارش کردیا کرو، سفارش کرنے سے تمہیں اجروثواب ملے گا، اس سے قطع نظر کہ تمہاری سفارش کو قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے، کیونکہ رسول کی زبان اسی بات پر جاری ہوتی ہے، جو اللہ جل جلالہ چاہتے ہیں، اس سے کوئی غلط بات جاری نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں آپ سے سفارش کرانا چاہتا ہے اور وہ کام بھی شریعت کے مطابق ہو تو ایسے میں سفارش کردینی چاہئے بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگلا بندہ سفارش قبول کرتا ہے یا نہیں، یہ اس کی صوابدید پر ہے، سفارش ایک درخواست ہے، لہذا سفارش پر اصرار یا اسے حکم کا درجہ نہ دیا جائے، دوسرا بندہ اگر سفارش قبول نہ کرے تو سفارش کرنے والے کے دل میں کسی قسم کا رنج اور میل نہیں آنا چاہئے، اور نہ ہی اپنی کسی نشست میں اس پر تبصرہ کیا جائے۔(۱)

باب کی آخری حدیث کو اس باب سے مطابقت نہیں ہے، اسے ضمناً ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں قابیل کا ذکر ہے جس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا، اس نے اپنے بھائی حضرت ہابیل کو محض ظلم کی وجہ سے ماردیا تھا، قابیل نے خیر کا راستہ نہیں بلکہ شر کا راستہ دکھایا ہے، جبکہ اس باب میں خیر کی طرف رہنمائی کرنے والے کی فضیلت کا ذکر ہے، لہذا قیامت تک جتنے بھی ظلماً قتل ہونگے، ان تمام کا گناہ قابیل کو بھی ہوگا۔

---

(۱)　تحفۃ الاحوذی ۷/۳۷۰ قدیمی کراچی

باب مَا جَاءَ فِيمَنْ دَعَا إِلَى هُدًى فَاتُّبِعَ أَوْ إِلَى ضَلَالَةٍ

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ہدایت یا گمراہی کی طرف بلایا اور اس کی پیروی کی گئی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ يَتَّبِعُهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ يَتَّبِعُهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا، اس کیلئے اتنا ہی اجر ہوگا، جتنا اس کی تابعداری کرنے والوں کو ہوگا، یہ چیز (یعنی ہدایت کی طرف بلانے والے کا اجر) ان کے اجر میں کچھ بھی کمی نہیں کرتی، اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا، جتنا اس کی پیروی کرنے والوں پر ہوتا ہے، اور یہ چیز (یعنی برائی کی طرف دعوت والے کا گناہ) ان کے گناہ میں کچھ بھی کمی نہیں کرتی۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا فَلَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس میں اس کی پیروی کی گئی تو اس کیلئے اس کا اجر ہوگا اور ان لوگوں کے اجر کے برابر ثواب ہوگا، جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوگی، ان کے ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی، اور اگر کسی نے برائی کا کوئی طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہ کے برابر اسے بھی گناہ ہوگا، جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوگی، ان کے گناہوں میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

ہدایت اور گمراہی کا ذریعہ بننے والے کا حکم

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو ہدایت کے راستے کی طرف بلائے اور وہ اس کے مطابق عمل کرلے تو جس طرح عمل کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اسی طرح رہنمائی کرنے والے کو بھی پورا اجر اور ثواب ملتا ہے، اور اس کی وجہ سے عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جو کسی کو گمراہی اور غلط راستے کی طرف بلائے اور وہ اس پر چل پڑے تو جیسے گمراہی پر چلنے والے کو گناہ ملتا ہے اسی طرح گمراہی کی طرف دعوت دینے والے کو بھی گناہ ہوتا ہے، اور

اس کی وجہ سے گمراہی پر چلنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو غلط کام سے روک کر سیدھے راستے پر چلنے کی دعوت دے، سنت نبوی پر چلنے کی ترغیب دے، کسی بھی اسلامی حکم اور خیر کی طرف بلانے والا بن جائے، تاکہ اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔(۱)

باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع

یہ باب سنت پر عمل کرنے اور بدعتوں سے اجتناب کے بارے میں ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.

حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز فجر کے بعد ہمیں خوب مؤثر انداز سے نصیحت کی کہ اس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دل لرزنے لگے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) یہ رخصت ہونے والے کی (آخری) نصیحت اور وصیت ہے، لہذا آپ ہمیں کیا وصیت کرتے ہیں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو اللہ تعالی سے ڈرتے رہنے، اور (جائز امور میں مسلمان حاکم کی بات) سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ (حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (میرے بعد) جو شخص تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا اور تم (دین میں) نئی نئی چیزوں سے بچنا، کیونکہ یہ گمراہی (کا راستہ) ہے، لہذا تم میں سے جو شخص ایسا وقت پالے تو اس پر میری اور میرے ان خلفاء کی سنت اختیار کرنا لازم ہے جو راہنمائی کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، تم ان کی سنت کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ: اعْلَمْ، قَالَ: مَا أَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: اعْلَمْ يَا بِلَالُ. قَالَ: مَا أَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: أَنَّهُ مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللهُ وَرَسُولُهُ، كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا.

حضرت عمرو بن عوف مزنی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال بن حارث سے فرمایا کہ جان لو، انہوں نے عرض

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۳

کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا جان لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری سنتوں میں سے کسی ایسی سنت کو زندہ کیا، جو میرے بعد چھوڑی جا چکی تھی تو اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر ہوگا، جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے کیلئے ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے اجر وثواب میں کچھ کمی آئے، اور جس نے گمراہی کی بدعت کو ایجاد کیا، جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند نہیں کرتے، تو اس کیلئے اتنے ہی گناہ ہوں گے، جتنے کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کیلئے ہونگے، یہ چیز اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا بُنَيَّ، إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ، لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ، فَافْعَلْ، ثُمَّ قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ، وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي، فَقَدْ أَحْيَانِي. وَمَنْ أَحْيَانِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے بیٹے، اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم صبح اور شام اس طرح کرو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کوئی کھوٹ اور کینہ نہ ہو، تو ایسا ہی کرو، پھر فرمایا: اے میرے بیٹے: یہ میری سنت ہے، اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تو اس نے گویا مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **الأخذ بالسنة:** سنت کو لینا، حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا۔ **موعظة بليغة:** بلیغ اور مؤثر نصیحت۔ **ذرفت:** آنکھیں بہ پڑیں، آنسو جاری ہوگئے۔ **وجلت:** دل اس نصیحت سے خوف زدہ ہوگئے۔ **مودع:** (دال کے نیچے زیر) الوداع کہنے والا، رخصت ہونے والا۔ **بما ذا تعهد الينا:** آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں۔ **محدثات الامور:** نئی نئی باتیں اور جدید امور۔ **المهديين:** ہدایت یافتہ لوگ۔ **عضوا:** تم دانتوں سے پکڑو یعنی مضبوطی سے تھام لو، اس پر سختی کے ساتھ قائم رہو۔ **نواجذ:** "ناجذة" کی جمع ہے: ڈاڑھ، **أميتت:** جو سنت کہ مٹا دی گئی، ماردی گئی، یعنی اس پر عمل ترک کر دیا گیا۔ **ابتدع:** نیا طریقہ ایجاد کیا۔ **غش:** (غین کے نیچے زیر) کھوٹ، بغض، کینہ۔

سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے بچنے کا حکم

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے:

(۱) ہر دور میں سنت نبوی پر عمل کیا جائے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک نہایت مؤثر انداز سے نصیحت فرمائی جیسا کہ ایک رخصت ہونے والا بڑا آدمی ہدایات اور تعلیمات دیا کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جو بھی حکمران ہو، جائز امور میں اس کی اطاعت کرو، اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس سے یہ مراد نہیں کہ کوئی غلام خلیفہ بنے گا، کیونکہ ایک دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ خلافت قریش میں رہے گی لہذا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اس حاکم کی ضرور اطاعت کرو، یہ نہ دیکھو

کہ اس کا خاندان اور حسب ونسب کیسا ہے، اور فرمایا کہ میرے بعد لوگوں میں طرح طرح کے اختلافات شروع ہو جائیں گے، اس وقت جو موجود ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ میری اور میرے خلفاء کی سنت پر عمل کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، یوں وہ اس اختلاف کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

خلفاء راشدین سے کون مراد ہیں، اس میں دو قول ہیں:

☆ خلفاء سے چار مشہور خلیفے مراد ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی، یہ عرصہ حضرت علی کی مدت خلافت تک پورا ہو جاتا ہے، اس لیے اکثر حضرات کے نزدیک خلفاء سے یہی مشہور چار خلیفے مراد ہیں۔

☆ دوسرا قول یہ ہے کہ خلافت ان چار خلفاء تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے بعد بھی خلافت رہے گی، کیونکہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ خلافت جاری رہے گی یہاں تک کہ اس میں بارہ خلفاء آئیں گے" لہذا خلفاء کے مفہوم میں جہاں چاروں خلفاء داخل ہیں، اسی طرح اس میں بارہ خلفاء بھی شامل ہیں، اور ان چار خلفاء کا مقام چونکہ دیگر تمام صحابہ اور امت سے افضل ہے، اس لیے بعض روایات میں خاص طور پر ان کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے دیگر خلفاء کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔(۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی ایسی سنت کو زندہ کرے گا، جسے لوگوں نے دفن کر دیا ہوگا، اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہوگا تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ثواب ملے گا، اور ان کے اجر میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی، اس کے برعکس اگر کسی نے گمراہ کن طریقہ ایجاد کیا، دوسرے لوگ اس غلط راستے پر چل پڑے ہیں، تو جس طرح ان لوگوں کو گناہ ہوگا، اسی طرح غلط طریقہ جاری کرنے والے کو بھی مستقل گناہ ہوگا۔

تیسری حدیث سے یہ حکم معلوم ہوا کہ انسان اس انداز سے زندگی گذارے کہ کسی کے بارے میں اس کے دل میں کوئی بغض، کینہ اور کھوٹ نہ ہو، دل بالکل صاف ہو، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ میرا طریقہ ہے اور جو شخص میرے طریقہ کے مطابق زندگی گزارے گا تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خاص طور پر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے "بدعت" سے بچنے کا حکم دیا ہے، کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

بدعت سے ہر وہ امر مراد ہے جو نہ تو قرآن وسنت سے ثابت ہو، اور نہ عہد رسالت، عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں ہو، اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے، یہ وہ بدعت ہے جس کی احادیث میں مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱/۳۷۳ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

لیکن وہ امر کہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو، اور دین پر عمل کرنے کیلئے اسے اختیار کیا جائے تو یہ شرعا بدعت مذمومہ کے حکم میں نہیں ہے، ہاں لغوی اعتبار سے اسے بدعت کہا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کی جماعت کے بارے میں جو یہ فرمایا: نعمت البدعة هذه (کہ یہ ایک بہترین بدعت ہے) اسے بھی لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا گیا ہے، چنانچہ موجودہ دور میں دین کی نشر و اشاعت کے جو بھی نئے طریقے اختیار کئے گئے ہیں یا اختیار کیے جا رہے ہیں، یہ تمام لغوی اعتبار سے بدعت ہی ہیں، لیکن چونکہ یہ اصول شریعت کے خلاف نہیں، اس لیے یہ مذموم بدعت میں شامل نہیں ہیں۔ (۱)

باب فِي الِانْتِهَاءِ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں اس چیز سے رکنے کا بیان ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اتْرُكُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فَخُذُوا عَنِّي، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے تم اس چیز پر ہی چھوڑ دو جس چیز پر میں تمہیں چھوڑ دوں، جب میں تم سے کوئی چیز بیان کروں تو اسے تم لوگ مجھ سے لے لو (یعنی سیکھ لو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے (یعنی یہود و نصاری) وہ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء کے بارے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

ممنوع اشیاء سے اجتناب کا حکم

نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کی طرح زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے سے منع فرمایا ہے کہ میں جس حالت میں تمہیں چھوڑ دوں، کوئی حکم لازم نہ کروں تو تم بھی غیر ضروری سوالات کے درپے نہ ہوا کرو کیونکہ زیادہ سوالات کرنے سے احکام زیادہ ہو جائیں گے پھر انہیں بجالانا دشوار ہو جائے گا، جو کچھ میں تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے اطمینان سے مجھ سے سیکھ لو، اور زیادہ سوال نہ کرو کیونکہ یہود و نصاری پر سخت قسم کے احکام کا نزول اس وجہ سے ہوا کہ وہ اپنے نبی سے زیادہ سوال کرتے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے، ان کی بات پر عمل نہ کرتے، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے، اس لیے کہ بسا اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے ایک امر سے خاموشی کی جاتی ہے، ایسے میں اگر اسی امر سے متعلق کوئی سوال کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ امر لوگوں پر لازم کر دیا جائے تو یہ حکم اس سوال کرنے کی وجہ سے لازم ہوا، لہذا ہر موقع پر غیر ضروری سوالات سے اجتناب کیا جائے، کہ اسی میں عافیت ہے۔ (۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۶

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۷

باب ما جاء في عالم المدينة

یہ باب عالم مدینہ (کی فضیلت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رِوَايَةً: يُوشِكُ أَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الإِبِلِ، يَطْلُبُونَ العِلْمَ فَلاَ يَجِدُونَ أَحَدًا، أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ المَدِينَةِ.

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگ علم طلب کرنے کیلئے اونٹوں کے جگر کو ماریں گے (یعنی اونٹوں پر سفر کریں گے) لیکن وہ مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یوشک: وہ زمانہ قریب ہے۔ یضرب اکباد الابل: اکباد جمع ہے کبد کی: جگر، معنی یہ ہیں کہ وہ اونٹوں کے جگر کو ماریں گے یعنی ان پر بڑی تیزی سے سفر کریں گے حصول علم کیلئے، اس جملے سے درحقیقت سفر کی تیزی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

عالم مدینہ سے کون مراد ہے

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ بڑے ذوق وشوق سے علم کو حاصل کرنے کیلئے اونٹوں پر بڑے دور دراز سے سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا انہیں کوئی اور بڑا عالم نہیں ملے گا، "عالم مدینہ" سے کون مراد ہے، اس میں شارحین حدیث کے اقوال مختلف ہیں، امام ترمذی نے ابن عیینہ سے دو قول نقل کئے ہیں:

(۱) عالم مدینہ سے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ مراد ہیں جو دار الہجرۃ کے امام، اور امام شافعی کے استاذ تھے۔

(۲) اس سے عمری زاہد عبد العزیز بن عبد اللہ مراد ہیں، جو علم وفقہ کے ساتھ نہایت عبادت گذار بھی تھے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے عمری زاہد کا نام صحیح نقل نہیں کیا، ان کا صحیح نام عمری زاہد عبد اللہ بن عبد العزیز بن عبد اللہ ہے۔(۱)

(۳) بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ اور تابعین کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانے میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہوگا کیونکہ عہد صحابہ اور تابعین کے بعد علم کی مقدس روشنی جب مدینہ سے باہر اطراف عالم میں پھیل گئی تو اس کے نتیجے میں دوسرے ممالک اور شہروں میں ایسے ایسے بڑے عالم وفاضل پیدا ہو گئے، جو اپنے علم و فضل اور دینی فہم وفراست کے اعتبار سے مدینہ کے علماء سے فائق اور بلند ہوتے تھے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۷۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۹۰ کتاب العلم

(۴) بعض محدثین کے نزدیک اس حدیث میں کسی مخصوص عالم مدینہ کو بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ اس سے قرب قیامت کا وہ زمانہ مراد ہے جس میں اسلام مدینہ میں پناہ لے لیگا، اور علم اپنی وسعت وفراخی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا، اس وقت میں اہل علم بھی صرف مدینہ میں ہی ہونگے، اس کے علاوہ اور کہیں نہیں ہونگے، یہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہوگا، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فقہ یعنی علم، عبادت سے افضل ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَقِيهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک فقیہ (یعنی باعمل عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عبادت گذاروں سے زیادہ سخت ہے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ كَثِيرٍ، قَالَ: قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ وَهُوَ بِدِمَشْقَ، فَقَالَ: مَا أَقْدَمَكَ يَا أَخِي؟ فَقَالَ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: أَمَا جِئْتَ لِحَاجَةٍ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِتِجَارَةٍ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: مَا جِئْتُ إِلَّا فِي طَلَبِ هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ.

حضرت قیس بن کثیر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے ایک شخص حضرت ابوالدرداء کے پاس آیا جبکہ وہ دمشق میں تھے، انہوں نے پوچھا: بھائی کیسے آنا ہوا؟ (انہوں نے جواب دیا) مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں، حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: آپ کسی اور حاجت کیلئے نہیں آئے؟ (صرف حدیث سننے کیلئے آئے ہیں)، اس شخص نے عرض کیا: نہیں، ابوالدرداء نے فرمایا: آپ تجارت کیلئے نہیں آئے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: تم صرف اس حدیث کی طلب میں حاضر ہوئے ہو، حضرت ابوالدرداء نے فرمایا، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے، جس میں وہ علم کو طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کی خوشنودی کیلئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں، اور بیشک عالم دین کیلئے آسمان وزمین میں موجود ہر چیز استغفار کرتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں بھی پانی میں (اس کیلئے استغفار کرتی ہیں)، اور عالم کی فضیلت

(۱) حاشیہ جامع ترمذی ۹۷/۲

عابد پر اس طرح ہے جیسے چاند کی فضیلت ہے تمام ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے، بیشک وہ علم کا وارث بناتے ہیں، لہذا جس نے اس علم کو حاصل کرلیا تو اس نے (انبیاء کی وراثت سے) کامل حصہ حاصل کرلیا (یعنی پالیا)۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَلَمَةَ الْجُعْفِيِّ قَالَ: قَالَ يَزِيدُ بْنُ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللهِ: إِنِّي قَدْ سَمِعْتُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَخَافُ أَنْ يُنْسِيَنِي أَوَّلَهُ آخِرُهُ، فَحَدِّثْنِي بِكَلِمَةٍ تَكُونُ جِمَاعًا، قَالَ: اتَّقِ اللهَ فِيمَا تَعْلَمُ.

حضرت یزید بن سلمہ جعفی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد والی احادیث پہلی یاد کی ہوئی احادیث کو بھلا دیں (یعنی میں انہیں بھلا نہ دوں) لہذا مجھے کوئی جامع سی بات بتا دیجئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں سے متعلق تمہیں علم ہے، ان میں اللہ جل جلالہ سے ڈرو (یعنی نیکی کے کام کرو اور نافرمانی سے پرہیز کرو)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّينِ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں کبھی جمع نہیں ہوسکتیں، حسن اخلاق اور دین کی سمجھ۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: ذُكِرَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا: عَابِدٌ وَالْآخَرُ: عَالِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ.

حضرت ابوامامہ باہلی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو شخصوں کا تذکرہ کیا گیا، ان میں سے ایک عبادت گذار ہے اور دوسرا عالم ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے میری فضیلت ہے تم میں سے ادنی آدمی پر پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالی، اس کے فرشتے اور تمام زمین و آسمان والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں (پانی میں) ایسے شخص کیلئے دعاء خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو خیر یعنی دین کی باتیں سکھاتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةُ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہرگز مومن علم کی بات سننے سے سیراب نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت پر ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکمت ودانائی والی بات مؤمن کی کھوئی ہوئی چیز ہے لہٰذا اسے وہ جہاں بھی پائے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أجنحة: جناح کی جمع ہے: پر۔ حیتان: حوت کی جمع ہے: مچھلیاں۔ ورثة: وارث کی جمع ہے۔ ورثوا: وہ وارث بناتے ہیں۔ أخذ به: اس علم کو حاصل کرلیا۔ حظ وافر: کامل حصہ۔ جماع: جامع قسم کی بات۔ ینسی: (باب افعال سے) بھلا دے۔ حسن سمت: اچھے اخلاق۔ نملة: چیونٹی۔ جحر: (جیم پر پیش اور حاء کے سکون کے ساتھ) بل، سوراخ۔ الخیر: بھلائی کی بات یعنی علم دین۔ لن یشبع: ہرگز سیراب نہیں ہوتا۔ الکلمة الحکمة: حکمت ودانائی والی بات، دینی فہم وبصیرت۔ ضالة: متاع گم شدہ، کھوئی ہوئی چیز۔ فهو أحق بها: وہ آدمی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

علم کی فضیلت عبادت پر

اس باب کی تمام احادیث میں علم کی عبادت کے مقابلے میں فضیلت اور شرف کو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ پہلی حدیث میں ہے کہ ایک عالم باعمل شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عبادت گذار کی طاقت رکھتا ہے، وہ اس طرح کہ شیطان جب بھی اپنی خفیہ تدبیروں کے ذریعہ انسان کو گمراہی کے راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے تو ایک عام آدمی تو اس کی لائن پر چل پڑتا ہے، اس کی چال میں پھنس جاتا ہے، وہ کام کر گذرتا ہے جو شیطان اس سے کرانا چاہتا ہے لیکن فقیہ عالم اس کی چال کو سمجھ جاتا ہے، اس کے گمراہ کن حملے کو پہچان لیتا ہے، وہ لوگوں کو بھی شیطان کا مکروفریب بتا دیتا ہے، اور ایسے طریقے بھی کہ جن پر عمل پیرا ہو کر آدمی شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہتا ہے، جبکہ عبادت گذار شخص اس کی خفیہ چالوں اور حملوں کو نہیں پہچانتا، وہ ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ صرف اپنی عبادت میں ہی مشغول رہتا ہے، بسا اوقات عین عبادت کے وقت بھی شیطان اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ شیطان نے کس چور دروازے سے حملہ کیا ہے، ایسے میں یہ عابد نہ تو خود شیطان کی گمراہی سے بچ سکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتا سکتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ عالم باعمل شیطان پر بہت بھاری ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں اس آدمی کی طلب حدیث کا ذوق وشوق اور جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک حدیث کیلئے مدینہ منورہ سے دمشق کا دشوار گذار سفر کیا، اور مقصد صرف اور صرف حضرت ابوالدرداء سے حدیث رسول ﷺ کا سننا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا، وہ کونسی حدیث تھی جس کیلئے انہوں نے سفر دمشق کیا، اور حضرت ابوالدرداء نے جو یہ حدیث سنائی، کیا اسی کے لیے انہوں نے سفر کیا تھا؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) ممکن ہے کہ یہی وہ حدیث ہو جس کیلئے انہوں نے سفر کیا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث تو حضرت ابوالدرداء نے ان کے ذوق وشوق کو دیکھ کر سنائی کیونکہ یہ طلب علم کی فضیلت پر

مشتمل ہے، اس حدیث کا سننا مقصود نہ تھا، وہ دوسری حدیث تھی جس کے سننے کیلئے انہوں نے سفر کیا، وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی اس لیے امام ترمذی نے اسے یہاں نقل نہیں کیا۔

یہ حدیث ممکن ہے کہ اس شخص نے پہلے اسے اجمالا سنا ہو، اب تفصیلی طور پر سننے کیلئے سفر کیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پوری حدیث انہوں نے پہلے سن رکھی ہو لیکن اس میں حضور ﷺ تک کئی واسطے تھے، ان واسطوں کو ختم یا کم کرنے کیلئے حضرت ابوالدرداء کی طرف سفر کیا تاکہ ان سے براہ راست وہ حدیث سن لی جائے۔

وان الملائكة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم

فرشتوں کے پر بچھانے سے کیا مراد ہے، اس میں متعدد احتمال ہیں:

(۱)　پروں کے بچھانے سے مراد یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اس علم کی شرف وفضیلت کی وجہ سے ادب اور احترام کے طور پر وہ فرشتے تواضع اختیار کرتے ہیں۔

(۲)　وہ فرشتے اڑنا موقوف کر دیتے ہیں اور ذکر الٰہی سننے کیلئے طالب علم کے پاس اتر آتے ہیں، اس کو پروں کے بچھانے سے تعبیر کیا ہے۔

(۳)　اس سے طلب علم میں مدد و نصرت، طالب علم کا تعاون اور رحمت خداوندی کو اس کی طرف متوجہ کرنا مراد ہے، تاکہ علم کا حصول اس کے لیے آسان ہو جائے۔

(۴)　اکثر حضرات کے نزدیک پروں کے بچھانے سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ فرشتے واقعۃً اپنے پر طالب علم کے احترام میں اس کے قدموں کے نیچے بچھاتے ہیں، گوکہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا لیکن اللہ کی قدرت سے یہ کوئی بعید نہیں، ان معنی کی تائید مندرجہ ذیل واقعات سے بھی ہوتی ہے:

☆　امام طبرانی نے ابن یحیی ساجی رحمہ اللہ کا واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک محدث کے درس میں شرکت کیلئے بصرہ کی گلیوں سے گذر رہے تھے اور ہم سب جلدی جلدی چل رہے تھے، ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی تھا، جو دینی اعتبار سے مشکوک سا تھا، وہ استہزاء کے انداز میں کہنے لگا کہ "اپنے پاؤں فرشتوں کے پروں سے اٹھالو، انہیں توڑ نہ دینا" ابھی وہ اسی جگہ پر ہی تھا کہ اس کے پاؤں خشک ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

☆　حافظ ابن قیم نے احمد بن شعیب رحمہ اللہ سے اسی قسم کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں ایک محدث کے پاس تھے کہ انہوں نے یہ حدیث سنائی، اس مجلس میں موجود ایک معتزلی مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ بخدا میں کل جوتے پہن کر فرشتوں کے پروں کو ضرور روندوں گا، چنانچہ اس نے جب یہ کہا تو اس کے دونوں پاؤں خشک ہو گئے اور ان میں کیڑے پڑ گئے۔

والحيتان في الماء

زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل تھیں لیکن انہیں الگ سے ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ بارش کا برسنا،

مچھلیوں کا پانی میں رہنا اور دنیا میں ہر قسم کی سرسبزو شادابی علماء کرام کی برکت سے ہے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے: بہم یمطرون وبہم یرزقون (یعنی ان کی برکت سے بارش برستی ہے اور رزق دیا جاتا ہے)۔

وفضل العالم علی العابد... عالم کی عابد پر فضیلت اس لیے ہے کہ عالم کا نفع دوسروں تک پہنچتا ہے، اس کی زبان اور قلم سے غرض ہر طریقہ سے اس کے علم کی روشنی دوسروں کو منور کرتی ہے، جبکہ عبادت کا فائدہ صرف عبادت گذار کو ہی ہوتا ہے اسی لیے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی ہر مخلوق اس سے روشن ہو جاتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن ہوتا ہے مگر وہ کسی اور چیز کو روشن نہیں کرتا۔

وان العلماء ورثۃ الانبیاء... ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو صرف ضرورت کی حد تک دنیا کی طرف توجہ دینی چاہیے، کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں، لہٰذا اگر کوئی اہل علم دنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائے تو اس کا شمار انبیاء کے وارثین میں نہیں ہوگا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: علم کا بلکہ ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھ لے کہ دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ ہوگی۔

اسی قسم کا ایک قصہ حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ آپ نے بازار سے گذرتے ہوئے لوگوں کو تجارت میں مشغول دیکھا تو لوگوں سے فرمایا: تم یہاں ہو جبکہ میراثِ نبوت مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے، یہ سن کر لوگ مسجد پہنچ گئے لیکن وہاں قرآن کریم، ذکر اللہ اور علمی حلقوں کے علاوہ اور کچھ نہ پایا تو وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ سے کہنے لگے کہ کہاں ہے میراث؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: قرآن کریم اور علم ہی تو میراث نبوت ہے، جو نبی کریم ﷺ کے وارثین کے درمیان تقسیم ہو رہی ہے، تمہاری یہ دنیا نبی کریم ﷺ کی میراث شمار نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اصل میراث دینی تعلیم یعنی قرآن وسنت کا علم ہے۔ (۱)

تقویٰ کا حکم

ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ نئی نئی احادیث سنوں گا تو پہلے والی احادیث کو بھول جاؤں گا، مجھے کوئی جامع قسم کی بات بتا دیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم تقویٰ اختیار کر لو، اللہ سے ڈرو، ان تمام امور میں جو تمہیں معلوم ہوں یعنی واجبات پر عمل کرو اور گناہوں سے پرہیز کرو، یہ پورے دین کا خلاصہ ہے۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۷۵، مرقاۃ المفاتیح ۱/۳۲۷ کتاب العلم

منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتیں

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسن اخلاق اور دینی فقاہت اور سمجھ یہ دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں، خواہ اس کا نفاق عقیدے میں ہو کہ عقیدہ ہی درست نہ ہو اور خواہ اس کا نفاق عملی ہو کہ اس کا ایمان تو درست ہے، لیکن اعمال کے لحاظ سے اس میں منافقت ہے، اس ارشاد سے درحقیقت مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دو صفات کے ساتھ آراستہ ہونے کی کوشش کریں تاکہ اللہ کے ہاں ان کا مقام بلند ہوجائے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے رفتہ رفتہ یہ دو باتیں بھی نکلتی چلی جارہی ہیں، اکثریت کے اخلاق نہایت گھٹیا اور انسانیت کے معیار سے کہیں زیادہ نیچے ہوتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ انہیں درست کرنے اور اعلیٰ معیار پر لانے کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں، ایسے ہی دین کی فہم وبصیرت اور فقاہت بہت ہی کم لوگوں میں باقی رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دو صفات سے آراستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

دینی استاذ کی فضیلت

حضرت ابوامامہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو خیر یعنی علم دین سکھاتا ہے، اس کیلئے آسمان وزمین، خشکی اور تری کی تمام مخلوقات، دعاء رحمت کرتی ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتاتا ہے، اس کے علم سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جبکہ عبادت کا نفع صرف عابد کی ذات تک ہی محدود ہوتا ہے۔(۱)

مؤمن کا ذوق علم

مؤمن کو جب علم کی چاشنی لگ جاتی ہے تو وہ ہر وقت علم کی جستجو میں رہتا ہے، وہ جوں جوں علم کی بلندیوں پر پہنچتا رہتا ہے تو اس کی خواہش میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے، یوں وہ زندگی بھر علم کی تلاش میں مصروف رہتا ہے، اسی میں اس کی موت بھی آجاتی ہے، بالآخر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔

باب کی آخری حدیث میں ہے کہ حکمت ودانائی اور دینی بات مؤمن کی متاع گم شدہ ہے، وہ جس بندے سے بھی اسے سن لیتا ہے تو وہ محفوظ کرلیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ وہ شخص کس قسم کا ہے، مجھ سے اعلیٰ ہے یا ادنیٰ، دنیاوی لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہے، اس کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

لہٰذا اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ حکمت کی بات جہاں سے بھی ملے، جس سے بھی حاصل ہو، اسے فوراً لے لیا جائے، کیونکہ مؤمن ہی اس کا زیادہ حقدار ہے، اس سے وہ کہیں زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸۰/۷

بعض حضرات نے اس حدیث یعنی الکلمة الحکمة ...... کے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ لوگ قرآنی آیات اور احادیث کے مفہوم اور مطلب کے سمجھنے میں متفاوت ہوتے ہیں، ایسے میں جو شخص ناقص فہم والا ہو، اس کے سامنے اگر زیادہ فہم وبصیرت والا آدمی کسی آیت یا حدیث کے معنی ومفہوم کو بیان کرے تو اس کا یہ انکار نہ کرے بلکہ اسے حاصل کرلے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے، اور آگے دوسرے لوگوں تک اس بات کو پہونچادے کیونکہ حکمت کی بات مؤمن کی متاع گمشدہ ہے، وہ جہاں سے بھی اسے ملے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔(۱)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۸۱/۷

ابواب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے آداب اور اجازت لینے سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب۔

"استیذان" کے معنی ہیں: اجازت طلب کرنا۔

"آداب" ادب کی جمع ہے، ادب کے معنی کیا ہیں، اس کی مختلف تعبیریں ہیں:

۱۔ ادب کے معنی ہیں: وہ قول وفعل جسے اچھا اور قابل تعریف کہا جائے۔

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک "عمدہ اخلاق" کو ادب کہتے ہیں یعنی یقین، قناعت، صبر، شکر، بردباری، سخاوت، غیرت، دلیری اور مروت جیسے اوصاف سے آراستہ ہونا۔

۳۔ ادب یہ ہے کہ نیکی کی راہ کو اختیار کیا جائے اور برائی سے بچا جائے۔

۴۔ بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کو "ادب" کہا جاتا ہے۔

ان مذکورہ معنوں میں کوئی تعارض نہیں، بیک وقت یہ سارے ایک شخص میں جمع بھی ہو سکتے ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ.

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں سلام کو پھیلانے اور عام کرنے کا حکم ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مؤمن نہ ہو جاؤ، اور مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرنے لگو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے، (وہ چیز یہ ہے کہ) تم سلام کو آپس میں پھیلاؤ اور عام کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ افشاء: پھیلانا، عام کرنا، رواج دینا۔ تحابوا: اصل میں تتحابوا تھا، ایک تا تخفیف کی وجہ سے گرا دی گئی ہے: تم آپس میں پیار ومحبت کرو۔ الا ادلکم: کیا میں تم کو نہ بتاؤں، کیا میں تمہاری راہنمائی نہ کروں۔ افشوا: پھیلاؤ، عام کرو، رواج دو۔

(۱) مرقاۃ ۸/۴۵۳ کتاب الآداب، تحفۃ الاحوذی ۷/۳۸۲

سلام کو پھیلانے کا حکم

لفظ "سلام" کے معنی ہیں: ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہونا"، اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، جس کے معنی ہیں: وہ ذات جو ہر قسم کے نقص وعیب، آفت اور تغیر وفنا سے محفوظ اور سالم ہے"، ایک حدیث میں ہے کہ "لفظ" سلام، اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے، لہذا تم سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو، جب کوئی شخص کسی مجلس کو سلام کرتا ہے تو اسے ان لوگوں پر ایک گونہ فضلیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس نے ان کو اللہ کا نام یاد دلایا ہے، اگر وہ جواب دے دیں تو بہت اچھا، ورنہ فرشتے اسے سلام کا جواب دیتے ہیں"۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بالاجماع سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اور پھر بعض حضرات کے نزدیک سلام کا جواب اتنی آواز سے ضرور دیا جائے کہ دوسرا اسے سن سکے، لیکن حضرت تھانوی صاحب کی بعض کتابوں میں ہے کہ مطلق سلام کا جواب دینا واجب ہے اور دوسرے کو سنوانا مستحب ہے، ضروری نہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا فوراً واجب ہوتا ہے، لہذا اگر خط میں کوئی سلام لکھے یا قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے تو فوراً اس کا جواب دینا ضروری ہے، اور بذریعہ تحریر اس سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر حضرت تھانوی صاحب کے قول کو لیا جائے تو مطلق اس تحریری سلام کا زبانی جواب دینا ضروری ہے، تحریری طور پر اس کا جواب پہنچانا ضروری نہیں ہے، اس قول میں آسانی ہے۔(۱)

چند موقعے ایسے ہیں کہ ان میں نہ تو سلام دینا جائز ہے اور نہ ہی اس کا جواب دینا لازم ہے، ان میں سے چند مقام یہ ہیں:

جو شخص نماز پڑھ رہا ہو، جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو، کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو، یا اذان یا اقامت کہہ رہا ہے، یا دینی کتاب کا درس دے رہا ہے یا انسانی ضروریات مثلاً استنجاء وغیرہ میں مصروف ہے یا کوئی کھانا کھا رہا ہو.....

دنیا کی ہر مہذب قوم میں یہ رواج ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنی محبت کے اظہار کیلئے کوئی نہ کوئی کلمہ ضرور کہتے ہیں، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی اس موقع پر مختلف الفاظ کے استعمال کا رواج چل رہا تھا، کوئی کہتا تھا: حیاك الله (اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے) یا وہ یہ کہتے ہیں: أنعم الله بك عينا (اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ تمہارے متعلقین کی آنکھیں ٹھنڈی کرے) یا یہ جملہ بولتے: أنعم الله صباحا (خدا تمہاری صبح اچھی بنائے) وغیرہ، اسلام نے ان تمام الفاظ کی جگہ السلام علیکم کا طریقہ جاری کیا، یہ ایک قسم کی دعا ہے جس کے معنی ہیں: "تم ہر تکلیف اور رنج ومصیبت سے دور رہو"(۲)

السلام علیکم کا یہ کلمہ اس قدر شیریں اور میٹھا ہے کہ جب انسان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو آپس میں پیار ومحبت اور انس کا ایک ماحول بن جاتا ہے، اگر انسان کسی اجتماع میں یا سفر کی گاڑی میں یا کسی بھی مناسب جگہ پر سلام نہ کرے تو آپس میں

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۲۴۵، کتاب السلام، باب من حق المسلم

(۲) معارف القرآن ۲/۴۹۷ سورۃ النساء

وحشت اور اجنبیت کی فضاء کا سماں رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ تم سلام کو ضرور پھیلاؤ، عام کرو، اسے بھی سلام کرو جسے تم جانتے ہو اور اسے بھی جسے تم نہیں جانتے، کیونکہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور جب تک آپس میں محبت کا ماحول نہ ہو تو مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، اور جنت میں جانے کیلئے ایمان کا کامل ہونا ضروری ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ السَّلَامِ

یہ باب سلام کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عِشْرُونَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ثَلَاثُونَ.

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: السلام علیکم تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کیلئے دس نیکیاں ہیں، پھر دوسرا آیا تو اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے اس طرح سلام کیا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔

سلام کرنے کی فضیلت

اگر کوئی شخص ان الفاظ سے سلام کرے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو اس کے لیے تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، یہ الفاظ تو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، بعض روایات میں اس سے زیادہ ''ومغفرتہ'' اور بعض میں ''ورضوانہ'' کے الفاظ بھی آتے ہیں، البتہ یہ احادیث ضعیف ہیں، اور فضائل اعمال میں اگرچہ ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے یہ تصریح منقول ہے کہ سلام ''وبرکاتہ'' کے لفظ پر ختم ہو جاتا ہے، اس لیے سلام میں لفظ وبرکاتہ پر اضافہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے زیادہ کلمات سے سلام کرنا مسنون نہیں ہے، گو کہ اس کا جواز ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الِاسْتِئْذَانَ ثَلَاثَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ (گھر میں داخل ہونے کے لیے) اجازت لینا تین مرتبہ ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عُمَرَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ قَالَ عُمَرُ: وَاحِدَةٌ. ثُمَّ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸۴/۷، معارف القرآن ۵۰۴/۲

سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ قَالَ عُمَرُ: ثِنْتَانِ. ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: ثَلَاثٌ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْبَوَّابِ: مَا صَنَعَ؟ قَالَ: رَجَعَ. قَالَ: عَلَيَّ بِهِ. فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ: مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتَ؟ قَالَ: السُّنَّةُ. قَالَ: السُّنَّةَ وَاللهِ لَتَأْتِيَنِّي عَلَى هَذَا بِبُرْهَانٍ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَوْ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ. قَالَ: فَأَتَانَا وَنَحْنُ رُفْقَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ: أَلَسْتُمْ أَعْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلَّا فَارْجِعْ. فَجَعَلَ الْقَوْمُ يُمَازِحُونَهُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: مَا أَصَابَكَ فِي هَذَا مِنَ الْعُقُوبَةِ فَأَنَا شَرِيكُكَ، قَالَ: فَأَتَى عُمَرَ، فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ: مَا كُنْتُ عَلِمْتُ بِهَذَا۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوموسی نے عمر سے (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت طلب کی اور کہا السلام علیکم، کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ حضرت عمر نے فرمایا: ابھی تو ایک بار اجازت لی ہے، پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور کہا: السلام علیکم، کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ حضرت عمر نے فرمایا: ابھی یہ اجازت دو مرتبہ ہوئی، پھر ابوموسی تھوڑی دیر خاموش رہے اور کہا السلام علیکم کیا میں آسکتا ہوں؟ یہ تین مرتبہ ہوئی ہے، پھر وہ واپس ہوگئے، تو حضرت عمر نے چوکیدار سے فرمایا کہ: ابوموسی نے کیا کیا؟ اس نے کہا: وہ واپس چلے گئے، حضرت عمر نے فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ، جب ابوموسی ان کے پاس آگئے تو پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ ابوموسی نے فرمایا: میں نے سنت کی پیروی کی ہے، حضرت عمر نے فرمایا: کیا تم نے سنت کی اتباع کی ہے؟ اللہ کی قسم تم اس پر ضرور میرے پاس کوئی دلیل اور گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں ضرور تنبیہ کروں گا، حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوموسی اس بارے میں ہم انصاریوں کی ایک جماعت کے پاس آئے اور فرمایا: اے انصار کی جماعت: کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اجازت تین مرتبہ مانگی جائے، اگر اجازت مل جائے تو داخل ہوجاؤ ورنہ لوٹ جاؤ، اس پر لوگ ان سے مزاح اور خوش طبعی کرنے لگے (یعنی یہ کہنے لگے کہ بہتر ہے کہ عمر تمہیں خوب تنبیہ وتادیب کریں)۔

ابوسعید خدری فرماتے ہیں: پھر میں نے اپنا سر ابوموسی کی طرف اٹھایا اور میں نے ان سے کہا: حضرت عمر سے اس معاملے میں جو سزا آپ کو ملے، میں بھی اس میں آپ کا شریک ہوں، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوسعید خدری حضرت عمر کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اس امر کی خبر دی (کہ اجازت تین مرتبہ مانگی جائے، اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ، یعنی ابوموسی کی انہوں نے تصدیق کردی) تب حضرت عمر نے فرمایا: میں یہ بات نہیں جانتا تھا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَلَاثًا فَأَذِنَ لِي۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے تین مرتبہ داخل ہونے کی اجازت مانگی تو آپ نے مجھے اجازت دیدی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ابو موسی پر اعتراض اس بات پر کیا تھا کہ تین مرتبہ میں اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے، چنانچہ انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ میں اجازت نہ ملنے پر لوٹ جانے کا حکم دیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الاستئذان: اجازت طلب کرنا۔ واحدۃ: اصل عبارت ہے: استئذانۃ واحدۃ ایک بار اجازت طلب کرنا۔ رفقۃ: رفیق کی جمع ہے: دوست۔ فیما زحونہ: وہ اس سے خوش طبعی اور مذاق کرنے لگے۔

تین مرتبہ تک اجازت طلب کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کسی کے گھر یا آفس میں جائے تو بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو، اگر متعلقہ آدمی سامنے ہو تو سلام کر کے اس سے اجازت لے، اور اگر وہ سامنے نہ ہو تو تین بار تک اجازت طلب کرے، اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ اب مزید یہاں نہ ٹھہرے، واپس ہو جائے، اگر دروازے پر کوئی گھنٹی لگی ہو تو اس سے اجازت حاصل کی جائے، تین مرتبہ کے بعد مزید کوئی گھنٹی نہ بجائے، واپس ہو جائے، یہی مسنون طریقہ ہے، اور اگر دروازے پر گھنٹی وغیرہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو بلند آواز سے تین مرتبہ تک سلام دے کر اجازت پوچھے، جواب آ جائے تو ٹھیک ورنہ واپس ہو جائے۔

حضرت ابو موسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہونے کیلئے تین مرتبہ اجازت طلب کی، اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو واپس چل پڑے، پھر انہیں بلا کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہی مسنون طریقہ ہے کہ تین بار تک کوئی اجازت نہ ملے تو آدمی واپس ہو جائے، حضرت عمر نے فرمایا اس بات پر کوئی دلیل اور گواہ پیش کرو، ورنہ تادیباً تمہیں سزا دی جائے گی،

حضرت ابو موسی نے انصاری صحابہ کے مجمع میں اپنی تائید کے لیے شہادت طلب کی تو وہ مذاق سے ان کی گھبراہٹ کو دیکھ کر خوش طبعی کرنے لگے، مقصد ان کی توہین یا استہزاء نہیں تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم تھا کہ اس بارے میں واقعی دلیل موجود ہے، حضرت عمر کی طرف سے انہیں کوئی سزا نہ ہوگی تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق کے سامنے آ کر شہادت دی کہ واقعتہً یہ حدیث درست ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے کہ تین بار کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو انسان کو واپس ہو جانا چاہیے، تب حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میرے علم میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی سے جو گواہ اور دلیل طلب کی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے ہاں خبر واحد مقبول نہیں، کیونکہ جمہور کے نزدیک تو خبر واحد معتبر ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ اس کا راوی حضرت ابو موسی جیسا ثقہ شخص ہو، جو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، ان کا گواہ طلب کرنا محض احتیاط کی وجہ سے تھا تاکہ حدیث روایت کرنے کی اہمیت لوگوں کے سامنے آ جائے اور ان لوگوں کو جرأت نہ ہو جو ہر بات پر من گھڑت حدیث پیش کر دیتے ہیں حالانکہ وہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہوتی، پھر بھی وہ اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی کو اجازت کس وجہ سے نہیں دی تھی، جب کہ وہ اجازت طلب کر رہے

تھے، شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، اور انہیں پتہ چلا تھا کہ ابوموسیٰ کے دروازے پر لوگ اجازت کے لیے کھڑے رہتے ہیں، لیکن وہ اجازت نہیں دیتے تو حضرت عمر نے انہیں ادب سکھانے کے لیے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنے میں کتنی سخت اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے، گویا اس سارے عمل سے ان کی اصلاح پیش نظر تھی۔

۲۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے بعد میں انہیں بلا کر فرمایا کہ ہم کسی کام میں مشغول تھے، اس وجہ سے آپ کو جواب نہ دے سکے۔(۱)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے حضور ﷺ کے پاس داخل ہونے کیلئے تین بار اجازت طلب کی اور آپ کو اجازت دیدی گئی اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو یہ بات معلوم تھی تو پھر حضرت ابوموسیٰ سے حضرت عمر نے اس بات پر دلیل اور گواہ کیوں طلب کئے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمر فاروق کو یہ بات تو معلوم تھی، کہ تین بار تک اجازت طلب کی جائے، لیکن یہ بات معلوم نہیں تھی کہ تین بار اجازت کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے، تو آدمی واپس ہو جائے، اس لیے احتیاطاً انہوں نے اس بات پر دلیل طلب کی، تاکہ تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں کسی ماہر عالم کو معلوم نہ ہوں، ان سے چھوٹے کو معلوم ہوں، تاہم یہ بات ان کیلئے کوئی باعث عیب نہیں(۲)

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ رَدُّ السَّلَامِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سلام کا جواب کس طرح دیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ رَجُلُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَعَلَيْكَ، ارْجِعْ، فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ. فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ.

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اور رسول اللہ ﷺ مسجد کی ایک طرف تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی، پھر حاضر خدمت ہو کر آپ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "وعلیک" (اور تم پر بھی سلام ہو) جاؤ، دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، پھر راوی نے پوری حدیث کو ذکر کیا۔

---

(۱) فتح الباری ۳۳/۱۱ کتاب الاستئذان باب التسلیم والاستئذان ثلاثا

(۲) تحفۃ الاحوذی ۳۸۵/۷، مرقاۃ المفاتیح ۴۸۸/۸، کتاب الآداب، باب الاستئذان

سلام کا جواب دینے کا طریقہ

سلام کا جواب دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور اگر صرف: وعلیکم السلام یا وعلیک السلام کہا جائے تو بھی درست ہے، اور اگر مسلمان کے جواب میں واو کے بغیر صرف "علیک یا علیکم" کہے تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

اور اگر واو کے ساتھ بولے یعنی "وعلیک" یا "وعلیکم" تو اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق اس طرح جواب دینا بھی درست ہے، جیسا کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صرف "وعلیک" سے جواب دیا ہے، اگرچہ اس حدیث کے دوسرے طرق میں "وعلیک السلام" کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

اور اگر ایک جماعت کو سلام کیا جائے تو ان میں سے ایک بندے کا جواب دینا بھی کافی ہے، سب کا جواب دینا ضروری نہیں، ہاں بہتر ضرور ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَبْلِيغِ السَّلَامِ

یہ باب کسی کو سلام پہنچانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهَا: إِنَّ جِبْرِيلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ. قَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے انہیں بتایا کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں، حضرت عائشہ نے جواب دیا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

غائبانہ سلام اور اس کے جواب کا مسنون طریقہ

اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام دینے والے اور پہنچانے والے دونوں کو یہ شخص سلام کا جواب دے مثلاً وہ یوں کہے: وعلیک وعلی فلان السلام یا وعلیک وعلیہ السلام، سلام کے جواب کا یہ افضل طریقہ ہے، چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح منقول ہے لیکن اگر یہ شخص غائبانہ سلام پہنچانے والے کو سلام نہ دے صرف اس غائب کے سلام کا جواب دے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ سلام پہنچانے والے کو سلام کے جواب میں شریک کرنا واجب نہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ کی اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ نے جبرئیل امین کے سلام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کو سلام نہیں کیا۔(۲)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۲۴۵/۴ کتاب السلام، باب من حق للمسلم، تحفۃ الاحوذی ۳۸۹/۷، الکوکب الدری ۳۷۷/۳

(۲) فتح الباری ۴۵/۱۱، کتاب الاستئذان، باب اذا قال: فلان یقرئک السلام

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

یہ باب اس شخص کی فضیلت کے بیان میں ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ: الرَّجُلَانِ يَلْتَقِيَانِ، أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فَقَالَ: أَوْلَاهُمَا بِاللهِ.

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول: جب دو آدمیوں کی آپس میں ملاقات ہو تو ان میں سے کون پہلے سلام کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو اللہ کے ہاں زیادہ نزدیک ہوگا، وہ سلام میں پہل کرے گا۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے، اسے اللہ کے ہاں خاص قرب اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا شخص تکبر سے بری ہوتا ہے، اس میں عجز و انکساری اور تواضع پیدا ہوتی ہے، اس لیے سلام میں پہل کرنے کی عادت بنانی چاہئے، تاکہ انسان کو یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِشَارَةِ الْيَدِ بِالسَّلَامِ

یہ باب سلام میں ہاتھ سے اشارہ کرنے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم میں سے وہ شخص نہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کی مشابہت اختیار کرے، لہٰذا یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو، کیونکہ یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے اشارہ سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کے اشارہ سے ہوتا ہے۔

اشاروں کے ذریعہ سلام کرنے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کے کسی بھی فعل اور طریقہ کو اور خاص طور پر سلام کرنے کے کسی بھی طریقے کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، لہٰذا سلام کیلئے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا، کمر یا سر کو جھکانا، غرض کوئی بھی ایسی ہیئت اختیار کرنا جس سے ان کے ساتھ مشابہت

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۹۲ مرقاۃ ۸/۴۷۰

لازم آتی ہو، اس سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ یہ لوگ سلام میں صرف اشاروں پر ہی اکتفاء کرتے تھے زبان سے سلام کے الفاظ نہیں بولتے تھے، مسلمانوں کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس انداز سے سلام کی سنت ادا نہیں ہوتی، بلکہ یہود ونصاری وغیرہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے آدمی اس وعید کا مستحق ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اشارہ کے ساتھ، زبان سے سلام کے الفاظ بھی بولے جائیں، تو یہ جائز ہے، یہ جواز اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک باب کے بعد "باب التسلیم علی النساء" میں نقل کیا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ

یہ باب بچوں کو سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ سَيَّارٍ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ ثَابِتٌ: كُنْتُ مَعَ أَنَسٍ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ أَنَسٌ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.

حضرت سیار کہتے ہیں کہ میں ثابت بنانی کے ساتھ جا رہا تھا کہ وہ بچوں کے پاس سے گذرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا اور فرمایا کہ میں حضرت انس کے ساتھ تھا تو وہ بچوں کے پاس سے گذرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا اور حضرت انس نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ کا گذر بچوں پر ہوا تو آپ ﷺ نے بچوں کو سلام کیا۔

بچوں کو سلام کرنا سنت ہے

نبی کریم ﷺ جب سمجھدار بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں سلام کرتے، یہ آپ ﷺ کے نہایت عاجز اور متواضع ہونے کی دلیل ہے، لہذا جب آدمی بچوں کے پاس سے گذرا کرے تو انہیں بھی سلام کیا کرے تا کہ انہیں بھی سلام کی سنت معلوم ہو جائے، اور اسلامی آداب ان کے ذہن میں راسخ ہو جائیں، کیونکہ جو چیز بچپن میں ذہن میں بیٹھ جائے، وہ کبھی ذہن سے نہیں نکلتی، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى النِّسَاءِ

یہ باب عورتوں کو سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُودٌ فَأَلْوَى بِيَدِهِ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۹۳، مرقاۃ ۸/۴۷۰ کتاب الاداب، باب السلام

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۹۳

بِالتَّسْلِيمِ وَأَشَارَ عَبْدُ الْحَمِيدِ بِيَدِهِ.

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد سے گذرے اور وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں سلام کیا، پھر راوی عبدالحمید نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔

اجنبی عورت کو سلام کرنے کا مسئلہ

اگر عورتوں کی جماعت ہو اور فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو ایسی صورت میں انہیں سلام کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو یا ایک عورت ہے، تو پھر سلام کرنا جائز نہیں، ہمارا یہ دور چونکہ فتنہ کا زمانہ ہے اس لیے علی الاطلاق عورتوں کو سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے، البتہ اگر کوئی عورت اس قدر عمر رسیدہ ہو کہ جہاں فتنہ میں مبتلا ہونے یا کسی بدگمانی کا اندیشہ نہ ہو تو اسے سلام کرنا جائز ہوگا۔

اور نبی کریم ﷺ کیلئے عورتوں کو سلام کرنا جائز تھا، اور یہ آپ کی خصوصیت تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف اور خطرہ نہ تھا، چنانچہ اس باب کی مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کے اسی سلام کا ذکر ہے۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ.

یہ باب گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ، يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ.

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے: جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو تم سلام کیا کرو، اس سے تم پر بھی برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر بھی۔

اپنے اہل خانہ کو بھی سلام کیا جائے

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس سے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہوتے ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو، اس سے تم پر بھی برکت ہوگی اور تمہارے اہل خانہ پر بھی، اس لیے اس سنت پر اہتمام سے کرنا چاہئے، عموماً لوگ جب گھر داخل ہوتے ہیں تو سلام نہیں کرتے، اور اس طرف ان کی توجہ بھی نہیں ہوتی، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۵/۷، مرقاۃ المفاتیح ۲۶۸/۸

باب ما جاء فی السلام قبل الکلام

یہ باب کلام سے پہلے سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: السَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنت یہ ہے کہ کلام سے پہلے سلام کیا جائے،

وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَدْعُوا أَحَدًا إِلَى الطَّعَامِ حَتَّى يُسَلِّمَ.

اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کسی کو اس وقت تک کھانے کیلئے نہ بلاؤ، جب تک کہ وہ سلام نہ کرے۔

پہلے سلام پھر کلام

اس حدیث سے یہ سنت ثابت ہوتی ہے کہ جب آپس میں ملیں تو گفتگو سے پہلے سلام کیا جائے، کیونکہ یہ امن وسلامتی کی دعا ہے، اور اس سے وحشت ونفرت کے بجائے پیار ومحبت اور انس کا ماحول قائم ہو جاتا ہے، اس لیے کلام شروع کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔(۱)

باب ما جاء فی کراهية التسليم على أهل الذمة.

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ذمی کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَ: لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو، اور جب ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف سے گزرنے پر مجبور کردو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّ رَهْطًا مِنَ الْيَهُودِ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَلَيْكُمْ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا عَائِشَةُ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ. قَالَتْ عَائِشَةُ: أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا، قَالَ: قَدْ قُلْتُ: عَلَيْكُمْ.

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: السام علیک (تم پر موت آئے)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۷/۷

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا علیکم (تمہیں موت آئے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ: تم پر سام اور لعنت ہو، حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو ہی پسند فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی، حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے بھی انہیں "علیکم" کہہ کر جواب دے دیا تھا (کہ موت تم پر ہی ہو)۔

اہل ذمہ اور کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ

اس باب کی پہلی حدیث کی روشنی میں تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کافر کو سلام کرنے میں پہل کرے، کیونکہ سلام میں پہل کرنا درحقیقت اسلامی تہذیب کا ایک ایسا اعزاز ہے، جس کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو اسلامی تہذیب کے پیروکار اور مسلمان ہیں، یہ اعزاز اللہ کے باغی اور غیر مسلموں کو حاصل نہیں ہو سکتا، تاہم اگر وہ سلام کریں، تو جواب میں صرف "وعلیکم یا علیکم" کہا جائے، پورا جواب ذکر نہ کیا جائے۔

بعض حضرات کے نزدیک کافر کو بھی ابتداءً اسلام کر سکتے ہیں اور اس میں اس کی ہدایت کی نیت کر لی جائے، تاہم جمہور کے نزدیک کافر کو سلام دینا درست نہیں، کیونکہ اس حدیث میں اس کی تصریح آگئی ہے، البتہ اگر کسی ذمی کافر کے ساتھ مسلمان کا کوئی کام وابستہ ہو، تو ایسی صورت میں اسے سلام کیا جا سکتا ہے۔

فاضطروه الى أضيقه

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم کسی تنگ راستہ سے گذر رہے ہو اور وہاں پر تمہاری کسی کافر سے ملاقات ہو جائے تو اس کے ادب واحترام کی بناء پر خود سائیڈ پہ ہو کر اسے راستہ نہ دو، اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ کشادہ راستے میں تم اسے ایک طرف چلنے پر مجبور کر دو، تاکہ وہ راستہ اس کیلئے تنگ پڑ جائے، کیونکہ اس سے تو اسے اذیت ہوگی جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے یہ مطلب مراد لینا درست نہیں۔(۱)

کچھ یہودی لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو یوں سلام کیا: السام علیک آپ پر موت ہو، آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "علیکم" تم پر موت ہو، اس روایت میں "علیکم" واو کے بغیر ہے جبکہ بعض نسخوں میں واو کے ساتھ یعنی "وعلیکم" آتا ہے، واو کے ساتھ ہو تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ واو برائے عطف ہو، مطلب یہ ہوگا: ہم اور تم موت کے معاملے میں برابر ہیں، ہم سب نے ہی موت کی گھاٹی سے گذرنا ہے۔

۲۔ یہ واو عطف کیلئے نہ ہو بلکہ استیناف کیلئے ہو یعنی مستقل جملہ ہو، اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: و علیکم

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۲۵۵ کتاب السلام، باب النهي عن ابتداء السلام

ماتستحقون من اللّٰہ (اور تم پر وہ مذمت ہو جس کے تم مستحق ہو)۔

اور اگر "واؤ" کے بغیر ہو یعنی "علیکم" تو پھر تقدیر عبارت یوں ہوگی بل علیکم السام (بلکہ تم پر موت ہو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے جواب میں "علیکم" بغیر واؤ کے، اور "وعلیکم" واؤ کے ساتھ دونوں طرح کہا جاسکتا ہے۔

(۱)

حضور ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کا حکم

حضور ﷺ کو اگر کوئی شخص۔العیاذ باللہ۔ برا بھلا کہے، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے، اس بارے میں تفصیل ہے:

احناف کے نزدیک اگر کوئی ذمی یا اسلامی ملک میں ویزا لے کر آنے والا کافر، نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے تو حاکم وقت اس کیلئے جو سزا مناسب سمجھے، تعزیراتی طور پر وہ اس پر نافذ کردے، اس حرکت کی وجہ سے نہ تو اسے قتل کیا جائیگا، اور نہ ہی اس کا عقد ذمہ اور معاہدہ ختم ہوگا، ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اور اگر کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں سب وشتم اور گستاخی کردے، تو اس سے وہ مرتد ہو جائیگا، جس کی وجہ سے اسے قتل کردیا جائے گا، امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں جو کوئی بھی سب وشتم کا ارتکاب کرے، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی، اس کا سر قلم کردیا جائیگا، اور اس سے اس ذمی کا معاہدہ بھی ختم ہو جائیگا، ان حضرات کا استدلال اس بات سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف، ابو رافع اور ابن خطل وغیرہ کو قتل کرادیا تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے بارے میں جمہور یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تالیف قلب کے طور پر ان یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، گویا آپ ﷺ نے اس مصلحت کو اختیار فرمایا۔(۲)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام "الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ" ہے، اس میں انہوں نے خوب تفصیل کے ساتھ اس پر کلام کیا اور قرآن وسنت سے دلائل پیش کئے، بحث وتحقیق کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے گستاخ آدمی کو معاف بھی کیا اور بعض لوگوں کو آپ ﷺ نے قتل بھی کرایا، آپ ﷺ کے دور میں یہ دونوں امر پیش آئے، لیکن آپ ﷺ کے بعد امت میں سے اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں سب وشتم کرے، تو لازمی طور پر اسے قتل کیا جائے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔(۳)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۹۹

(۲) فتح الباری ۱۲/۳۴۸ کتاب استتابۃ المرتدین، باب اذا عرض الذمی او غیرہ بسب النبی ﷺ، تکملۃ فتح الملہم ۴/۲۵۴

(۳) تکملۃ فتح الملہم ۴/۲۵۲ کتاب السلام، حکم شاتم الرسول ﷺ

باب مَا جَاءَ فِي السَّلَامِ عَلَى مَجْلِسٍ فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَغَيْرُهُمْ

اس باب میں اس مجلس پر سلام کرنے کا ذکر ہے جس میں مسلمان اور کافر ہوں

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسٍ، وَفِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.

حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گذرے، جس میں مسلمان اور یہودی باہم بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے (مسلمانوں کا ارادہ کرکے) اہل مجلس کو سلام کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ اخلاط: خلط کی جمع ہے، ملے جلے لوگ، مکس لوگ۔

مسلم وکفار کے اجتماع کو سلام کرنے کا طریقہ

اگر انسان کسی ایسے اجتماع میں جائے یا وہاں سے گذرے، جس میں مسلمان اور کافر ہر قسم کے لوگ ہوں، یا ایسی مجلس کے پاس سے گذرے، جس میں کچھ اہل سنت ہیں اور کچھ بدعتی ہیں، کچھ عادل ہیں اور کچھ ظالم تو ایسی صورت میں سلام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان سلام کرے تو اس میں صرف مسلمان کو سلام کرنے کا قصد کرے اور اسے جو اہل سنت میں سے ہو، اور عادل ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں سلام کے الفاظ تو عام استعمال فرمائے، لیکن اس سے صرف اہل اسلام کا ارادہ کیا ہے، اس سے درحقیقت امت کو درس دینا مقصود تھا۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَسْلِيمِ الرَّاكِبِ عَلَى الْمَاشِي

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سوار شخص، پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ. وَزَادَ ابْنُ الْمُثَنَّى فِي حَدِيثِهِ: وَيُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوار، پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے آدمی کو اور تھوڑے آدمی، زیادہ تعداد کو سلام کریں، اور ابن مثنی نے اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں: "اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے"۔

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَائِمِ وَالْقَلِيلُ عَلَى

(۱) تحفة الاحوذي ۷/۴۰۰، عارضة الاحوذي شرح سنن الترمذي للامام أبي بكر ابن العربي المالكي ۱۰/۱۴۳، ابواب الاستيذان، باب ماجاء في السلام قبل الكلام

الکثیر۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھڑ سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی، زیادہ تعداد والے لوگوں کو سلام کریں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔

کون کس کو سلام کرے

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنہیں پہلے سلام کرنا چاہئے:

۱۔ جو شخص کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر سوار ہو تو اسے پیادہ آدمی کو سلام کرنا چاہئے، تاکہ اس کے دل میں بڑائی اور تکبر کے بجائے تواضع اور انکساری پیدا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدل چلنے والے آدمی کے مقابلے میں سواری کے ذریعہ ایک گونا برتری اور فضیلت عطاء فرمائی ہے، لہٰذا اسے عاجزی اختیار کرنی چاہئے۔

۲۔ پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے آدمی کو سلام کرے، "قائم" سے وہ شخص مراد ہے جو ایک ہی جگہ پر برقرار ہو، خواہ وہ بیٹھا ہو، کھڑا ہو یا لیٹا ہوا ہو، اور شارحین حدیث نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں کہ مثلاً پیدل چلنے والے کو گویا اس آدمی کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جو گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو جس طرح گھر میں داخل ہونے والا پہلے سلام کرتا ہے اسی طرح پیادہ آدمی کو بھی پہلے سلام کرنا چاہئے اور اس وجہ سے بھی کہ بیٹھے ہوئے آدمی کو عموماً راہ گذر اور سوار سے دہشت سی ہوتی ہے، ایسے میں اسے پہلے سلام کرنے کا کہا گیا ہے، تاکہ بیٹھے ہوئے آدمی کو اس سے انس اور محبت پیدا ہو جائے۔

۳۔ جو لوگ کم تعداد میں ہوں اور ایسے لوگوں سے ملیں جو زیادہ تعداد میں ہوں تو انہیں زیادہ لوگوں پر پہلے سلام کرنا چاہئے ایک تو جماعت کی فضیلت کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ تھوڑے لوگوں کیلئے سلام کرنے میں آسانی ہے بنسبت کثیر لوگوں کے سلام کرنے کے۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اگر ایک جماعت کچھ لوگوں کے پاس جائے تو انہیں چاہئے کہ سلام کریں، اگر کوئی بھی سلام نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے، اور جماعت میں سے ایک آدمی نے بھی اگر سلام کر دیا تو یہ سب کی طرف کافی ہو جائے گا، اور اگر ان لوگوں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گنہگار ہونگے، ایک نے بھی جواب دے دیا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائیگا۔

علامہ ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اپنی کسی ضرورت کیلئے بازار جائے تو وہ ہر شخص کو سلام نہ کرے، صرف بعض کو سلام کرے، کیونکہ ہر شخص کو سلام کرنے کی وجہ سے اس کے کام میں حرج پیدا ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی شخص کسی عین مقام یعنی شارع عام

اور بازار کی طرف صرف اسی غرض کیلئے جاتا ہے، تاکہ میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سلام کروں، تو ایسا کرنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر بسا اوقات اسی مقصد کیلئے بازار جایا کرتے تھے۔

۳۔ اور چھوٹے کو چاہئے کہ اپنے سے بڑے آدمی کو سلام کیا کرے، اس کے ادب و احترام اور تعظیم کی خاطر، کیونکہ حدیث میں بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ حکم اس وقت ہے جب دو شخص آپس میں راستے میں ملاقات کریں، مثلاً ایک شخص اوپر سے آرہا ہے اور دوسرا اوپر جا رہا ہے، اب جب وہ دونوں آپس میں ملاقات کریں تو اس شخص کو پہلے سلام کرنا چاہئے جو چھوٹا ہو، یا پیادہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص یا چند افراد کسی اجتماع یا کسی کے ہاں جائیں تو پھر حکم یہ ہے کہ اس آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہئے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور خواہ کم تعداد والے لوگ ہوں یا زیادہ تعداد والے ہوں(۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عِنْدَ الْقِيَامِ وَعِنْدَ الْقُعُودِ

یہ باب مجلس میں بیٹھتے اور اٹھتے وقت سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ، فَلْيُسَلِّمْ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ، ثُمَّ إِذَا قَامَ، فَلْيُسَلِّمْ، فَلَيْسَتِ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کسی مجلس میں پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ انہیں سلام کرے پھر اگر وہ بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے پھر جب کھڑا ہو تو (رخصت ہوتے وقت پھر) سلام کرے، کیونکہ (آنے کے وقت) پہلا سلام کرنا (واپس چلتے وقت) دوسرا سلام کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے (یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا چاہئے)

مشکل الفاظ کے معنی: بدا له: اس کیلئے ظاہر ہو جائے یعنی اس کا جی چاہے۔ أحق: زیادہ بہتر، زیادہ مناسب۔

رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح ملاقات کے وقت سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اسی طرح مجلس سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور راجح قول کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے، کیونکہ ملاقات کے وقت کا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا سنت اور جواب دینا ضروری ہے البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رخصت ہونے کے وقت جو سلام کیا جائے، یہ چونکہ محض ایک دعا ہے، اس لیے اس کا جواب دینا ضروری

(۱) تحفة الاحوذی ۲۰۱/۷، تکملة فتح الملهم ۲۴۲/۴ کتاب السلام

نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِئْذَانِ قُبَالَةَ الْبَيْتِ

یہ باب گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت مانگنے کے (حکم کے) بارے میں ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَشَفَ سِتْرًا، فَأَدْخَلَ بَصَرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَرَأَى عَوْرَةَ أَهْلِهِ، فَقَدْ أَتَى حَدًّا، لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ، لَوْ أَنَّهُ حِينَ أَدْخَلَ بَصَرَهُ، اسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَفَقَأَ عَيْنَيْهِ مَا عَيَّرْتُ عَلَيْهِ، وَإِنْ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى بَابٍ، لَا سِتْرَ لَهُ غَيْرِ مُغْلَقٍ، فَنَظَرَ فَلَا خَطِيئَةَ عَلَيْهِ، إِنَّمَا الْخَطِيئَةُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی کا پردہ ہٹایا اور اپنی نظر اس کے گھر میں داخل کی (یعنی اس میں جھانکا) قبل اس کے کہ اسے اجازت دی جائے، اور اس نے اس گھر والوں کی کسی پوشیدہ چیز کو دیکھ لیا، تو اس نے ایسا کام کیا جو حد یعنی تعزیر کو واجب کرتا ہے، جس کا کرنا اس کیلئے حلال نہیں تھا، پھر جب اس نے اپنی نظر گھر میں داخل کی اور اس کے سامنے ایک شخص آیا جس نے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں تو میں اس پر کوئی عیب نہیں لگاؤں گا (بعض نسخوں میں ماغَیَّرتُ علیہ ہے: میں اس کے فعل کو تبدیل نہیں کروں گا) اور اگر کوئی شخص ایسے دروازے کے سامنے سے گذرا، جس پر نہ تو کوئی پردہ تھا اور نہ ہی وہ بند تھا، ایسے میں اس نے (گھر کے اندر) دیکھا تو اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں بلکہ غلطی گھر والوں کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **قبالة:** (قاف پر پیش کے ساتھ) سامنے والا حصہ، بالمقابل۔ **کشف:** ہٹایا، زائل کیا۔ **ستراً:** (سین کے نیچے زیر) پردہ۔ **عورة أهله:** اہل خانہ کی ایسی چیز جو پوشیدہ رکھی جاتی ہو، جسے لوگوں کے سامنے لانے سے شرم محسوس ہو۔ **فقأ عينيه:** اس کی دونوں آنکھوں کو پھوڑ دیا۔ **ماعيرت:** (صیغہ واحد متکلم) یہ عار سے ہے: میں اس پر کوئی عیب نہیں لگاؤں گا، کوئی شرم نہیں دلاؤں گا یعنی اسے کوئی سزا نہیں دوں گا، بعض نسخوں میں ماغیرت علیہ ہے: میں اس کے فعل کو تبدیل نہیں کروں گا۔ **غير مغلق:** جو بند نہ ہو یعنی کھلا ہوا ہو۔ **أتى حداً:** اس نے ایسا کام کر لیا جو تعزیر کے قابل ہے یعنی اس پر اسے سزا دی جانی چاہئے۔

اجازت کیلئے گیٹ کے ایک طرف کھڑے ہونا چاہئے

معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ایک امر کا ذکر ہے کہ جب انسان کسی کے دروازے پر جائے تو گھنٹی بجانے یا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد بالکل سامنے کھڑا نہ ہو، کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے سے کسی شگاف کے ذریعہ نظر گھر کے اندر جا سکتی ہے یا جب دروازہ کھلے تو اس وقت گھر کے اندر نظر پڑ سکتی ہے، جبکہ اجازت سے پہلے تو اس کیلئے گھر کی طرف دیکھنا درست نہیں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۰۳

ہے، اس پر حدیث میں وعید ہے کہ اگر اس کی وجہ سے کوئی شخص اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو اس پر کوئی عیب اور حرج نہیں گویا اس نے اچھا کیا ہے، البتہ اگر دروازہ پہلے سے کھلا ہو، کوئی پردہ بھی نہ ہو، ایسے میں اس کی نظر اجازت سے پہلے ہی گھر کے اندر پڑ گئی تو ایسی صورت میں دیکھنے والے پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ یہ غلطی اہل خانہ کی ہے کہ انہوں نے اپنے لیے پردے کا صحیح طریقے سے بندوبست نہیں کیا۔(۱)

بَابُ مَنِ اطَّلَعَ فِي دَارِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ

یہ باب اس شخص کے حکم کے بارے میں ہے جو کسی کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي بَيْتِهِ، فَاطَّلَعَ عَلَيْهِ رَجُلٌ، فَأَهْوَى إِلَيْهِ بِمِشْقَصٍ، فَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص نے آپ کے گھر میں جھانکا، تو آپ ﷺ نے نیزے کا لمبا پھل اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ شخص پیچھے ہٹ گیا۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَجُلاً اطَّلَعَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِدْرَاةٌ يَحُكُّ بِهَا رَأْسَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهَا فِي عَيْنِكَ، إِنَّمَا جُعِلَ الاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک کے (دروازے کے) سوراخ سے جھانکا اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی، جس سے آپ ﷺ اپنے سر کو کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں اسے تیری آنکھ میں چبھو دیتا، بیشک (ہماری شریعت میں) اجازت مانگنے کا حکم آنکھ کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اطلع علیہ: وہ آپ کے گھر میں جھانکا۔ **أھوی الیہ:** آپ ﷺ نے اس کی طرف بڑھایا۔ **مشقص:** (میم کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) نیزے کا لمبا پھل یعنی اگلا نوکدار لوہا۔ **جحر:** (جیم پر پیش اور حا کے سکون کے ساتھ) سوراخ۔ **مدراۃ:** کنگھی، کنگھا خواہ وہ لکڑی کا ہو یا لوہے وغیرہ کا، بالوں کا برش، سینگ جس سے سر کھجایا جائے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک لکڑی ہوتی ہے جو بالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کے لئے عورتیں سر میں لگاتی ہیں، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک: مدراۃ ایک لکڑی ہے جسمیں کنگھی کی طرح دانتے ہوتے ہیں۔ **یحک رأسہ:** اپنے سر مبارک کھجا رہے تھے۔ **لطعنت بھا:** میں اسے چبھو دیتا۔ **من أجل البصر:** آنکھ کے سبب۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۳

کسی کے گھر میں جھانکنا جائز نہیں

نبی کریم ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ انسان کسی کے گھر میں جھانکے، آپ ﷺ ایسے آدمی کو تیز سے کا پھل مارنے لگے تھے اور آنکھوں میں سر کھجانے والی لکڑی، کنگھی چبھونے لگے تھے اور فرمایا کہ اجازت مانگنے کا حکم آنکھ کی وجہ سے ہوا ہے تاکہ آنکھ کسی حرام جگہ پر نہ پڑے۔ لہذا جب تک اجازت نہ مل جائے اس وقت تک اس گھر کی طرف اس کے دروازے وغیرہ کے شگاف یا سوراخ سے اندر کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

اس سے یہ حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے کسی محرم رشتہ دار مثلاً بہن، ماں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کے ہاں جائے، تب بھی اجازت کے بغیر اندر جانا درست نہیں، ممکن ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہوں کہ جس میں انسان کیلئے انہیں دیکھنا جائز نہیں ہوتا، اس لیے پہلے انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی جائے تاکہ وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار ہوں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ قَبْلَ الاسْتِئْذَانِ

یہ باب اجازت سے پہلے سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ كَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَلِبَإٍ وَضَغَابِيسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِأَعْلَى الْوَادِي، قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ، وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ارْجِعْ فَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ صَفْوَانُ.

قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ أُمَيَّةُ بْنُ صَفْوَانَ وَلَمْ يَقُلْ: سَمِعْتُهُ مِنْ كَلَدَةَ.

حضرت کلدہ بن حنبل نے عمرو بن عبداللہ کو بتایا کہ صفوان بن امیہ نے انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دودھ، بیوی اور چھوٹے کھیرے دے کر بھیجا، آپ (ان دنوں مکہ مکرمہ کی) اعلیٰ وادی میں تھے، راوی کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس سیدھا ہی داخل ہو گیا، اور میں نے نہ تو پہلے اجازت لی اور نہ ہی میں نے سلام کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: واپس چلے جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ اور یہ واقعہ صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے۔

عمرو بن ابی سفیان راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث امیہ بن صفوان نے بتائی ہے، اور امیہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ روایت کلدۃ سے سنی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي دَيْنٍ، كَانَ عَلَى أَبِي، فَقَالَ: مَنْ هَذَا، فَقُلْتُ: أَنَا. فَقَالَ: أَنَا، أَنَا، كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ.

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۰۶

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کیلئے اجازت مانگی اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنے کیلئے جو میرے باپ پر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: (دروازے پر) کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں، گویا آپ ﷺ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لباء: یہ لفظ "عِنَب" کی طرف ہے: ولادت کے بعد کا پہلا دودھ، جسے ہندی زبان میں پیوسی کہا جاتا ہے۔ ضغابیس: ضغبوس کی جمع ہے: چھوٹے کھیرے۔ اعلی الوادی: مکہ مکرمہ کے ایک محلہ کا نام تھا۔

اجازت سے پہلے سلام کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اجازت سے پہلے اگر ہو سکے تو سلام کیا جائے اور پھر اجازت طلب کی جائے جیسا کہ حضرت کلدہ کو آپ ﷺ نے فرمایا، لیکن اگر متعلقہ شخص سامنے نہ ہو جس سے اجازت لینی ہے تو پھر پہلے گھنٹی بجا کر یا دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت حاصل کی جائے، اور جب بندہ سامنے آئے تو اسے سلام کیا جائے۔

۲۔ اجازت طلب کرتے وقت اپنا پورا نام بتایا جائے جو اس کا لوگوں کے ہاں مشہور ہو، ایسا لفظ بولنا درست نہیں جو مجہول ہو اور واضح نہ ہو، کیونکہ اس سے اس بندے کو تکلیف ہوتی ہے جس سے اجازت طلب کی جارہی ہے، چنانچہ حضرت جابر نے جب جواب میں عرض کیا: "میں ہوں" تو آپ ﷺ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس طرح کے الفاظ سے انسان کی شخصیت دوسرے کے سامنے واضح نہیں ہوتی۔

اس روایت میں اس چیز کا کوئی تذکرہ نہیں کہ حضرت جابر نے حضور ﷺ سے اجازت کس طرح لی تھی، لیکن بخاری کی روایت میں حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے نہایت ادب واحترام کی وجہ سے اجازت کیلئے اپنے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹایا کرتے تھے، آپ ﷺ اس آواز کو سن کر سمجھ جاتے تھے کہ دروازے پر کوئی آیا ہے، یہ تب ہے کہ جب اس طرح کھٹکھٹانے سے متعلقہ شخص تک آواز پہنچ جاتی ہو، اگر آواز نہ پہنچے تو اس سے زیادہ بھی کسی چیز سے کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔(۱)

"فی دین کان علی ابی" "اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنی تھی جو میرے والد پر تھا، میرے والد عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، قرض خواہوں نے جب مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں حضور ﷺ سے مدد حاصل کرنے کیلئے خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ اس قرض کی ادائیگی کے بارے میں کوئی بندوبست کیا جا سکے، میرے پاس تھوڑی سی کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ تم کھجوروں کے مختلف ڈھیر لگا دو، پھر آپ ﷺ خود تشریف لائے، بڑے ڈھیر کے آس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۰۷

پاس تین چکر لگائے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ، وہ آتے گئے اور آپ ﷺ ان تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ سے بڑے ڈھیر سے کھجوریں دیتے رہے، یہاں تک کہ تمام قرض ادا ختم ہو گئے اور اس ڈھیر کی کھجوریں جوں کی توں باقی رہیں، ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، یہ نبی کریم ﷺ کے معجزے کی برکت تھی کہ ان کھجوروں سے نہ صرف یہ کہ قرض ادا ہو گیا، بلکہ تمام کھجوریں اسی طرح بچ گئیں جیسے وہ پہلے تھیں، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں وہ تمام کھجوریں اپنی بہنوں کے لیے لے آیا۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طُرُوقِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ لَيْلاً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ انسان کے لئے رات کے وقت سفر سے اپنے گھر واپس آنا ناپسندیدہ ہے

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَاهُمْ أَنْ يَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلاً.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنی عورتوں کے پاس داخل ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَاهُمْ أَنْ يَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلاً قَالَ: فَطَرَقَ رَجُلَانِ بَعْدَ نَهْيِ النَّبِيِّ ﷺ فَوَجَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً.

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنی عورتوں کے پاس داخل ہوں، راوی کہتے ہیں کہ آپ کے منع کے بعد دو شخص رات کے وقت اپنے گھر داخل ہو گئے تو دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے پاس ایک ایک آدمی کو پایا (یہ گویا نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کا وبال تھا)۔

سفر سے واپسی میں رات کے وقت گھر آنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سفر سے واپسی میں اچانک رات کے وقت گھر نہیں آنا چاہئے، دن کے وقت واپسی کی ترتیب بنائی جائے تا کہ اہل خانہ ہر لحاظ سے تیار ہو سکیں، دو آدمیوں نے اس ممانعت کے بعد رات کے وقت گھر میں واپسی کی تو اس کا وبال یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے پاس ایک ایک مرد کو مشغول پایا۔

۲۔ ممانعت کا یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب گھر والوں کو واپسی کے وقت کا پتہ نہ ہو، لیکن اگر گھر والوں کو پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں وقت واپسی ہے تو پھر رات کے وقت بھی گھر میں آنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے، خواہ اس کا سفر لمبا ہو یا مختصر، جیسا کہ

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۱/۳۶، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات

موجودہ دور میں انسان جب سفر سے واپس آتا ہے تو اہل خانہ کو موبائل وغیرہ کے ذریعہ پہلے سے اطلاع ہوتی ہے، ایسے میں رات کے وقت آنا بھی درست ہے۔

طروق: (طا پر پیش کے ساتھ) رات کے وقت آنا۔(۱)

باب ما جاء في تتريب الكتاب

یہ باب مکتوب کو خاک آلود کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا كَتَبَ أَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيُتَرِّبْهُ فَإِنَّهُ أَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی شخص کچھ لکھے تو اسے خاک آلود کر لینا چاہئے، کیونکہ یہ چیز مقصود کے حصول کیلئے بہت کارآمد اور نفع بخش ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تتریب: خاک آلود کرنا، اس پر مٹی ڈالنا، مٹی چھڑکنا۔ فلیتربہ: اس کے دو ترجمے ہیں: (۱) چاہئے کہ وہ اس مکتوب پر مٹی ڈال دے، خاک آلود کر دے۔ (۲) چاہئے کہ اس پر مٹی چھڑک کر جھاڑ دے۔ انجح للحاجة: ضرورت اور مقصد کے حصول کیلئے بہت کارآمد اور نفع بخش ہے۔

تحریر کو خاک آلود کرنے کے معنی

کاغذ پر لکھنے کے بعد اس پر مٹی ڈالنے کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، اس "تتریب" سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔ تحریر کے بعد اس کاغذ کو یوں ہی مٹی پر ڈال دیا جائے، اللہ پر اعتماد کر کے کہ وہی اسے اپنی منزل تک پہنچا دیں گے، آج کل کے عرف کے مطابق اس کی مثال لیٹر بکس سے دی جا سکتی ہے کہ اس میں انسان خط ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔

۲۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کاغذ پر مٹی چھڑک کر جھاڑ دو، تاکہ روشنائی خشک ہو جائے، اور حروف مٹ نہ سکیں، تاکہ پڑھنے والا اسے صحیح طریقے سے پڑھ سکے۔

۳۔ بعض کے نزدیک "تتریب" سے تواضع وانکساری مراد ہے، کہ خط میں ایسی تحریر لکھی جائے جس میں عجز وانکساری اور تواضع کا انداز ہو، انداز تحریر ہٹ دھرمی اور متکبرانہ نہ ہو، کیونکہ مہذب تحریر کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۰۹

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷/۳۱۰، مرقاۃ المفاتیح ۸/۴۷۴

باب

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ضَعِ الْقَلَمَ عَلَى أُذُنِكَ، فَإِنَّهُ أَذْكَرُ لِلْمُمْلِي.

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے سامنے ایک کاتب بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ ﷺ کو (کاتب سے) یہ فرماتے ہوئے سنا قلم کو تم اپنے کان پر رکھ لو، کیونکہ یہ املاء کرانے والے کو زیادہ یاد کراتا ہے۔

کتابت کے وقت قلم کو کان پر رکھنا چاہئے

نبی کریم ﷺ نے لکھنے والے لوگوں کو یہ تنبیہ فرمائی کہ دوران کتابت جب ایک چیز کو لکھ لیں تو قلم کو کان پر رکھنا چاہئے، ہاتھ میں یا زمین پر نہیں رکھنا چاہئے، کان پر رکھنے کا یہ اثر ہوگا کہ ذہن میں وہ مضمون صحیح طریقے سے آئے گا جسے تحریر میں لانا چاہتے ہیں، اور املاء کرانا چاہتے ہیں تو زبان پر صحیح الفاظ کی آمد ہوگی، اور یہ اس بات کی گویا علامت ہے کہ وہ اس بارے میں کامل طریقے سے غور وفکر میں مصروف ہے، عجلت اور جلد بازی سے اس کام کو نہیں گذارنا چاہتا، جبکہ قلم کو ہاتھ میں رکھنا بے فکری، اور زمین پر رکھنا سستی اور غفلت کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس لیے قلم کو کان پر رکھنے کا معمول بنانا چاہئے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ السُّرْيَانِيَّةِ

یہ باب سریانی زبان کی تعلیم کے بیان میں ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودَ. قَالَ: إِنِّي وَاللهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابٍ، قَالَ: فَمَا مَرَّ بِي نِصْفُ شَهْرٍ حَتَّى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ، قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ.

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی کتاب سے چند کلمات آپ کے لیے سیکھ لوں، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم مجھے یہودیوں کی اس تحریر پر بالکل اطمینان نہیں ہوتا، جو وہ میرے لیے کرتے ہیں (ممکن ہے کہ وہ اس میں کچھ اپنی طرف سے اضافے اور تبدیلی کر دیں یا کمی کر دیں) زید بن ثابت کہتے ہیں کہ آدھا مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ میں نے آپ ﷺ کیلئے (یہودیوں کی زبان اور ان سے خط

(۱) تحفۃ الاحوذی ۶۱۲/۷، مرقاۃ ۴۷۹/۸

وکتابت کرنا) سیکھ لیا، راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے سیکھ لیا تو آپ ﷺ جب یہود کی طرف کوئی تحریر بھیجنا چاہتے تو میں ہی اس کو ان کی طرف لکھتا، اور جب یہودی آپ ﷺ کی طرف کوئی تحریر بھیجتے تو میں ان کی تحریر کو آپ ﷺ کے سامنے پڑھتا۔

ضرورت کے وقت غیر مسلم قوموں کی زبان سیکھنے کا حکم

''سریانی'' اور ''عبرانی'' دو پرانی زبانیں ہیں، چنانچہ انجیل سریانی زبان میں اور تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی، سریانی عربی زبان کے مشابہ تھی، اور اس وقت یہ زبان یہودیوں کے ہاں زیادہ مشہور اور متعارف تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو یہودیوں کی سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، کیونکہ ابتداء ہجرت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس زبان سے بالکل آشنا نہ تھے، نبی کریم ﷺ کو جب یہودیوں کی طرف کوئی خط لکھنا ہوتا یا ان کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی خط آتا تو آپ ﷺ مجبوراً یہ خدمات کسی یہودی سے لیتے، لیکن آپ ﷺ کو ان کی تحریر پر یا خط پڑھ کر سنانے پر اطمینان نہیں تھا، ممکن ہے کہ وہ یہودی اپنی طرف سے تحریر میں کچھ اضافہ کر دیں، تبدیلی یا کمی کر دیں، اور خط سنانے میں بھی خیانت کر لیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک مخلص صحابی کو یہ زبان سیکھنے کا حکم دیا تا کہ یہ خدمات پھر وہ انجام دیں، چنانچہ پندرہ دنوں میں انہوں نے یہ زبان سیکھ لی، اس کے بعد خط لکھنے یا پڑھنے کی خدمات حضرت زید بن ثابت ہی سرانجام دیتے۔(۱)

مذکورہ تفصیل سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ شرعی ضرورت کے تحت دنیا کی کوئی بھی زبان عربی، انگلش، ترکی، چینی، جرمنی اور فرانسسی وغیرہ سیکھی جاسکتی ہے اگر چہ وہ کفار کی زبان ہو، آپ ﷺ نے اس وقت کے تقاضے کے مطابق صحابی کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا جو کہ اس وقت وہ یہودیوں کی زبان تھی، لہذا موجودہ دور میں اہل علم کو خاص طور پر انگریزی زبان سیکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے تا کہ اس کے ذریعہ دین اسلام کی صحیح طریقے سے نشر واشاعت کی جاسکے اور اس زبان میں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ چل رہا ہے، موثر طریقے سے اس کا دفاع کیا جاسکے، یہ ایک شرعی ضرورت ہے جس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، اس لیے کہ آپ کو یہودیوں کی تحریر پر اعتماد نہیں تھا کہ کہیں وہ اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کر دیں، اگر آپ ﷺ اللہ جل جلالہ کی طرح عالم الغیب ہوتے تو پھر اس خطرے اور عدم اطمینان کے کیا معنیٰ؟ آپ ﷺ کو تو پتہ ہوتا، اس لیے یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں، کسی بھی طرح درست نہیں۔

''ما امن'' یہ واحد متکلم ہے باب سمع سے: میں مامون اور مطمئن نہیں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۳/۷، مرقاۃ ۲۷۷/۸

باب فِي مُكَاتَبَةِ الْمُشْرِكِينَ

یہ باب مشرکین سے خط وکتابت کرنے سے متعلق ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ قَبْلَ مَوْتِهِ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرَ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ، وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے کسری، قیصر، نجاشی اور ہر جابر حاکم کی طرف خطوط لکھوائے، جن میں انہیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی، یہ نجاشی وہ نہیں جس پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔

مشرکین کی طرف خط وکتابت

نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے کفار کی طرف خطوط روانہ فرمائے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، چنانچہ قیصر و کسری، نجاشی اور ہر اس حاکم کی طرف جو ظالم وجابر تھا، دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے تاکہ وہ نعمت اسلام سے سرفراز ہو جائیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ "کسری" ملک فارس کے بادشاہوں کا "قیصر" روم کے بادشاہوں کا، "نجاشی" ملک حبشہ کے بادشاہوں کا، "خاقان" ترکی کے بادشاہوں کا، "فرعون" قبطیوں کے بادشاہ کا، "عزیز" مصر کے بادشاہ کا اور "تبع" ملک حمیر کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

"والی کل جبار" چنانچہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن حذیفہ کو کسری کی طرف، سلیط بن عمرو کو یمامہ کے ہوذہ بن علی کی طرف، علاء بن حضرمی کو ہجر کے منذر بن ساوی کی طرف، دحیہ کو قیصر کی طرف، عمرو بن امیہ کو نجاشی کی طرف، سائب کو مسیلمہ کی طرف اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا تھا۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کو اسلام کی طرف کسی بھی طریقہ سے دعوت دی جاسکتی ہے، خواہ خط وکتابت، فون اور انٹرنیٹ سے ہو یا بذریعہ ملاقات ہو۔

نجاشی کا ذکر

ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب "نجاشی" ہوا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ایک عیسائی عالم بادشاہ تھا، اس کا نام

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۶۱۴

اصحمہ بن ابحریا ابجر تھا، اور عربی نام "عطیہ" تھا انہیں جب اسلام کا پتہ چلا تو اپنے طور پر ہی اسلام قبول کر لیا، لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کر کے حالات کی وجہ سے نہ آ سکے، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والے تھے، مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر کفار کی طرف سے زندگی گذارنا دشوار ہو گیا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے جہاں اس نجاشی بادشاہ نے ان کی بہت ہی آؤ بھگت اور خدمت کی تھی۔(۱)

ان کی خدمات سے نبی کریم ﷺ بہت خوش تھے، یہی وجہ ہے کہ جب سن نو ہجری میں نجاشی کی وفات ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بلایا، اس موقع پر معجزانہ طور پر ان کی نعش کو آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔(۲)

اس حدیث میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ولیس النجاشی الذی صلی علیہ" کہ وہ نجاشی نہیں کہ جس کی حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ابی فرماتے ہیں کہ اہل سیر واقدی وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں جس نجاشی کی طرف خط لکھنے کا ذکر ہے، یہ وہی نجاشی ہیں جن کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھائی تھی، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس خط کا یوں جواب دیا تھا:

الی محمد رسول اللہ ﷺ. من اصحمة النجاشی: سلام علیک یارسول اللہ ﷺ ورحمة اللہ وبرکاته، فأشهد أنك رسول الله صدوقا، وقد بايعتك."(۳)

(میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ، اللہ جل جلالہ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے)

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ يُكْتَبُ إِلَى أَهْلِ الشِّرْكِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مشرکین کو کس طرح خط لکھا جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تِجَارًا بِالشَّامِ فَأَتَوْهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُرِئَ فَإِذَا فِيهِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ، عَظِيمِ الرُّومِ، السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب نے انہیں بتایا کہ ہرقل نے ان کی طرف قریش کے قافلے

---

(۱) الاصابة ۱/۳۴۷ باب الألف بعدها الصاد

(۲) مرقاة المفاتيح ۳/۵۷ کتاب الصلاة، باب مالا یجوز من العمل...

(۳) تكملة فتح الملهم ۳/۱۵۰ کتاب الجهاد، باب كتب النبي ﷺ الى ملوك الكفار

کے ساتھ (حاضر ہونے کا) پیغام بھیجا، جبکہ وہ کاروبار کے لیے شام گئے ہوئے تھے، چنانچہ یہ تمام قریشی اس کے پاس حاضر ہو گئے، اور پھر ابوسفیان نے حدیث ذکر کی، پھر ہرقل نے حضور ﷺ کا خط منگوایا، اس کے سامنے وہ خط پڑھا گیا، اس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل کی طرف بھیجی گئی ہے، جو روم کا بڑا حاکم ہے، سلام ہو اس پر، جو ہدایت کے راستے کی اتباع کرے، امابعد۔

اہل شرک وغیرہ کی طرف خط لکھنے کے آداب

سن چھ ہجری میں جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ بندی کا ایک مدت تک کیلئے معاہدہ ہو گیا تو پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دعوت کو وسعت دینے کیلئے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے، اس وقت دو بڑی طاقتیں شمار ہوتی تھیں ایک روم کی طاقت جس کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا، اس کا اصل نام "ہرقل" تھا، دوسری کسریٰ کی طاقت تھی، آپ ﷺ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے خطوط ارسال فرمائے۔

آپ ﷺ کے اس خط سے مندرجہ ذیل آداب ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا سنت ہے، خواہ وہ خط مسلمان کی طرف لکھا جائے یا کسی کافر کی طرف، آپ ﷺ نے ہرقل کے خط میں بسم اللہ لکھی ہے۔

۲۔ خط لکھنے والے کو پہلے اپنا نام لکھنا چاہئے پھر اس کا نام، جسے خط لکھا جا رہا ہے، چنانچہ آج کل ہمارے عرف میں خط کی دائیں جانب ابتداء میں ہی خط لکھنے والا اپنا نام لکھتا ہے، اس سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگ اپنا نام خط کے شروع میں نہیں لکھتے بلکہ خط کے آخر میں لکھتے ہیں یہ طریقہ خلاف سنت بھی ہے اور دوسرے کو ایذاء پہنچانے کا بھی ذریعہ ہے، لہذا اسے ترک کرنا چاہئے۔

۳۔ خط لکھنے والا اگر کسی منصب اور شرف واعزاز کا مالک ہو، تو اسے بھی تعارف کے طور پر ذکر کر دے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے اس خط میں "عبد اللہ ورسولہ" لکھا ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ نے "الی هرقل عظیم الروم" لکھا، ملک (بادشاہ) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، کیونکہ اگر ملک کا لفظ استعمال فرما لیتے تو اس کی بادشاہت پر مہر تصدیق لگ جاتی کہ گویا آپ ﷺ نے اس کے بادشاہ ہونے کو تسلیم کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں بادشاہت صرف اللہ جل جلالہ کی ہے یا اس کی جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ نامزد کر دے، کافر اللہ کا نائب نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ ﷺ نے ملک کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، لیکن چونکہ وہ اس ملک کا سربراہ تھا، لوگ اس کی عزت وتکریم کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے منصب کا ذکر فرمایا کہ جو روم کا بڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خط میں متعلقہ شخص کے ظاہری منصب کو ذکر کرنا چاہئے، تاکہ اس کی کچھ حوصلہ افزائی سی ہو جائے۔

۵۔ سلام کے موقع پر آپ ﷺ نے سلام علی من اتبع الھدی (سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اور سیدھی راہ کی پیروی کی) تحریر فرمایا ہے، کیونکہ کافر کو السلام علیکم کے الفاظ سے سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سلام سے اسے ذرا انس ہو جائے گا اور ساتھ ہی اسلام قبول کرنے اور اس کی پیروی کی دعوت بھی ہو جائے گی۔

کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ باب ماجاء فی کراھیۃ التسلیم علی الذمی میں تفصیل سے گذر چکا ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۶۔ خط میں ابتدائی تحریر کے بعد اصل مقصود کو ذکر کرنے سے پہلے "اما بعد" کا لکھنا بہتر ہے تاکہ دونوں چیزوں میں فرق ہو جائے۔(۱)

کیا ہرقل مسلمان ہو گیا تھا

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ہرقل نے اسلام قبول کر لیا تھا یا نہیں، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہرقل مسلمان ہے لیکن جمہور کے نزدیک ہرقل مسلمان نہیں ہوا تھا، اس پر متعدد احادیث شاہد ہیں، اس نے غزوہ تبوک اور موتہ میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی، اس میں بڑی شدید لڑائی ہوئی، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے، لہذا اگر یہ ہرقل مسلمان ہو گیا ہوتا تو غزوہ تبوک اور موتہ میں اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آتا، ایک صریح روایت مسند احمد میں منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک میں مقیم تھے تو آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی کے ذریعہ خط لکھا تھا، اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ "میں مسلمان ہوں" نبی کریم ﷺ کے پاس جب اس کا جواب پہنچا، پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کذب ھو علی نصرانیۃ وہ جھوٹا ہے، ابھی تک وہ اپنے نصرانی مذہب پر قائم ہے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحتاً اس کے اسلام کے دعوی کی تکذیب فرما دی اور یہ کہ ابھی تک وہ اپنے عیسائی مذہب پر قائم ہے۔(۲)

بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنے کی شرعی حیثیت

سنت یہ ہے کہ انسان خط وغیرہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے، صرف ۷۸۶ یا باسمہ سبحانہ لکھنے سے بسم اللہ کی سنت ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی شخص زبان سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر خط لکھنا شروع کر دے اور خط کے شروع میں ۷۸۶ لکھے یا کچھ بھی نہ لکھے تو اس سے سنت ادا ہو جائے گی، آج کل عموماً خطوط وغیرہ کو پڑھنے کے بعد ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ سنت پر عمل کرنے کے لئے زبان سے بسم اللہ پڑھ لے، تحریر میں نہ لکھے، تاکہ بے ادبی نہ ہو۔(۳)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۵۱۵، تکملۃ فتح الملہم ۳/۱۴۶ کتاب الجہاد، باب کتب النبی ﷺ الی ھرقل...

(۲) فتح الباری ۱/۵۹ کتاب بدء الوحی، تکملۃ فتح الملہم ۳/۱۴۴، کشف الباری ۱/۵۱۷

(۳) انعام الباری ۱/۳۵۷، فتاوی عثمانی ۱/۱۴۴ کتاب العلم، معارف القرآن ۶/۵۷۸

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَتْمِ الْكِتَابِ.

یہ باب خط پر مہر لگانے کے جواز کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا. قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے اہل عجم کی طرف (خط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، راوی کہتے ہیں کہ گویا میں آپ ﷺ کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں، جس میں آپ ﷺ کی مہر تھی۔

تحریر پر مہر لگانے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ذمہ دار آدمی اپنی مہر بنوالے تاکہ خطوط وغیرہ بھیجنے کے وقت ان پر مہر لگا دی جائے تو یہ جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سن چھ ہجری کے آخر اور سات ہجری کے شروع میں مختلف بادشاہوں کی طرف خطوط ارسال کرنے سے پہلے یہ مہر بنوائی تھی، یہ درحقیقت چاندی کی انگوٹھی تھی جس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ" اسی سے مہر کا کام بھی لیا جاتا تھا۔(۱)

بَابُ كَيْفَ السَّلَامُ

یہ باب سلام کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَصَاحِبَانِ لِي قَدْ ذَهَبَتْ أَسْمَاعُنَا وَأَبْصَارُنَا مِنَ الْجَهْدِ، فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ أَنْفُسَنَا عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَقْبَلُنَا فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَى بِنَا أَهْلَهُ فَإِذَا ثَلَاثَةُ أَعْنُزٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: احْتَلِبُوا هَذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا. فَكُنَّا نَحْتَلِبُهُ فَيَشْرَبُ كُلُّ إِنْسَانٍ نَصِيبَهُ وَنَرْفَعُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ نَصِيبَهُ فَيَجِيءُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ عَلَيْنَا تَسْلِيمًا، لَا يُوقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ، ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّي ثُمَّ يَأْتِي شَرَابَهُ فَيَشْرَبُهُ.

حضرت مقداد بن اسود فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھی مدینہ میں آئے، ہمارے کان اور آنکھیں فقر و فاقہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھیں، ہم اپنے آپ کو صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو کوئی ہمیں قبول ہی نہ کرتا، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ہمیں اپنے گھر لے آئے، اور وہاں تین بکریاں تھیں، نبی کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا: ان بکریوں کا دودھ نکالو، ہم دودھ نکالتے تھے تو ہر شخص دودھ دوہنے کے بعد اپنا حصہ پی لیتا، اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ رکھ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۱۷، تکملۃ فتح الملہم ۴/۱۳۵ کتاب اللباس والزینۃ، باب فی اتخاذ النبی ﷺ خاتما

دیتا، نبی کریم ﷺ رات کو تشریف لاتے اور آپ اس انداز سے سلام کرتے کہ سونے والے کو نہ جگاتے اور بیدار شخص کو سنا دیتے، پھر (نماز تہجد کے لیے) مسجد تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے پھر اپنے حصہ کی طرف آتے اور اسے پی لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔اقبلت: میں آیا۔ ذهبت أسماعنا و أبصارنا: ہمارے کان اور آنکھیں ختم ہوگئی تھیں یعنی کمزور ہوگئی تھیں۔ جھد: (جیم پر زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ) فقر وفاقہ، مشقت۔ أعنز: عنز کی جمع ہے: بکریاں۔ احتلبوا: تم لوگ دودھ نکالو۔ مرفع: یہ لفظ یا اور نون کے ساتھ نقل کیا گیا ہے یا کی صورت میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہوگا: وہ اٹھا کر رکھ دیتا تھا اور نون کی صورت میں جمع متکلم کا صیغہ ہے: ہم رکھ دیتے تھے۔ لا یوقظ: وہ بیدار نہ کرتے، نہ جگاتے۔ یقظان: بیدار آدمی۔ ثم یاتی شرابه: پھر اپنے دودھ کے پاس آتے۔

سلام کرنے میں بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے

حدیث باب سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر انسان ایسے لوگوں کو سلام کرے کہ جہاں کوئی سو رہا ہو تو اتنی اونچی آواز سے سلام نہ کرے، کہ جس سے سویا ہوا آدمی بھی بیدار ہو جائے، بلکہ اس انداز سے سلام کرے کہ جس سے صرف بیدار شخص تک سلام کی آواز پہنچ جائے اور سویا ہوا آدمی بیدار بھی نہ ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ اسی طریقے سے سلام کرتے کہ جس سے سوتا ہوا آدمی بیدار نہ ہوتا تھا، کیونکہ اسے بیدار کرنا گویا اسے ایذا پہنچانا ہے، اور اسلام نے کسی کو تکلیف پہنچانے سے انتہائی سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

۲۔ فقر وفاقہ سے مارے ہوئے لوگ اگر کسی سے سہارا طلب کریں تو اگر استطاعت ہو تو ضرور ان کی غم خواری کی جائے، لیکن اگر انسان کی معیشت بہت ہی کمزور ہو کہ وہ انہیں کسی بھی طرح سہارا نہ دے سکتا ہو تو اچھے انداز سے معذرت کر دے اور ان کیلئے دعا کر دے، حدیث باب میں حضرت مقداد وغیرہ نے اپنے آپ کو پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پیش کیا تھا، وہ چونکہ خود انتہائی تنگدست تھے اس لیے وہ ان کی کوئی مواساۃ اور غم خواری نہ کر سکے۔

۳۔ جس قدر ہو سکے، کمزور اور ضعیف لوگوں کی ہر لحاظ سے خدمت کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، نبی کریم ﷺ کی یہی سنت ہے۔(۱)

باب ما جاء في كراهية التسليم على من يبول

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے جو پیشاب کر رہا ہو۔

(۱) تحفة الاحوذی ۲۱۸/۷

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلاً سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبُولُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ يَعْنِي السَّلَامَ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے تو آپ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

بعض مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو، نماز، تلاوت اور اذان و اقامت کہہ رہا ہے، دینی گفتگو کر رہا ہے یا سن رہا ہے، یا طبعی حاجت میں مشغول ہو جیسے کھانا اور قضاء حاجت وغیرہ،......... ایسے تمام موقعوں پر سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا بھی درست نہیں اور نہ ہی اس پر لازم ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَقُولَ عَلَيْكَ السَّلَامُ مُبْتَدِئًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ابتداء میں علیک السلام کہنا مکروہ ہے۔

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ، قَالَ: طَلَبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ، فَجَلَسْتُ فَإِذَا نَفَرٌ هُوَ فِيهِمْ، وَلَا أَعْرِفُهُ، وَهُوَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ مَعَهُ بَعْضُهُمْ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: إِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ، إِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ. ثَلَاثًا ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيَّ فَقَالَ: إِذَا لَقِيَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ.

حضرت ابو تمیمہ ہجیمی اپنی قوم کے ایک شخص کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلا تو میں آپ ﷺ کو نہ پاسکا، اسی (فکر میں) میں بیٹھ گیا، اتنے میں چند لوگ آئے، آپ ﷺ بھی انہی میں تھے، میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، آپ ﷺ ان کے درمیان صلح کرا رہے تھے، جب آپ ﷺ فارغ ہو گئے تو ان میں سے بعض نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو میں نے عرض کیا: علیک السلام یا رسول اللہ (تین بار اسی طرح میں نے کہا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: علیک السلام میت کا سلام ہے، پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب آدمی اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو یوں کہے: السلام علیکم ورحمۃ

(۱) ردالمختار ۲/۳۷۳ کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا۔ تحفۃ الاحوذی ۱/۲۵۰ ابواب الطہارۃ، باب فی کراھیۃ السلام غیر متوضیٔ

اللہ وبرکاتہ، پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب یوں دیا: وعلیک ورحمۃ اللہ (تین بار فرمایا)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ. فَقَالَ: لَا تَقُلْ: عَلَيْكَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكَ.

حضرت جابر بن سلیم فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: علیک السلام آپ ﷺ نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو بلکہ السلام علیک کہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ، سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے، اور جب بات کرتے تو اسے تین بار دہراتے (تاکہ اسے سمجھا جاسکے)

سلام کے مسنون الفاظ

سلام کے مسنون الفاظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہیں، خواہ زندہ لوگوں کو سلام کیا جائے یا مردوں کو کیا جائے، حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا: علیك السلام تحیة الموتی۔ (علیک السلام مردوں کا سلام ہے) اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردوں کو اس انداز سے سلام کیا جائے بلکہ اس سے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کو بیان فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے شعراء اور دیگر لوگ علیک السلام کے الفاظ سے مردوں کو سلام کیا کرتے تھے، جبکہ اسلام میں یہ کوئی تخصیص نہیں، اسلام میں سلام کے مسنون کلمات زندہ اور مردہ دونوں قسم کے لوگوں کیلئے السلام علیکم ہی ہیں، ان میں کوئی تفریق نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو فوراً سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ پہلے اسے سلام کرنے کے مسنون کلمات ارشاد فرمائے اور پھر اسے سلام کا جواب دیا، اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ اگر سلام کے کلمات میں ردوبدل کیا جائے یا مسنون طریقے سے سلام نہ کیا جائے تو ایسے میں اس کا جواب دینا انسان پر لازم نہیں ہے جواب دے دے تو جائز اور اگر جواب نہ دے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

باب کی آخری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ بسا اوقات آپ علیہ السلام لوگوں کے مجمع کو تین بار سلام کیا کرتے تھے، یہ معمول نہیں تھا، جب اس کی ضرورت محسوس ہوتی کہ مجمع نے آواز کو پہلی دفعہ صحیح نہیں سنا، یا کچھ نے سنا ہے اور بعض نے نہیں سنا تو پھر تین بار سلام فرماتے تھے۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تین مرتبہ سلام کرنے کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے، ایک مرتبہ مجمع کی ابتداء میں داخل ہوتے وقت، دوسری مرتبہ مجمع کے درمیان میں اور تیسری بار مجمع کے آخر میں سلام فرماتے، تاکہ سب لوگوں کو سلام ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجمع بڑا ہو، تو ضرورت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ بار سلام کرنا مسنون ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر ارشاد فرماتے اور کبھی اسے تین بار دہراتے تا کہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں، اس لیے جب انسان گفتگو اور بیان کرے تو ٹھہر ٹھہر کر بولے، اس قدر عجلت کے ساتھ نہ بولے کہ جس سے سننے والے کو سمجھ ہی نہ آئے اور نہ ان کے ذہن نشین ہو سکے۔(۱)

باب

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، فَلَمَّا وَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ سَلَّمَا، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ، فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الْآخَرُ، فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ، أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللهِ، فَآوَاهُ اللهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ.

حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی آئے، ان میں سے دو تو حضور ﷺ کی طرف آگے اور ایک چلا گیا، جب وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، ان میں سے ایک نے لوگوں کے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا، اور دوسرا لوگوں کے پیچھے ہی بیٹھ گیا، اور تیسرا تو پیٹھ پھیر کر چلا ہی گیا، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں ان تین آنے والوں کا حال نہ بتاؤں؟ ان میں سے ایک نے اللہ کی طرف ٹھکانہ بنانا چاہا تو اللہ نے اسے پناہ دے دی، اور دوسرے نے شرم محسوس کی تو اللہ نے اس سے بھی شرم کر لی (یعنی اسے معاف کر دیا) اور تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو ہم میں سے ہر شخص جہاں جگہ پاتا تو وہاں وہ بیٹھ جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ثلاثة نفر: تین آدمی۔ فرجة: خالی جگہ۔ أدبر ذاهبا: پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ أوى الى الله: اللہ کی طرف پناہ لی یعنی وہ اس مجلس میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ استحيى الله منه: اللہ تعالیٰ نے اس سے شرم کی یعنی اللہ نے اس پر رحم کیا، عذاب نہیں دیا بلکہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۳۶۱، الکوکب الدری ۳/۳۸۹

مجلس میں بیٹھنے کے آداب

مذکورہ احادیث میں مندرجہ ذیل آداب اور امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) عالم دین اور استاذ ضرورت کی بناء پر عام مجمع سے ذرا بلند اور ممتاز جگہ پر بیٹھ جائے تو یہ بہتر ہے تاکہ پورے مجمع کو بات سننے کا موقع مل جائے۔

(۲) مسجد میں علم دین سیکھنے اور وعظ ونصیحت کے حلقے لگانا جائز ہے۔

(۳) دینی حلقوں میں شریک ہونا نہایت اجر وثواب کا باعث ہے۔

(۴) انسان اگر کسی مجلس میں بیٹھنا چاہے تو اگر اس میں کوئی خالی جگہ ہو کر وہاں تک آسانی سے کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر پہنچا جا سکتا ہو تو اس جگہ میں بیٹھنا سب سے بہتر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، حدیث میں اسے اوی الی اللہ سے ذکر کیا ہے کہ اس نے واعظ کے قریب بیٹھ کر گویا اللہ کے ہاں پناہ لی ہے یعنی اس پر اسے بہت اجر وثواب ملتا ہے، اور اگر مجمع کھچا کھچ بھرا ہوا ہو تو پھر مجلس کے آخر میں جہاں بھی مناسب جگہ ہو وہاں پر بیٹھ جائے، ایسی صورت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنا جائز نہیں ہے۔

(۵) جب کوئی شخص اچھا کام کرے یا کوئی خاص کارنامہ سرانجام دے تو اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرنا سنت ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دو آدمیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی، جو مجلس میں باقاعدہ شریک ہوئے۔

اواہ اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول فرما لیتے ہیں اور اسے اپنے ہاں مقام قرب عطا فرما دیتے ہیں اور بعض نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت میں لکھ دیتے ہیں۔

فاعرض اللہ عنہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا بلکہ اس سے ناراض ہوئے، خاص طور پر اس صورت میں کہ جب وہ تیسرا آدمی بغیر کسی عذر اور وجہ کے وہاں سے چلا گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جانے والا شخص منافق ہو اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کیا ہے“

حیث ینتھی اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) مجلس میں جہاں مناسب سمجھے، وہاں پر بیٹھ جائے، جبکہ مجلس کے درمیان میں خالی جگہ پر آسانی سے پہنچا جا سکتا ہو۔

(۲) مجلس کے انتہاء اور آخر میں ہی بیٹھ جائے جبکہ مجلس میں کوئی خالی جگہ اور گنجائش نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں آگے آنے سے دوسرے لوگوں کو یقیناً تکلیف پہنچے گی جو کسی بھی لحاظ سے جائز اور درست نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۲۳

باب مَا جَاءَ فِي الْجَالِسِ عَلَى الطَّرِيقِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ راستے میں بیٹھنے والے پر کیا کیا حقوق ہیں۔

عَنِ الْبَرَاءِ، وَلَمْ يَسْمَعْهُ مِنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِنَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَهُمْ جُلُوسٌ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِينَ، فَرُدُّوا السَّلَامَ، وَأَعِينُوا الْمَظْلُومَ وَاهْدُوا السَّبِيلَ.

حضرت براء فرماتے ہیں (اور ابو اسحاق راوی نے اس حدیث کو حضرت براء سے نہیں سنا) کہ نبی کریم ﷺ انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے، جو راستے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگوں کا یہاں بیٹھنا ضروری ہو تو ہر شخص کے سلام کا جواب دو، مظلوم کی مدد و نصرت کرو، اور بھولے بھٹکے (اور اندھے) کو راستہ بتاؤ۔

راستہ پر بیٹھنے کے حقوق

اگر انسان کسی ضرورت کی وجہ سے یا بغیر کسی وجہ کے راستہ کے ایک طرف بیٹھ جائے تو نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں تین حکم ارشاد فرمائے ہیں کہ اس کا یہ حق ہے کہ جو راہ گذر اسے سلام کرے تو یہ اس کا جواب دے، جو ستم خوردہ اور مظلوم نظر آجائے تو اس کی جس قدر ہو سکے، مدد و نصرت کرے بشرطیکہ عرف اور ملکی قانون اس کے لیے مانع نہ ہوں، اور اگر کوئی راستہ بھول گیا ہے یا اسے معلوم ہی نہیں یا کوئی آنکھ سے معذور ہو تو اسے سیدھا راستہ بتائے تاکہ وہ شخص اپنی منزل تک آسانی سے پہنچ جائے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْمُصَافَحَةِ

یہ باب مصافحہ کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ: الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ، أَيَنْحَنِي لَهُ؟ قَالَ: لَا. قَالَ أَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ، قَالَ: لَا. قَالَ: أَفَيَأْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ، قَالَ: نَعَمْ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ: ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کیلئے جھک جایا کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، عرض کیا: تو کیا اس سے لپٹ جائے یعنی معانقہ کرے اور بوسہ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، عرض کیا: کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔

عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: هَلْ كَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: نَعَمْ.

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۲۳

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ فرمایا: جی ہاں (رواج تھا)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الأَخْذُ بِالْيَدِ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاتھ پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا تحیہ یعنی سلام کو پورا کرتا ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا سَمَرَ إِلَّا لِمُصَلٍّ أَوْ مُسَافِرٍ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رات کو بات کرنا اس شخص کیلئے جائز ہے جس کا ارادہ نماز پڑھنے کا ہو یا وہ مسافر ہو۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ أَوْ قَالَ: عَلَى يَدِهِ، فَيَسْأَلُهُ كَيْفَ هُوَ، وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ.

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مریض کی بیمار پرسی کرنے کا کامل طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے بیمار پرسی کرنے والا اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے پھر اس سے حال دریافت کرے کہ وہ کیسا ہے، اور تمہارا پورا سلام مصافحہ کرنا ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ، فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی دو مسلمان ایسے نہیں جو آپس میں ملاقات کریں اور مصافحہ کریں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں قبل اس کے کہ وہ جدا ہوں۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے یا دونوں ہاتھوں سے

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آپس میں ملاقات کے وقت اور رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے والوں کے صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں، البتہ اجنبی عورت اور بے ریش خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) مصافحہ ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے؟ احادیث میں دونوں طرح کے مصافحہ کا ذکر ہے، اس لیے مصافحہ خواہ ایک ہاتھ سے کیا جائے یا دونوں ہاتھوں سے، اس سے سنت بہرحال ادا ہو جائے گی، (۱) لیکن چونکہ ایک ہاتھ سے مصافحہ

(۱) فتح الباری ۶۶/۱۱ کتاب الاستئذان، باب: الأخذ باليد فتاوی محمودیہ ۱۱/۱۹ الفصل الثالث فی المصافحة والمعانقة ط: فاروقیہ کراتشی

کرنے کا طریقہ اس زمانے میں کافروں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تاکہ کفار کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے، نیز دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ادب واحترام اور تواضع کے زیادہ قریب بھی ہے۔(۱)

(۳) بعض لوگ ہر نماز کے بعد اہتمام کے ساتھ امام سے اور نمازیوں سے مصافحہ کرتے ہیں، اور اسے انتہائی ضروری سمجھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے، لیکن اگر اسے ضروری قرار نہ دیا جائے، بس ویسے ہی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے انسان امام سے یا کسی نمازی سے نماز کے بعد مصافحہ کر لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

بابُ مَا جَاءَ فِي الْمُعَانَقَةِ وَالْقُبْلَةِ

یہ باب معانقہ یعنی گلے ملنے اور بوسے سے متعلق ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِي، فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ، وَاللهِ مَا رَأَيْتُهُ عُرْيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ، فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ مدینہ منورہ آئے، (اس وقت) رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے، وہ آئے تو انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ برہنہ حالت میں ہی کپڑے کھینچتے ہوئے ان کی طرف تشریف لے گئے، اللہ کی قسم میں نے آپ ﷺ کو نہ تو اس سے پہلے کبھی برہنہ دیکھا اور نہ بعد میں، پھر آپ ﷺ نے انہیں اپنے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قرع الباب: دروازہ کھٹکھٹایا، یجر ثوبہ: اپنے کپڑے کھینچتے ہوئے۔ فاعتنقہ: اسے اپنے گلے سے لگایا، معانقہ کیا۔ قبلہ: اس کو بوسہ دیا۔

معانقہ مسنون ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان سفر وغیرہ سے آئے تو مرد کا مرد سے گلے لگ کر ملنا سنت ہے، اور چہرے پر بوسہ دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی فتنہ نہ ہو۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ سے ملاقات کیلئے گھر پہ آئے، دستک دی، آپ ﷺ برہنہ حالت میں ہی باہر تشریف لے آئے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۳۹۲/۳

(۲) تحفۃ الاحوذی ۴۲۶/۷

فقام الیہ عریانا اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم ﷺ بالکل ننگے ہو کر باہر نکلے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عموماً گھر میں سر سے ٹوپی اور قمیص اتار کر بیٹھتا ہے، ناف سے لے کر گھٹنے تک جو ستر کا حصہ ہے وہ چھپا ہوتا ہے، باقی کپڑوں کو اتار دیا جاتا ہے، اور جب کوئی دروازہ پر آتا ہے تو پھر انسان جلدی سے تمام کپڑے پہن کر دروازے پر چلا جاتا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کو حضرت زید بن حارثہ کی اتنی خوشی ہوئی کہ اوپر کی چادر اوڑھنا بھی بھول گئے اور ایسے ہی چادر کے بغیر ان کا استقبال کیا۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی طویل صحبت حاصل رہی اور ایک بستر اور ایک لحاف میں سونا ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا ہے کہ میں نے اس طرح برہنہ آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی کے استقبال کیلئے اس طرح بغیر چادر کے اس موقع کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور اختصار کے یہ جملہ ذکر فرمایا واللہ مارأیتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ اور مراد اس سے مذکورہ طریقے سے استقبال ہے۔

(۲) بعض نے یہ مطلب ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ میں نے کمرے سے باہر کبھی آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہیں دیکھا، کمرے کے اندر دیکھنے کی نفی کرنا مراد نہیں۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ ایک جائز اور مسنون عمل ہے جبکہ حضرت انس کی گذشتہ باب کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معانقہ مشروع اور مسنون نہیں ہے، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آئے یا طویل عرصے کے بعد ملاقات ہو تو اس وقت معانقہ کرنا اور گلے لگ کر ملنا مسنون ہے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے حضرت زید کی آمد پر معانقہ فرمایا، اور جب انسان کسی سفر سے واپس نہ آئے تو پھر صرف مصافحہ کرنا مسنون ہے، معانقہ نہ کیا جائے، چنانچہ حدیث انس میں اسی وجہ سے آپ ﷺ نے معانقہ سے منع فرمایا کہ وہاں کسی کا سفر سے آنے کا ذکر نہیں تھا، اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں کے مفہوم الگ الگ ہیں۔(۱)

بابُ مَا جَاءَ فِي قُبْلَةِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ

یہ باب ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کے بارے میں ہے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، قَالَ: قَالَ يَهُودِيٌّ لِصَاحِبِهِ، اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ. فَقَالَ صَاحِبُهُ: لَا تَقُلْ: نَبِيٌّ، إِنَّهُ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷/۴۳۳، الکوکب الدری ۳/۳۹۴

لو سمعک، کان له أربعة أعین. فأتیا رسول الله ﷺ فسألاه عن تسع آیات بینات. فقال لهم: لا تشرکوا بالله شیئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا النفس التی حرم الله إلا بالحق، ولا تمشوا ببریء إلی ذی سلطان لیقتله، ولا تسحروا، ولا تأکلوا الربا، ولا تقذفوا محصنة، ولا تولوا الفرار یوم الزحف، وعلیکم خاصة الیهود: أن لا تعتدوا فی السبت. قال: فقبلوا یده ورجله، وقالوا: نشهد أنک نبی. قال: فما یمنعکم أن تتبعونی؟ قالوا: إن داود دعا ربه أن لا یزال فی ذریته نبی، وإنا نخاف إن تبعناک أن تقتلنا الیهود.

حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: تم ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو، اس کا (یہودی) ساتھی کہنے لگا کہ انہیں نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو (خوشی سے) ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو (۹) واضح احکام کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اس نفس کو قتل نہ کرو جسے مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ (جھوٹے الزام لگا کر) تاکہ وہ اسے قتل کر دے، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں پیٹھ مت پھیرو، اور اے یہودیو! تم پر خاص طور پر یہ لازم ہے کہ تم ہفتہ والے دن میں اللہ کے حکم سے تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ پھر ان دونوں یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چوم لیے اور کہنے لگے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہیں میری اتباع سے کونسی چیز روکتی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے جواب دیا کہ واقعہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں ہی ہوا کریں اور ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی کرلی تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لہ اربعة اعین: ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری زبان سے اگر یہ سن لیں کہ ہم انہیں نبی کہہ رہے ہیں تو وہ اور زیادہ خوش ہو جائیں گے کہ یہودی بھی مجھے نبی تسلیم کرتے ہیں۔ بینات: واضح، ظاہر و باہر احکام۔ لاتقذفوا: تم بہتان نہ لگاؤ، الزام نہ لگاؤ۔ محصنة: پاکدامن عورت۔ لاتولوا الفرار: تم پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔ یوم الزحف: پیش قدمی کے وقت، میدان جنگ میں۔ لاتعتدوا: تم حد سے تجاوز اور زیادتی نہ کرو۔

ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کا مسئلہ

اگر ایک شخص دوسرے کے ہاتھ یا پاؤں پر بوسہ دے تو اس کا کیا حکم ہے، اس میں تفصیل یہ ہے:

(۱) اگر چہرے اور ہاتھ پر شہوت کے ساتھ بوسہ دیا جائے تو یہ اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں، ایسے ہی

اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی کو بوسہ دینے میں شہوت کا خطرہ ہو تو بھی بوسہ دینا جائز نہیں۔

(۲) اگر چھوٹے بچوں کو شفقت ومحبت کی بناء پر بوسہ دیا جائے یا کسی کی علمی فضیلت وشرف اور بزرگی کی وجہ سے بوسہ دیا جائے تو یہ مسنون ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ جس کو بوسہ دیا جا رہا ہے اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ اس سے تکبر وغرور میں مبتلا نہیں ہوگا لہذا اگر اس کے بارے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس قدر تعظیم وتکریم کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اسے بوسہ دینا مکروہ ہے، حدیث باب میں ہے کہ ان دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پر بوسے دیئے، جب آپ ﷺ نے ان کے سوال کا جواب ارشاد فرمایا اور اگر کسی کا ہاتھ اس کی دنیاوی شان وشوکت اور مال ودولت کی وجہ سے چوما جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(۳) پاؤں پر بوسہ دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، خواہ پاؤں چومنے کیلئے کتنا ہی جھکنا پڑے جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قدم بوسی اس صورت میں جائز ہے، جبکہ رکوع سجدہ کی ہیئت کی طرح سر نہ جھکے۔(۱)

دو یہودیوں کا حضور ﷺ سے ایک سوال

ایک دن دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان کے سوال کیا کہ "تسع آیات بینات" سے کیا مراد ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کیلئے دو جگہ "تسع آیات" کا ذکر فرمایا ہے، ایک سورۃ نمل کی آیت نمبر ۱۲ میں اور دوسرا سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۰۱ میں: ولقد اتینا موسی تسع ایات بینات.

تسع ایات (نو نشانیاں) سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام کو اس وقت عطاء فرمائے گئے، جب ان کی قوم سرکشی اور انسانیت کی تمام سرحدیں عبور کر گئی، تو مختلف اوقات میں ان پر یہ عذاب اتارے جاتے رہے پھر بھی وہ باز نہ آئے تو بالآخر انہوں نے جب حضرت موسی کا تعاقب کیا تو وہ سب بحر قلزم کا لقمہ بن گئے، یہ نو معجزات یہ ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) پانی کا طوفان (۴) ٹڈیوں کا عذاب (۵) غلے میں گھن کے کیڑے اور سر کے بال اور کپڑوں میں جوؤں کی کثرت (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

اگر حدیث باب میں تسع آیات سے یہ نو معجزے مراد لیے جائیں تو سوال ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے ان یہودیوں کے جواب میں معجزات کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف احکام کا ذکر فرمایا ہے؟ تو شارحین حدیث اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تو یہ نو معجزات ذکر فرمائے تھے لیکن راوی نے اختصار کی بناء پر اس وجہ سے انہیں ذکر نہیں کیا کہ وہ تو قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ کچھ احکام کا بھی ذکر فرما دیا گو کہ ان کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا۔

---

(۱) جواہر الفقہ ۱/۲۰۱، تحفۃ الاحوذی ۷/۴۳۷

(۲) اور اگر "تسع آیات" سے نو احکام مراد لیے جائیں تو پھر روایت میں اختصار ماننے کی ضرورت نہیں البتہ اس صورت میں یہ سوال ضرور ہوگا کہ سوال نو احکام کے بارے میں تھا جبکہ روایت میں دس احکام بیان کیے گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے نو احکام تو ذکر فرمائے جو تمام امتوں میں مشترک تھے اور پھر مزید حکم ان کے فائدے کیلئے ذکر فرمادیا، جو خاص طور پر یہود سے متعلق تھا کہ وہ ہفتہ کے دن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کریں، مچھلیوں کا شکار نہ کیا کریں۔

ان داود دعا ربه أن لا يزال من ذريته نبي یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم آپ پر اس وجہ سے ایمان نہیں لا رہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہمیشہ میری اولاد میں ایک نبی ہوا کرے، اور نبی کی دعا قبول ہوتی ہے تو محالہ ان کی اولاد میں نبی ضرور آئے گا، جب وہ نبی ظاہر ہوگا تو تمام یہودی اس نبی کی اتباع کریں گے، ان کی شان وشوکت ہوگی، اب اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو پھر اس وقت ہماری شامت آجائے گی، یہودی ہمیں اس بناء پر قتل کردیں گے، لہذا اس وجہ سے ہم ایمان نہیں لا رہے، یہ سراسر جھوٹ اور الزام تراشی ہے اور ایک غلط بات کی نسبت حضرت داود علیہ السلام کی طرف کی جارہی ہے، انہوں نے اس قسم کی کوئی دعا نہیں کی تھی، وہ اس طرح کی دعا کیسے کرسکتے تھے جبکہ ان پر نازل ہونے والی کتاب "زبور" میں یہ موجود تھا کہ محمد ﷺ نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے، ان کی یہ صفات ہوں گی اور وہ خاتم النبیین ہونگے اور ان کا دین سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کردے گا، اور قتل کرنے کی بات بھی ان یہودیوں کی غلط ہے کیونکہ جو لوگ یہود میں سے ایمان لائے ہیں، انہیں قتل نہیں کیا گیا، حاصل یہ کہ ایمان قبول نہ کرنے کے جو عذر انہوں نے بیان کئے، وہ کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہیں۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَرْحَبًا

یہ باب مرحبا یعنی خوش آمدید کہنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ، تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِيءٍ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ.

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور فاطمہ نے ایک کپڑے سے آپ ﷺ کیلئے پردہ کر رکھا تھا، فرماتی ہیں کہ میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی ہوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ام ہانی کو مرحبا یعنی خوش آمدید ہو۔

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ أَبِي جَهْلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ جِئْتُهُ: مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل فرماتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مہاجر سوار کیلئے

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۹۵، مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۱۲ کتاب الایمان، باب الکبائر، شرح الطیبی ۱/۱۹۵

مرحبا یعنی خوش آمدید ہو۔

آنے والے شخص کیلئے اچھے کلمات کہنا سنت ہے

ان دونوں احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے ہاں آئے تو دوسرے کو چاہئے کہ آنے والے کے استقبال میں اچھے کلمات کا استعمال کرے، جس سے اسے وحشت نہ ہو بلکہ اس ماحول سے انس اور لگاؤ ہو جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ہانی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم کیلئے مرحبا کا لفظ استعمال فرمایا: جس کے معنی ہیں کہ تم ایک کشادہ اور مانوس جگہ پہ آگئے ہو، کیونکہ آنے والے آدمی کیلئے اگر سخت اور نامناسب کلمات استعمال کیے جائیں تو یہ اخلاق حسنہ اور سنت بندی کے سراسر خلاف ہے، اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

" فوجدته یغتسل " ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوران غسل آپ ﷺ نے حضرت ام ہانی سے گفتگو فرمائی، حالانکہ حقیقت ایسی نہیں، اس لیے شارحین حدیث نے اس کے مطلب میں تین امکان ظاہر کیے ہیں:

(۱) ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابھی غسل کرنا شروع نہ فرمایا ہو، اس وقت آپ ﷺ نے یہ گفتگو فرمائی ہو۔

(۲) یا یہ کہ آپ ﷺ غسل سے فارغ ہو چکے تھے، عرف میں اس طرح کی صورتحال میں فوجدته یغتسل کہہ دیا جاتا ہے۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کپڑا باندھ کر نہا رہے ہوں، اور حضرت فاطمہ نے ناف سے اوپر کے حصے کے پردے کیلئے کپڑا کھڑا کر رکھا ہو، ایسے میں دوران غسل بھی گفتگو کی جاسکتی ہے، اس لیے اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آپ ﷺ نے برہنہ حالت میں گفتگو فرمائی ہے، کسی بھی طرح درست نہیں۔(۱)

کچھ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے بارے میں

ابتداء میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل اپنے باپ کی طرح اسلام کے سخت خلاف تھے، اسلام کے خلاف ہر سازش میں پیش پیش رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، فتح مکہ کے موقع پر یہ یمن کی طرف بھاگ کر چلے گئے، ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے اسلام قبول کرلیا، اور دربار نبوی میں حاضر ہوکر حضور ﷺ سے اپنے شوہر کے لئے امان طلب کیا، ادھر حسن اتفاق سے حضرت عکرمہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، کہ جب وہ یمن کے ساحل سے کشتی پر سوار ہوئے تو سمندر میں ان کی کشتی سخت ہواؤں میں پھنس گئی تو کشتی کے سوار آپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ تمہارے خدا اس مشکل کو حل نہیں کرسکتے، اس موقع پر حضرت عکرمہ نے اللہ تعالی سے یہ عہد کیا کہ اگر اس وقت اللہ تعالی نے ہمیں نجات دی تو میں مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلوں گا، چنانچہ اللہ نے انہیں ان سمندری ہواؤں سے بچالیا تو وہ

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۹۶

حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کرلیا، جب انہیں نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: مرحبا بالراکب المهاجر۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے جنت میں ابوجہل کیلئے انگور کا گچھا دیکھا ہے" جب حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ جنت کے اس گچھے سے مراد یہ ہے کہ ابوجہل کی نسل سے حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

بعد میں یہ مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے، بالآخر یرموک کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔(۱)

باب ما جاء في تشميت العاطس

یہ باب چھینکنے والے کے جواب کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر دستور کے مطابق چھ حقوق ہیں: اسے سلام کرے جب وہ اس سے ملے، اس کی دعوت کو قبول کرے جب وہ اسے بلائے، اس کی چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے دے جب وہ چھینک مار کر الحمد للہ کہے، اس کی بیماری پرسی کرے جب وہ بیمار ہوجائے، اس کے جنازے کے ساتھ چلے جب وہ مرجائے اور اس کیلئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ: يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں: اس کی عیادت کرے جب وہ بیمار ہوجائے، اس کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو جب وہ مرجائے، اس کی دعوت کو قبول کرے جب وہ اسے بلائے، اور اسے سلام کرے جب وہ اس سے ملاقات کرے، اس کی چھینک کا جواب دے جب وہ چھینکے، اور اس کی خیر خواہی کرے جب وہ غائب ہو یا موجود ہو۔

چھینک کا جواب دینے کی حیثیت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چھ حقوق ذکر فرمائے ہیں جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں:

(۱) جب وہ اسے سلام کرے تو یہ اس کا اچھے انداز سے سلام کا جواب دے، اس کی مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

---

(۱) الاصابة ۴۴۳/۲، العین بعدھا الکاف، البدایة والنہایة ۲۹۸/۴

(۲)　کھانے کی دعوت کرے تو اسے قبول کرے، دعوت کا قبول کرنا سنت ہے اور بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، لہذا دعوت کو قبول کرنا چاہیے، بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو، اگر اس پروگرام میں موسیقی ہو تو پھر اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے معذرت کردے، البتہ اگر وہ خلاف شرع کام کو ختم کر سکتا ہو تو پھر شرکت درست ہے۔

(۳)　جب اس کے پاس کوئی چھینکے اور الحمدللہ کہے تو سننے والے کو چاہیے کہ وہ یرحمک اللہ سے اسے جواب دے، "تشمیت" کہتے ہیں: چھینکنے والے کو یرحمک اللہ سے جواب دینا۔

چھینک کا جواب دینے کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے:

☆　چھینک کا جواب دینا سنت ہے، یہ امام نووی اور مالکیہ کا مذہب ہے۔

☆　اہل ظاہر اور شافعیہ کے نزدیک یہ جواب دینا فرض عین ہے

☆　حنفیہ اور جمہور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ چھینک کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے یعنی اگر بعض افراد بھی اس کا جواب دے دیں تو سب کی طرف سے یہ واجب ادا ہو جائے گا۔

(۴)　مریض کی عیادت کرے۔　(۵)　جب مر جائے تو اس کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ میں شریک ہو۔

(۶)　مسلمان بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور دوسری روایت میں چھٹا حق یہ ہے کہ مسلمان بھائی کیلئے خیر خواہی کے جذبات رکھتا ہو خواہ وہ بھائی اس کے پاس حاضر ہو یا غائب، ایسا نہ ہو کہ سامنے ہو تو اس کی خوشامد کرے اور غائب ہو تو اس کی برائی کرے، یہ طریقہ منافقین کا ہوتا ہے، جسے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

باب مَا جَاءَ كَيْفَ تَشْمِيتُ الْعَاطِسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینکنے والے کو کیسے جواب دیا جائے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كَانَ الْيَهُودُ يَتَعَاطَسُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَرْجُونَ أَنْ يَقُولَ لَهُمْ: يَرْحَمُكُمُ اللهُ، فَيَقُولُ: يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس چھینکتے اور امید رکھتے کہ حضور ﷺ ان کیلئے یرحمکم اللہ کہیں، مگر آپ ﷺ یہی فرماتے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کر دے)

عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّهُ كَانَ مَعَ الْقَوْمِ فِي سَفَرٍ، فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ: عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ، فَكَأَنَّ الرَّجُلَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ، فَقَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَقُلْ إِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ

(۱)　تحفۃ الاحوذی ۷/۸، تکملۃ فتح الملہم ۲۴۶/۴ کتاب السلام، باب من حق للمسلم

النَّبِيِّ ﷺ: فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ، إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ: يَغْفِرُ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ.

حضرت سالم بن عبید کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں تھے کہ ان میں سے ایک نے چھینک ماری تو اس نے کہا: السلام علیکم تو سالم نے کہا کہ تجھ پر اور تیری ماں پر سلام ہو، یہ بات اس آدمی پر گراں گذری (یا یہ ترجمہ: وہ شخص اپنے دل میں ہی غصہ ہوگیا) سالم نے فرمایا: میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، وہی کہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا (جب) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری تو اس نے کہا السلام علیکم تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر اور تمہاری ماں پر سلام ہو (پھر فرمایا) جب تم میں سے کوئی آدمی چھینکے تو اسے چاہئے کہ وہ الحمد للہ رب العالمین کہے، اور جو شخص اسے چھینک کا جواب دے تو کہے: یرحمک اللہ، اور چھینکنے والا پھر کہے: یغفر اللہ لی ولکم (اللہ تعالی میری اور تمہاری مغفرت فرمادے)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَلْيَقُلِ الَّذِي يَرُدُّ عَلَيْهِ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ هُوَ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ

حضرت ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں) اور اسے جواب دینے والا کہے: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) اور پھر چھینکنے والا کہے: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالی تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال بہتر کردے)

مشکل الفاظ کے معنی: یشمت: چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے دے۔ عاطس: چھینکنے والا۔ یتعاطسون: وہ چھینک مارتے تھے۔ یرجون: وہ امید رکھتے۔ وجد فی نفسہ: دل میں گراں گذری، اپنے دل میں غصہ ہوگئے۔ بال: اس کے تین معنی ہیں: دل، خوشحالی اور حال، احادیث میں اس لفظ کے تینوں معنی استعمال ہوئے ہیں، تاہم اس حدیث میں ویصلح بالکم میں "حال" کے معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

چھینک کا جواب کن الفاظ سے دیا جائے

اس باب کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر کوئی کافر چھینک مارے اور قریب میں مسلمان ہو تو وہ یرحمک اللہ نہ کہے، کیونکہ رحمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے، بلکہ ان کی ہدایت کیلئے دعا کرے ان الفاظ سے: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم، چنانچہ یہود آپ ﷺ کی مجلس میں چھینک مارتے تھے تاکہ حضور ﷺ ان کیلئے یرحمک اللہ کے ذریعہ دعا دیں لیکن آپ ﷺ ایسا نہ فرماتے بلکہ یھدیکم اللہ ویصلح بالکم ہی ارشاد فرماتے۔

(۲) چھینکنے والے کو جب یرحمک اللہ سے جواب دیا جائے تو اس کے بعد چھینکنے والا کیا کہے؟ احادیث میں اس موقع کیلئے دو

طرح کے الفاظ منقول ہیں (۱) یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (۲) یغفر اللہ لی ولکم

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کی مرضی ہے کہ ان دو الفاظ میں سے جو بھی کہہ لے، سنت ادا ہو جائے گی، اور اگر بیک وقت دونوں طرح کے الفاظ کہہ دے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

(۳) چھینکنے والا الحمد للہ کہے، السلام علیکم اس وقت نہ کہے، ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک مار کر السلام علیکم کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: علیک وعلی امک، چھینک کا جواب اس طرح دینے کا مقصد یہ تھا کہ چھینک کے وقت السلام علیکم نہیں کہنا چاہئے اور اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمہاری تربیت ماں نے کی ہے جب ہی تم نے چھینک کے وقت ایسا کہا ہے، اگر تمہاری تربیت باپ کرتے تو تم اس طرح نہ بولتے، بلکہ صحیح جملہ بولتے، یہ حدیث چونکہ حضرت سالم نے سنی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے بھی چھینک کے وقت السلام علیکم کہنے والے کو اسی طرح جواب دیا، جو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، پھر آپ ﷺ نے صحیح طریقہ ارشاد فرمایا۔(۱)

باب مَا يَقُوْلُ الْعَاطِسُ إِذَا عَطَسَ

یہ باب ان کلمات کے بیان میں ہے کہ جو چھینکنے والا چھینک کے وقت کہے گا

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ. قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، عَلَّمَنَا أَنْ نَقُوْلَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر کی موجودگی میں چھینک ماری اور الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ﷺ کہا، ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ﷺ مگر اس طرح نبی کریم ﷺ نے ہمیں نہیں سکھایا، بلکہ ہمیں یہ سکھایا کہ (چھینک کے بعد) ہم یہ کہیں: الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ ہی کے لیے ہیں)۔

چھینکنے کی دعا

احادیث میں چھینکنے کے وقت کی دعا کے بارے میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں:

(۱) الحمد للہ (۲) الحمد للہ رب العالمین (۳) الحمد للہ علی کل حال۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ چھینکنے کے وقت آدمی الحمد للہ کہے اور اگر الحمد للہ رب العالمین کہے تو یہ اس سے بہتر ہے اور اگر الحمد للہ علی کل حال کہے تو یہ سب سے افضل ہے، کیونکہ اللہ کی حمد وثنا پر مشتمل کلمات جس قدر زیادہ ہونگے، اسی قدر ان کی عظمت اور فضیلت بھی بڑھ جاتی ہے۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۰، الکوکب الدری ۳/۳۹۶

فقال ابن عمر: وانا اقول: الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ، حضرت ابن عمر کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ میں بھی چھینک کے وقت یہی کہوں جو آپ نے کہا ہے، لیکن ایسا ہمیں حضور ﷺ نے نہیں سکھلایا، اس لیے ہمیں ایسا نہیں کہنا چاہیے وہی کلمات کہنے چاہئیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ التَّشْمِيتِ بِحَمْدِ الْعَاطِسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینک مارنے والا الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ سے اس کا جواب دیا جائے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ عَطَسَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الآخَرَ، فَقَالَ الَّذِي لَمْ يُشَمِّتْهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَمَّتَّ هَذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّهُ حَمِدَ اللَّهَ وَإِنَّكَ لَمْ تَحْمَدِ اللَّهَ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کی چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا، اس شخص نے عرض کیا جس کو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کی چھینک کا تو جواب دیا اور میری چھینک کا جواب نہیں دیا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ اس نے چھینک کے وقت اللہ کی تعریف بیان کی (یعنی الحمدللہ کہا) اور بیشک آپ نے اللہ کی اس وقت حمد و ثناء بیان نہیں کی۔

چھینک کا جواب کب دیا جائے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے انسان پر اس وقت واجب علی الکفایہ ہوتا ہے جب چھینکنے والا بلند آواز سے الحمدللہ کہے جسے دوسرا انسان سن سکے لہٰذا اگر وہ الحمدللہ نہ کہے یا بلند آواز سے نہ کہے کہ جس سے دوسرا آدمی سن سکے تو پھر چھینک کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص حضرت عامر بن طفیل اور ان کے بھتیجے تھے۔(۲)

باب مَا جَاءَ كَمْ يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینکنے والے کو کتنی مرتبہ تک جواب دیا جائے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ قَالَ: عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَنَا شَاهِدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ. ثُمَّ عَطَسَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَذَا رَجُلٌ مَزْكُومٌ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۳/۸

حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری، میں بھی وہاں موجود تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے) پھر دوسری بار اس نے چھینک ماری تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص زکام میں مبتلی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ: أَنْتَ مَزْكُومٌ۔

اسی سند کے ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ چھینکنے پر فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلَاثًا، فَإِنْ زَادَ فَإِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا۔

حضرت عبید بن رفاعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھینکنے والے کو تین بار تک جواب دو پھر اگر اس سے زیادہ چھینکے تو تمہیں اختیار ہے، چاہو تو اسے جواب دو، اور چاہو تو نہ دو۔

چھینک کا جواب کتنی مرتبہ تک دیا جائے

حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے زکام ہے جبکہ امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابوہریرہ سے اور حضرت سلمہ کی اس روایت کے دوسرے طریق میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ چھینک کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ اسے زکام ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟

اس لیے بعض علماء نے ان دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ حدیث سلمہ میں ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسے زکام ہے اس لیے پھر آپ ﷺ نے مزید جواب نہیں دیئے، لیکن اگر پہلی مرتبہ چھینک کے جواب کے بعد آدمی کو زکام کا پتہ نہ چل سکے، تو پھر تین بار تک ضرور چھینک کا جواب دے، اس کے بعد آدمی کی مرضی ہے، چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي خَفْضِ الصَّوْتِ وَتَخْمِيرِ الْوَجْهِ عِنْدَ الْعُطَاسِ

یہ باب چھینک کے وقت آواز کو پست کرنے اور چہرے کو ڈھانپ دینے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا عَطَسَ غَطَّى وَجْهَهُ بِيَدِهِ، أَوْ بِثَوْبِهِ، وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو چھینک آتی تو آپ ﷺ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست فرمالیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خفض الصوت: آواز کو پست کرنا، پست آواز۔ تخمیر الوجه: چہرے کو ڈھانپنا، چہرے کو چھپانا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۷۶/۴ کتاب السلام، باب من حق المسلم

غضّ بہا: چھینک کے وقت آواز کو پست اور آہستہ کر لیتے۔

چھینک مارنے کے آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چھینک مارنے کے دو آداب ذکر فرمائے ہیں، ایک چھینکتے وقت ہاتھوں سے یا کسی کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ بلند آواز سے نہ چھینکا جائے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تہذیب وتمدن اور شائستگی کی علامت بھی ہیں اور آداب شریعت کا تقاضا بھی ہیں، اس لیے کہ چھینک کے وقت چہرے کی شکل بگڑ جاتی ہے، بسا اوقات کوئی بلغم وغیرہ بھی نکل آتی ہے، اگر چہرے کو نہ ڈھانپا گیا تو ساتھ میں بیٹھے انسان کو تکلیف ہوگی، اسی طرح بلند آواز کے ساتھ چھینک مارنے سے لوگ خوف زدہ بھی ہو جاتے ہیں، معاشرہ میں اسے سنجیدگی اور وقار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اس لیے آہستہ آواز سے چھینک ماری جائے اور الحمدللہ بلند آواز کے ساتھ کہا جائے تاکہ دوسرا شخص سن کر اس چھینک کا جواب دے سکے۔(۱)

باب ما جاء إنّ الله يحبّ العطاس ويكره التثاؤب

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی لینے کو ناپسند کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الْعُطَاسُ مِنَ اللهِ، وَالتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ، وَإِذَا قَالَ: آهْ آهْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهِ، وَإِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ: آهْ آهْ إِذَا تَثَاءَبَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهِ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھینک اللہ کی طرف سے اور جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اسے چاہئے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے اور جب جمائی لینے والا آہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے منہ کے اندر سے ہنستا ہے (یعنی شیطان اس کی غفلت سے خوش ہوتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ جب کوئی جمائی لیتے وقت آہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے اندر سے (اس کی غفلت پر) ہنستا ہے (جب وہ اپنے منہ پر ہاتھ نہ رکھے تو)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَحَقٌّ عَلَى كُلِّ مَنْ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ: يَرْحَمُكَ اللهُ، وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، وَلَا يَقُولَ: هَاهْ هَاهْ، فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ، يَضْحَكُ مِنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶/۸

فرماتے ہیں، لہذا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو وہ الحمد للہ کہے، اور ہر سننے والے پر حق ہے کہ وہ جواب میں یرحمک اللہ کہے، اور جہاں تک جمائی کا تعلق ہے تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الوسع اسے روکنے کی کوشش کرے اور ہاہ ہاہ نہ کرے، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے جس سے وہ ہنستا ہے (یعنی اس کی غفلت پر مسکراتا ہے)

چھینک پسندیدہ اور جمائی ناپسندیدہ ہے

چھینک کی وجہ سے انسان میں چستی اور نشاط پیدا ہوتا ہے، دماغ سے کدورتیں اور بوجھ زائل ہوجاتا ہے، فہم وبصیرت میں اضافہ اور عبادت میں تازگی آجاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں، اور حدیث میں چھینک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، جبکہ جمائی آنے کا باعث کثرت اکل اور نفس کا بھاری پن ہے، اس کی وجہ سے آدمی کے اندر غفلت وسستی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادات میں نشاط اور یکسوئی ختم ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمائی سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اس آدمی کو آسانی کے ساتھ برے وساوس اور غلط راستے پر لگا لیتا ہے، حدیث میں اسی وجہ سے جمائی کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، لہذا جمائی کو روکنے کی کوشش کرے اور جب جمائی آہی جائے تو اپنے منہ پر ہاتھ یا کوئی کپڑا رکھ لینا چاہیے تاکہ شیطان کے اثرات سے بچا جاسکے۔(۱)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ جب انسان کو جمائی آنے لگے تو دل ہی دل میں یہ تصور کرے کہ نبی کریم ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی تو اس سے وہ جمائی ختم ہوجائے گی، یہ بزرگوں کا مجرب طریقہ ہے، اس لیے جمائی سے بچنے کیلئے یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِنَّ الْعُطَاسَ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نماز میں چھینک آنا شیطان کی طرف سے ہے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ قَالَ: الْعُطَاسُ، وَالنُّعَاسُ، وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ، وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کے دوران چھینک، اونگھ، جمائی، حیض، قے اور نکسیر کا آنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

نماز میں چھینک کا آنا پسندیدہ نہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ذکر فرمایا کہ یہ نماز میں پیش آجائیں تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں،

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۷

اور تین چیزوں یعنی چھینک، اونگھ اور جمائی کے بعد "فی الصلاۃ" کا لفظ ذکر کیا، اس طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ پہلی تین چیزیں گوکہ دوران نماز مکروہ ہیں تاہم ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور آخری تین چیزیں یعنی حیض، قے اور نکسیر نماز میں پیش آجائیں تو ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ان چھ چیزوں کو شیطان کا اثر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے پیش آنے سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اس کی نماز کو توڑنا اور خشوع وخضوع کو ختم کرنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ عام حالات میں چھینک کا آنا باعث رحمت ہے، اور وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے یعنی اس سے عبادات میں نشاط پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ پچھلے باب کی روایات میں یہ گذر چکا ہے، لیکن اگر یہ چھینک نماز کے اندر آجائے تو یہ شیطانی اثر سے ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نماز کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔(۱)

باب كَرَاهِيَةِ أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يُجْلَسُ فِيهِ

باب: یہ بات مکروہ ہے کہ آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا دیا جائے اور پھر اس میں خود بیٹھا جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يُقِيمُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس کی جگہ پہ بیٹھ جائے۔

دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں

اگر کوئی شخص کسی مباح جگہ پر بیٹھ جائے مثلاً مسجد میں یا علم ودعظ کیلئے کسی جگہ کوئی بیٹھ جائے تو اب دوسرے کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اسے وہاں سے اٹھا دے اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے، کیونکہ اس میں اس کی حق تلفی ہے، علامہ نووی نے اس طرح کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابن عمر کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص انہیں خود بھی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو کہتا تو وہ نہ بیٹھتے، یہ ان کا کمال تقوی تھا ورنہ جب دوسرا شخص اپنی خوشی سے اس جگہ پر بیٹھنے کا کہے تو شرعاً اس کی جگہ پر بیٹھنا جائز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں کسی جگہ کو درس اور افتاء کیلئے خاص کر لیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ایسے میں پھر کسی اور کو اس جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۲/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۳/۸، شرح مسلم للنووی ۲۱۷/۲ کتاب السلام، باب تحریم اقامۃ الانسان.....

باب مَا جَاءَ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کوئی شخص مجلس سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

عَنْ وَهْبِ بْنِ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الرَّجُلُ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ وَإِنْ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ.

حضرت وھب بن حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے، لہذا اگر وہ کسی ضرورت کیلئے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مسجد وغیرہ میں کسی جگہ پہ بیٹھا ہوا اور کسی ضرورت کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ شخص ہی اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے، دوسرے کسی آدمی کیلئے اس کی جگہ میں بیٹھنا درست نہیں۔ جانے والے کو چاہیے کہ اگر اس نے دوبارہ واپس آنا ہے، تو اس جگہ اپنی کوئی چیز رکھ کر جائے، یا ساتھ میں بیٹھے آدمی کو بتادے کہ میں ابھی واپس آرہا ہوں، کسی اور کو نہ بیٹھنے دیا جائے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجُلُوسِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بِغَيْرِ إِذْنِهِمَا

یہ باب اس بارے میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کیلئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے۔

دو شخصوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب دو شخص اکیلے بیٹھے ہوں تو کسی تیسرے کیلئے جائز نہیں کہ وہ ان کے درمیان تفریق کرے یعنی ان کی مرضی کے بغیر ان کے درمیان بیٹھ جائے، کیونکہ اس سے انہیں وحشت اور تکلیف ہوگی، ممکن ہے کہ وہ اپنی کسی خاص بات میں مشغول ہوں یا کوئی اہم مشورہ کر رہے ہوں، البتہ اگر وہ بیٹھنے کی اجازت دے دیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۵/۸

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْقُعُودِ وَسْطَ الْحَلْقَةِ

یہ باب حلقے اور مجمع کے درمیان بیٹھنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ أَنَّ رَجُلاً قَعَدَ وَسْطَ حَلْقَةٍ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ أَوْ لَعَنَ اللّٰهُ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ: مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ

حضرت ابومجلز فرماتے ہیں کہ ایک شخص حلقہ کے درمیان بیٹھا تو حذیفہ نے فرمایا: حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ شخص ملعون ہے یا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زبان سے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو حلقہ کے درمیان بیٹھے۔

مجمع کے درمیان گھسنے کا حکم

جو شخص مجمع کے درمیان گھس جائے تو اس پر لعنت کی گئی ہے یعنی وہ شخص اللہ جل جلالہ کی رحمت سے دور کردیا جاتا ہے، یہ لعنت کس وجہ سے کی گئی ہے، شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں لکھی ہیں:

(۱) مجمع کے درمیان میں جانے کیلئے چونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا، جس سے انہیں اذیت ہوگی، اس لیے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس عمل کو باعث لعنت قرار دیا ہے۔

(۲) بسا اوقات مجمع کے درمیان میں ایسی جگہ میں بیٹھ جاتا ہے جہاں سے بعض لوگ دوسرے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے، اور انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک اس آدمی سے وہ مسخرہ شخص مراد ہے جو حلقہ کے درمیان اس لیے جاتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ہنسیں، ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ قِيَامِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ

یہ باب ایک شخص کا دوسرے کیلئے تعظیماً کھڑے ہونے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا، اس کے باوجود وہ لوگ جب حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسے پسند

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۸/۸

نہیں فرماتے۔

عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِيَةُ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ صَفْوَانَ حِينَ رَأَوْهُ. فَقَالَ: اجْلِسَا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت ابومجلز فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نکلے تو عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے، حضرت معاویہ نے فرمایا: تم دونوں بیٹھ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ لوگ اس کے سامنے (تصویروں کی طرح) کھڑے رہیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

یتمثل لہ: اس کے لئے کھڑے ہوجائیں۔

دوسرے انسان کیلئے کھڑے ہونے کا حکم

اس باب کی احادیث میں ہے کہ جب کوئی انسان بیٹھا ہو اور دوسرا کوئی اس کے پاس آجائے تو اس کیلئے کھڑا ہونا ناپسندیدہ ہے، نبی کریم ﷺ اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، آپ ﷺ کے بعد پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اس موقع پر کھڑے ہونے کو تکبر کرنے والے اور عجمی لوگ پسند کرتے تھے۔

لیکن بعض دوسری احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس مسئلے میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان صاحب علم وفضل ہو تو اس کے ادب واحترام میں کھڑا ہونا مستحب ہے جبکہ ابوعبداللہ بن حاج مالکی اسے ممنوع قرار دیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جب حضرت سعد کے فیصلہ پر متفق ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد کو بلایا، جب وہ آگئے تو نبی کریم ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا: قوموا الی سید کم کہ تم اپنے سردار کیلئے کھڑے ہوجاؤ، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تعظیماً کھڑا ہونا درست ہے۔

ابن حاج مالکی اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ حضرت سعد بیمار تھے وہ سواری سے اترنے پر قادر نہیں تھے تو آپ ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو سواری سے اتارو، چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوموا الی سید کم فانزلوہ کھڑے ہو کر اپنے سردار کو سواری سے اتارو، اس لیے اس روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ صاحب علم وفضل کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوا جائے، ضعیف اور مخدوش ہے۔

(۲) حضرت کعب بن مالک کی توبہ جب قبول ہوئی تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، مصافحہ کیا اور

مبارکباد دی، اس سے معلوم ہوا کہ ادب کے طور پر کھڑے ہوا جا سکتا ہے۔

ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ انہیں مبارک دینے کیلئے کھڑے ہوئے آپس کے تعلق کی وجہ سے جو ان کے درمیان تھا، ورنہ اس موقع پر کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کیلئے کھڑے ہوئے، اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی صحابی کو حکم دیا اور نہ صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا، اگر یہ عمل درست ہوتا تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا ہوتے اور اسے کرنے کا ارشاد فرماتے، اس لیے اس روایت سے اس موقف پر استدلال کرنا درست نہیں۔

(۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم ﷺ کے ہاں تشریف لے جاتیں تو نبی کریم ﷺ ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے اس سے معلوم ہوا کہ تعظیماً انسان کھڑا ہو سکتا ہے؟

ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال اس لیے درست نہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ کو اپنی جگہ پر بٹھانے کیلئے کھڑے ہوتے تھے، کیونکہ وہ مکان تنگ تھا، تو آپ ﷺ انہیں جگہ دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے محض اکرام کی وجہ سے قیام نہیں تھا۔

(۴) ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ ان کیلئے کھڑے ہو گئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔

ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے بھائی کیلئے اس لئے کھڑے ہوئے تھے تاکہ انہیں جگہ دیں اور اپنے سامنے انہیں بٹھائیں، ورنہ اگر ان کے ادب واکرام میں کھڑے ہوتے تو ان کے مقابلے میں رضاعی والدین زیادہ حق دار تھے کہ ان کیلئے حضور ﷺ کھڑے ہوتے حالانکہ رضاعی والدین جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کا خوب اکرام کیا تاہم ان کے آنے پر کھڑے نہیں ہوئے۔

مذکورہ تمام احادیث کی روشنی میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی صاحب علم وفضل کے ادب واکرام میں کھڑے ہوا جائے تو یہ جائز ہے، اور اگر کسی کو بڑا جاننے کی وجہ سے انسان کھڑا ہو تو یہ پسندیدہ نہیں، چنانچہ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں ابوالولید بن رشد سے قیام کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:

(۱) اس شخص کیلئے کھڑا ہونا ممنوع ہے جو محض تکبر وسرکشی کی وجہ سے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوا کریں۔

(۲) اس شخص کیلئے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو فی الحال تو متکبر نہیں لیکن خطرہ ہے کہ اگر اس کیلئے لوگ اس طرح کھڑے ہوتے رہے تو اس میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے گی، نیز اس طرح کھڑے ہونے میں متکبرین کے ساتھ مشابہت بھی لازم آتی ہے، اس لحاظ سے بھی کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

(۳) ادب واکرام اور حسن سلوک کی وجہ سے اس شخص کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے جو متکبر نہ ہو۔

(۴) کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہوتا ہے جب کوئی سفر سے واپس آئے، یا کسی کو کوئی خوشی حاصل ہوئی تاکہ اسے مبارک دی

جائے یا کوئی جتائے مصیبت ہے تو اس تسلی دی جائے، ان مواقع پر کھڑا ہونا پسندیدہ ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ

یہ باب ناخن کاٹنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: الْاِسْتِحْدَادُ وَالْخِتَانُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں فطرت (یعنی انبیاء کی سنتوں میں) سے ہیں زیر ناف بال صاف کرنا، ختنہ کرنا، موچھیں تراشنا، بغل کے بال نوچنا اور ناخن کاٹنا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ۔ قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: موچھیں تراشنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال صاف کرنا، استنجاء کرنا۔

زکریا کہتے ہیں کہ مصعب نے فرمایا: میں دسویں چیز کو بھول گیا، مگر وہ کلی کرنا ہی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تقلیم: کاٹنا، تراشنا۔ **اظفار:** ظفر کی جمع ہے ناخن۔ **الاستحداد:** استرے سے زیر ناف بال صاف کرنا۔ **قص الشارب:** موچھیں تراشنا۔ **نتف:** اکھاڑنا، نوچنا۔ **ابط:** (ہمزہ کے نیچے زیر اور باء کے نیچے زیر اور ساکن دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) بغل۔ **اعفاء:** بڑھانا۔ **استنشاق:** ناک میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح صاف کرنا۔ **براجم:** برجمۃ کی جمع ہے: انگلیوں کے جوڑ۔ **حلق العانۃ:** زیر ناف بال صاف کرنا۔ **انتقاص الماء:** استنجاء کرنا۔

امور فطرت کا ذکر

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فطرت کے امور کا ذکر فرمایا ہے، یہاں "فطرت" سے "سنت" مراد ہے، کیونکہ ان احادیث میں مذکور تمام امور پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سنت تھے اور دین اسلام میں بھی انہیں سنت قرار

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲/۸، فتح الباری ۵۸/۱۱ کتاب الاستئذان، باب قول النبی ﷺ: قوموا الی سیدکم، عمدۃ القاری ۲۵۲/۲۲ ط: رشیدیہ کوئٹہ

دیا گیا ہے، اوران پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ باب کی مذکورہ دونوں حدیثوں میں تعارض ہے کہ ایک میں پانچ امور فطرت کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں دس امور کا بیان ہے؟

شارحین حدیث نے اس کے تین جواب ذکر کیے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ کو پہلے پانچ امور بتائے گئے تو آپ ﷺ نے پانچ کو ذکر فرما دیا پھر بعد میں جب دس کا بتایا گیا تو آپ ﷺ نے دس امور ارشاد فرمائے۔

(۲) عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، اس لیے کوئی تعارض نہیں۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موقع ومحل کے اعتبار سے تعداد کو بیان فرمایا ہو، بعض جگہ آپ ﷺ نے پانچ کا ذکر مناسب سمجھا اور بعض جگہ آپ ﷺ نے دس امور ذکر فرما دیئے۔

امور فطرت کی تفصیل یہ ہے:

(۱) زیر ناف بال صاف کرنا، خواہ صفائی سیفٹی، استرے یا بال صفا پوڈر سے ہو یا ہیر ریمونگ کریم یا اور کسی بھی ایسی چیز سے کہ جس سے آسانی سے بال صاف ہو جاتے ہوں اور جلد کو نقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔

زیر ناف بالوں کی حد یہ ہے کہ جو بال ناف کے نیچے سے لے کر چھوٹے پیشاب کے عضو تک اور اس کے آس پاس ہوں، ایسے ہی جو بال پاخانے کی جگہ کے اردگرد ہوں یعنی ان اعضاء کے آس پاس وہ جگہ جو استنجاء میں دھوئی جاتی ہے، اس جگہ کے تمام بالوں کو صاف کرنے کا حکم ہے۔

(۲) ختنہ کرنا، یہ سنت مؤکدہ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بالغ ہونے سے پہلے ختنہ کرانا واجب ہے، جمہور کے نزدیک ختنہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے، بڑی عمر میں بھی کرایا جا سکتا ہے تاہم ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرانا مستحب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حسین کا ختنہ ساتویں دن کرایا تھا۔

(۳) مونچھیں کاٹنا، اس پر تفصیلی کلام آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔

(۴) بغل کے بال صاف کرنا، اگر انسان میں ان بالوں کو نوچ کر صاف کرنے کی ہمت ہو تو نوچ کر بال صاف کرنا بہتر ہے، اس کے علاوہ سیفٹی یا کسی بھی بال صفا کریم سے یہ بال صاف کیے جا سکتے ہیں، پہلے دائیں بغل کے اور پھر بائیں بغل کے بال صاف کیے جائیں، بہتر یہ ہے کہ ہر جمعہ کو یہ بال صاف کر لیے جائیں تاکہ ان کی بدبو سے دوسرے کسی انسان کو اذیت نہ ہو، اور چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(۵) ناخن کاٹنا، ناخن جب بڑے ہو جائیں تو عموماً ان میں میل جمع ہو جاتا ہے، جو پاکیزگی کے خلاف ہے، ایسے ہی میل کی وجہ سے بسا اوقات پانی جڑوں تک نہیں پہنچ پاتا، اس لیے ناخن کاٹنے کا خوب اہتمام ہونا چاہیے۔

ناخن تراشنے میں انگلیوں کی کیا ترتیب ہونی چاہئے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ احادیث میں اس کی کوئی تصریح موجود نہیں البتہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر درمیان کی انگلی، اس کے ساتھ والی اور چھوٹی انگلی کے ناخن کاٹے جائیں، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک کے ناخن تراشے جائیں، آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے اور پاؤں کے ناخن تراشنے میں ابتداء دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کی جائے اور بالترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے۔

(۶)　داڑھی کو بڑھانا، اس کی تفصیل آگے مستقل ابواب میں آرہی ہے۔

(۷)　مسواک کرنا، یہ بالاتفاق سنت ہے، مختلف احادیث میں اس کی بہت سی فضیلتیں منقول ہیں، جو صرف زیتون، پیلو اور نیم کی مسواک سے حاصل ہوتی ہیں، ٹوتھ پیسٹ، منجن اور انگلی کی رگڑ سے دانت صاف کرنے کی سنت تو ادا ہو جاتی ہے لیکن مسواک کی سنت ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی، اس لیے مسواک کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔

(۸)　ناک میں پانی چڑھانا اور اسے صاف کرنا، وضو میں ناک کی صفائی سنت ہے جبکہ غسل میں ناک میں پانی پہنچانا فرض ہے۔

(۹)　انگلیوں کو دھونا بھی مسنون ہے، ان میں بعض اوقات میل جمع ہو جاتا ہے، خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کاشت وغیرہ کا کام کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جم جاتا ہے، لہذا انہیں دھونے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جم جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل اور ناف وغیرہ ان کو بھی اہتمام سے دھونے کا حکم ہے۔

(۱۰)　پانی کو کم کرنا یعنی "انتقاص الماء"۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

☆　پانی کو کم کرنے سے مراد ہے پانی سے استنجا کرنا، کیونکہ استنجاء سے بھی پانی کم ہو ہی جاتا ہے، اس لئے اسے انتقاص الماء سے تعبیر کیا ہے۔

☆　دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کی صورت میں پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں، یوں پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔(۱)

بَابٌ فِي التَّوْقِيتِ فِي تَقْلِيمِ الأَظْفَارِ وَأَخْذِ الشَّارِبِ

یہ باب مونچھیں کترنے اور ناخن کاٹنے کی مدت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ وَقَّتَ لَهُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً تَقْلِيمَ الأَظْفَارِ وَأَخْذَ الشَّارِبِ وَحَلْقَ الْعَانَةِ

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے ناخن کاٹنے، مونچھیں کترنے اور زیر ناف بال مونڈنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز مقرر کی ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: وَقَّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الأَظْفَارِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ وَنَتْفِ الإِبْطِ أَنْ لاَ

---

(۱)　تحفۃ الاحوذی ۳۳/۸، فتح الباری ۱۰/۴۱۰ کتاب اللباس، باب قص الشارب

نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے، زیر ناف بال مونڈنے اور بغل کے بال اکھاڑنے میں (زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا) وقت (اس لیے) مقرر کیا گیا ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ تک (یہ بال) نہ چھوڑیں۔

کتنی مدت میں مونچھیں اور ناخن کاٹے جائیں

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مونچھیں تراشنے، ناخن کاٹنے، بغل اور زیر ناف بالوں کی صفائی کیلئے چالیس دن کی حد مقرر کی گئی ہے کہ ان سے زیادہ نہ چھوڑے جائیں۔

اور بہتر یہ ہے کہ ہر ہفتہ مونچھیں تراشنے، ناخن کاٹنے، بغل اور زیر ناف بالوں کی صفائی کا اہتمام کیا جائے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کیلئے تشریف لے جانے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور مونچھیں کترتے تھے۔

ناخن کاٹنے کے بعد انہیں یا تو پانی میں بہادیا جائے یا زمین میں دفن کردیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دفن کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ زائد بال اور ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ جادوگر ان کے ذریعہ اپنا کوئی عمل نہ کرسکیں۔(۱)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے زائد بال اور ناخن کاٹنے سے مقصود نظافت اور صفائی ہے، نبی کریم ﷺ نے عرب ممالک کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن بیان فرمائی ہے، ہمارے ان علاقوں کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ بیس دن سے زیادہ تک یہ بال نہ چھوڑے جائیں، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو اپنی مونچھیں تراشتے اور ناخن کاٹتے، زیر ناف بال بیس دن میں اور بغل کے بال چالیس دن میں اکھاڑتے تھے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہر جمعہ کو یا پندرہ دن میں یہ بال صاف کرلیے جائیں، چالیس دن تک تاخیر کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ لیٹ کرنا مکروہ ہے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَصِّ الشَّارِبِ

یہ باب مونچھیں کترنے کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُصُّ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ الرَّحْمٰنِ يَفْعَلُهُ.

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۲

(۲) الکوکب الدری ۳/۶۰۳

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے موچھیں کترتے تھے یا لیتے تھے (راوی کو الفاظ میں شک ہے) اور آپ فرماتے: کہ رحمن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا.

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی موچھیں نہیں لیتا تو وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں)

مونچھیں تراشنے کا طریقہ اور حکم

احادیث میں مونچھیں تراشنے کے بارے میں مختلف الفاظ منقول ہیں، بعض روایات میں قص الشارب کے الفاظ ہیں کہ: مونچھیں تراشی جائیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں أحفوا الشوارب، بعض روایات میں انھکوا الشوارب اور صحیح مسلم کی روایت میں جزوا الشوارب کے الفاظ ہیں، الاحفاء کے معنی ہیں: جڑ سے اکھاڑنا، نہک کے معنی ہیں: خوب مبالغہ کے ساتھ صاف کرنا اور "جز" کاٹنے اور کترنے کو کہتے ہیں۔

ان مختلف الفاظ کی وجہ سے ائمہ کرام میں اختلاف ہے کہ مونچھیں کاٹنے کا مسنون طریقہ حلق کرانا ہے یا قینچی سے کترنا یا یہ کہ دونوں طریقوں میں اختیار ہے۔

امام مالک اور امام نووی رحمہم اللہ قص الشارب کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مونچھیں قینچی وغیرہ سے اس قدر باریک تراشی جائیں کہ کھال نظر آنے لگے، اور ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، جڑ سے نہ اکھیڑی جائیں، ان کا حلق کرانا ان کے نزدیک مسنون نہیں، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بدعت اور مثلہ قرار دیا ہے اور احفوا الشوارب کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ مونچھیں اس قدر تراشی جائیں کہ ہونٹوں کا کنارہ ظاہر ہو جائے، انہیں بلیڈ یا استرے وغیرہ سے صاف کرنا مراد نہیں۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک مونچھیں تراشی جائیں یا انہیں استرے وغیرہ سے صاف کیا جائے، دونوں صورتیں مسنون ہیں لہٰذا ان میں سے جونسی صورت بھی اختیار کی جائے، اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی دونوں طریقے منقول ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مونچھوں کا جڑ سے صاف کرنا نقل کیا ہے، جن میں حضرت ابو سعید خدری، ابو سید، رافع بن خدیج، سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو ہریرہ شامل ہیں۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے جو "احفاء" کے معنی بیان کیے ہیں کہ "مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں" یہ معنی کسی بھی لغت کی کتاب سے ثابت نہیں، بلکہ صحاح، قاموس اور کشاف وغیرہ میں احفاء کے معنی استیصال ہی کے لکھے ہیں کہ جڑ سے بالوں کو صاف کر دیا جائے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں: أن رسول الله ﷺ كان يحفي شاربه کہ نبی کریم ﷺ اپنی مونچھیں جڑ سے صاف کرتے تھے، اور جن

روایات میں "قص" کے الفاظ ہیں وہ "احفاء" کی روایات کے منافی نہیں، کیونکہ "قص" کبھی تو اس مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ احفاء میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی صرف مونچھیں تراشی جاتی ہیں اور احفاء والی روایت میں صرف ایک ہی جہت متعین ہے کہ مونچھیں استرے وغیرہ سے صاف کی جائیں یہی وجہ ہے کہ طبری فرماتے ہیں کہ انسان کو اختیار ہے چاہے تو وہ مونچھیں تراشے یا انہیں استرے وغیرہ سے صاف کر لے، ہر صورت میں سنت ادا ہو جاتی ہے، احناف کے نزدیک تراشنے کے بجائے جڑ سے مونچھوں کو صاف کرنا افضل ہے۔(۱)

بابُ مَا جَاءَ فِي الأَخْذِ مِنَ اللِّحْيَةِ

یہ باب ڈاڑھی سے کچھ بال لینے کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُولِهَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ: عُمَرُ بْنُ هَارُونَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ، لاَ أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا لَيْسَ إِسْنَادُهُ أَصْلاً أَوْ قَالَ: يَنْفَرِدُ بِهِ إِلاَّ هٰذَا الْحَدِيثَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُولِهَا وَ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ هَارُونَ وَ رَأَيْتُهُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي عُمَرَ بْنِ هَارُونَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَ سَمِعْتُ قُتَيْبَةَ يَقُولُ: عُمَرُ بْنُ هَارُونَ كَانَ صَاحِبَ حَدِيثٍ وَ كَانَ يَقُولُ: الإِيمَانُ قَوْلٌ وَ عَمَلٌ قَالَ: سَمِعْتُ قُتَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ قُتَيْبَةُ: قُلْتُ لِوَكِيعٍ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: صَاحِبُكُمْ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک لمبائی اور چوڑائی دونوں جانب سے تراشتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، اور امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے: عمر بن ہارون مقارب الحدیث ہیں، مجھے ان کی ایسی کسی حدیث کا علم نہیں جس کی کوئی اصل نہ ہو یا یوں فرماتے کہ مجھے ان کی کسی ایسی حدیث کا علم نہیں جس میں وہ متفرد ہوں سوائے اس حدیث باب کے کہ اس میں وہ متفرد ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ اور قتیبہ انہیں "صاحب حدیث" کہتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے، قتیبہ وکیع سے، اور وہ "ایک شخص" سے اور وہ ثور بن یزید سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی، قتیبہ نے وکیع سے پوچھا کہ یہ "شخص" کون ہیں؟ وکیع نے فرمایا: یہ آپ کے ساتھی عمر بن ہارون ہیں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۲/۸، فتح الملہم ۷۰۳/۲، کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ

باب مَا جَاءَ فِي إِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ

یہ باب داڑھی بڑھانے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موچھیں صاف کرنے میں خوب مبالغہ کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَنَا بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحَى.

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خوب مبالغہ کے ساتھ مونچھیں تراشنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ احفوا: تم خوب مبالغہ کے ساتھ تراشو، جڑ سے صاف کردو۔ الشوارب: شاربۃ کی جمع ہے: مونچھیں۔ اعفوا: تم بڑھاؤ۔ اللحی: (لام کے نیچے زیر اور پیش دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، تاہم زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ فصیح ہے) لحیۃ کی جمع ہے: داڑھی۔

داڑھی کی مقدار

بہت سی احادیث میں داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے اور بڑھانے کا حکم ہے۔ داڑھی کتنی بڑھانی چاہئے؟ اس بارے میں حدیث میں کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی، البتہ ایک مشت سے کم داڑھی کاٹنے کی اجازت کسی سے منقول نہیں، بلکہ ایسا کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کے اس میں دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) بعض حضرات ان احادیث کو ظاہر پر ہی محمول کر کے یہ فرماتے ہیں کہ داڑھی کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے، لمبائی یا چوڑائی سے داڑھی کو لینا مکروہ ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ داڑھی ایک مشت سے زیادہ نہیں کاٹی جائے گی، اسے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

(۲) جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ جب داڑھی ایک مشت سے بڑھ جائے تو اس زائد مقدار کو کاٹ دیا جائے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ایک مشت کے برابر داڑھی رکھنا مسنون ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث باب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی کو لمبائی اور چوڑائی سے کاٹ لیتے تھے، اس روایت کی سند پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے کیونکہ اس میں عمر بن ہارون ایک راوی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور انہیں "متروک" قرار دیا گیا ہے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر کے آثار، تابعین اور جمہور علماء کے تعامل سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لیے ایک مشت سے زائد مقدار کو کاٹنا بعض کے نزدیک مباح، بعض کے نزدیک مستحب اور اکثر حضرات کے نزدیک سنت ہے۔

ایک مشت سے زیادہ داڑھی اس قدر بڑھ جائے کہ بدنما نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں زائد بال تراش دینے کو بعض علماء نے ضروری اور بعض نے مستحب کہا ہے، ہاں ایک مشت داڑھی رکھنے پر اجماع ہے۔(۱)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتلانے کیلئے کوئی قولی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں، ہاں فعلی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کتروا دیتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتروانے کی کوئی سند نہیں ہے، اس لیے فقہاء کرام نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے"(۲)

مذکورہ تفصیل سے یہ حکم معلوم ہوا کہ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا یا بالکل اسے منڈوا دینا جائز نہیں، بہت سے لوگ داڑھی میں مختلف ڈیزائن بناتے ہیں بعض صرف ٹھوڑی والی جگہ پر کچھ بال رکھ لیتے ہیں اور عرب ممالک میں بھی مختلف صورتیں رائج ہیں......... یہ تمام طریقے من گھڑت ہیں قرآن وسنت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے "باب ما جاء في الأخذ من اللحية" میں حدیث تحقیق کو کیوں ذکر کیا ہے؟

شارحین فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے یہ حدیث یہاں اس لئے ذکر کی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس حدیث تحقیق میں "رجل" سے عمر بن ہارون مراد ہے، یا اس وجہ سے ذکر کی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ "وکیع بن جراح" جیسے جلیل القدر محدث نے بھی عمر بن ہارون سے روایت نقل کی ہے۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ إِحْدَى الرِّجْلَيْنِ عَلَى الْأُخْرَى مُسْتَلْقِيًا

یہ باب ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چت لیٹنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى۔

عباد بن تمیم اپنے چچا یعنی حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کعب انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۷۷ قدیمی کراچی

(۲) کفایت المفتی ۹/۱۷۶ کتاب الحظر والاباحۃ، بال اور داڑھی کے احکام

(۳) تحفۃ الاحوذی ۸/۷۴

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَرَاهِيَةِ فِي ذٰلِكَ

یہ باب اس کی کراہت سے متعلق ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالْاِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَأَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى، وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی کپڑے میں ہاتھ اور جسم کو لپیٹنے اور ایک ہی کپڑے میں اکڑوں بیٹھنے سے منع فرمایا، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پر اٹھا کر رکھے، جبکہ وہ اپنی پشت پر سیدھا لیٹا ہو یعنی چت لیٹا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مستلقیا: گدی کے بل سیدھا لیٹنے والا، چت لیٹنے والا۔ **اشتمال الصماء:** اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: (۱) اہل لغت کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کپڑے کے اندر اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے ہاتھ پاؤں نکالنے کیلئے کپڑے میں کوئی راہ اور کوئی شگاف نہ چھوڑے، صماء کے معنی ٹھوس چیز کے آتے ہیں ایسے کپڑے کو صماء اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں پر تمام راستے اور شگاف بند کر دیتا ہے، اس ٹھوس چٹان کی طرح جس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔ (۲) حضرات فقہاء نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آدمی ایک کپڑا اس طرح اوڑھے کہ کوئی دوسرا کپڑا اس کے جسم پر نہ ہو، پھر جب وہ ایک جانب سے کپڑا اٹھاتا ہے اور اسے کندھے پر رکھ دیتا ہے تو ستر کھل جاتا ہے۔ (۱)

احتباء: اکڑوں بیٹھنا، یہ وہ نشست ہے جس میں آدمی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کیلئے دونوں ہاتھ باندھ لیتا ہے یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ لیتا ہے۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنے کا حکم

پہلے باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی چت لیٹا ہو اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھے تو جائز ہے، آپ ﷺ اس طرح لیٹا کرتے تھے، جبکہ دوسرے باب کی حدیث جابر میں اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا ہے، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس تعارض کے ازالے کیلئے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ممانعت کی حدیث منسوخ ہے۔

(۲) بعض علماء نے ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ٹانگ کو ٹانگ پر اٹھا کر رکھنا دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) فتح الباری: ۱/۶۲۹ کتاب الصلاۃ، باب ما یستر من العورۃ

☆ دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں اور ایک دوسری پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ستر نہیں کھلتا۔

☆ ایک ٹانگ کھڑی ہو اور دوسری ٹانگ گھٹنے پر رکھی جائے تو اگر اس نے تہ بند باندھ رکھا ہو تو پھر اس طرح ٹانگیں ایک دوسری پر اٹھا کر رکھنا ممنوع ہے، اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن اگر شلوار پہنی ہو یا تہ بند یا دامن خوب لمبے ہوں جس میں ستر عورت کا امکان نہ ہو تو پھر ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

اشتمال الصماء میں اہل لغت کی تفسیر کے مطابق بدن کو ایک ہی چادر اور کپڑے میں اس طرح لپیٹ لینا کہ کوئی اور کپڑا جسم پر نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور فقہاء کی تفسیر کے مطابق چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کی ایک جانب کندھے پر ڈال دی جائے، اور ستر کھل جائے، یہ ممنوع ہے، ایک تو اس لیے کہ اس طرح آدمی بالکل بجوس اور بے دست و پا ہو جاتا ہے اور اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، پہلی صورت میں صرف کراہت ہے اور دوسری صورت جس میں ستر کے کھل جانے کا اندیشہ ہو، جائز نہیں ہے۔

اور ایک کپڑے میں اکڑوں بیٹھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں عموماً ستر کھل جاتا ہے، لیکن اگر اس انداز سے بیٹھا جائے کہ ستر کے کھلنے کا امکان نہ ہو تو پھر اس نشست میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم ﷺ بھی اکڑوں بیٹھا کرتے تھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الِاضْطِجَاعِ عَلَى الْبَطْنِ

یہ باب پیٹ کے بل لیٹنے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلَى بَطْنِهِ فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ ایسا لیٹنا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

پیٹ کے بل سونا ناپسندیدہ ہے

اس حدیث میں سونے کا ایک ادب بیان فرمایا کہ جب انسان سوئے تو پیٹ کے بل نہ لیٹا کرے، اس انداز سے لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، سونے کا یہ انداز اہل جہنم کا ہوگا، اور طبی لحاظ سے بھی الٹے ہو کر سونا درست نہیں، اس سے انسان کا معدہ خراب ہو جاتا ہے، اس لیے کسی شرعی عذر کے بغیر اس انداز سے آرام کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۵۰، الکوکب الدری ۳/۴۰۲

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۵

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

یہ باب ستر کی حفاظت کے بارے میں ہے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجِكَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُكَ. فَقَالَ: الرَّجُلُ يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ؟ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَافْعَلْ. قُلْتُ: وَالرَّجُلُ يَكُونُ خَالِيًا. قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ.

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ: ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں اور کس سے ہم چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا ستر چھپا کر رکھو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے (کہ ان کے سامنے کھول سکتے ہو) عرض کیا: اگر مرد کسی مرد کے ساتھ ہو تو؟ فرمایا: اگر تم یہ کر سکو کہ تمہارے ستر کو کوئی بھی نہ دیکھے تو ایسا کرو (یہ بہت اچھا ہے) میں نے عرض کیا: بعض اوقات آدمی تنہا اور اکیلا ہی ہوتا ہے (تو پھر کیا حکم ہے)؟ فرمایا: تو پھر اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ان سے شرم کی جائے (لہذا اکیلے میں بھی ستر کو نہ کھولا جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عورات: عورة کی جمع ہے: ستر، وہ چیز جسے ظاہر کرنے سے شرم آئے۔ **ما ناتی منھا:** ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں۔ **وما نذر:** اور کس سے ہم چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں۔ **احفظ عورتک:** تم اپنے ستر کو ڈھانپو، تم اپنے ستر کو بچا کر رکھو۔ **ماملکت یمینک:** وہ جس کا آپ کا دایاں ہاتھ مالک ہو، یعنی باندی اور ''یمین'' کا لفظ اس موقع پر اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ اہل عرب جب غلاموں کی خرید وفروخت کے معاملات کرتے اور ان کے ہاں کوئی عقد طے پا جاتا تو آپس میں دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے، اس لیے غلام اور باندیوں کے موقع پر ''یمین'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ **أحق:** زیادہ حقدار، زیادہ لائق ہے۔ **ان یستحیی منه:** (صیغہ مجہول) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کی جائے۔

ستر کو ڈھانپنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کیلئے اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، اسی طرح اگر بہت سے مرد یا بہت سی خواتین ایک جگہ جمع ہوں تو انہیں بھی آپس میں ایک دوسرے سے ستر کو چھپا کر رکھنا چاہئے، اگر انسان کمرے میں اکیلا ہو تب بھی برہنہ ہونا درست نہیں کیونکہ انسانوں میں سے اگرچہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا، لیکن اللہ جل جلالہ تو دیکھ رہے ہیں، تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ سے شرم کی جائے اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، البتہ قضاء حاجت، استنجاء اور غسل کیلئے بیت الخلاء میں ستر کھولنا جائز ہے۔

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور عورت کا ستر چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ سارا جسم ہے، اس کو کسی بھی وقت لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز نہیں، خواہ نماز کی حالت ہو یا نماز سے باہر البتہ ازدواجی تعلقات کیلئے یا ضرورت کی وجہ سے علاج کے موقع پر ستر کو کھولا جا سکتا ہے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي الاِتِّكَاءِ

یہ باب تکیہ لگانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی بائیں جانب تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

تکیہ پر ٹیک لگانے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے تکیہ پر ٹیک لگائی جا سکتی ہے خواہ اپنی دائیں جانب ہو یا بائیں جانب، البتہ دوران مطالعہ گاؤ تکیہ پر ٹیک لگانے سے احتراز کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے عموماً آدمی میں غفلت اور سستی آ جاتی ہے، جس سے مطالعہ متاثر ہو جاتا ہے۔

باب

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کو اس کی حکومت اور علاقے میں نماز نہ پڑھائی جائے (یعنی اسے امام کے بجائے مقتدی نہ بنایا جائے) اور اس کے گھر (یا دفتر) کی مخصوص نشست پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھا جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یؤم: (صیغہ مجہول) نماز نہ پڑھائی جائے، مقتدی نہ بنایا جائے۔ فی سلطانہ: اس کی بادشاہی، حکومت اور علاقے میں۔ تکرمة: اعزازی نشست، مخصوص مسند۔ لا یجلس: (صیغہ مجہول) نہ بیٹھا جائے۔

مقرر امام ہی نماز پڑھائے

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۳/۸

(۱) اگر کسی مقام پر حاکم وقت نماز پڑھاتا ہو یا اس کی طرف سے کوئی نائب امام ہو تو ایسی صورت میں وہ مقرر کردہ امام ہی نماز پڑھائے، کسی دوسرے کیلئے مناسب نہیں کہ وہ زبردستی اس کی جگہ پر نماز پڑھانے کیلئے آگے ہو جائے، اگرچہ مقرر امام علم وفضل اور تقوی کے اعتبار سے کم ہو اور دوسرا شخص اس کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہتر ہو، تب بھی نامزد امام ہی نماز پڑھائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے فضل وشرف اور وسیع علم وتقوی کے باوجود حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ہاں اگر وہ امام دوسرے کو اپنی خوشی سے آگے کر دے تو پھر دوسرے کیلئے نماز پڑھانا بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

(۲) انسان جب کسی کے دفتر میں جائے یا کسی کے ہاں مہمان ہو تو وہاں اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا درست نہیں، کیونکہ ہر آدمی کی اپنی ایک خاص جگہ ہوتی ہے، بہت سا حساب وکتاب وہاں موجود ہوتا ہے، جس پر دوسرے کا مطلع ہونا بسا اوقات اسے پسند نہیں ہوتا، اس لیے جب تک متعلقہ شخص انسان کو خود نہ بٹھادے اور اجازت نہ دے دے اس وقت تک کسی اور کیلئے اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔(۱)

باب مَا جَاءَ أَنَّ الرَّجُلَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهِ

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جانور کا مالک اس پر آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ يَقُولُ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ، وَمَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ارْكَبْ. وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَأَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي. قَالَ: قَدْ جَعَلْتُهُ لَكَ. قَالَ: فَرَكِبَ.

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ پیدل چل رہے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ساتھ ایک گدھا بھی تھا، عرض کیا اے اللہ کے رسول: سوار ہو جائیں، اور خود وہ شخص پیچھے ہٹ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اپنے جانور پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہو، الا یہ کہ تم اپنا یہ حق مجھے دے دو، اس نے عرض کیا: میں نے آپ کو اپنا حق دے دیا، راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔

حدیث سے چند امور کا ثبوت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے:

(۱) ضرورت کے وقت گدھے پر سوار ہوا جا سکتا ہے۔

(۲) اگر سواری اور گاڑی کے پاس کوئی بڑا آدمی گذرے تو ادب کا تقاضا ہے کہ گاڑی والا اس محترم انسان کو اپنی گاڑی میں بٹھالے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۷۵/۳، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، تحفۃ الاحوذی ۴۲/۸

(۳) اس صحابی نے آپ کو سواری کے اگلے حصے پر بٹھانا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سواری کا مالک آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے الا یہ کہ وہ خود آگے بٹھا دے تو پھر دوسرا شخص آگے بیٹھ جائے۔

(۴) نبی کریم ﷺ جانور کے اگلے حصے پر نہیں بیٹھے، یہ آپ ﷺ کی تواضع اور انصاف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے حق بات کو بیان فرمایا اور خود پیچھے بیٹھنے پر راضی ہو گئے، ورنہ عموماً ایسے موقع پر بڑے لوگ خود ہی آگے بیٹھ جاتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ سواری کا مالک اس پر راضی ہوگا حالانکہ اس نے صراحۃً اجازت نہیں دی ہوتی، نبی کریم ﷺ نے اس رسم کو ختم کرنے کیلئے اسے اصل مسئلہ بتایا، جب اس نے خوشی سے آگے بیٹھنے کا عرض کیا تو پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔

فتأخر الرجل (وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا) اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) وہ شخص سواری میں پیچھے ہو گیا کہ آگے حضور ﷺ بیٹھیں، اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے بیٹھ جائے۔

(۲) وہ صحابی اس سواری سے ہی پیچھے ہو گئے کہ میں سوار نہیں ہوتا، حضور ﷺ ہی اس پر تشریف فرما ہو جائیں۔(۱)

بابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي اتِّخَاذِ الْأَنْمَاطِ

یہ باب جھالردار اونی کپڑے کے استعمال کی اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قُلْتُ: وَأَنّٰى تَكُونُ لَنَا أَنْمَاطٌ، قَالَ: أَمَا إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قَالَ: فَأَنَا أَقُولُ لِامْرَأَتِي: أَخِّرِي عَنِّي أَنْمَاطَكِ، فَتَقُولُ: أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قَالَ: فَأَدَعُهَا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس جھالردار اونی کپڑے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس جھالردار اونی چادریں کہاں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہارے لیے یہ جھالردار چادریں ہوں گی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اپنی جھالردار چادریں مجھ سے دور کر، تو وہ کہتی: کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ عنقریب تم لوگوں کے پاس یہ جھالردار چادریں ہوں گی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں اسے چھوڑ دیتا اور کچھ نہ کہتا۔

انماط کو استعمال کرنے کی اجازت

انماط: نمط کی جمع ہے: ایک قسم کا جھالردار اونی کپڑا جو اونٹ کے کجاوہ پر ڈالا جاتا ہے، بستر کا اوپر والا کپڑا، نرم قالین جسے اونٹ کے کجاوے پر ڈالا جاتا ہے اور اس سے پردے بھی بنائے جاتے ہیں، جھالردار چادر، غالیچہ۔

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۴۶

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پیشن گوئی دی ہے کہ عنقریب تم لوگوں کے پاس اس قسم کا عمدہ کپڑا آئے گا، امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ صادق ہوا کہ جلد ہی اس امت پر رزق کی کشادگی کردی گئی، لہذا عمدہ لباس، کپڑے اور چادریں اگر جائز طریقے سے حاصل ہوں اور ریشم کی نہ ہوں تو شرعاً ان کا استعمال جائز ہے (۱)

"أخری عنی انماطک" حضرت جابر کا یہ قول محض زہد کی وجہ سے ہے، ورنہ اس کے استعمال کے جواز کا انہیں علم تھا، لیکن جب ان کی اہلیہ بتاتی کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے تو پھر وہ خاموش ہو جاتے۔(۲)

باب مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ ثَلَاثَةٍ عَلَى دَابَّةٍ

یہ باب ایک جانور پر تین آدمیوں کے سوار ہونے کے جواز کے بارے میں ہے

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ: لَقَدْ قُدْتُ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ عَلَى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ حَتَّى أَدْخَلْتُهُ حُجْرَةَ النَّبِيِّ ﷺ، هَذَا قُدَّامَهُ وَهَذَا خَلْفَهُ.

حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے شہباء نامی خچر کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلا، اس پر نبی کریم ﷺ اور حسن وحسین سوار تھے، یہاں تک کہ میں اسے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک میں لے گیا، یہ آگے سوار تھے اور وہ پیچھے (یعنی حضرت حسن آگے اور حضرت حسین پیچھے سوار تھے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قدت: میں لگام پکڑ کر آگے آگے چلا۔ قدام: آگے۔ خلف: پیچھے۔ شھباء: سیاہی مائل سفید رنگ، یہ اس خچر کا نام تھا۔

جانور پر تین آدمی سوار ہو سکتے ہیں

اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور پر تین افراد سوار ہو سکتے ہیں، جبکہ بعض دیگر روایات میں تین آدمیوں کے سوار ہونے سے منع کیا گیا ہے بلکہ بعض میں لعنت کے الفاظ بھی منقول ہیں، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟

امام نووی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ جانور طاقتور ہو کہ تین افراد کو آسانی سے اٹھا سکتا ہو تو پھر اس پر تین آدمی بھی سوار ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حدیث باب میں تین کے سوار ہونے کا ذکر ہے اور اگر وہ جانور کمزور ہو تو پھر اس پر تین آدمیوں کا سوار ہونا ممنوع ہے، لہذا ممانعت کی روایات اس صورت کے ساتھ متعلق ہیں، مطلقاً تین آدمیوں کا سوار ہونا ممنوع نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴/۸۷، فتح الباری ۲۸۰/۹، کتاب النکاح، باب الانماط ونحوها للنساء

(۲) الکوکب الدری ۴۰۵/۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۴۸/۸

باب مَا جَاءَ فِي نَظْرَةِ الْمُفَاجَأَةِ

یہ باب (عورت پر) اچانک نظر پڑ جانے (کے حکم) سے متعلق ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي.

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا (حکم) پوچھا؟ تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی نظر پھیر لینے کا حکم دیا۔

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَفَعَهُ قَالَ يَا عَلِيُّ: لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ: فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى، وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ.

حضرت بریدہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی: پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو، اس لیے کہ پہلی نگاہ تیرے لیے ہے (یعنی بغیر قصد واختیار اور اچانک پڑنے کی وجہ سے معاف ہے) اور دوسری نگاہ تمہارے لیے نہیں ہے (لہذا اس پر گرفت ہوگی)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فجاۃ: (فاء پر پیش اور جیم پر زبر) اچانک۔ لاتتبع: تو پیچھے مت ڈال۔

پہلی نظر معاف ہے

اگر کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے، اس میں اس کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہ ہو تو یہ نگاہ معاف ہے، اس پر اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لیکن اگر پہلی نظر ہی قصد واختیار سے ہو یا دوبارہ اپنے اختیار اور ارادے سے دیکھ لے یا پہلی نگاہ کے بعد سے مسلسل دیکھتا رہے، تو ایسا کرنا اس کیلئے جائز نہیں ہے، اس پر اس سے باز پرس اور مواخذہ ہوگا لہذا اگر خدانخواستہ کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو انسان کو چاہئے کہ فوراً اپنی نظر کو پھیر لے کہ اس میں اس کیلئے اجر وثواب ہے، اور اسے ایمان کی حلاوت اور مٹھاس حاصل ہوگی۔(۱)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے کا چھپانا عورت پر لازم نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور مردوں پر لازم ہے کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں، البتہ اگر کوئی شرعی وجہ ہو تو پھر عورت کے چہرے کو دیکھا جا سکتا ہے، مثلاً علاج معالجہ، گواہی کے وقت، پیغام نکاح کے وقت اور خرید وفروخت کے وقت، لیکن ان مقامات پر بھی بقدر ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ جائز نہیں۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۹/۸

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۲۴۰/۴، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءۃ

بَابُ مَا جَاءَ فِي احْتِجَابِ النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ

یہ باب عورتوں کا مردوں سے پردہ کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نَبْهَانَ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَيْمُونَةُ قَالَتْ: فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ، أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: احْتَجِبَا مِنْهُ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا، أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ.

ابن شہاب، نبہان سے روایت کرتے ہیں جو ام سلمہ کے آزاد کردہ ہیں کہ نبہان نے ان کو بتایا کہ ام سلمہ نے ان کو بتایا کہ وہ یعنی ام سلمہ اور میمونہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم سامنے آئے اور حضور ﷺ کے پاس داخل ہوئے، یہ واقعہ ہم پر پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں ان سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمیں پہچانتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں انہیں دیکھ نہیں سکتیں، (یعنی وہ اگرچہ نہیں دیکھ سکتے لیکن تم دونوں تو انہیں دیکھ سکتی ہو)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ احتجاب: چھپ جانا، پردہ کرنا۔ اقبل: سامنے آگئے، آگے بڑھے۔ احتجبامنه: (صیغہ امر) تم دونوں ابن ام مکتوم سے پردہ کرو۔ عمیاوان: عمیاء کا تثنیہ ہے، دونوں اندھی ہو۔ ألستماتبصرانه: کیا تم دونوں انہیں دیکھ نہیں رہیں۔

عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنے کا مسئلہ

عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں کے علاوہ کسی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے، اس میں اہل علم کے دو نقطہ نظر ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے غیر محرم مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے، خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت و شہوت کے، دونوں صورتیں حرام ہیں، ان حضرات کا استدلال حضرت ام سلمہ کی حدیث سے ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کیا ہے، اور اس روایت میں تصریح ہے کہ ان کا یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا۔

(۲) جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی عورت کسی ضرورت کی وجہ سے شہوت کے بغیر کسی مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ سے دیکھ لے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہ کی اس حدیث سے ہے جس میں ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے دن اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھنے لگے اور

حضرت عائشہ نے بھی آپ ﷺ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اس سے اکتا گئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے نہیں روکا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عورتیں مساجد میں آتیں، بازار اور سفر پہ جاتیں، ان تمام صورتوں میں انہیں حکم تھا کہ وہ پردہ کریں تاکہ مرد انہیں نہ دیکھ سکیں، لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ پائیں، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شہوت کے بغیر کسی مرد کو ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتی ہے، اگرچہ اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ شہوت کے بغیر بھی کسی مرد کو نہ دیکھے۔

جمہور علماء حدیث باب کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں افضل امر کا ذکر ہے کہ تقوی اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کسی غیر محرم مرد کی طرف بالکل نہ دیکھے، یہ تقوی کا اعلیٰ درجہ ہے، لہذا اس حدیث سے عدم جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔(۱)

شرعی پردہ کے درجات اور ان کے احکام کی تفصیل

پردہ سے متعلق قرآن مجید کی سات آیات اور ستر روایات منقول ہیں، ان تمام نصوص سے شرعی پردے کے تین درجات معلوم ہوتے ہیں:

(۱) حجاب اشخاص بالبیوت یعنی عورتیں اپنے گھروں میں ہی رہیں، ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو، شرعاً اصل مطلوب یہی درجہ ہے کہ خواتین اپنی چار دیواری میں ہی رہیں، اس کے علاوہ پردے کے جو درجات اور صورتیں ہیں وہ ضرورت کے بقدر ہیں، یہ حکم قرآن مجید کی چند آیات اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

(۲) حجاب بالبرقع والجلباب یعنی ضرورت کے موقع پر جب کسی عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس سے ہاتھ، چہرہ غرض یہ کہ جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

یہ حکم سورہ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے: یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں۔

"جلباب" اس لمبی چادر کو کہتے ہیں کہ جس میں عورت سر سے پیر تک چھپ جائے، حضرت عبد اللہ بن عباس سے جلباب کو استعمال کرنے کی یہ صورت منقول ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو، چہرہ اور ناک بھی اس سے چھپا ہوا ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔

لہذا جب عورت کو گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہو تو پردے کا یہ درجہ اختیار کرنا اس پر ضروری ہے مگر احادیث صحیحہ میں

(۱) معارف القرآن ۶/۴۰۲ سورۃ النور، تحفۃ الاحوذی ۸/۵۰

اس پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں:

(۱) خوشبو لگا کر اور میک اپ کر کے نہ نکلے (۲) کسی بھی قسم کا زیور نہ پہنا ہو۔ (۳) راستہ کے کنارے پر چلے۔ (۴) مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو۔ (۵) ضرورت کے بغیر نہ تو کسی سے بات کرے اور نہ غیر محرم مرد کو دیکھے۔ (۶) جب ضرورت پوری ہو جائے تو فوراً اپنے گھر واپس آ جائے۔

(۳) پردے کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ برقع یا بڑی چادر میں سارا بدن چھپا ہوا ہو، مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں۔

اس بارے میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتے ہیں بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یعنی عورت کی طرف میلان کا خطرہ یا احتمال ہو تو وہاں ان کو کھولنا ممنوع ہوگا اور جہاں یہ احتمال نہ ہو، وہاں جائز ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور یہ زمانہ چونکہ فتنہ وفساد اور خواہش پرستی کا ہے اس لیے متاخرین فقہاء حنفیہ نے اس بات پر فتوی دیا ہے کہ نوجوان عورت کیلئے چہرہ اور ہتھیلیاں کھول کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، گویا اب پردے کے صرف دو ہی درجے رہ گئے، ایک عورتوں کا اپنے گھروں کے اندر ہی رہنا، بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلنا، اور دوسرا برقع یا بڑی چادر کے ساتھ نکلنا جب گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو۔(۱)

فقہاء کرام کے درمیان یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ قرآن مجید میں جو اللہ تعالی نے فرمایا **ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا** یعنی عورت کیلئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں بجز ان چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہو ہی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل وحرکت کے وقت جو چیزیں عادۃً کھل ہی جاتی ہے اور عادۃً ان کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنی ہیں، ان کو ظاہر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

"**الا ما ظھر منھا**" سے کیا مراد ہے؟ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کی تفسیریں مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سے وہ اوپر کے کپڑے مراد ہیں جیسے برقع اور لمبی چادر، یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں سوائے ان کپڑوں کے یعنی برقع یا بڑی چادر کے جنہیں ضرورۃً پہن کر انسان باہر نکلتا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس نے الا ما ظھر منھا کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل وحرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانا مشکل ہے۔

اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں،

(۱) معارف القرآن ۷/ ۲۱۳، سورۃ احزاب

صرف اوپر کے کپڑے یعنی برقع اور بڑی چادر کا اظہار ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے، اس لیے فقہاء امت میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو ان کا کھولنا بھی جائز نہیں۔

قاضی بیضاوی اور خازن نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کیلئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے مگر جو چیزیں نقل وحرکت اور کام کاج کرنے میں عادۃً کھل جاتی ہیں ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہے اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع یا چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے، لین دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہے تو وہ بھی معاف ہیں، گناہ نہیں، لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں، اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ شرعی عذر اور ضرورت کے بغیر اس کی طرف نہ دیکھیں، اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید اور احادیث میں عورت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہا کرے، اور جب کسی ضرورت سے باہر جائے تو صحیح طریقے سے شرعی پردہ کر کے جائے کہ چہرہ اور ہاتھ بھی چھپے ہوئے ہوں، البتہ شرعی عذر اور ضرورت کی وجہ سے چہرے کو کھولنا جائز ہے مثلاً علاج معالجہ میں، گواہی دینے کے وقت، ہجوم کے وقت یا معاملات میں لین دین کے وقت اگر چہرہ کھل جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، تاہم ان تمام صورتوں میں مردوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں پست ہی رکھیں۔(۱)

ہمارا یہ زمانہ چونکہ نہایت فتنہ وفساد اور شر پر مشتمل ہے اس لیے ایسے میں اگر کسی خاتون کو باہر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو مکمل شرعی پردہ کے ساتھ نکلے اور اپنے ساتھ ضرور کسی محرم کو بھی لے کر جائے کیونکہ اکیلے عورت کے نکلنے میں بہت خطرات ہیں، اس کے ساتھ کوئی بھی افسوسناک اور پریشان کن معاملہ پیش آسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَزْوَاجِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ شوہروں کی اجازت کے بغیر ان کی بیویوں کے پاس جانا ممنوع ہے۔

عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَرْسَلَهُ إِلَى عَلِيٍّ يَسْتَأْذِنُهُ عَلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ فَأَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ سَأَلَ الْمَوْلَى عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْخُلَ عَلَى النِّسَاءِ بِغَيْرِ إِذْنِ أَزْوَاجِهِنَّ.

---

(۱) معارف القرآن ۲۰۱/۶ سورۃ النور، تکملۃ فتح الملھم ۲۶۱/۴ کتاب السلام، مسئلۃ حجاب المرأۃ

ذکوان حضرت عمرو بن عاص کے مولیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن عاص نے انہیں حضرت علی کے پاس بھیجا (تاکہ) وہ ان سے عمرو کیلئے اسماء بنت عمیس کے پاس جانے کی اجازت لے کر آئیں، چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی (کیونکہ وہ ان کے شوہر تھے) یہاں تک کہ جب عمرو بن عاص اپنے کام سے فارغ ہو گئے تو ان کے مولیٰ نے عمرو بن عاص سے اس اجازت لینے کی وجہ دریافت کی تو عمرو بن عاص نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم شوہروں کی اجازت کے بغیر ان کی بیویوں کے پاس داخل ہوں۔

شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کو کسی کی بیوی سے کوئی کام درپیش ہو تو اس سے رابطہ کرنے کیلئے یا اس کے پاس داخل ہونے کیلئے اس کے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے چنانچہ حدیث باب میں حضرت عمرو بن عاص کو حضرت اسماء بنت عمیس سے کوئی کام تھا تو انہوں نے اپنے مولیٰ کو ان کے شوہر حضرت علی سے اجازت لینے کیلئے بھیجا، حضرت اسماء بنت عمیس ام المومنین حضرت میمونہ کی ماں شریک بہن تھیں پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں پھر حضرت صدیق اکبر کے نکاح میں اور پھر اس کے بعد ان کی شادی حضرت علی سے ہوئی، اس لیے حضرت عمرو بن عاص نے ان کے شوہر حضرت علی سے اجازت لینے کیلئے اپنے مولیٰ کو بھیجا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْذِيرِ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جو عورتوں کے فتنہ سے ڈرانے اور متنبہ کرنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَسَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِي النَّاسِ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ.

حضرت اسامہ بن زید اور سعید بن زید نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں میں عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر ضرر پہنچانے والا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

مرد کیلئے سب سے بڑا فتنہ......عورت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مرد کیلئے عورت کو سب سے بڑا نقصان دہ فتنہ قرار دیا ہے، کیونکہ فطری طور پر انسان اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے خاندانوں اور گھرانوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے بہت سے مرد حرام کاموں

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۲/۸، فتح الباری ۶۴۰/۶ کتاب احادیث الانبیاء، حدیث: ۳۴۶۸

اور دنیا طلبی میں یوں مصروف ہوجاتے ہیں کہ اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ عورت عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہونے کے باوجود بسا اوقات مرد کو ایسے کاموں میں مبتلی کردیتی ہے جو دین اور عقل کے اعتبار سے کسی بھی طرح درست نہیں ہوتا، اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ زین للناس حب الشھوات من النساء.

اس لیے عقل مند وہ شخص ہے جو اس حدیث کی وجہ سے متنبہ ہوجائے اور اس انداز سے زندگی گزارے کہ جس میں حتی الامکان وہ عورتوں کے فتنے سے محفوظ رہے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ اتِّخَاذِ الْقُصَّةِ

یہ باب بالوں کا گچھا بنانے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بِالْمَدِينَةِ يَخْطُبُ يَقُولُ: أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ؟ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ هٰذِهِ الْقُصَّةِ وَيَقُولُ: إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ.

حمید بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو مدینہ منورہ میں خطاب کرتے ہوئے سنا، وہ فرمارہے تھے: اے مدینہ والو تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ کو بالوں کا اس طرح گچھا بنانے سے منع فرماتے ہوئے سنا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس طرح بال بنانے شروع کئے۔

باب مَا جَاءَ فِي الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ وَالْوَاشِمَةِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ

یہ باب بالوں کو جوڑنے والی، جڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی عورت کے حکم سے متعلق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتٍ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتٍ خَلْقَ اللّٰهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو زیب و زینت اور حسن حاصل کرنے کیلئے (بھنوؤں کے) بالوں کو اکھڑواتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کو تبدیل کرتی ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. قَالَ نَافِعٌ: الْوَشْمُ فِي اللِّثَةِ.

---

(۱) تحفة الاحوذی ۵۳/۸

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بالوں کو جوڑنے والی، جڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔

نافع فرماتے ہیں: وشم یعنی گودنا مسوڑے میں ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قصة: (قاف پر پیش اور صاد پر تشدید اور زبر کے ساتھ) بالوں کی لٹ، گچھا۔ بعض احادیث میں "کبۃ من شعر" کے الفاظ ہیں، کبۃ اور قصۃ ایک ہی معنی میں ہیں۔ واصلة: بال جوڑنے والی عورت۔ مستوصلة: بال جڑوانے والی عورت۔ وشم: اس کے معنی گودنے کے ہیں جس میں سوئی وغیرہ چبھودی جاتی ہے اور پھر اس جگہ میں ہرا یا نیلا رنگ بھر دیا جاتا ہے۔ واشمة: گودنے والی عورت، اس کی جمع واشمات ہے۔ مستوشمة: گدائی کرانے والی عورت، اس کی جمع مستوشمات ہے۔ متنمصات: متنمصة کی جمع ہے، یہ "نمص" سے ہے، جس کے معنی بال اکھیڑنے کے آتے ہیں اور "نامصة" وہ عورت جو اپنے چہرے سے بال اکھیڑے اور متنمصة: اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے چہرے اور بھنوؤں کے بال کسی عورت سے اکھڑواتی ہے۔ مبتغیات: مبتغیة کی جمع ہے: طلب کرنے والی عورتیں، چاہنے والی خواتین۔ مغیرات: مغیرة کی جمع ہے، تبدیل کرنے والی عورتیں

خواتین کیلئے بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑنے، لٹ اور گچھا بنانے کا حکم

قدیم زمانے سے عورتوں میں زیب وزینت کے مختلف طریقے رائج ہیں، اور جیسے جیسے وقت گذرتا جارہا ہے تو خواتین کے فیشنوں میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، مذکورہ ابواب کی احادیث میں بھی ان کی زیب وزینت کے چند ناجائز طریقے بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض خواتین اپنے بال لمبے یا گھنے ظاہر کرنے کیلئے دوسرے کسی مرد یا عورت کے بال لے کر اپنے بالوں میں ملالیتی تھیں اور کچھ عورتیں یہ پیشہ کرتی تھیں کہ دوسری عورتوں کو اپنے بال کرائے پر دیا کرتی تھیں، چونکہ اس میں جھوٹ اور فریب ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑنے اور جڑوانے والی دونوں عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

پہلے باب کی حدیث میں "قصة" کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی عورتیں اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور انسان کے بال جوڑ کر لٹ بناتی تھیں تاکہ وہ خوب بڑی اور گھنی نظر آئیں، پھر رفتہ رفتہ اس وقت مسلمان عورتوں میں بھی یہ چیز آنا شروع ہوگئی، اس سے نبی کریم ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب اپنے بالوں کی اس طرح لٹیں بنانا شروع کیں تو پھر وہ تباہ وبرباد ہوگئیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری حج سن اکاون ہجری کے موقع میں مدینہ منورہ میں خطاب فرمایا اور اپنے سپاہی کے ہاتھ سے بالوں کا وہ گچھا لیا جو انہوں نے مدینہ کے بازار سے لیا تھا، اور فرمایا کہ تمہارے علماء کہاں ہیں جو لوگوں کو ان چیزوں سے منع نہیں کرتے گویا علماء کرام کو وعظ ونصیحت کی تاکید کی جارہی ہے کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کیا کریں، اور بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس سے علماء کی قلت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہ خطاب جمعہ کا نہیں تھا بلکہ دوران ہفتہ ہوا تھا، جس میں اہل علم نہیں تھے بلکہ اکثر جاہل قسم کے لوگ شریک ہوئے تھے۔ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات قابل نظر ہے کہ "أین علماء کم" سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ علماء اس وقت غائب تھے، بلکہ یہ جملہ بطور محاورے کے ذکر کیا جاتا ہے، اس سے زجر و تنبیہ اور متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اگرچہ وہ تمام حاضر اور موجود ہی ہوں۔(۱)

(۲) اسی طرح گودنے اور گدوانے کا طریقہ بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اسے عربی میں وشم کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جسم کے کسی حصہ کی جلد پر سوئی یا اس طرح کی کوئی چیز چبھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے، پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، اس طریقے سے لوگ اپنے بازوں پر اپنا نام یا جسم پر مختلف جانوروں یا دیگر چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں، افسوس یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں بھی یہ رسم موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کرنے والی اور کروانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کی تخلیق میں تبدیلی ہے۔

نافع کہتے ہیں کہ "وشم" مسوڑوں میں ہوتا ہے، یہ انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کے اعتبار سے ایک مثال ذکر کی ہے ورنہ یہ مسوڑوں کے ساتھ خاص نہیں، جسم کے کسی بھی حصہ پر وشم کا عمل کر لیا جاتا تھا۔

(۳) اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بال دوسروں سے اکھڑواتی اور نوچواتی ہے، عموماً خواتین چہرے اور بھنوؤں کو بنانے اور باریک کرنے کیلئے بال اکھڑواتی ہیں۔ حدیث باب کی وجہ سے اس طرح کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کسی خاتون کے چہرے پر داڑھی نکل آئے، چہرے پر زائد بال پیدا ہو جائیں، مونچھیں اور تھوڑی پر بال آ جائیں یا دو بھنوؤں کے درمیان بال اس طرح بڑے اور گھنے ہو جائیں کہ بدنما معلوم ہوں تو یہ اس وعید میں داخل نہیں بلکہ انہیں صاف کرنا مستحب ہے یا کوئی انگلی زائد نکل آئے یا کوئی دانت اس طرح منہ میں پیدا ہو جائے کہ جسے باقی رکھنے میں شدید تکلیف ہوتی ہو تو اسے بھی کٹوایا جا سکتا ہے۔

لعن اللہ الواصلة... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاتون اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑ لے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور باعث لعنت ہے، فقہاء کرام کا اس مسئلہ کے حکم کی تفصیل میں اختلاف ہے، جو درج ذیل ہے:

(۱) مالکیہ اور اکثر شوافع کے نزدیک بال کے ساتھ کسی اور کے بال ملانا مطلقاً ممنوع ہے، چاہے انسان کے بال ہوں یا غیر انسان کے، یا کوئی ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں، بالوں کے ساتھ اس طرح کی کوئی بھی چیز جوڑنا بالکل ممنوع ہے۔

(۲) حنابلہ، حنفیہ اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی انسان کے بال جوڑنا تو بالکل جائز نہیں، اسی طرح انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے ناپاک بال جوڑنا بھی جائز نہیں، جیسے مردار جانور یا خنزیر کے بال ہوتے ہیں البتہ انسان کے علاوہ دوسرے پاک بال یا

---

(۱) مرقاۃ ۸/۲۸۰ کتاب اللباس باب الترجل، تکملۃ فتح الملہم ۴/۱۹۸

مصنوعی بال جوڑنا جائز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے ہاں اس مسئلے میں تفصیل یہ ہے کہ انسان کے بال جوڑنا تو ادب واحترام کی وجہ سے حرام ہے، انسان کے علاوہ کسی جانور کے پاک بال ہوں تو ان کو چوٹی میں شامل کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس خاتون کا شوہر یا اس کا مولی نہ ہو (باندی ہونے کی صورت میں) تو اس کیلئے اپنی چوٹی میں ان بالوں کو شامل کرنا بھی حرام ہے، اور اگر اس کا شوہر یا آقا ہو تو ان کی اجازت کے بعد اس کیلئے اپنے بالوں کے ساتھ یہ بال جوڑنا جائز ہے۔

(۳) بالوں کے ساتھ بالوں کو اور ہر اس چیز کو جوڑنا بھی ممنوع ہے جس پر بال کا گمان ہونے لگے، لیکن اس طرح کا کوئی التباس نہ ہو تو پھر اسے بالوں کے ساتھ جوڑنا جائز ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

(۴) فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مذکورہ ممانعت کا تعلق صرف بالوں کے ساتھ ہے کہ بال کے ساتھ کسی اور کے بال نہیں جوڑ سکتے لہذا چوٹی میں بالوں کے علاوہ دوسری چیزیں اون وغیرہ شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم

جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے اس کی طہارت کے بارے میں درج ذیل تفصیل ہے:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے، لہذا اس میں جو رنگ وغیرہ بھرا گیا ہے اسے صاف کرنا واجب ہے، ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اسے صاف کرنے کی صورت میں وہ عضو تلف یا شل ہو جائے گا یا اس کی افادیت ختم ہو جائے گی تو پھر اس رنگ کو زائل کرنا واجب نہیں، یہ شوافع کا مسلک ہے۔

(۲) احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب خون جم جائے اور زخم مندمل ہو جائے، صرف رنگ کا سبز یا سرخ نشان رہ جائے تو اب اسے زائل کرنا واجب نہیں، اب یہ جسم کا جزو بن چکا ہے، لہذا اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی، جس طرح داڑھی میں خضاب لگایا جائے تو طہارت کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

یہ باب ان عورتوں سے متعلق ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۹۰/۴ كتاب اللباس، باب تحريم فعل الواصلة، ردالمحتار على الدر ۱۴۲/۱ كتاب الطهارة، مطلب في حكم الوشم، مرقاة المفاتيح ۲۸۰/۸ كتاب اللباس، باب الترجل، تحفة الاحوذي ۵۶/۸

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر (لعنت فرمائی ہے) جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی طرح شکل وصورت بنا کر ہیجڑے بنیں، اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو شکل وصورت اور وضع قطع میں بتکلف مردانہ پن اختیار کریں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ المتشبھات: متشبھۃ کی جمع ہے: مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی خواتین۔ المخنثین: مخنث کی جمع ہے: وہ مرد جو عورتوں کی طرح شکل وصورت بنا کر ہیجڑے بن جائیں۔ مترجلات: مترجلۃ کی جمع ہے: وہ عورتیں جو شکل وصورت اور وضع قطع میں بتکلف مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

عورتوں کی مردوں کے ساتھ اور مردوں کی عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ایسی عورتوں پر نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جو اپنے لباس، بول چال، بناؤ سنگھار اور چلنے میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور مردوں کی طرح اپنی وضع قطع بناتی ہیں، چنانچہ آج مسلم معاشرہ کی بعض خواتین اس گناہ میں مبتلی ہیں کہ ان کا لباس مردوں کی طرح انتہائی مختصر، چست اور تنگ ہوتا ہے کہ جسم کی ساری نزاکتیں صاف معلوم ہوتی ہیں، یہ انتہائی بڑا گناہ ہے لیکن اگر عورت علم وفکر اور رائے میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے تو یہ مذموم نہیں بلکہ شرعا پسندیدہ ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے بہت سے مسائل میں مردوں کی طرح ہوا کرتی تھی۔

(۲) اسی طرح ان مردوں پر بھی لعنت منقول ہے جو اپنی ظاہری وضع قطع، بول چال اور زیب وزینت میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں،

امام نووی فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں:

☆ ایک وہ مخنث ہے جس میں پیدائشی طور پر عورتوں کی صفات غالب ہوں، وہ بتکلف عورتوں کی طرح اپنے آپ کو نہیں بناتا، ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں، وہ لعنت کی اس وعید میں داخل نہیں کیونکہ وہ معذور ہے لیکن اگر وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت والے امور رفتہ رفتہ ترک کر سکتا ہے تو پھر اس پر ان امور کا ترک کرنا شرعا لازم ہوگا۔

☆ دوسرا وہ مخنث ہے جس میں مردوں کی صفات غالب ہوں لیکن وہ بتکلف اپنی ظاہری شکل وصورت، بول چال اور حرکات میں اپنے آپ کو عورت ظاہر کرتا ہے، اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں لعنت کی وعید آئی ہے۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۵۶

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ الْمَرْأَةِ مُتَعَطِّرَةً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کا خوشبو لگا کر نکلنا مکروہ یعنی ممنوع ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً.

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (نظر بد ڈالنے والی) ہر آنکھ زنا کار ہے، اور جب کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گذرے تو وہ ایسی ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔

خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گذرنے والی عورت کا حکم

اس حدیث سے ایک تو یہ عمومی حکم ثابت ہوتا ہے کہ بدنظری کرنے والی ہر آنکھ زنا کار ہے، یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے، جو مرد عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھے یا جو عورت نامحرم مردوں کی تاک جھانک کرے، ایسے مرد اور عورت کی آنکھ زنا کار ہے، کیونکہ جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح زنا تک پہنچانے کے جو بھی محرکات اور اسباب ہوں وہ بھی حرام ہوتے ہیں، زنا کا ایک سبب اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گذرنا بھی باعث زنا ہے، یہ خوشبو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ مرد اس عورت کی طرف بری نظروں سے دیکھے، یوں اس نظر کا زنا ہو جائے گا۔

لہذا اگر عورت کو کسی مجبوری کی وجہ سے کہیں جانا ہو تو مکمل شرعی پردے کے ساتھ جائے، خوشبو لگا کر نہ نکلے، کیونکہ خوشبو لگا کر نکلنا اگر چہ برقعہ کے اندر ہی ہو، اتنا برا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والی عورتوں کو اس حدیث میں زنا کار فرمایا ہے، یوں بھی عورت کو تیز خوشبو لگانا منع ہے اگر چہ گھر کے اندر ہی ہو۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر ایسا عمل کہ جس سے کوئی مرد کسی غیر محرم عورت سے یا کوئی عورت کسی غیر محرم مرد سے رابطہ کرے...... وہ ممنوع ہے، لہذا ایسے مرد و عورت کیلئے موبائل کا استعمال کسی بھی طرح جائز نہیں جو اسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی کاموں کیلئے استعمال کرتے ہوں، جو اس کے ذریعہ اپنی جنسی خواہشات کو غیر شرعی مقام پر پورا کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہوں، اور موبائل تو اس زمانے کا بہت بڑا فتنہ ہے، اور عموماً نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اسے غلط ہی استعمال کرتے ہیں، اس لیے غیر شادی شدہ اور زیر تعلیم لڑکی کے پاس تو موبائل ہونا ہی نہیں چاہئے، ہاں شادی کے بعد اگر شوہر اس پر رضامند ہو اور ضرورت بھی ہو تو ایسی صورت میں عورت کے لیے موبائل رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۹/۸

باب ما جاء في طيب الرجال والنساء

یہ باب مردوں اور عورتوں کی خوشبو سے متعلق ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کی خوشبو ظاہر ہو (یعنی دوسروں کو بھی محسوس ہو) اور اس کا رنگ پوشیدہ (یعنی ہلکا) ہو اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی بہت معمولی خوشبو آرہی ہو)۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ خَيْرَ طِيبِ الرَّجُلِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَخَيْرَ طِيبِ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ وَنَهَى عَنْ مِيثَرَةِ الأُرْجُوَانِ.

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کیلئے بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر یعنی تیز ہو اور رنگ پوشیدہ یعنی ہلکا ہو، اور عورتوں کیلئے وہ خوشبو سب سے بہتر ہے جس کا رنگ ظاہر ہو (یعنی تیز ہو) اور جس کی خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی ہلکی اور کم ہو) اور نبی کریم ﷺ نے سرخ رنگ کی ریشمی زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

میثرۃ الارجوان کے معنی

میثرۃ: (میم کے نیچے زیر، یاء کے سکون اور ثاء پر زبر کے ساتھ)

(۱) سرخ رنگ کی چھوٹی سی گدی جو سوار اپنے نیچے رکھا کرتے تھے۔

(۲) سرخ رنگ کا وہ کپڑا جو زین کے اوپر ڈالا جاتا تھا، اور عام طور پر ریشم کا ہوا کرتا تھا۔

(۳) ارغوانی گھاس سے بھری ہوئی گدی جو سرخ ہوتی تھی۔

اُرجوان: (الف وجیم کے پیش اور راء کے سکون کے ساتھ) اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سرخ رنگ کی ریشمی زین پوش یعنی سرخ رنگ کا ریشمی کپڑا جو زین کے اوپر ڈالا جاتا تھا۔

(۲) نہایہ میں ہے کہ ارجوان دراصل "ارغوان" کا معرب ہے، اور ارغوان اس پودے کو کہتے ہیں جس کا پھول نہایت تیز سرخ رنگ کا ہو، پھر جو رنگ اس پھول کے رنگ کے مشابہ ہوتا ہے جیسے نارنجی، اسے بھی ارجوان کہہ دیا جاتا ہے۔

(۳) قاموس میں ہے کہ ارجوان سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔

(۴)　سرخ اون۔(۱)

مردوں اور عورتوں کی خوشبو میں فرق

اس باب کی احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱)　مردوں کو ایسی خوشبو استعمال کرنی چاہئے جس کی خوشبو تیز ہو اور جس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچ جائے، رنگ اس کا بالکل ہی نہ ہو یا ہو تو ہلکا ہو جیسے گلاب، عنبر، عود، شمامہ اور پرفیوم وغیرہ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ کپڑوں پر ظاہر ہو جائے مگر اس کی خوشبو بہت معمولی ہو جو اس کی ذات تک ہی محدود ہو یا زیادہ سے زیادہ اس کے شوہر تک پہنچ جائے جب وہ قریب ہو۔

یہ ذہن میں رہے کہ عورت کیلئے خوشبو لگانے کا جواز صرف گھر کے اندر تک ہے، خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا اس کیلئے جائز نہیں ہے جیسا کہ پچھلے باب کی روایت میں گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورت کا یہ عمل زنا شمار ہوگا، اس لیے عورت کیلئے تیز خوشبو لگانا جائز نہیں، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی عفت وعصمت کو محفوظ رکھنے کیلئے کیسے کیسے اصول اور کیسی عمدہ نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہو چکا ہے، غیر مسلم قوموں اور فاسق لوگوں کے جو طور طریقے، جو ڈیزائن اور فیشن اس کے سامنے آتے ہیں، اندھا دھند انہیں اختیار کر لیا جاتا ہے، یہ نہیں سوچا جاتا کہ شرعی لحاظ سے اس طرح کا لباس اور خوشبو وغیرہ میرے جائز ہے یا نہیں؟ اللہ ہی اس قوم پر رحم فرمائے۔

(۲)　گھوڑے یا اونٹ وغیرہ پر سوار ہونے کیلئے ایسی گدی بنانا جو ریشم کے کپڑے کی ہو یا سرخ رنگ کا کپڑا ہو تو اس کا استعمال ممنوع ہے، اگر وہ کپڑا ریشمی ہو تو اس کا استعمال مردوں پر حرام ہے اور اگر ریشم کا نہ ہو تو اس کا استعمال پسندیدہ نہیں کہ اس میں عیش وعشرت کرنے والے فاسق قسم کے لوگوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مرد کیلئے سرخ زین پوش کا استعمال درست نہیں تو سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مرد کیلئے بدرجہ اولیٰ درست نہیں۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَدِّ الطِّيبِ

یہ باب خوشبو کو رد کرنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ أَنَسٌ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ. وَقَالَ أَنَسٌ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ.

---

(۱)　مرقاۃ ۸/۲۲۶، ۲۲۸ کتاب اللباس، تحفۃ الاحوذی ۵/۳۵۵، ابواب اللباس، باب ما جاء فی رکوب المیاثر، الکوکب الدری ۳/۲۱۱۔

(۲)　تحفۃ الاحوذی ۸/۲۰، الکوکب الدری ۳/۲۱۲، مرقاۃ ۸/۲۲۶

حضرت ثمامہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ انس کبھی خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی کبھی خوشبو کو رد نہیں فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزوں کو رد کرنا مناسب نہیں، تکیے، خوشبو اور دودھ۔

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.

حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی خوشبو دی جائے تو اسے رد نہ کرے، کیونکہ وہ جنت سے نکلی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ طیب: (طا کے نیچے زیر اور یا کے سکون کے ساتھ) خوشبو، عطر۔ لا یرد: (صیغہ مجہول) رد نہ کیا جائے، اسے لینے سے انکار نہ کیا جائے۔ وسائد: وسادۃ کی جمع ہے: تکیے۔ دھن: (دال پر پیش اور ہاء کے سکون کے ساتھ) تیل، یہاں حدیث میں اس سے خوشبو یا خوشبودار تیل مراد ہے۔ ریحان: (راء پر زبر کے ساتھ) ہر خوشبودار پودا، ناز بو۔

خوشبو سے انکار نہیں کرنا چاہیے

جب کسی انسان کو خوشبو پیش کی جائے تو وہ اسے قبول کر لے، رد نہ کرے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کا بوجھ نہیں اور عموماً زیادہ مہنگی بھی نہیں ہوتی، لہذا مہنگی خوشبو جیسے عود ہندی اور شمامہ وغیرہ اس حدیث میں داخل نہیں کہ اسے رد کیا جا سکتا ہے، دوسرا اس وجہ سے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے، تیسرا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ بھی خوشبو کو بہت پسند کرتے، اور اسے استعمال بھی فرماتے، لہذا اگر انسان مہمان ہو اور اسے میزبان ایسی چیزیں پیش کرے جو اس پر بوجھ نہ ہوں مثلاً تکیہ، خوشبو، آئل اور دودھ وغیرہ تو مہمان کو چاہیے کہ وہ انہیں قبول کر لے، بتکلف قبول نہ کرنا تکبر کی علامت ہے، اور اس میں ہدیہ دینے والے کی دل آزاری بھی ہے، اس لیے اگر کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی شرعی مانع بھی نہ ہو تو اس قسم کی چیزیں ہدیہ میں قبول کر لینی چاہئیں۔ (۱)

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ مُبَاشَرَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَالْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دو مرد اور دو عورتوں کا آپس میں برہنہ جسم کر کے ملنا مکروہ یعنی حرام ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ حَتّٰى تَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا.

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۰۶، الکوکب الدری ۳/۳۱۳

برہنہ جسم سے نہ لگائے (یا یوں ترجمہ کریں: ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ یوں ملاقات نہ کرے) کہ پھر اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کا پورا (حال، نقشہ حسن وجمال اور گداز پن) اس طرح بیان نہ کرے کہ جیسے وہ اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔

عَنْ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے، کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو مرد برہنہ ہو کر ایک کپڑے یعنی چادر میں نہ لیٹیں، اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مباشرة: براہ راست، ایک جلد کا دوسری جلد کے ساتھ بغیر کسی حائل کے ملنا، چھونا۔ **لا تباشر المرأة المرأة:** (۱) کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم کے ساتھ نہ لگائے۔ (۲) کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ باہم مجلس اور ملاقات نہ کرے۔ **حتی تصفها لزوجها:** کہ پھر اپنے شوہر کے سامنے اس کا پورا حال بیان کرنے لگے۔ **لا یفضی:** نہ پہنچے، جمع نہ ہوں، ایک ساتھ نہ لیٹیں۔

شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کے جسم کا حال بیان کرنے کی ممانعت

کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری برہنہ عورت سے جسم کو ملانا، ملاقات کرنا اور پھر اس کے جسم کے خدوخال، حسن وجمال اور گداز پن اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی برا ہے، ایسے کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، کیونکہ کسی عورت کے اوصاف اس انداز سے اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا بھی ایک طرح کی بے پردگی ہے جیسے کسی عورت کو آنکھ سے براہ راست دیکھا جائے تو طبیعت اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے، ایسے ہی دیکھے بغیر اس کے حسن وجمال کا حال سن کر دل میں دیکھنے اور ملاقات کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے عورت کو اس طرح کے تذکرہ سے منع کیا گیا ہے۔

ممانعت کا یہ حکم اس مصلحت اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ بسا اوقات ایک غیر عورت کے پرکشش اوصاف سن کر اس کا شوہر اس عورت کی محبت کے فتنہ میں مبتلی ہو سکتا ہے، معاملہ انتہائی سنگین صورت اختیار کر جائے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق تک دے دیتا ہے، طلاق کا وقوع نہ بھی ہو تب بھی یہ اس کے فتنہ میں بہر حال مبتلی ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت سے گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے، اس لیے کسی دوسری عورت کا اپنے شوہر کے سامنے اس طرح تذکرہ ہرگز نہ کیا جائے کہ جس سے اس کا مرد اس غیر عورت کا دلدادہ اور اس پر فریفتہ ہو جائے۔

ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا حرام ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مرد یا دو عورتیں ایک ساتھ برہنہ حالت میں ایک چادر میں نہ لیٹیں کہ یہ بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے اور یہ مزید کسی بڑے گناہ کا بھی باعث بن سکتا ہے، البتہ میاں بیوی اس سے مستثنیٰ ہیں یا ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے ستر کی طرف یا ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو چھپانا ضروری قرار دیا ہے انہیں "ستر" کہا جاتا ہے، ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا اور ڈھانکنا ضروری ہے، ان احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے، اس حصہ کو دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کیلئے، ہاں اس مرد کی بیوی اور باندی اس حصے کو بھی دیکھ سکتی ہیں، اس حصے کے علاوہ مرد کا بقیہ جسم مرد بھی دیکھ سکتا ہے اور عورت بھی بشرطیکہ عورت کے دیکھنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگر کسی عورت کو اپنے نفس پر کنٹرول نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصے کو نہیں دیکھ سکتی۔

(۲) اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے، لہذا عورت کے جسم کے اس حصے کو کسی عورت کیلئے بھی ضرورت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، جبکہ اجنبی مرد کے حق میں عورت کا ستر اس کا پورا جسم ہے، یعنی مرد کیلئے کسی اجنبی عورت کے جسم پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، ایک قول کے مطابق عورت کا چہرہ، دونوں ہاتھ اور پاؤں دیکھے جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ زمانہ چونکہ طرح طرح کے فتنوں پر مشتمل ہے، اور چہرہ عورت کی زیب و زینت کا اصل مرکز ہے جس پر نظر ڈالنے سے انسان فتنہ میں ضرور مبتلی ہو جاتا ہے، اس لیے اجنبی عورت کے جسم پر نظر ڈالنا بالکل ناجائز ہے البتہ شرعی عذر ہو تو پھر دیکھا جا سکتا ہے جیسے کوئی عورت جج کے سامنے گواہی دے یا علاج معالجہ کا موقع ہو۔

(۳) مرد اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھ سکتا ہے، اسی طرح اپنی اس باندی کا پورا جسم بھی دیکھ سکتا ہے جس سے اس کیلئے "تعلقات" قائم کرنا حلال ہو۔

(۴) عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ، پیٹ اور ناف سے گھٹنوں تک کے نیچے کا حصہ ہے، لہذا کسی محرم کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کے ان اعضاء کو چھوئے، ہاں عورت کا سر، چہرہ، پنڈلی، بازو اور سینہ وہ محرم رشتہ دار دیکھ سکتا ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اگر کوئی محرم شیطانی خواہشات اور برے افکار کا مالک ہو تو پھر اس سے پردہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور اس کیلئے اپنی محرم عورت کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہوتا۔(۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۵۲/۶ کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبۃ، تحفۃ الاحوذی ۸۰/۸، رد المحتار ۳۶۷/۶

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

یہ باب ستر کی حفاظت کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ: عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلاَّ مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ. قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لاَ يَرَاهَا أَحَدٌ فَلاَ تُرِيَنَّهَا قَالَ: قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ: إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى النَّاسِ مِنْهُ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ ہم کس سے ستر کو چھپائیں اور کس سے چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں؟ فرمایا: اپنے ستر کو اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے چھپاؤ، میں نے عرض کیا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ: جب کہ لوگ آپس میں ملے جلے ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ تیری شرمگاہ کو کوئی بھی شخص نہ دیکھے تو ہرگز تو یہ کسی کو نہ دکھلا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ: جب ہم میں سے کوئی اکیلا اور تنہا ہو تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ لوگ اس سے شرم وحیاء کریں (یعنی تنہائی میں بھی برہنہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ جل جلالہ سے شرم کرنا چاہئے)

مشکل لفظ کی تشریح:۔ فلاترینها: (یہ ارادۃ سے ہے) تو ہرگز اس شرمگاہ کو نہ دکھلا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب مکرر ذکر کر دیا ہے، اس لیے اس کی تشریح پہلے اسی باب کے تحت گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ران ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَرْهَدٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِجَرْهَدٍ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَشَفَ فَخِذُهُ فَقَالَ: إِنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ۔

حضرت جرہد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں ان کے پاس سے گذرے جبکہ ان کی ران کھلی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَرْهَدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهِ وَهُوَ كَاشِفٌ عَنْ فَخِذِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: غَطِّ فَخِذَكَ، فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ۔

حضرت جرہد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گذرے جبکہ وہ اپنی ران کھولے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ وہ ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَرْهَدٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْفَخِذُ عَوْرَةٌ

حضرت جرہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الْفَخِذُ عَوْرَةٌ

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔

ران ستر میں داخل ہے

مذکورہ اور اس مفہوم کی دیگر تمام احادیث کی روشنی میں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ران ستر میں داخل ہے، لہذا اسے اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور انسان کے سامنے کھولنا ناجائز اور حرام ہے، آج کل بعض لوگ گرمی، کھیل یا ورزش کے وقت اتنا مختصر لباس پہنتے ہیں کہ جس سے ان کی رانیں نظر آرہی ہوتی ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے، ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے، جو مرد و عورت اس لباس میں انہیں قصد وارادہ سے دیکھیں گے وہ بھی گنہگار ہوں گے البتہ ضرورت کے موقع پر ران یا اس کا کچھ حصہ کھولا جاسکتا ہے جیسے جنگ وجدال اور مرض کی حالت میں، اس کے علاوہ اسے کھولنا جائز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے دو موقعوں پر ران کا کچھ حصہ کھولنا منقول ہے، ایک مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ ران کھول کر تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر آگئے پھر حضرت عمر آپ ﷺ کے پاس آگئے، آپ ﷺ اسی حالت میں بیٹھے رہے پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی ران کو ڈھانپ لیا، دوسری حضرت انس کی وہ روایت ہے جسے امام بخاری اور امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی ران مبارک کھلی ہوئی تھی یہاں تک کہ اس کی سفیدی اب بھی مجھے یاد ہے لیکن یہ دونوں واقعے نبی کریم ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہیں، ان سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَافَةِ

یہ باب صفائی اور پاکیزگی کے بیان میں ہے۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي حَسَّانَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ، يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ، يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، فَنَظِّفُوا، أُرَاهُ قَالَ: أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ. قَالَ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ مِسْمَارٍ فَقَالَ: حَدَّثَنِيهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: نَظِّفُوا أَفْنِيَتَكُمْ.

صالح بن ابی حسان حضرت سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالی پاک ہیں اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں،

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۷

وہ صاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں وہ مہربان ہیں اور مہربانی کو پسند کرتے ہیں، وہ سخی ہیں اور سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا تم لوگ پاک صاف رہا کرو، صالح راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیب نے فرمایا: اپنے صحنوں کو (صاف ستھرا رکھا کرو) اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو، صالح کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث مہاجر بن مسمار کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث عامر بن سعد نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح بیان کی مگر یہ کہ مہاجر نے اپنی روایت میں فرمایا: "تم اپنے صحنوں کو ضرور صاف ستھرا رکھا کرو" (اس طریق میں گمان، تردد اور شک کا ذکر نہیں ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نظافة: (نون پر زبر کے ساتھ) پاکیزگی، صفائی ستھرائی۔ طیب: ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ذات، پاکیزگی۔ طیب اور نظافۃ میں یہ فرق ہے کہ طیب نجاستوں سے پاک کرنے اور نظافۃ میل کچیل دور کرنے کو کہتے ہیں۔(۱) کریم: مہربان، بڑا سخی وفیاض جس کی بخشش وعطاء کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ کرم: مہربانی، سخاوت۔ جود: سخاوت جواد: (جیم پر زبر اور واو پر زبر کے ساتھ) سخی، فیاض، جو کچھ اس کے پاس ہو، وہ سب خرچ کر دینے والا۔ نظفوا تم صاف ستھرا رکھا کرو۔ أفنية: فناء کی جمع ہے: صحن۔

صفائی اور ستھرائی کا حکم

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان کو اپنے رہن سہن میں صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اس کا جسم، کپڑے اور گھر وغیرہ ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نظافت وطہارت اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں اس میں ان لوگوں کیلئے درس عبرت ہے جن کے کپڑے انتہائی میلے کچیلے اور جسم سے بدبو آرہی ہوتی ہے، وہ اپنی صفائی کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایسا کرنا ان کیلئے جائز نہیں ہے۔

(۲) مسلمان کو چاہئے کہ وہ عمدہ اخلاق اور کریمانہ صفات سے آراستہ ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ انتہائی سخی اور فیاض ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو بھی سخاوت کی سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

(۴) حدیث کے آخر میں خاص طور پر گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے کہ جب گھر پاک صاف ہو تو مہمانوں کا بھی دل خوش ہوگا۔

اس حدیث میں صالح بن ابی حسان گمان ظاہر کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیب نے افنیتکم کا لفظ بھی ارشاد فرمایا ہے، لیکن مہاجر بن مسمار کے طریق میں بغیر کسی شک اور تردد کے یہ لفظ منقول ہے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۱۲

(۵) یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو، ان کے گھر ہر قسم کی نجاست سے لت پت ہوتے تھے، خست و کمینہ پن اور بخل ان کا شعار تھا، ان تمام امور میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کریں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِتَارِ عِنْدَ الْجِمَاعِ

یہ باب جماع کے وقت پردے میں ہونے کے (حکم کے) بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّي فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: برہنہ ہونے سے پرہیز کرو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے سوائے قضاء حاجت اور اس وقت کے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے (اس وقت یہ فرشتے تھوڑی دیر کیلئے الگ ہو جاتے ہیں) لہذا تم ان (فرشتوں) سے حیاء کرو اور تم ان کا اکرام کرو (اس طرح کہ اپنے آپ کو برہنہ نہ کرو)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الاستتار: چھپنا، پردہ میں ہونا۔ ایاکم والتعری: تم اپنے آپ کو برہنہ ہونے سے بچاؤ۔ من لا یفارقکم: جو تم لوگوں سے جدا نہیں ہوتے یعنی فرشتے۔ عند الغائط: قضاء حاجت کے وقت۔ یفضی: آدمی پہنچے یعنی اپنی بیوی سے جماع کرے۔

جماع کے وقت بھی حتی الامکان پردہ میں رہا جائے

اس حدیث میں جماع کا ادب بیان کیا گیا ہے کہ جماع کے وقت بھی جس قدر ہو سکے پردہ میں رہا جائے، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے ہوتے ہیں، جو انسان کے برہنہ ہونے کے وقت اس سے دور اور الگ ہو جاتے ہیں، اس لیے برہنہ ہونے سے اجتناب کرنا چاہئے البتہ ضرورت کے مواقع اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسے قضاء حاجت اور جماع کے وقت......(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْحَمَّامِ

یہ باب غسل خانہ میں داخل ہونے سے متعلق ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلْ حَلِيلَتَهُ الْحَمَّامَ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۷

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۸

بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنی بیوی حمام میں نہ بھیجے، اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ تہ بند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ فِي الْمَيَازِرِ

حضرت عائشہ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں جانے سے منع فرمایا پھر مردوں کو تہ بند باندھ کر جانے کی اجازت دے دی۔

عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ الْهُذَلِيِّ أَنَّ نِسَاءً مِنْ أَهْلِ حِمْصَ أَوْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: أَنْتُنَّ اللَّاتِي يَدْخُلْنَ نِسَاؤُكُنَّ الْحَمَّامَاتِ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنِ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا.

حضرت ابو الملیح ہذلی فرماتے ہیں کہ حمص یا شام کی کچھ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان سے) فرمایا: تم وہی ہو کہ تمہاری عورتیں حماموں میں داخل ہوتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایسی کوئی عورت نہیں کہ جو اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ اپنے کپڑے کہیں اتارے مگر یہ کہ اس نے وہ پردہ پھاڑ دیا جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ حمام: غسل خانہ، یہاں حدیث میں اس سے وہ حمام مراد ہیں جن کا عہد نبوت میں حجاز سے باہر رواج تھا، جن میں مرد وعورت بغیر کسی پردے کے ایک ساتھ نہایا کرتے تھے۔ حلیلة: بیوی۔ مائدة: دسترخوان، دعوت۔ یدار علیها: اس دسترخوان پر گھمایا جائے۔ میازر: مئزر کی جمع ہے: تہ بند، لنگی۔ هتک الستر: اس نے پردے کو پھاڑ دیا۔

حمام، کلب اور تالابوں میں غسل کرنے کے احکام

زمانہ جاہلیت سے بعض علاقوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ مرد وعورت ایک ہی جگہ حمام میں بغیر کسی پردے کے غسل کیا کرتے تھے، چنانچہ حجاز سے باہر عہد نبوت میں بھی ایسے حماموں کا رواج تھا جن میں مرد وعورت بغیر کسی پردہ کے اکٹھے ہو کر نہایا کرتے تھے، اور یہ ان کے رواج اور تہذیب میں داخل تھا، نبی کریم ﷺ نے اولاً مرد وعورت دونوں کو اس قسم کے حمام میں غسل کرنے سے منع فرمایا، پھر بعد میں آپ ﷺ نے مردوں کو حمام میں غسل کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ وہ ان میں تہ بند باندھ کر غسل کیا کریں، اور خواتین کی ممانعت اب بھی باقی ہے کیونکہ ایک تو وہاں مرد وعورت کا اختلاط ہوتا ہے اور دوسرا عورتوں

کیلئے صحیح طرح پردے کا بندوبست بھی نہیں ہوتا، اس لئے خواتین اپنے گھر میں ہی پردے میں غسل کیا کریں۔

الا هتکت الستر: اس سے حیاء کا پردہ اور ستر مراد ہے کہ جب اس عورت نے شوہر کے گھر کے علاوہ دوسری جگہ کسی شرعی وجہ کے بغیر اپنا ستر کھول دیا تو اس نے گویا وہ پردہ حیا ختم کر دیا جو اس کے اور پروردگار کے درمیان تھا۔(۱)

ہمارے زمانے میں کلبوں میں جو تالاب بنائے جاتے ہیں اس میں غسل کیلئے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، صرف مرد ہی نہاتے ہوں، اور کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہ دیکھے، لہذا ایسے تالاب کہ جہاں مرد و عورت ایک ساتھ غسل کرتے ہوں اس میں غسل کرنا جائز نہیں ہے یہ یہود و نصاریٰ اور کفار کا طریقہ ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے تالابوں سے اجتناب کیا کریں۔

گناہوں پر مشتمل تقریبات میں شرکت کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ایسی دعوت اور تقریبات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے جن میں شراب، موسیقی اور گناہوں کا ارتکاب ہو، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں تقریب میں خلاف شرع کام ہونگے تو ایسی تقریب میں شرکت کی دعوت کو قبول ہی نہ کیا جائے، اور اگر پہلے سے معلوم نہ ہو، وہاں جا کر پتہ چلے کہ اس میں رقص وغناء اور شراب وغیرہ ہونگے تو پھر وہاں نہ ٹھہرے بلکہ اس تقریب کا بائیکاٹ کر کے واپس آجائے، کیونکہ اللہ کو ناراض کر کے کسی انسان کو خوش کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

افسوس کہ آج عالم اسلام کی بہت سی تقریبات اور پروگراموں میں سرعام شراب نوشی ہوتی ہے، بے پردگی اور بے حیائی پر مشتمل خاص قسم کے پروگرام ہوتے ہیں، یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے، نبی کریم ﷺ نے شراب کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے بس لیبل اسلام کا لگا رکھا ہے اور کام سارے کافروں والے کیے جا رہے ہیں، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر اور کتا ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا طَلْحَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةُ تَمَاثِيلَ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۸، بذل المجهود ۱۶/۳۳۷ کتاب الحمام الکوکب الدری ۳/۴۱۵

(۲) فتاوی هندیه ۵/۳۴۳، الکوکب الدری ۳/۴۱۴

حضرت ابن عباس ابوطلحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتے اور جاندار کی تصویر ہو۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ إِسْحَاقَ أَخْبَرَهُ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ نَعُودُهُ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَمَاثِيلُ أَوْ صُورَةٌ. شَكَّ إِسْحَاقُ لَا يَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَ.

حضرت رافع بن اسحاق فرماتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن ابوطلحہ، ابوسعید خدری کی بیمار پرسی کیلئے گئے تو حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مجسمے یا کوئی جاندار کی تصویر ہو، اسحاق راوی کو شک ہے کہ ان میں سے کونسا لفظ ارشاد فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ عَلَيْكَ الْبَيْتَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فِي بَابِ الْبَيْتِ تِمْثَالُ الرِّجَالِ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ، فِيهِ تَمَاثِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِي بِالْبَابِ فَلْيُقْطَعْ فَيُصَيَّرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ وَيُجْعَلْ مِنْهُ وِسَادَتَيْنِ مُنْتَبَذَتَيْنِ يُوطَآنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَيُخْرَجْ. فَفَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَ ذَلِكَ الْكَلْبُ جَرْوًا لِلْحَسَنِ أَوِ الْحُسَيْنِ تَحْتَ نَضَدٍ لَهُ فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ میں کل گذشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا، مجھے آپ کے پاس داخل ہونے سے اور کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ اس کے دروازے (کے پردے) پر مردوں کی تصویریں تھیں، اس گھر (کے دروازے پر) ایک پردہ تھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور گھر میں ایک کتا بھی تھا، لہذا آپ دروازے والی تصویر کے سر کے بارے میں حکم دے دیجئے کہ اسے کاٹ دیا جائے تا کہ وہ درخت کی طرح ہو جائے، اور اس پردے کے بارے میں حکم دے دیں کہ اسے کاٹ دیا جائے اور اس سے ایسے دو تکیے بنائے جائیں جو بچھے رہیں اور (پاؤں میں) روندے جائیں، اور آپ ﷺ کتے کے بارے میں حکم دے دیجئے کہ اسے نکال دیا جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا اور وہ کتا ایک کتے کا بچہ تھا جو حسین یا حسن کا تھا، جو آپ ﷺ کی چارپائی یا سامان کے نیچے تھا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے اسے نکال دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ صورة: تصویر۔ تماثیل: تمثال کی جمع ہے، مجسمہ، پتھر کا تراشا ہوا یا تانبے، پیتل وغیرہ کا ڈھالا ہوا مجسمہ جو کسی حیوان یا انسان کی عکاسی کرتا ہو، تصویر جو کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی ہو۔ بارحة: گذشتہ رات۔ قرام: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) سرخ پردہ، مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے اور قرام ستر کے معنی ہیں پردے کا کپڑا یعنی پردہ۔ منتبذتین: وہ دونوں تکیے پڑے رہیں، بچھے رہیں۔ توطآن: جنھیں قدموں سے روندا جائے۔ جرو: (جیم کے نیچے زیر، پیش اور را

کے سکون کے ساتھ) کتے کا پلا، کتے کا بچہ، ہر درندہ کا چھوٹا بچہ۔ نضد: (نون اور ضاد پر زبر کے ساتھ) تہ بہ تہ رکھا ہوا سامان، اور بعض نے کہا کہ اس سے چارپائی مراد ہے کہ اسے بھی سامان کے اوپر رکھا جاتا ہے۔

تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة تماثیل

کونسے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اس بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ان سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے، لہذا موت کے فرشتے اور وہ فرشتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں، کیونکہ وہ انسان سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے۔

(۲) علامہ قرطبی اور دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ ملائکہ حدیث میں عام ہے، اس میں اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں، لہذا اس سے تمام قسم کے فرشتے مراد ہیں، استثناء کوئی نہیں، باقی اعمال کی نگرانی پر مامور فرشتوں کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ بظاہر تو گھر کے باہر رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں گھر کے اندر کے افراد کے اعمال معلوم کرنے کی صلاحیت عطاء فرما دیتے ہیں۔

''بیت'' سے ہر وہ جگہ مراد ہے جہاں انسان رہتا ہے خواہ وہ گھر کا کمرہ ہو یا کوئی مکان اور خیمہ ہو۔ اور ''کلب'' سے ہر قسم کا کتا مراد ہے خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو البتہ ضرورت کی وجہ سے شکار اور کھیتی وغیرہ کی حفاظت کی خاطر جو کتا رکھا جاتا ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں، اور فرشتے کتے کی وجہ سے اس لیے داخل نہیں ہوتے کہ وہ خود بھی نجس ہے اور نجاستیں کھاتا رہتا ہے، اور بعض کتوں کو حدیث میں شیطان کہا گیا ہے اور کتے کے جسم سے بدبو آتی ہے جبکہ فرشتے ان تمام امور سے نفرت کرتے ہیں۔

ولا صورة تماثیل اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے جاندار کی تصویر حرام اور گناہ کبیرہ ہے چاہے وہ سایہ دار مجسم کی شکل میں ہو یا اس کا سایہ نہ ہو، اسی طرح گھر کی دیواروں، کپڑوں، پردوں اور دوسرے اونچے مقامات پر تصویر رکھنا حرام ہے البتہ ایسی جگہ جہاں آدمی بیٹھتا، چلتا یا لیٹتا ہے چونکہ یہ توہین اور تحقیر کے مقامات ہیں اس لیے اکثر علماء نے ایسی صورت میں تصویر رکھنے کو حرام نہیں کہا ہے لہذا بچھونے اور تکیہ وغیرہ پر اگر تصویر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں ہے ﴿یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل﴾ یہاں ''تماثیل'' کی تفسیر تصویروں سے کی گئی ہے، اگر شرعاً تصویر جائز نہیں تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنات کیوں تصویر بناتے تھے؟ اس شبہہ کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) ان کی شریعت میں اس کی گنجائش تھی جبکہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ تماثیل سے جاندار کی تصویر مراد نہ ہو بلکہ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں اور نقشے مراد ہوں۔(۱)

تصویر کا سر مٹا دیا جائے

اس باب کی تیسری حدیث سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

(۱) گھر کے پردے پر اگر جاندار کی تصویر ہو تو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔

(۲) جاندار کی تصویر کا اگر سر یا اس کے اہم اعضاء مٹا دیئے جائیں تو پھر وہ تصویر کے حکم سے نکل جاتی ہے۔

(۳) اگر تصویر والے کپڑے کو ایسی جگہ استعمال کر لیا جائے کہ جہاں اسے قدموں سے روندا جاتا ہو، اس پر لیٹا جاتا ہو تو یہ جائز ہے۔

(۴) گھر میں کتا ہو تو جب تک اسے نکال نہ دیا جائے، رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ کتے کا بچہ سامان میں یا سامان والی چارپائی کے نیچے چھپا ہوا تھا جس کی وجہ سے جبرئیل امین گھر میں داخل نہ ہو سکے۔

(۵) کتے کا بچہ گھر میں چھپا ہوا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے، اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ضرور آپ ﷺ کو اس بچہ کا علم ہوتا، اس سے ثابت ہوا کہ علم غیب صرف اللہ جل جلالہ کی صفت ہے، کسی بھی رسول کیلئے یہ صفت ثابت کرنا، یہ اس نبی کی تعظیم نہیں، حقیقت میں اس کی توہین ہے کہ اسے اللہ کے برابر درجہ دیا جا رہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ لِلرَّجُلِ وَالْقَسِّيِّ

یہ باب مردوں کیلئے کسم سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ، وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ كَرِهُوا لُبْسَ الْمُعَصْفَرِ، وَرَأَوْا: أَنَّ مَا صُبِغَ بِالْحُمْرَةِ بِالْمَدَرِ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُعَصْفَرًا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ ایک شخص گذرا اور اس کے جسم پر دو سرخ رنگ کے کپڑے تھے، اس نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے مردوں کیلئے کسم کا رنگا ہوا کپڑا

---

(۱) فتح الباری ۳۲۶/۱۰ کتاب اللباس، باب التصاویر، تحفۃ الاحوذی ۶۷/۸، شرح مسلم للنووی ۲۰۰/۲ کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ اللباس، تکملۃ فتح الملہم ۱۵۲/۴

پہننا مکروہ قرار دیا ہے، اور علماء نے اس کپڑے کے پہننے کو جائز قرار دیا ہے جو گیرو وغیرہ سے رنگا گیا ہو اور کسم کا رنگا ہوا نہ ہو۔

قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْقَسِّيِّ وَعَنِ الْمِيثَرَةِ وَعَنِ الْجِعَةِ. قَالَ أَبُو الأَحْوَصِ: وَهُوَ شَرَابٌ يُتَّخَذُ بِمِصْرَ مِنَ الشَّعِيرِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشمی کپڑا پہننے، ریشمی زین پوش اور جعہ سے منع فرمایا ہے، ابوالاحوص راوی کہتے ہیں کہ "جعہ" مصر کی ایک شراب ہے جو، جو سے بنائی جاتی ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ أَوْ حَلْقَةِ الذَّهَبِ وَآنِيَةِ الْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالإِسْتَبْرَقِ وَالْقَسِّيِّ.

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات ہی چیزوں سے منع فرمایا، آپ نے ہمیں حکم دیا: (۱) جنازوں کے ساتھ چلنے کا (۲) بیمار کی عیادت کا (۳) چھینکنے والے کو جواب دینے کا (۴) دعوت قبول کرنے کا (۵) مظلوم کی مدد کرنے کا (۶) قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا (۷) اور سلام کا جواب دینے کا اور آپ نے ہمیں سات چیزوں سے منع کیا: (۱) (مردوں کیلئے ممنوع ہے) سونے کی انگوٹھی یا سونے کا چھلہ پہننا (۲) چاندی کے برتن استعمال کرنا (۳) ریشم کے کپڑے پہننا (۴) باریک ریشم سے (۵) موٹے ریشم سے (۶) قسی کا کپڑے پہننے سے (منع فرمایا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ معصفر: وہ کپڑا جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اور "کسم" زرد رنگ کا ایک پودا ہے جسے پانی میں ڈال کر کپڑے رنگے جاتے ہیں اس کپڑے کا رنگ عموماً سرخ ہو جاتا ہے(۱) عربوں میں اس کا خاصا رواج تھا۔ قسي: (قاف پر زبر اور سین کے نیچے زیر اور سین اور یاء کی تشدید کے ساتھ) مصر کا ایک کپڑا جو ریشم اور کتان سے بنا جاتا تھا، اور "قس" کی طرف منسوب تھا جو ساحل بحر کا ایک گاؤں تھا جہاں یہ کپڑا تیار ہوتا تھا، چونکہ اس میں ریشم بھی ملایا جاتا تھا اس لیے اس کا ترجمہ "ریشمی کپڑے" سے کر دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قسی اصل میں قزی ہے جو "قز" کی طرف منسوب ہے جو ایک قسم کا ریشم ہے پھر اس زاء کو سین سے بدل دیا تو قسی ہو گیا۔ میثرۃ: زین پوش یعنی وہ کپڑا جس میں روئی بھری جاتی ہے اور اسے گھوڑے وغیرہ کی زین پر ڈال کر بیٹھا جاتا ہے، اسے "نمدزین" بھی کہتے ہیں، عموماً یہ کپڑا ریشم کا ہوتا تھا، عیش و عشرت میں مبتلی دنیادار اسے فخر و غرور کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں۔ جعۃ: (جیم کے نیچے زیر اور عین پر زبر کے ساتھ) وہ شراب جسے جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ابرار المقسم: قسم

---

(۱) فتح الباری ۳۰۷/۱۰ کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، تحفۃ الاحوذی ۳۲۲/۵ ابواب اللباس، باب ما جاء فی کراھیۃ المعصفر للرجال۔

کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ حریر: ریشم خواہ وہ باریک ہو یا موٹا۔ دیباج: باریک ریشم۔ استبرق: (ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) موٹا ریشم۔ مدر: (میم اور دال پر زبر کے ساتھ) گیرو، ایک قسم کی لال مٹی۔

کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

اس باب کی احادیث سے استدلال کر کے حنفیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کیلئے کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، اگرچہ امام نووی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ سے جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن حنفیہ کا مسلک مختار کروہ تحریمی کا ہی ہے، ابن قدامہ نے حنابلہ کے ہاں بھی کراہت کا قول نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول اباحت کا ہے، لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ امام شافعی تک ممانعت کی روایت نہیں پہنچی ورنہ وہ بھی منع فرما دیتے، بیہقی نے شوافع کے ہاں کراہت کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، ایک روایت اباحت کی ہے، اور ایک دوسری روایت ہے کہ اس طرح کے کپڑے کا استعمال گھر میں کیا جا سکتا ہے لیکن گھر سے باہر بازار اور تقریبات میں یہ کپڑا پہن کر جانا درست نہیں ہے۔(۱)

کسم سے جو کپڑا رنگا جاتا ہے وہ نہایت گہرے سرخ رنگ کا ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے مردوں کیلئے حرام قرار دیا ہے، لہذا ہلکے سرخ رنگ کا کپڑا، یا ایسا کپڑا جس میں سرخ دھاریاں ہوں، بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔(۲)

اس باب کے تحت جو پہلی روایت میں "ثوبان احمران" کے الفاظ ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے ہاں ان "دو سرخ کپڑوں" سے وہ سرخ کپڑے مراد ہیں جنہیں عصفر یعنی کسم سے رنگا گیا ہو، ایسے کپڑوں کا استعمال مردوں کیلئے ممنوع ہے، لیکن اگر کپڑے کو کسم کے علاوہ کسی اور چیز سے سرخ رنگا گیا ہو مثلاً گیرو وغیرہ سے تو اس کپڑے کو استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ تیز سرخ نہ ہو۔(۳)

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی پہننا ناجائز ہے، خواتین کیلئے جائز ہے، خواہ وہ انگوٹھی سونے کی ہو یا چاندی کی البتہ مردوں کیلئے چاندی کی ایسی انگوٹھی پہننا جائز ہے جو ساڑھے چار ماشے تک ہو اور لوہے کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کیلئے ناجائز اور حرام ہے۔

(۲) قسی کا کپڑا جو ریشم اور کتان سے تیار ہوتا تھا، اس کا استعمال مردوں کیلئے حرام ہے۔

(۳) زین پوش اگر ریشم کا ہو تو اس کا استعمال مردوں کیلئے جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی رنگ کا ہو، اور اگر ریشم کا تو نہ ہو لیکن سرخ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۱۳/۴ کتاب اللباس، باب النهی عن لبس الرجل، کشف الباری (ص: ۲۰۷) کتاب اللباس، باب الثوب المزعفر

(۲) فتح الباری ۱۰/ ۳۷۶، تحفة الاحوذی ۳۶۲/۵

(۳) تحفة الاحوذی ۷۵/۸، الکوکب الدری ۳/ ۳۱۶

رنگ کا ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہے، اور اگر ریشم بھی نہ ہو اور نہ ہی سرخ کلر کا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) اس شراب کو حرام قرار دیا ہے جو جو سے تیار کی جاتی ہے۔

اس دوسری روایت میں ثوب معصفر کا ذکر نہیں، یوں اسے باب سے مناسبت نہیں ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طریق میں الفاظ اس طرح ہیں: نھی رسول اللہ ﷺ عن لبس القسی و للمعصفر کہ نبی کریم ﷺ نے قسی کے کپڑے اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے سے منع فرمایا ہے، اس طریق کے اعتبار سے اس روایت کو باب سے مناسبت ہو جاتی ہے اور اگر حدیث میں موجود لفظ "میثرۃ" کی یہ تشریح کی جائے کہ وہ سرخ زین پوش جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اس کا استعمال ممنوع ہے، تو پھر اس حدیث کو باب سے مناسبت ہو جائے گی ایسے میں پھر دوسرے طریق کو مطابقت پیدا کرنے کیلئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

باب کی تیسری روایت میں سات چیزوں کا حکم اور سات ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

ابرار للقسم قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں قسم کھائے اور تم اس کی قسم پوری کرنے پر قادر ہو، اور شرعاً اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہو تو تمہیں اس کی قسم کو پورا کرنا چاہئے، مثلاً ایک شخص آپ کو مخاطب کرتے ہوئے قسم کھائے کہ میں تم سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ تم فلاں کام نہ کرو، اب اگر تم اس کام کے کرنے پر قادر ہو تو کرلو تاکہ اس کی قسم نہ ٹوٹے اور وہ حانث نہ ہو۔

اور اس حدیث میں ونھانا عن سبع فرمایا لیکن اس کی تفصیل میں صرف چھ چیزیں درج ہیں، اس طریق میں ساتویں چیز کا ذکر نہیں، البتہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں جسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے، ان الفاظ کا اضافہ ہے: ونھی عن المیاثر الحمر کہ آپ ﷺ نے سرخ زین پوش کے استعمال سے منع فرمایا جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اس طریق کو سامنے رکھا جائے تو پھر سات کا عدد پورا ہو جاتا ہے اور ساتویں چیز کے اعتبار سے اس حدیث کو باب کے ساتھ بھی مطابقت اور مناسبت ہو جائے گی۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق مردوں سے ہے، خواتین کیلئے مذکورہ چیزوں کا استعمال جائز ہے، البتہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں کیلئے ممنوع ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْبَيَاضِ

یہ باب سفید کپڑے پہنے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۹۲/۴ کتاب اللباس، باب تحریم استعمال اناء الذھب، مرقاۃ المفاتیح ۷/۴ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض، تحفۃ الاحوذی ۸/۷۵

اور (طبعاً وشرعاً) زیادہ اچھا ہوتا ہے اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ البسوا: تم پہنا کرو، اطھر: زیادہ پاکیزہ۔ اطیب: طبعاً اور شرعاً ہر لحاظ سے اچھا اور خوشنما ہوتا ہے۔ کفنوا: تم کفن دیا کرو۔ موتی: میت کی جمع ہے: مردہ، مرحوم۔

سفید کپڑے پہننے کی فضیلت

سفید کپڑا پہننا افضل ہے کیونکہ اس میں گندگی جلد نظر آجاتی ہے یوں اسے بار بار دھویا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں رنگین کپڑا میل کچیل کو جذب کر لیتا ہے وہ جلد میلا نظر نہیں آتا، تاہم مردوں کیلئے سفید کے علاوہ دوسرے رنگین کپڑوں کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ وہ کلر شوخ نہ ہو کہ جس سے عورتوں کے لباس کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

بہتر یہ ہے کہ مردوں کو سفید کپڑے میں کفنایا جائے، کیونکہ اب اس کی ملاقات فرشتوں سے ہوگی، جیسا کہ اس بندے کیلئے سفید لباس پہننا افضل ہوتا ہے جو جمعہ، عیدین اور دیگر تقریبات میں شریک ہوتا ہے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي لُبْسِ الْحُمْرَةِ لِلرِّجَالِ

یہ باب مردوں کیلئے سرخ کپڑا پہننے کی اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا تو میں ایک نظر سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور دوسری نظر سے چاند کو (کہ ان میں زیادہ حسین کون ہیں) آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سرخ جوڑا تھا تو میرے نزدیک نبی کریم ﷺ چاند سے (کہیں) زیادہ حسین تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حُلَّةً حَمْرَاءَ.

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اضحیان: (ہمزے اور حاء کے نیچے زیر کے ساتھ) چاندنی رات۔ حلۃ: جوڑا، پوشاک، لباس۔ أحسن: زیادہ حسین اور خوبصورت۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۱۲ کتاب اللباس، الفصل الثانی

مردوں کیلئے سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم

مردوں کیلئے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، روایات کے اس تعارض کی وجہ سے فقہاء کے اقوال بھی اس بارے میں مختلف ہیں، ائمہ ثلثہ کے نزدیک مردوں کیلئے اس کا استعمال درست ہے، جبکہ حضرات احناف کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ مردوں کیلئے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر وہ کپڑا شدید قسم کا سرخ ہو کہ جس سے عورتوں کے لباس کے ساتھ اس کی مشابہت ہو جائے تو پھر مردوں کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَخْضَرِ

یہ باب سبز کپڑے پہننے کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ.

حضرت ابو رمثہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو سبز چادروں میں دیکھا ہے۔

سبز کپڑے پہننے کا حکم

اس حدیث سے مردوں کیلئے سبز لباس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو سبز چادریں زیب تن فرمائی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَسْوَدِ

یہ باب سیاہ کپڑے پہننے کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک صبح تشریف لائے جبکہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سیاہ بالوں والی ایک چادر تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ برد ان: برد کا تثنیہ ہے: دو چادریں۔ مرط: (میم کے نیچے زیر) چادر، خواہ وہ اون، کتان، ریشم کی ہو یا بالوں سے بنی ہوئی ہو۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۹/۵ ابواب اللباس، باب ما جاء فی الثوب الاحمر للرجال، امداد الفتاوی ۱۲۵/۴، کفایت المفتی ۱۵۷/۹، احسن الفتاوی ۶۲/۸

سیاہ لباس کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کیلئے سیاہ لباس کا استعمال جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَصْفَرِ

یہ باب زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے متعلق ہے۔

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ، وَكَانَتَا رَبِيبَتَيْهَا، وَقَيْلَةُ: جَدَّةُ أَبِيهِمَا أُمُّ أُمِّهِ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَتِ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ حَتَّى جَاءَ رَجُلٌ وَقَدِ ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ. وَعَلَيْهِ تَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتَا وَمَعَهُ عُسَيْبُ نَخْلَةٍ.

حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے۔ اور صفیہ و دحیبہ بنت علیبہ یہ دونوں حضرت قیلہ کی پرورش میں تھیں اور حضرت قیلہ ان دونوں کے باپ کی نانی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پھر انہوں نے طویل حدیث ذکر کی، (وہ فرماتی ہیں کہ) یہاں تک کہ ایک شخص آیا جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، اور آپ پر۔ حضرت قیلہ کی مراد یہ ہے کہ علیہ میں "ہ" ضمیر حضور ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ دو پرانی چادریں تھیں جو زعفران سے رنگی ہوئی تھیں اور ان کا رنگ اڑ چکا تھا، اور نبی کریم ﷺ کے پاس کھجور کی ایک چھوٹی سی شاخ بھی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اسمال: سمل (سین اور میم پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے، یہاں اس سے تثنیہ مراد ہے: دو پرانے کپڑے۔ ملیتین: ملیہ، ملاءۃ کا تثنیہ ہے، اور ملیہ "ملاءۃ" (میم پر پیش کے ساتھ) کی تصغیر ہے تہ بند، وہ چادر جو ایک ہی طرز پر بنی گئی ہو اور اس میں کوئی جوڑ نہ ہو، بڑی چادر، یہ دونوں کپڑے چونکہ ان سلے تھے، اس لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ: بغیر سلی ہوئی چادروں کے کیا ہے۔ نفضتا: ان دونوں کپڑوں سے زرد رنگ اڑ چکا تھا۔ ومعہ: اور حضور ﷺ کے پاس۔ عسیب: (عین پر پیش اور سین پر زبر کے ساتھ) عسیب کی تصغیر ہے: کھجور کی چھوٹی سی شاخ

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّزَعْفُرِ وَالْخَلُوقِ لِلرِّجَالِ

یہ باب مردوں کیلئے زعفران اور خلوق خوشبو استعمال کرنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ التَّزَعْفُرِ لِلرِّجَالِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں کیلئے زعفران کو (جسم اور کپڑوں پر) بطور خوشبو کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ التَّزَعْفُرِ. قَالَ شُعْبَةُ: وَمَعْنَى كَرَاهِيَةِ التَّزَعْفُرِ لِلرِّجَالِ: أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ يَعْنِي أَنْ يَتَطَيَّبَ بِهِ

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زعفران کے استعمال سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ کراھیۃ التزعفر للرجال کے معنی یہ ہیں کہ مرد کا زعفران کو خوشبو کے طور پر استعمال کرنا مکروہ ہے۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ رَجُلًا مُتَخَلِّقًا قَالَ: اذْهَبْ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ.

حضرت یعلی بن مرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو خلوق خوشبو لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا: جاؤ، اسے دھو دو اور دوبارہ دھوؤ پھر نہ لوٹنا (یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تزعفر: اس نے زعفران کو خوشبو کے طور پر استعمال کیا، زعفران سے کپڑوں کو رنگ لگایا۔ خلوق: ایک خوشبو ہے جو زعفران اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ زعفران ہوتا ہے، عموماً اس کا رنگ سرخ اور زرد ہوتا ہے، خواتین اس خوشبو کو استعمال کرتی ہیں۔ ابصر: آپ ﷺ نے دیکھا۔ متخلقا: خلوق خوشبو لگائے ہوئے۔ ثم لا تعد: پھر تو نہ لوٹنا یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا۔

خلوق اور زعفران کو استعمال کرنے کا حکم

مذکورہ دو بابوں کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱)　مردوں کیلئے خلوق خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کو کہ جس نے یہ خوشبو لگائی ہوئی تھی، فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو اچھی طرح دھوؤ، چنانچہ تین بار اس نے دھویا تاکہ خوب اچھی طرح اس کا اثر ختم ہو جائے اور اسے فرمایا کہ آئندہ یہ خوشبو استعمال نہ کرنا البتہ خواتین کیلئے اس خوشبو کا استعمال جائز ہے۔

(۲)　حضرت انس بن مالک کی اس حدیث سے استدلال کر کے حضرات حنفیہ اور شافعیہ مرد کیلئے زعفران کے استعمال کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اس کا استعمال نہ جسم میں جائز ہے اور نہ ہی کپڑوں اور بالوں میں، لہذا خوشبو کے طور پر بھی زعفران کا استعمال جائز نہیں، اور امام مالک کے نزدیک بدن میں اس کا استعمال ممنوع ہے لیکن کپڑوں میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے، امام مالک کا استدلال سنن ابی داؤد کی حدیث سے ہے جسے حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالی اس آدمی کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جس کے جسم پر خلوق خوشبو ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ خوشبو جسم پر نہ ہو بلکہ کپڑوں پر ہو تو یہ جائز ہے، لیکن جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ممانعت پر مشتمل روایات زیادہ صحیح ہیں لہذا انہی کا اعتبار ہوگا جبکہ ابوداؤد کی اس حدیث کا

ایک راوی ''ابوجعفر رازی'' ہے جس کے بارے میں کلام ہے، اس وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حنفیہ اور شافعیہ کے مسلک کی روشنی میں یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت انس کی روایت ہے کہ جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کے متعلق ذکر ہے کہ وہ شادی کے بعد نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان پر زعفران تھا، آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بظاہر اس واقعہ سے مردوں کیلئے زعفران کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے، لہذا اس حدیث اور حدیث باب کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا؟

شارحین حدیث نے اس کے بارے میں مختلف جوابات دیے ہیں جنہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

(۱) حضرت عبدالرحمن کا واقعہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، لیکن اس جواب کے درست ہونے کیلئے تاریخی اعتبار سے دلیل کی ضرورت ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمن نے خلوق خوشبو استعمال نہیں کی تھی، ان کی بیوی نے استعمال کی تھی، اس سے ان کے کپڑوں پر بغیر کسی قصد وارادے کے لگ گئی، امام نووی نے اس جواب کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳) اس وقت حضرت عبدالرحمن کے پاس چونکہ اور کوئی خوشبو نہیں تھی، اس لیے انہوں نے ضرورت کے وقت اس خوشبو کو مباح سمجھ لیا۔

(۴) یہ بہت معمولی مقدار میں تھی جو قابل عفو ہے۔

(۵) بعض حضرات کے نزدیک خلوق کا استعمال عام لوگوں کیلئے تو ممنوع ہے، لیکن دولہا اس سے مستثنی ہے، بالخصوص جب وہ جوان بھی ہو، لہذا شادی کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت ہے، ابوعبید نے یہی جواب دیا ہے، امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔(۱)

یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: حالت احرام میں آدمی کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احرام میں مرد قمیص، شلوار، پگڑی، ٹوپی اور موزے نہیں استعمال کر سکتا الا یہ کہ اگر اس کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزوں کو کاٹ کر استعمال کر سکتا ہے، اور آخر میں فرمایا: ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسہ الزعفران او ورس'' کہ تم ایسا کپڑا بھی احرام میں نہیں پہن سکتے جس پر زعفران لگا ہو'' لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان احرام میں نہ ہو تو پھر زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنا جا سکتا ہے کیونکہ آپ سے احرام کی حالت میں کپڑے پہننے سے متعلق سوال تھا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ امور ارشاد فرمائے ہیں۔

اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) عراقی نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا کہ احرام سے متعلق جو آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، اس کا جواب ولا تلبسوا من الثیاب...... سے پہلے تک ہے، اور آگے آپ ﷺ نے ''ولا تلبسوا'' سے ایک نیا حکم بیان فرمایا ہے، اس لحاظ سے کوئی تعارض

(۱) فتح الباری ۹/۲۹۴ کتاب النکاح، باب الولیمۃ ولو بشاۃ، کشف الباری، النکاح (ص:۲۷۵)

نہیں ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی وقت زعفران یا اس سے بنی ہوئی خوشبو کا استعمال مرد کیلئے حلال نہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر کی اس حدیث سے اس آدمی کیلئے جو احرام میں نہ ہو، زعفران کے استعمال کا جواز ضمناً معلوم ہوتا ہے جبکہ حدیث باب میں حضرت انس کی حدیث میں صراحت زعفران کے استعمال کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جو حکم کلام سے صراحۃ کے ساتھ ثابت ہو وہ اس حکم سے مقدم ہوتا ہے جو کلام سے ضمناً ثابت ہو، لہذا ابن عمر کی حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ غیر احرام میں زعفران کا استعمال جائز ہے، کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔

پچھلے باب یعنی باب ماجاء فی الثوب الاصفر میں جو حدیث منقول ہے اس سے بھی زعفران کے استعمال کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ ﷺ نے جو دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں ان پر سے زعفران کا رنگ اڑ گیا تھا، تب آپ ﷺ نے انہیں استعمال فرمایا، اس لیے وہ حدیث حضرت انس کی اس حدیث کے معارض نہیں کہ جس میں صراحت کے ساتھ زعفران کے استعمال کو مردوں کیلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۱) سنن نسائی اور موطا امام مالک میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر زعفران سے رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا کرتے تھے ان سے سوال ہوا تو ابن عمر نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ بھی زعفران سے رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا کرتے تھے، اس روایت سے علی الاطلاق زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے؟(۱)

شارح ہدایہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس بارے میں اباحت اور جواز کی روایات ہیں لیکن جمہور علماء نے ان روایات کو ترجیح دی جن میں زعفران کے استعمال کو مردوں کیلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے، دو وجہ سے:

(۱) محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔(۲)

(۲) نسائی کی روایت میں عبداللہ بن زید ایک راوی ہیں جن کے بارے میں کلام ہے، نیز اس روایت کی اصل صحیح بخاری میں ہے، اس میں زرد رنگ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَرِيرِ وَ الدِّيبَاجِ

یہ باب ریشم اور باریک ریشم کے استعمال کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَذْكُرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۰، ۸۱

(۲) أوجز المسالک ۱۴/۱۷۷ کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الثیاب المصبغة، کشف الباری، اللباس (ص: ۲۰۲)

(۳) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۲

(مرد) نے دنیا میں ریشمی کپڑا پہنا تو وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔

ریشمی لباس کے استعمال کا مسئلہ

مردوں کیلئے ریشم کا استعمال عام حالات میں تمام فقہاء امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے، اور اضطراری حالت میں بالاتفاق جائز ہے۔

البتہ بیماری اور جنگ وسفر وغیرہ میں خالص ریشم کا لباس مردوں کیلئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے:

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشم کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں ریشمی لباس کے استعمال کی ممانعت منقول ہے، ترمذی ہی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے میری امت کے مردوں پر سونے اور ریشم کا لباس حرام قرار دیا ہے اور خواتین کیلئے اسے حلال کیا ہے۔

(۲) امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور احناف میں سے صاحبین کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشمی لباس کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے۔

یہ حضرات عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صحابہ کو سفر میں خارش یا کسی دوسرے مرض کی وجہ سے ریشمی قمیص استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان روایات کو حالتِ اضطراری یا ان دونوں صحابہ کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔(۱)

مردوں کیلئے ریشمی لباس کی جائز مقدار

مردوں کیلئے چار انگلیوں کے بقدر، یا اس سے کم، لباس میں ریشم کا استعمال جائز ہے، چار انگلیوں کی رخصت خود حدیث میں منقول ہے، یہ تو خالص ریشم کا حکم ہے، البتہ اگر کوئی کپڑا ریشم اور اون وغیرہ سے مکس بنا ہو تو جمہور کے نزدیک ایسی صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، ریشم غالب ہے تو ناجائز اور مغلوب ہے تو جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایسا کپڑا جس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا ریشم کا نہ ہو تو اس کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے، کیونکہ کپڑا بننے میں اصل بانا ہوتا ہے، تانا نہیں (لمبائی میں جو دھاگہ ہوتا ہے اسے تانا اور چوڑائی میں جو ہوتا ہے اسے بانا کہتے ہیں)(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۲۵۱، کشف الباری کتاب اللباس (ص:۱۹۲)

(۲) فتح القدیر مع الهدایة ۸/۴۵۲ کتاب اللباس، فصل فی اللبس

دنیا میں ریشمی لباس استعمال کرنے والے مردوں کا حکم

من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه في الآخرة، جس مرد نے دنیا میں ریشم کا لباس استعمال کیا تو وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا، اس جملے کے کیا معنی ہیں؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اہل جنت کا لباس ریشمی ہوگا، قرآن میں ہے ولباسهم فيها حرير، لہذا جو شخص دنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا تو وہ قیامت کے دن جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲) ایسا شخص اگر اپنی دوسری نیکیوں کی بدولت جنت میں داخل ہو بھی گیا تو بھی جنت کا ریشمی لباس اسے نہیں ملے گا اور نہ ہی اس کی اسے خواہش ہوگی۔

(۳) امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات کے نزدیک اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص ابتداءً جنت میں نہیں جائے گا، البتہ اپنے گناہوں کی سزا پانے کی بعد پھر جنت میں داخل ہو سکے گا۔(۱) اس کے بارے میں مزید تفصیل معارف ترمذی جلد اول ابواب الاشربۃ کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

باب

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَسَمَ أَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ شَيْئًا، فَقَالَ مَخْرَمَةُ: يَا بُنَيَّ، انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ قَالَ: ادْخُلْ فَادْعُهُ لِي، فَدَعَوْتُهُ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ، وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا فَقَالَ: خَبَأْتُ لَكَ هٰذَا، قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: رَضِيَ مَخْرَمَةُ.

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ چوغے تقسیم فرمائے اور مخرمہ کو آپ ﷺ نے کچھ نہیں دیا تو مخرمہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! ہمیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو، چنانچہ میں ان کے ساتھ گیا (وہاں پہنچے تو مجھ سے) فرمایا: اندر جاؤ اور نبی کریم ﷺ کو بلاؤ، میں نے آپ ﷺ کو بلایا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے جسم پر ان میں سے ایک چوغہ تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ چوغہ میں نے تمہارے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا، چنانچہ مخرمہ نے اس چوغہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ مخرمہ (اس پر) راضی اور خوش ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أقبية: قباء کی جمع ہے: چوغہ، جبہ، ایک ڈھیلا لمبا لباس جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ انطلق بنا: ہمیں لے چلو۔ خبأت لك: میں نے تمہارے لیے محفوظ رکھا ہے، بچا کر رکھا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۳، فتح الباری ۱۰/۳۵۶

حضرت مخرمہ کو قبا دینے کا واقعہ

اس باب میں حضرت مخرمہ بن نوفل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے قبا تقسیم فرمائے، مخرمہ کو عام تقسیم کے وقت نہیں دیا، حضرت مخرمہ چونکہ نابینا تھے (۱) اس لیے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ کے پاس لے چلو، وہاں پہنچے تو آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ان قباؤں میں سے ایک قبا تھی، حضور ﷺ نے مخرمہ سے فرمایا کہ یہ قبا میں نے تمہارے لیے محفوظ کر کے اور چھپا کر رکھی تھی، مسور کہتے ہیں کہ میرے والد مخرمہ نے اسے لے کر فرمایا کہ مخرمہ راضی ہے۔

فقال: رضی مخرمہ، ''قال'' کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے چنانچہ راوی نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ قال کا فاعل مخرمہ ہے یعنی مخرمہ جبہ لے کر کہنے لگے کہ مخرمہ راضی ہو گیا۔

فخرج وعلیہ قباء منھا: بعض روایات میں ہے کہ وہ جبہ ریشم کا تھا، لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گویا ریشم استعمال کیا، حالانکہ آپ ﷺ نے ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اس وقت تک مردوں کیلئے ریشم کا استعمال حرام قرار نہیں دیا گیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے استعمال فرمایا۔

(۲) آپ ﷺ نے اس جبہ کو پہنا ہوا نہیں تھا بلکہ صرف اپنے ہاتھ پر رکھ کر لائے اور مخرمہ کے حوالے کر دیا۔

خبأت لک ھذا، یہ آپ کے حسن اخلاق کی علامت ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے۔

اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کا اظہار کیا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دنیاوی نعمتیں عطاء فرمائیں، مال و دولت اور رہن سہن کے اعتبار سے

---

(۱) الاصابۃ ۶/۴۳، حرف المیم۔

(۲) فتح الباری ۱۰/۲۳۲ کتاب اللباس، باب القباء و فروج حریر، تحفۃ الاحوذی ۸/۸۵

خوشحال ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے عمل سے اس چیز کا اظہار کرے، اچھا لباس پہنے، اہل وعیال کو بھی اچھا کھلائے اور پہنائے، یہ سب کچھ اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے ہو، اس میں غرور وتکبر اور اپنی بڑائی کا اظہار جتلانا پیش نظر نہ ہو، تاکہ معاشرے کے فقراء اور حاجت مند لوگ اس کی طرف صدقات وزکوۃ وصول کرنے کیلئے رجوع کرسکیں، ایسے میں نعمتوں کا اظہار گویا شکر ہے اور انہیں چھپانا یعنی اپنے عمل سے انہیں ظاہر نہ کرنا ایک قسم کی ناشکری ہے، اسی طرح اگر کسی انسان کو اللہ تعالی نے علم نبوت میں فضل وشرف عطاء فرمایا ہو تو اس پر لازم ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرے تاکہ عوام اس سے استفادہ کرسکیں۔

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا اظہار کیا جائے جبکہ دوسری بعض روایات میں بذاذت یعنی سادگی اختیار کرنے کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بس سادے انداز سے ہی زندگی گذارے، بظاہر دونوں روایات میں تعارض لازم آرہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ترک زینت اور سادگی اختیار کرنے کا حکم اس وقت ہے جب انسان میں عمدہ لباس وغیرہ کی استطاعت نہ ہو، ان حالات میں اسے اپنے لباس اور رہن سہن میں تکلف نہیں اختیار کرنا چاہئے، بس صبر واستقامت کے ساتھ سادگی کے ساتھ زندگی گذارتا رہے، لیکن اگر اللہ تعالی نے کسی کو اعلی طرز زندگی کی ہمت دی ہو، تو وہ عمدہ لباس اور اچھا رہن سہن اختیار کرسکتا ہے، اس کے باوجود اپنے جسم پر اچھا لباس وغیرہ کے ذریعہ ان نعمتوں کا اظہار نہیں کرتا تو یہ ناپسندیدہ ہے، یہ انتہائی بخل اور خست کی علامت ہے، اسے اس انداز سے قناعت کرکے زندگی نہیں گذارنی چاہئے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُفِّ الْأَسْوَدِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں سیاہ موزوں کا ذکر ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موزوں کا ایک سیاہ جوڑا ہدیہ کے طور پر بھیجا، جس پر کوئی نقش نہیں تھا، (یعنی سادے تھے) اور آپ ﷺ نے (طہارت کی حالت میں) اسے پہنا پھر وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

سیاہ موزوں کا ذکر

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) سیاہ موزوں کا استعمال درست ہے جن پر کوئی نقش نہ ہو۔

(۲) طہارت حاصل کرکے موزے پہن لیے جائیں پھر جب وضو ٹوٹ جائے اور انسان وضو کرے تو اس وقت سے دوان

---

(۱) فتح الباری ۳۵۲/۱۰، تحفۃ الاحوذی ۸۴/۸

موزوں پر مسح کر سکتا ہے مقیم ہے تو ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتوں تک مسح کرنا جائز ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ نَتْفِ الشَّيْبِ

یہ باب سفید بال نوچنے اور اکھاڑنے کی ممانعت کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ نَتْفِ الشَّيْبِ وَقَالَ: إِنَّهُ نُورُ الْمُسْلِمِ.

حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سفید بال نوچنے سے منع کیا اور فرمایا کہ یہ مسلمان کا نور ہے۔

سفید بال مسلمان کیلئے باعث وقار

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ سر اور داڑھی میں سے سفید بالوں کو نکالنا ایک ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے۔

سفید بال مسلمان کیلئے ایک نور اور وقار کا باعث ہوتے ہیں، عموماً بالوں کی سفیدی بڑھاپے کی علامت ہوتی ہے، اور بڑھاپے میں یہ وقار ظاہر ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے سفید بال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داڑھی میں دیکھے تو عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ: یہ وقار ہے، حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ پروردگار میرے وقار میں اضافہ فرما۔

''وقار'' ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو گناہ اور بے حیائی کی باتوں سے روکتا ہے، آخرت، نیکی اور توبہ کی طرف متوجہ کرتا ہے، اس لحاظ سے یہ وصف انسان میں اس نور کو پیدا کرتا ہے جو میدان حشر میں ظلمت وتاریکیوں کو چیرتا ہوا آگے آگے چلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم، اس توجیہ کی روشنی میں گویا اس ''نور'' سے قیامت کے دن کا نور مراد ہے چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور اگر ''نور'' سے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ سفید بالوں کی وجہ سے اس آدمی کا چہرہ نورانی اور خوبصورت ہوجاتا ہے تو یہ بھی درست ہے، اور حقیقت میں تو دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں کہ ایسے آدمی کا چہرہ دنیا میں خوشنما بھی ہوجاتا ہے اور آخرت میں یہ نور اس کیلئے ظلمت وتاریکیوں میں ایک مینارۂ روشنی ثابت ہوگا۔(۲)

اشکال ہوتا ہے کہ جب بالوں کی سفیدی دنیا اور آخرت دونوں میں نورانیت کا باعث ہے، تو پھر سفید بالوں پر خضاب کی اجازت نہیں ہونی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خضاب میں اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا لازم نہیں آتا جبکہ سفید بال نوچنے میں اللہ کی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۷

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۹۹ کتاب اللباس، باب الترجل

تخلیق میں تبدیلی کرنا لازم آتا ہے، اس لیے سفید بالوں کو نوچنے سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

بابُ مَا جَاءَ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ: إِنِّي لَأُحَدِّثُ الْحَدِيثَ فَمَا أَدَعُ مِنْهُ حَرْفًا.

سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ عبد الملک بن عمیر فرمایا کرتے: بیشک میں کامل طریقے سے حدیث بیان کرتا ہوں، اس سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ المستشار: وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے۔ مؤتمن: امانتدار۔ فما ادع: میں کم نہیں کرتا، ناقص انداز سے بیان نہیں کرتا۔

مشورہ دینے والے کیلئے حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی سے مشورہ لیا جائے تو اسے اس کام کیلئے وہی مشورہ دینا چاہئے جسے وہ امانت و دیانت کے لحاظ سے بہتر سمجھتا ہو، اسے صحیح مشورہ نہ دینا گویا امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے، نیز اسے وہ مشورہ صیغہ راز میں رکھنا چاہئے، دوسروں کے سامنے اس بارے میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔(۲)

بابُ مَا جَاءَ فِي الشُّؤْمِ

یہ باب نحوست سے متعلق ہے۔

عَنْ سَالِمٍ وَحَمْزَةَ ابْنَيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ، وَالْمَسْكَنِ، وَالدَّابَّةِ.

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۸۷

حضرت سالم اور حمزہ اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے یعنی عورت، گھر اور جانور میں۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ فَفِي الْمَرْأَةِ وَالدَّابَّةِ وَالْمَسْكَنِ.

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو عورت، جانور اور گھر میں ہوتی۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَا شُؤْمَ وَقَدْ يَكُونُ الْيُمْنُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ.

حکیم بن معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اور کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔

کیا گھر، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہوسکتی ہے

شوم کے معنی "نحوست" کے ہیں اور اس کی ضد "یمن" ہے جس کے معنی برکت کے ہیں۔

باب کی مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر، گھوڑے اور عورت میں نحوست ہوتی ہے۔

ان روایات پر اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے: لا عدوی ولا طیرۃ کہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی اور پرندے کے اڑنے میں کوئی بدشگونی نہیں ہے، گویا اس حدیث میں بدشگونی سے منع کیا گیا ہے، عورت، گھر اور گھوڑے کے اندر نحوست کا یہ تصور بدفالی اور بدشگونی ہی تو ہے، اس لیے بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام مالک رحمہ اللہ نے احادیث باب کو اپنے ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے کہ ان چیزوں یعنی گھر، عورت اور گھوڑے سے بدشگونی اور نحوست آتی ہے بسا اوقات ان کی وجہ سے ضرر و نقصان اور ہلاکت و بربادی ہوجاتی ہے، لہٰذا ان تین چیزوں میں نحوست کی احادیث اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں کہ بدشگونی اور بدفالی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک یہ حدیثیں قرآن کریم کی اس آیت "ما أصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب" سے منسوخ ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز میں کوئی نحوست اور شوم نہیں، بس جو مصیبت و آفت وغیرہ آتی ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کی وجہ سے ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ان کان الشوم کی تصریح ہے، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر کسی چیز میں نحوست ہوسکتی تو وہ عورت، گھر اور گھوڑے میں ہوسکتی ہے لیکن چونکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لیے ان تین چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، تو اس حدیث یعنی ان کان الشوم ...... کے معنی یہ ہیں کہ اگر نحوست اور بدشگونی کی کوئی حقیقت اور اس کا ثبوت ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ نحوست اور شوم ثابت نہیں،

تاہم جسے دنیا میں نیک بیوی، اچھی رہائش اور پرسکون سواری مل گئی تو یہ اس کی سعادت ہے اور جو ان میں آزمائش میں مبتلی ہو گیا تو یہ اس کی بدنصیبی اور بدبختی کی علامت ہے۔(۱)

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوم کی دو قسمیں ہیں ایک شوم بمعنی نحوست ہے اور دوسرا شوم بمعنی عدم موافقت ہے، اس باب کی احادیث میں شوم سے عدم موافقت کے معنی مراد ہیں اور لا عدوی ولا طیرۃ میں شوم سے نحوست کے معنی مراد ہیں، اس صورت میں گھر میں شوم کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھر تنگ ہو، پڑوسی اچھے نہ ہوں یا وہاں کی آب و ہوا مزاج کے موافق نہ ہو، اسی طرح عورت میں شوم کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو، زبان دراز ہو، عفت اور پاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو اور گھوڑے میں عدم موافقت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے، سرکش ہو یا اس کی قیمت برداشت سے باہر ہو۔

لہذا اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جسے وہ پسند نہ کرتا ہو تو اسے وہ مکان بدل لینا چاہئے، کسی اور مکان میں منتقل ہو جائے، بیوی ایسی ہو جس کے ساتھ رہنا اور تعلقات قائم کرنا اسے ناگوار ہو تو اسے طلاق دے کر فارغ کر دینا چاہئے، ایسی سواری مثلاً گھوڑا ہو جو اسے اچھا نہیں لگتا، ناپسند ہے تو اسے فروخت کر کے ایسی سواری خرید لے جو اس کیلئے دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے بہتر ہو۔

اس حدیث میں خاص طور پر ان تین چیزوں کو اس لیے ذکر کیا کہ ان کی مصیبتیں انتہائی سخت بھی ہوتی ہیں اور پریشان کن بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں، کیونکہ ان تین چیزوں کے ساتھ انسان کا ہر وقت واسطہ پڑتا ہے، تو اگر یہ مزاج کے موافق نہ ہوں تو جب بھی انہیں دیکھے گا اور ان سے واسطہ پڑے گا تو اسے اذیت اور تکلیف ہوگی، اس وجہ سے خاص طور پر ان تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔(۲)

باب ما جاء لا يتناجى اثنان دون ثالث

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا. وَقَالَ سُفْيَانُ فِي حَدِيثِهِ: لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ فَإِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ.

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم لوگ تین ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں، (اور سفیان نے اپنی حدیث میں لا یتناجی کے الفاظ ذکر کیے ہیں) کیونکہ اس طرح کرنا اسے غمگین کر دے گیا (اور مومن کو اذیت پہنچانا جائز نہیں ہے)۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۴/۳۸۰ کتاب الطب، باب الطیرۃ والفال

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۹۰، تکملۃ فتح الملہم ۴/۳۸۱ الکوکب الدری ۴/۲۱۸

تیسرے کی موجودگی میں دو آدمیوں کی سرگوشی کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی ہوں تو اس تیسرے کی موجودگی میں دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اسے اس سے تشویش ہوگی اور سوچے گا کہ شاید میرے بارے میں کوئی بات ہو رہی ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب ایک سے زیادہ بندے ہوں لیکن چند افراد یا پوری ایک جماعت ایک شخص کو چھوڑ کر سرگوشی کرنا شروع کردے، تو یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اگر اس تیسرے شخص سے اجازت حاصل کر لی جائے یا سرگوشی کرنے والوں کے علاوہ ایک سے زیادہ بندے موجود ہوں تو پھر سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سرگوشی کی ممانعت کا حکم تمام اوقات میں اور سفر حضر سے متعلق ہے، یہ حکم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں جبکہ بعض حضرات نے اس بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ سرگوشی کی ممانعت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تاکہ منافقین کی شرارتوں اور سازشوں سے بچا جا سکے، منافقین اپنی سرگوشی کے ذریعہ مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے پھر جب اسلام اطراف عالم میں پھیل گیا، اس کی شان وشوکت اور دبدبے سے امن وسکون کی فضاء قائم ہوگئی، اسلام اور اہل اسلام غالب ہو گئے تو اس وقت سرگوشی کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، لیکن قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ بات محض دعویٰ کی حد تک ہی ہے، کسی دلیل سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْعِدَةِ

یہ باب وعدے سے متعلق ہے۔

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبْيَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهُ وَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثَةَ عَشَرَ قَلُوصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَأَتَانَا مَوْتُهُ فَلَمْ يُعْطُونَا شَيْئًا فَلَمَّا قَامَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ: مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عِدَةٌ فَلْيَجِئْ. فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَمَرَ لَنَا بِهَا.

حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سفید مائل سرخ یعنی گورے تھے اور بڑھاپا آنے لگا تھا، اور حسن بن علی (شکل وصورت میں) آپ ﷺ کے مشابہ تھے، اور آپ ﷺ نے ہمارے لیے تیرہ نوجوان اونٹنیوں کا حکم دیا تھا، ہم انہیں لینے کیلئے گئے تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر ہم تک پہنچ گئی، تو ہمیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ بھی نہ دیا، پھر جب ابوبکر نے خلافت سنبھالی تو فرمایا: اگر کسی کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ تھا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۳/۸ فتح الباری ۹۸/۱۱ کتاب الاستئذان، باب اذا کانوا أکثر من ثلاثۃ، تکملۃ فتح الملہم ۲۸۹/۴ کتاب السلام، باب تحریم مناجاۃ الاثنین۔

تو وہ آئے، چنانچہ میں کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کے وعدے سے متعلق بتایا، تو انہوں نے ہمیں وہ اونٹنیاں دینے کا حکم دے دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ابیض: سرخ مائل سفید، گورا۔ قد شاب: آپ ﷺ کا بڑھاپا ظاہر ہو گیا تھا۔ یشبھہ: حسن بن علی آپ ﷺ کے مشابہ تھے شکل وصورت میں۔ قلوصا: (قاف پر زبر کے ساتھ) جوان اونٹنی۔

حضور ﷺ کے وعدہ کا صدیق اکبرؓ کی طرف سے پورا کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے بطور انعام کے حضرت ابوجحیفہ اور ان کے خاندان کو تیرہ جوان اونٹنیاں دینے کا حکم فرمایا تھا، جب یہ لوگ اس مامور کے پاس گئے تاکہ اس سے وہ وصول کریں تو اتنے میں نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے ان کو اونٹنیاں نہیں دیں، جب صدیق اکبرؓ کا دور خلافت آیا تو پھر انہوں نے اونٹنیاں دینے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بڑا کسی سے کوئی وعدہ کرلے اور پورا کرنے سے پہلے اس کی وفات ہو جائے تو اس کے وارثوں کو وہ وعدہ نبھانا چاہئے

وکان الحسن بن علی یشبھہ، حضرت حسن نبی کریم ﷺ کے نصف اعلی یعنی سر سے سینے تک شکل میں مشابہ تھے، اور حضرت حسین بن علی سینے سے نیچے جسم کے ساتھ مشابہ تھے۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

یہ باب "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں" کہنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ غَيْرَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ.

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سعد بن وقاص کے علاوہ کسی کیلئے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ (آپ ﷺ نے اسے فرمایا ہو) میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ يَقُولُ: قَالَ عَلِيٌّ: مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَاهُ وَأُمَّهُ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ: ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي. وَقَالَ لَهُ: ارْمِ أَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ.

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کسی کو اس طرح نہیں کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تیر مارو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اور ان سے فرمایا: اے طاقتور نوجوان تیر اندازی کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ارم: تیر مارو، تیر اندازی کرو۔ حزور: (حا اور زا پر زبر اور واو پر تشدید کے ساتھ) طاقتور نوجوان، بہادر۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۴/۸

''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں'' کہنے کا حکم

جمہور اس روایت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ کسی کی تعظیم اور اعلی کارکردگی کی بنیاد پر اسے یوں کہا جائے کہ ''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں'' تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ میں سے دو آدمیوں کے لئے یہ جملہ استعمال فرمایا ہے ایک غزوہ احد کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص کیلئے اور دوسرا غزوہ خندق کے دن حضرت زبیر بن العوام کیلئے، روایت باب میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد کیلئے کہا ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس کے دو جواب دیے ہیں:

(۱) واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ بات اپنے علم اور سماع کے مطابق کہی ہے ورنہ حضور ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کیلئے بھی یہ جملہ استعمال فرمایا ہے۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کی مراد یہ ہو کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے استعمال فرمایا ہے، کسی اور صحابی کیلئے ارشاد نہیں فرمایا۔ اس جواب کے لحاظ سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي يَا بُنَيَّ

یہ باب کسی کو ''اے میرے بیٹے'' کہہ کر پکارنے کے جواز میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: يَا بُنَيَّ.

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ''اے میرے بیٹے'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

کسی کو شفقتاً بیٹا کہہ کر پکارنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے نسبی بیٹے کے علاوہ کسی چھوٹے کو بیٹا کہہ کر پکارے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ پکارنا محض محبت اور شفقت کے اظہار کیلئے ہے، ایسے ہی اپنے ہم عمر انسان کو بھائی کہہ کر پکارنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا ہر وہ لفظ جو عرف میں دوسروں کیلئے استعمال کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی توہین وتحقیر اور خفت کا پہلو نہ ہو تو اس طرح کے الفاظ سے ایک دوسرے کو خطاب کیا جاسکتا ہے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۶/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹۷/۸

باب ما جاء فی تعجیل اسم المولود

یہ باب نومولود کا نام جلدی رکھنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِتَسْمِيَةِ الْمَوْلُودِ يَوْمَ سَابِعِهِ وَوَضْعِ الْأَذَى عَنْهُ وَالْعَقِّ.

حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے ساتویں دن نومولود کا نام رکھنے، اس کی تکلیف کو دور کرنے یعنی اس کے بال مونڈھنے اور عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔

نومولود کا نام جلدی رکھنا سنت ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نومولود بچے سے متعلق اس کے سرپرستوں کیلئے تین حکم بیان فرمائے ہیں:

(۱) بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جائے، پیدائش والے دن اور اس سے اگلے دن نام رکھنے کا ذکر بھی حدیث میں موجود ہے، ان تمام روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر ہو سکے بچے کا نام رکھنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

(۲) بچے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے، اس "اذی" سے کیا مراد ہے، اس بارے میں چار قول ہیں:

☆ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ اذی سے وہ بال مراد ہیں جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال بھی صاف کر دینے چاہئیں۔

☆ بعض حضرات کے نزدیک "اذی" سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے بچے کو اذیت اور تکلیف ہو، خواہ وہ ولادت کے وقت کے سر کے بال ہوں یا اس کے علاوہ جسم پر اور کوئی گندگی ہو۔(۱)

☆ "اذی" سے وہ خون مراد ہے جو زمانہ جاہلیت میں عقیقہ کرتے وقت بچے کے سر پر ڈال دیا جاتا تھا، چنانچہ جس بکری یا جانور کو عقیقہ میں ذبح کرتے تھے، اسکا خون بچے کے سر پر ڈال دیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس سے منع کر دیا کہ اسطرح بچے کے سر پر خون نہ بہایا جائے۔

☆ بعض نے "اذی" سے ختنہ مراد لیا ہے، معنی یہ ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ہی بچے کا ختنہ بھی کر دیا جائے۔(۲)

(۳) پیدائش کے ساتویں دن بچے کا عقیقہ کرنا سنت ہے، اس سے بچے کے سر سے تکلیفیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں، ساتویں

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹۸/۸، فتح الباری ۷/۹ ۴۲

(۲) عمدۃ القاری ۲۱: ۸۷ کتاب العقیقۃ "باب ما جاء اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ"

دن نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن کا لحاظ کر کے عقیقہ کیا جائے اس کے بعد بھی ساتویں دن کا حساب کر کے بالغ ہونے سے پہلے پہلے عقیقہ کیا جا سکتا ہے، البتہ بالغ ہونے کے بعد پھر عقیقہ کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، کوئی دوسرا اس کی طرف سے عقیقہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بننے کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا تھا، یہ روایت اگر چہ ضعیف ہے، لیکن اس سے بعض علماء نے بالغ ہونے کے بعد خود اپنا عقیقہ کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَسْمَاءِ

یہ باب ان ناموں کے بارے میں ہے جن کا رکھنا مستحب ہوتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَحَبُّ الأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام ناموں میں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔

اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام

اس حدیث میں عبداللہ اور عبدالرحمن کا ذکر ہے، اور قرطبی فرماتے ہیں کہ انہی کے حکم میں عبدالرحیم، عبدالملک اور عبدالصمد بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اسماء کیوں محبوب ہیں؟ اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ان میں لفظ "عبد" ہے جو عبدیت اور بندگی کے معنی میں ہے، اور مقام عبدیت انسان کیلئے سب سے افضل مقام ہے، کہ یہ ایک بندہ ہے اور اس کا ایک معبود ہے جس کی اس نے بندگی اور عبادت کرنی ہے، اور لفظ عبد کی اضافت اللہ کی طرف ہے، جس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ اللہ، رحمن، صمد...... کا بندہ ہے، اس ترکیب کی وجہ سے اسے یہ فضیلت حاصل ہوگئی۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک ان دو اسماء کو اس لیے خاص طور پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ قرآن مجید میں لفظ عبد کی نسبت لفظ اللہ اور لفظ رحمن کے علاوہ کسی اور نام کی طرف نہیں کی گئی مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ، دوسری آیت میں ہے: وعباد الرحمن، اور طبرانی میں ابوزہیر ثقفی کی مرفوع روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بچوں کے نام رکھو تو ایسے نام رکھو، جن میں عبدیت کے معنی پائے جاتے ہوں۔(۲)

---

(۱) عمدۃ القاری ۸۸/۲۱ کتاب العقیقۃ، باب اماطۃ الاذی، فتح الباری ۴۲/۹، کشف الباری کتاب الاطعمۃ (ص:۲۰۲)

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۲۰۶/۴ کتاب الآداب باب النہی عن التکنی ــــ تحفۃ الاحوذی ۱۰۰/۸

باب مَا يُكْرَهُ مِنَ الأَسْمَاءِ

یہ باب ان احادیث کے بارے میں ہے جن میں ناپسندیدہ ناموں کا ذکر ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَأَنْهَيَنَّ أَنْ يُسَمَّى رَافِعٌ وَبَرَكَةُ وَيَسَارٌ.

حضرت عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں (تم لوگوں کو) نہایت تاکید کے ساتھ رافع، برکت اور یسار جیسے نام رکھنے سے منع کرتا ہوں۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحٌ وَلَا أَفْلَحَ وَلَا يَسَارٌ وَلَا نَجِيحٌ، يُقَالُ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَيُقَالُ: لَا.

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بچے کا نام رباح، افلح، یسار اور نجیح نہ رکھو، اس لیے کہ کبھی پوچھا جائے گا کہ وہ یہاں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ. قَالَ سُفْيَانُ: شَاهَانْ شَاهُ، وَأَخْنَعُ يَعْنِي: أَقْبَحُ.

حضرت ابوہریرہ اس حدیث کو حضور ﷺ تک پہنچاتے ہیں یعنی مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے قبیح آدمی وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہوگا، سفیان راوی کہتے ہیں: یعنی شہنشاہ اور "اخنع" کے معنی "اقبح" یعنی قبیح ترین کے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لأنهين: میں ضرور بضرور منع کرتا ہوں۔ یسمی: (صیغہ مجہول) نام رکھا جائے۔ رافع: رفعت وبلندی والا۔ برکة: خیر وبرکت۔ یسار: غناء ومالداری۔ رباح: (را پر زبر کے ساتھ) نفع، فائدہ۔ أفلح: بامراد وکامیاب ہونا۔ نجیح: کامیاب، کامران۔ أخنع: ذلیل ترین، قبیح ترین، زیادہ ناپسندیدہ، زیادہ غصہ دلانے والا۔ ملک: (میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر) بادشاہ۔ أملاک: ملیک یا ملک (میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر کے ساتھ) کی جمع ہے: شہنشاہ۔

چند ناپسندیدہ نام

ان مذکورہ احادیث میں چند ایسے ناموں کو بیان کیا گیا ہے جنہیں کسی انسان کیلئے رکھنا ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً یسار، نجیح افلح...... وغیرہ، اور حدیث سمرہ میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس طرح کے نام والے شخص کو مثلاً یسار کو بلایا کہ گھر میں موجود ہے، جواب ملا کہ نہیں ہے، یہ جواب اگرچہ اس خاص انسان کے اعتبار سے تو درست ہے مگر لفظ "یسار" کے حقیقی معنی یعنی مالداری وتونگری کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گھر میں غناء ومالداری اور خوشحالی نہیں، ظاہر ہے کہ اس

طرح کا جواب دینا برا ہے، اور بدشگونی بھی ہے، مذکورہ دیگر اسماء کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، تاہم دو باتیں ذہن میں رہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ یہ نام رکھنے کی ممانعت مکروہ تحریمی کے طور پر نہیں ہے، بلکہ کراہت تنزیہی یعنی ناپسندیدہ ہے، لہذا اگر کسی کا اس طرح کا نام رکھ لیا جائے تو یہ جائز ہے حرام نہیں، چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک غلام کا نام "رباح" تھا اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام کا نام یسار تھا، آپ ﷺ نے ان اسماء کو برقرار رکھا، اگر یہ نام رکھنے حرام ہوتے تو کبھی بھی آپ انہیں برقرار نہ رکھتے، بدل دیتے، ایسے ہی عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے آزاد کردہ کا نام "نافع" رکھا، جو بہت بڑے محدث تھے۔

(۲) ممانعت یعنی کراہت کا یہ حکم صرف انہی اسماء کے ساتھ خاص نہیں جن کا ذکر خاص طور پر احادیث میں آگیا ہے بلکہ اس حکم میں ہر وہ نام شامل ہے جو ان اسماء کے معنی میں ہو، یعنی جس کا ترجمہ ایسا ہو کہ اس شخص کی عدم موجودگی میں جب نفی کا جواب دیا جائے تو وہ اس کے معنی کے اعتبار سے درست نہ ہو، جواب دینا برا ہو اور نیک فالی کے خلاف ہو۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ یعلی، برکہ، افلح، یسار اور نافع وغیرہ نام رکھنے سے منع کر دیں، لیکن پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس سے خاموش رہے، آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور منع نہیں فرمایا، جبکہ حدیث باب یعنی سمرہ بن جندب کی روایت میں ممانعت کا ذکر ہے، بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے؟

علماء کرام نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ حدیث جابر میں آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یسار اور افلح وغیرہ نام رکھنے کو حرام قرار دیں لیکن پھر آپ ﷺ نے امت پر شفقت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ اس میں ابتلاء عام ہے، اور ممانعت میں لوگوں کو شدید تکلیف اور حرج ہوگا، لوگ عموماً اچھے اور برے نام رکھنے میں تفریق اور امتیاز نہیں کرتے، اور حدیث سمرہ بن جندب میں نہی سے نہی تنزیہی مراد ہے، اس لیے جمہور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے نام رکھنا جائز تو ہیں تاہم پسندیدہ نہیں۔ (۱)

شہنشاہ...... ذلیل ترین نام/لقب

اللہ تعالی کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور ذلیل ترین نام یا لقب شہنشاہ ہے، جس شخص کا یہ نام ہوگا وہ بھی اللہ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ اور ذلیل ہوتا ہے، کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہ کی ہے وہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

سفیان بن عیینہ نے "ملک الاملاک" کی تفسیر "شاہان شاہ" (جس کو آسانی کیلئے شہنشاہ بھی پڑھتے اور بولتے ہیں) سے کی ہے، چونکہ عجمیوں میں اور خاص کر فارسی بولنے والوں میں اس نام کا رواج تھا، اس لیے سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر کر کے بتلا دیا کہ ممانعت کا یہ حکم صرف عربی زبان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس مفہوم کا نام رکھا جائے گا تو وہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۱۳۲، کتاب الآداب باب کراهیة التسمیة، تحفة الاحوذی ۸/۱۰۱

شہنشاہ کی طرح ہر وہ اسم بھی ممنوع ہے جو اس کے معنی میں ہو جیسے خالق الخلق، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین اور امیر الامراء اور بعض حضرات کے نزدیک ایسے نام رکھنا بھی ممانعت میں داخل ہے جو اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں جیسے رحمن، قدوس اور جبار، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں جو عبدالرحمن کو رحمن اور عبدالقدوس کو قدوس اور عبدالجبار کو جبار کہہ کر پکارا جاتا ہے، شرعاً اس طرح نام کو کاٹ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔(۱)

بعض نے ''قاضی القضاۃ'' کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن اکثر حضرات کہتے ہیں کہ یہ لفظ امام ابو یوسف کے زمانے سے رائج ہے، اور کسی نے اس پر تنقید نہیں کی، اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

''شاہان شاہ'' یہ ترکیب مقلوبی ہے، اصل میں شاہ شاہان ہے، حافظ ابن حجر اور دوسرے شارحین فرماتے ہیں کہ عجمی زبان میں مضاف الیہ مقدم ہوتا ہے۔(۲) لیکن یہ بات علی الاطلاق درست نہیں، کیونکہ اردو اور ہندی وغیرہ میں تو مضاف الیہ، مضاف پر مقدم ہوتا ہے، لیکن فارسی زبان میں عربی کی طرح مضاف ہی مقدم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس ترکیب کو ''مقلوب'' ہی قرار دیا ہے۔(۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ

یہ باب ناموں کو تبدیل کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَقَالَ: أَنْتِ جَمِيلَةُ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''عاصیہ'' کا نام بدل دیا اور اس سے فرمایا کہ: تم جمیلہ ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُغَيِّرُ الاسْمَ الْقَبِيحَ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ برے نام بدل دیا کرتے تھے۔

برے نام تبدیل کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ برے نام مثلاً عاصیہ یا ایسے نام جن سے انسان کے تزکیہ وتقوی کا اظہار ہوتا تو اس کو تبدیل فرما دیتے تھے مثلاً برہ نام تھا، اسے بدل کر زینب رکھ دیا، اس طرح ایک کثیر تعداد کے آپ ﷺ نے نام تبدیل کیے۔

اس بارے میں جتنی احادیث منقول ہیں، ان سے ناموں سے متعلق تین باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ جن ناموں میں ان

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۱۷/۴ کتاب الاداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك، تحفة الاحوذي ۱۰۲/۸، فتح الباري ۲۱/۱۰ء
(۲) فتح الباري ۲۱/۱۰ء
(۳) لامع الدراري ۴۲/۱۰

میں سے کوئی بات پائی جائے تو پھر وہ نام رکھنا مناسب نہیں۔

(۱) ایسا نام رکھنا مناسب نہیں جس کے معنی قبیح اور برے ہوں جیسے عاصیہ (نافرمان) اس کے معنی میں قباحت ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ کا نافرمان ہو۔

(۲) ایسے اسماء جن میں بدشگونی کا موقع ملتا ہو جیسے افلح، یسار وغیرہ۔

(۳) وہ نام جس سے انسان کے تزکیہ وتقویٰ اور اس کی پاکدامنی اور پاکبازی کا اظہار ہوتا ہو جیسے "برۃ" کہ اس کے معنی ہیں "نیک وپارسا" یہ نام رکھنا بھی مناسب نہیں کہ اس سے انسان کے پارسا اور نیک ہونے کے معنی ظاہر ہوتے ہیں(۱)

بعض ناموں میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناموں میں لغوی معنی کا اعتبار ہوتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ صرف اس نام سے صرف اس شخص کی ذات ہی مراد ہوتی ہے جس کا وہ نام ہو؟ اس لحاظ سے ناموں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بعض نام ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اصلاتو اس انسان کی ذات مراد ہوتی ہے، تاہم لغوی معنی کی طرف اس میں بہر حال اشارہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے "ملک الاملاک" یعنی شہنشاہ کو ذلیل ترین نام کہا ہے، اگر لغوی معنی کی طرف اس میں اشارہ نہ ہوتا تو اسے "ذلیل ترین" نام نہ کہا جاتا، یا جیسے افلح، یسار، نجیح وغیرہ ہیں یا برۃ اور عاصیہ ہیں کہ ان کی جگہ آپ نے زینب اور جمیلہ نام رکھا، اس وجہ سے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اپنے بچوں کے اچھے نام رکھا کرو کہ نام کا کسی درجہ میں اس انسان کی ذات پر اثر پڑتا ہے۔

۲۔ بعض نام ایسے ہوتے ہیں جن سے صرف انسان کی ذات ہی مراد ہوتی ہے، ان میں لغوی معنی کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہیں پایا جاتا، جیسے یوسف، ابراہیم کہ ان سے صرف ذات ہی مراد ہوتی ہے، یا جیسے ابو عمیر ایک کنیت ہے، اس میں کسی لغوی معنی پر دلالت نہیں ہوتی، گویا یہ "باب المراتب فی الشیٔ" کے قبیل سے ہے یعنی ایک چیز کے اندر مختلف مراتب اور درجات ہو سکتے ہیں ایسے ہی ناموں کا معاملہ ہے کہ بعض ناموں میں ان کے لغوی معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب نبی کریم ﷺ کے ناموں کے بیان میں ہے

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ.

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۲۱۴/۴ کتاب الآداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، تحفۃ الاحوذی ۱۰۳/۸

(۲) فیض الباری ۴۰۱/۴

حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد (بھی) ہوں، میں ماحی یعنی مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب کفر کو مٹاتے ہیں، میں حاشر یعنی جمع کرنے والا ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا (یعنی میں میدان حشر میں سب سے پہلے آؤں گا، اور لوگ میرے پیچھے ہوں گے) اور میں عاقب یعنی سب کے آخر میں آنے والا ہوں کہ اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے چند مخصوص نام

یوں تو نبی کریم ﷺ کے اسماء مبارک بہت ہیں لیکن اس حدیث میں آپ کے صرف پانچ ایسے اسماء کا ذکر ہے، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، آپ سے پہلے ان سے کسی کا نام نہیں رکھا گیا اور پہلی امتوں میں آپ کے یہ نام معروف ومشہور بھی تھے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے یہاں پر آپ کے صرف پانچ ناموں کو ہی ذکر کیا گیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محمد، یہ آپ کا مشہور ترین نام ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا مکرر ذکر ہے، اس کے معنی ہیں: وہ ذات جس کی بار بار تعریف کی جائے، یا وہ شخص جس میں تمام قابل تعریف خصلتیں جمع ہوں، آپ سے پہلے کسی شخص کا نام محمد نہیں رکھا گیا، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جب لوگوں کو اپنے علماء اور کاہنوں کے ذریعہ یہ پتہ چلا کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے، جس کا نام محمد ہوگا تو کچھ لوگوں نے اپنے نومولود بچوں کا نام بھی محمد رکھنا شروع کر دیا، جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ تک تھی، تاہم اس سے اس نام کی خصوصیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ احمد: اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعریف کرنے والا، نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن مقام محمود میں کچھ ایسے کلمات القاء کئے جائیں گے کہ آپ سے پہلے ان کلمات کے ذریعہ کسی نے اللہ کی حمد وثناء نہیں کی ہوگی، آپ تمام انبیاء میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں، اس وجہ سے آپ کو سورۃ الحمد یعنی سورہ فاتحہ، لواء الحمد یعنی قیامت کے دن حمد وثنا کا جھنڈا اور "مقام محمود" عطا کیا گیا ہے، اس نام کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی ہوگا جس کا نام احمد ہوگا، ان تمام خصوصیات کی وجہ سے آپ کا نام "احمد" رکھا گیا۔

۳۔ الماحی (مٹانے والا) کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے، اس کفر کے مٹانے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین کے درج ذیل اقوال ہیں:

☆ حرمین شریفین اور پورے جزیرۂ عرب سے کفر کو مٹانا مراد ہے۔

☆ اس سے دلائل کے اعتبار سے اسلام کا غلبہ اور شان وشوکت مراد ہے۔

☆ جو شخص اسلام قبول کرے گا تو اس کی وجہ سے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اور جو آپ کی اتباع اور پیروی کرے گا تو آپ کی برکت سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا۔

۴۔ الحاشر (جمع کرنے والا) کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے حضور ﷺ کو جمع کریں گے یعنی آپ کو اٹھائیں گے اور پھر دوسرے لوگ آپ کے پیچھے ہوں گے، گویا لوگوں کے حشر کا سبب حضور ﷺ کا حشر ہوگا۔

۵۔ العاقب: سب کے آخر میں آنیوالا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔(۱)

بابُ مَا جاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجَمْعِ بَيْنَ اسْمِ النَّبِيِّ ﷺ وَكُنْيَتِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی کے لئے نبی کریم ﷺ کا نام اور آپ کی کنیت ایک ساتھ جمع کرنا ناپسندیدہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يَجْمَعَ أَحَدٌ بَيْنَ اسْمِهِ وَكُنْيَتِهِ وَيُسَمِّيَ مُحَمَّدًا أَبَا الْقَاسِمِ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرے اور اپنا نام یوں رکھے "محمد ابو القاسم"۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا سَمَّيْتُمْ بِاسْمِي فَلَا تَكْتَنُوا بِي.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میرے نام سے اپنا نام رکھو تو پھر میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھو۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: أَرَأَيْتَ إِنْ وُلِدَ لِي بَعْدَكَ، أُسَمِّيهِ مُحَمَّدًا وَأُكَنِّيهِ بِكُنْيَتِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَكَانَتْ رُخْصَةً لِي.

حضرت علی بن ابی طالب نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے بتا دیجئے اگر آپ کے بعد میرے ہاں کوئی بیٹا ہو تو کیا میں اس کا نام محمد رکھ سکتا ہوں اور اس کی کنیت آپ کی کنیت سے رکھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (رکھ سکتے ہیں) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے رخصت اور اجازت تھی۔

رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا فِي السُّوقِ يُنَادِي: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: لَمْ أَعْنِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي.

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے بازار میں ایک آدمی کو سنا کہ اس نے یا ابا القاسم کہہ کر ایک دوسرے آدمی کو بلایا تو نبی کریم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو گئے، اس نے کہا: حضور میں نے آپ کو نہیں بلایا، حضور ﷺ نے فرمایا: میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھا کرو۔

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۸۸ کتاب المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ، تحفۃ الاحوذی ۸/۱۰۴

ابوالقاسم کنیت رکھنے کا حکم

آپ ﷺ کا نام اور ابوالقاسم کنیت رکھنے کا کیا حکم ہے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لئے اس مسئلے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جنہیں امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام شافعی اور اہل ظاہر کے نزدیک "ابوالقاسم" کنیت رکھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس کا نام محمد ہو یا احمد یا ان میں سے کوئی بھی نہ ہو، وہ اس روایت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ ابن جریر کا مذہب یہ ہے کہ "ابوالقاسم" کنیت رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلاف ادب ہے، حرام نہیں۔

۳۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی اس کنیت اور نام کو ایک ساتھ جمع کرنا جائز نہیں لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے تو بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، لہذا مذکورہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جس کا نام "محمد" یا "احمد" ہو، یہ حکم اس باب کی حدیث جابر سے ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی، کیونکہ اس وقت التباس کا اندیشہ ہوتا تھا جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے یا اباالقاسم کہہ کر کسی اور کو بلایا، لیکن جب حضور ﷺ نے اس کی آواز سنی تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو وہ کہنے لگا کہ میں آپ کو نہیں بلا رہا، تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کی وجہ "التباس" تھا، اور اب جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو التباس کا کوئی خطرہ نہیں رہا، اس لئے یہ کنیت رکھی جا سکتی ہے، اس کی واضح دلیل اس باب میں مذکور حضرت علی کی روایت ہے جس میں انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد اگر میرے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو کیا میں اس کا نام محمد اور ابوالقاسم کنیت رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں رکھ سکتے ہیں۔(۱)

جو حضرات اس کنیت رکھنے کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے "وهي لك خاصة دون الناس" کہ یہ اجازت صرف حضرت علی کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے نہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے یہ اضافہ ثابت نہیں، اس لئے ان حضرات کا اس جملے سے کنیت نہ رکھنے پر استدلال کرنا درست نہیں۔(۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۰۵/۴، کتاب الآداب، باب النهي عن التکني بأبي القاسم، فتح الباري ۷۰۰/۱۰، تحفة الأحوذي ۱۰۵/۸

(۲) شرح معاني الآثار ۳۳۳/۲ کتاب الکراهة، باب التکني بأبي القاسم

باب مَا جَاءَ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ: إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حُكْمًا

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔

بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں

مذکورہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض اشعار میں وعظ ونصیحت، حکمت اور دانائی کی باتیں ہوتی ہیں، ایسے واقعات، مثالیں اور تشبیہات ہوتی ہیں کہ ان میں غور وفکر کرنے سے بسا اوقات انسان بہت کچھ عبرتیں اور سبق سیکھ لیتا ہے۔

حکما: (حا پر پیش اور کاف کے سکون کے ساتھ) حکمت۔(۱)

باب مَا جَاءَ فِي إِنْشَادِ الشِّعْرِ

یہ باب بلند آواز سے شعر پڑھنے کے (حکم کے) بیان میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ، يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا، يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَوْ قَالَ: يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاخِرُ أَوْ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھنے کا حکم دیتے، جس پر وہ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں (اپنے اشعار کے ذریعہ) رسول اللہ ﷺ کی برتری ثابت کرتے، (راوی کہتے ہیں) یا حضرت عائشہؓ نے یوں فرمایا: وہ حضور ﷺ کی طرف سے (کفار کے مخالف اشعار اور ہجو کا اپنے اشعار کے ذریعہ) دفاع کرتے، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے: بیشک اللہ جل جلالہ حسان بن ثابت کی جبرئیل امین کے ذریعہ مدد ونصرت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی کفار کے مقابلے میں برتری ثابت کرتے رہتے ہیں یا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۱۰

یوں فرمایا کہ: جب تک وہ آپ ﷺ کی طرف سے دفاع اور مقابلہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِي، وَهُوَ يَقُولُ: خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ الْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَفِي حَرَمِ اللّٰهِ تَقُولُ الشِّعْرَ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ، فَلَهِيَ أَسْرَعُ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ. وَرُوِيَ فِي غَيْرِ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ قُتِلَ يَوْمَ مُؤْتَةَ وَإِنَّمَا كَانَتْ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ بَعْدَ ذٰلِكَ.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی قضا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو عبداللہ بن رواحہ رسول اللہ ﷺ کے آگے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے: اے کفار کی اولاد: آپ ﷺ کا راستہ خالی کر دو، آج ان کی آمد پر ہم تمہیں ماریں گے ایسی مار جو دماغ کو اس کی جگہ سے ہلا کر رکھ دے گی، اور دوست کو اس کے دوست سے غافل کر دے گی۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا: اے ابن رواحہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ (یہ بات سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر! اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ اشعار کافروں کے حق میں تیر پھینکنے سے کہیں زیادہ جلد اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی قضا ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کعب بن مالک آپ کے آگے تھے، یہ حدیث بعض محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن رواحہ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تھے، اور عمرۂ قضا اس کے بعد ہوا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قِيلَ لَهَا: هَلْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَيَتَمَثَّلُ وَيَقُولُ: وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی شعر مثال اور نمونہ کے طور پر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ ابن رواحہ کا شعر پڑھا کرتے تھے، چنانچہ آپ فرماتے: ویاتیک بالاخبار من لم تزود (تمہارے پاس وہ لوگ خبریں لائیں گے جن کو تم نے زادِ راہ فراہم نہیں کیا ہوگا)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ: كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے عمدہ اور اچھا شعر جو کسی عرب شاعر نے کہا ہے، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: الا کل شئ ما خلا اللہ باطل (جان لو کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی فنا ہونے والی ہے)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ فَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ

وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ فَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سو سے زیادہ بار بیٹھا، چنانچہ حضرات صحابہ ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے تھے، آپ ﷺ خاموش رہتے، ہاں کبھی کبھی ان کے ساتھ مسکرا دیتے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ :۔ انشاد الشعر: بلند آواز سے شعر پڑھنا۔ یضع لحسان: حسان بن ثابت کے لئے منبر رکھنے کا حکم دیتے۔ یفاخر: اشعار کے ذریعہ کفار کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کی برتری ثابت کرتے، اظہار فخر کرتے، فخریہ اشعار کہتے۔ ینافح: اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کا دفاع کرتے۔ مایفاخر وینافح: اس میں "ما" مادام کے معنیٰ ہے یعنی جب تک وہ اشعار کے ذریعہ آپ کی برتری ثابت کرتے رہتے یا آپ کا دفاع کرتے رہتے۔ خلوا: خالی چھوڑ دو۔ علی تنزیلہ: آپ ﷺ کے آنے پر۔ ھام: ھامۃ کی جمع ہے، دماغ، کھوپڑی۔ عن مقیلہ: اس کی جگہ سے۔ یذھل: غافل کردے گا۔ فلھی أسرع: یہ اشعار کہیں زیادہ جلدی اثرانداز ہوتے ہیں۔ نضح النبل: تیر کے پھینکنے سے۔ یتمثل بشیء من الشعر: آپ ﷺ مثال اور نمونہ کے طور پر کبھی شعر پیش کرتے؟ من لم تزود: وہ شخص جن کو آپ نے توشہ فراہم نہیں کیا ہوگا۔ أشعر کلمۃ: سب سے عمدہ اور اچھا شعر۔ باطل: فنا ہونے والی ہے۔ یتناشدون الشعر: صحابہ کرام ایک دوسرے کو شعر سناتے۔ یتذاکرون أشیاء من أمر الجاھلیۃ: جاہلیت کی یادیں دوبارہ تازہ کرتے۔

اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم

اس باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ ایسا شعر جو حکمت وموعظت، علم ومعرفت، دین اسلام کے دفاع اور مسلمان مجاہدین کو جوش دلانے اور جانثاری پر آمادہ کرنے پر مشتمل ہو، اسے کہنا اور سننا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلمان شعراء اور کافر شاعروں کے حکمت پر مشتمل اشعار کو کبھی کبھار پڑھتے تھے اور سنا بھی کرتے تھے کہ ان سے دلوں کو تازگی اور امنگوں کو جلا ملتی ہے۔

ان احادیث میں تین شعراء کا ذکر ہے حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کے شاعر

"حسان بن ثابت بن منذر انصاری رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شاعرانہ صلاحیت نبی کریم ﷺ کی تعریف اور اسلام کے دفاع پر صرف کی۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ حسان بن ثابت کو دیگر تمام شعراء پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے، زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، عہد نبوت میں نبی کریم ﷺ کے شاعر تھے اور زمانہ اسلام میں پورے یمن کے شاعر تھے۔

حدیث باب میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر رکھواتے، جس پر وہ کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے تھے، یہ اشعار رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع اور کفار کے مقابلے میں آپ کی برتری کو ثابت کرنے کے امور پر مشتمل ہوا کرتے تھے، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک وہ ان میں مشغول رہتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ جبرائیل امین کے ذریعہ ان کی مدد کرتے رہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اچھے مضامین اور خوبصورت کلام کا القاء ہوتا رہتا ہے۔

جمہور کے نزدیک ان کی ایک سو بیس سال عمر تھی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ سال ہی اسلام میں گذارے ہیں۔(۱)

حضرت عبداللہ بن رواحہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ قبیلہ خزرج کے مشہور شاعر تھے، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو لیلۃ عقبہ میں شریک تھے، غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے یہاں تک کہ غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔

کفار و مشرکین کی ہجو میں فی البدیہ اشعار کہتے تھے، بارہا انہوں نے اس قسم کے اشعار کہے ہیں، حدیث میں ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے آگے چل رہے تھے اور ساتھ ہی مذکورہ اشعار پڑھ رہے تھے، خلوا بني الكفار...... حضرت عمر فاروقؓ کہنے لگے کہ اے ابن رواحہ، رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، شعر کہنے دو، کیونکہ یہ اشعار کفار پر تیر سے کہیں زیادہ سخت گراں گذرتے ہیں۔(۲)

وهذا أصح عند بعض أهل الحديث لان عبدالله بن رواحة قتل يوم موته...

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے کیونکہ عمرۃ القضاء غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ موجود تھے، یہ ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں پیش آیا جبکہ غزوہ موتہ کے لئے آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں سریہ روانہ فرمایا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرۂ قضا بعد میں پیش آیا ہے، درست نہیں ہے۔(۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات مثال اور نمونے کے طور پر کوئی شعر پیش فرمایا کرتے تھے، اور فرماتی ہیں کہ ابن رواحہ کے اس شعر کو پڑھتے تھے:

سَتُبْدِي لَكَ الْأَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا ۔۔۔ وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

---

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۲/۵۵ حرف الحاء

(۲) الاصابة ۲/۳۰۷، حرف العين

(۳) فتح الباري ۷/۴۳۸ كتاب المغازي، باب عمرة القضاء، الكوكب الدري ۳/۴۰۳، تحفة الاحوذي ۸/۱۱۳

عنقریب ایام تمہارے سامنے ایسی چیز کو ظاہر کردیں گے جس سے تو جاہل تھا۔ اور تمہارے پاس وہ چیزیں خبریں لائیں گی جن کو تم نے توشہ نہیں فراہم کیا ہوگا۔

اس میں من لم تزود سے "ایام" مراد ہیں کہ انسان دن اور زمانے سے بہت کچھ سبق اور تجربے سیکھتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے جو اس شعر کی نسبت عبداللہ بن رواحہ کی طرف کی ہے یہ مجاز آ ہے، ورنہ در حقیقت یہ شعر طرفہ بن عبد بکری کا ہے چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ آپ علیہ السلام طرفہ کے اس شعر: ویاتیک بالاخبار......کو پڑھا کرتے تھے۔(۱)

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ

لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں کو پایا، ان کی کنیت ابو عقیل ہے، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی، ایک سو بیس، ایک سو تیس اور ایک سو چالیس کی مختلف روایات ہیں، انہوں نے اپنی طویل عمری کی شکایت اپنے ایک مشہور شعر میں یوں کی ہے:

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الحَيَاةِ وَ طُوْلِهَا وَ سُؤَالِ هٰذَا النَّاسِ: كَيْفَ لَبِيْدُ

ترجمہ: خدا کی قسم میں طویل زندگی اور لوگوں کے اس سوال سے اکتا چکا ہوں کہ: لبید کی حالت کیسی ہے؟

اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے شعر گوئی چھوڑ دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ اسلام میں شعر کہنے سے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران شعر کے نعم البدل کے طور پر عطا کردی ہیں، اس لئے اب مجھے شعر کہنے کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے صرف ایک شعر کہا ہے اور وہ یہ ہے:

مَا عَاتَبَ المَرْءَ الكَرِيْمَ كَنَفْسِهِ وَالمَرْءُ يُصْلِحُهُ الجَلِيْسُ الصَّالِحُ

ترجمہ: شریف شخص کو اس کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی ملامت نہیں کرتا اور ہر شخص کی اصلاح اس کا نیک اور اچھا دوست کرتا ہے۔

یا یہ شعر کہا:

اَلحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ يَاْتِنِيْ اَجَلِيْ حَتّٰى كَسَانِيْ مِنَ الاِسْلَامِ سِرْبَالَا

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کہ اس نے میری موت آنے سے پہلے مجھے اسلام کا لباس پہنایا۔

حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے ان کے شعر کے ایک مصرعہ کو "اشعر کلمۃ یا اصدق کلمۃ" فرمایا کیونکہ یہ کتاب اللہ کی آیت: کل من علیہا فان کے معنی پر مشتمل ہے، یہ ان کے ایک قصیدہ کا مصرعہ ہے، اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۱۴/۸

۱۔ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

آگاہ رہو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے۔

۲۔

إِذَا الْمَرْءُ أَسْرَى لَيْلَةً ظَنَّ أَنَّهُ قَضَى عَمَلًا وَالْمَرْءُ مَا عَاشَ أَمِلُ

جب آدمی ایک رات کا سفر طے کر لیتا ہے تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے اپنا کام نمٹا لیا، حالانکہ ہر شخص پوری زندگی امید دن میں ہوتا ہے۔

۳۔

حَبَائِلُهُ مَبْثُوثَةٌ بِسَبِيلِهِ وَ يَفْنَى إِذَا مَا أَخْطَأَتْهُ الْحَبَائِلُ

اس کی امیدوں کے جال راستہ میں ہر طرف منتشر اور پھیلے ہوئے ہیں، جب اسے وہ اہداف حاصل نہ ہوں تو فنا اور ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔

فَقُولَا لَهُ وَإِنْ كَانَ يَقْسِمُ أَمْرَهُ أَلَمَّا يَعِظْكَ الدَّهْرُ؟ أُمُّكَ هَابِلُ

آپ ان سے کہہ دیں اگرچہ اس نے اپنا کام تقسیم کر رکھا ہے کہ تیری ماں محروم ہو، کیا تو نے زمانے سے اب تک عبرت حاصل نہیں کی۔

۵۔

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تُصَدِّقْكَ نَفْسُكَ فَانْتَسِبْ لَعَلَّكَ تَهْدِيكَ الْقُرُونُ الْأَوَائِلُ

اگر تیری ذات تیری تصدیق نہ کرے تو پھر تو اپنا نسب بیان کر، شاید کہ پچھلے لوگ تجھے کوئی راستہ بتا دیں۔

۶۔

وَ كُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا سَيَعْلَمُ سَعْيَهُ إِذَا كُشِفَتْ عِنْدَ الْإِلٰهِ الْمَحَاصِلُ

اور ہر شخص کی محنت عنقریب اس دن ظاہر ہو جائے گی جب اللہ کے سامنے اس کے کئے کے نتائج سامنے آئیں گے۔

لبید نے یہ قصیدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا۔(۱)

دورِ جاہلیت کے اشعار کا تذکرہ

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں سو سے زیادہ مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، اس نشست میں کبھی

(۱) الشعر والشعراء لابن قتیبة (ص: ۱۲۴) تکملة فتح الملهم ۴/۲۲۳ کتاب الشعر، باب الشعر

کبھار صحابہ کرام ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے، کوئی کہتا کہ زمانہ جاہلیت میں میرے بت نے سب سے زیادہ نفع مجھے دیا ہے، دوسروں نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ میں نے وہ بت "حیس" (کھجور، پنیر یا ستو اور گھی سے ملا کر بنایا ہوا کھانا) سے بنایا تھا، پھر جب قحط کا زمانہ آیا تو اسے روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کھاتا رہا، ایک اور شخص نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دو لومڑ میرے بت کے اوپر چڑھ کر پیشاب کر رہے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسا خدا ہے کہ جس پر دو لومڑ پیشاب کر رہے ہیں، وہیں سے مجھے اس بت سے نفرت ہوگئی اور میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔

یہ سارا کچھ نبی کریم ﷺ بھی سن رہے ہوتے اور کبھی کبھار صحابہ کو دیکھ کر مسکرا دیتے، اس سے یہ حکم معلوم ہوا کہ کبھی انسان پرانی باتیں بطور عبرت کے ذکر کرے تو اس کی گنجائش ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر امیر کے سامنے لوگ اپنی گذشتہ باتیں کرنے لگیں تو امیر ان کے ساتھ وہ باتیں سن سکتا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا.

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو ایسی پیپ سے بھر لینا کہ جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ اسے شعروں سے بھر لے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔قیح: پیپ۔ جوف: پیٹ۔ أن یمتلی: کہ وہ بھر لے۔ یریه: (یا پر زبر اور راء کے نیچے زیر) وہ پیپ جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے، یہ وری سے مشتق ہے، اور "وری" اس بیماری کو کہتے ہیں جو پیٹ کو خراب کر دے، بعض نے کہا: وہ بیماری جو پھیپھڑے تک پہونچ جائے اور اسے خراب اور زخمی کر دے اور "یریه" میں "ہ" ضمیر "جوف" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ہر وقت شعر و شاعری میں مصروف رہنے اور برے اشعار کی مذمت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے برے اشعار کی مذمت یوں ارشاد فرمائی کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایسی پیپ پیدا ہو

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۱۵

جائے، جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ برے اشعار سے لبریز ہو، کیونکہ پیپ کا فساد صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے، جبکہ برے اشعار اس کی دینی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی آخرت خراب ہو جائے گی، اس لئے برے اشعار کی زیادہ مذمت کی گئی ہے۔

جوف احدکم میں دو احتمال ہیں:

۱۔ اس سے پیٹ مراد ہے۔

۲۔ بعض کے نزدیک اس سے "دل" مراد ہے کہ اس تک جب پیپ کے اثرات پہونچتے ہیں تو انسان کی ہلاکت اور موت آ جاتی ہے۔

خیر له من ان یمتلی شعرا

اس "شعر" سے کس قسم کے اشعار مراد ہیں؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک اس سے ان اشعار کی مذمت بیان کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کی ہجو اور مذمت پر مشتمل ہوں، العیاذ باللہ۔

۲۔ اس حدیث کے ذریعہ ایسی شاعری کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو انسان کو فرائض و واجبات کی ادائیگی سے غافل کر دے، شاعری کا مشغلہ اس کے اوپر ایسا غالب ہو جائے کہ اسے تلاوت قرآن، علم دین اور ذکر الٰہی سے روک دے، اس استغراق کی وجہ سے جو وہ شعر کہے گا وہ مذموم ہے خواہ وہ شعر کتنے ہی اچھے معنی اور مضمون پر مشتمل ہو۔

۳۔ یہاں ان اشعار کی مذمت بیان کرنا مقصود ہے جو فحش و بے حیائی، کفر و فسق، کسی معین عورت کی مدح و ثناء، جھوٹ اور کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی کے مضمون پر مشتمل ہوں، اس قسم کے شعر کہنا، انہیں سننا اور سنانا جائز نہیں۔

لیکن اگر شعر کہنے میں شرعی حدود کی رعایت کی گئی ہو یعنی بہت زیادہ اس کا مشغلہ نہ رکھا جائے، اس میں کسی کی ہجو اور برائی نہ ہو، کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، اس میں جھوٹ اور خلاف شرع تشبیہات نہ ہوں، کسی معین عورت کا ذکر نہ ہو، شعر میں ان امور کی رعایت رکھی گئی ہو تو وہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، بلکہ ابن عبدالبر نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ لہٰذا اگر شعر کے اندر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی تعظیم کا ذکر ہو، اللہ کی قدرت و وحدانیت، اس کی طاعت اور دنیا کی حقارت بیان کی گئی ہو، یا وہ مجاہدین کو حوصلہ اور ہمت دلانے کے مفہوم پر مشتمل ہو تو ایسا شعر شرعاً قابل تعریف ہے، اسے کہنا، سننا اور دوسروں کے سامنے اسے پڑھنا جائز ہے۔

اس پر دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جس میں حضرت شرید بن سوید ثقفیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: سنائیے، میں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سنائیے، میں نے دوسرا شعر سنایا، اس طرح میں نے سو شعر آپ ﷺ کو سنا ڈالے۔(۱)

(۱) تحفة الاحوذی ۱۲۸/۸، فتح الباری ۲۴۳/۱۰، تکملة فتح الملهم ۲۲/۴، ۴۳۱ کتاب الشعر

باب ما جاء في الفصاحة والبيان

یہ باب فصاحت اور بیان سے متعلق ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے اس شخص کو انتہائی ناپسند کرتے ہیں جو کلام میں حد سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرے اور جو اپنی زبان سے اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرے (یعنی منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرے) جس طرح گائے اپنے چارے کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ یبغض: مبغوض اور ناپسند کرتا ہے۔ یتخلل بلسانہ: اپنی زبان کو لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرتا ہے، یعنی منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرتا ہے۔ البلیغ: اپنے کلام و بیان میں زیادہ فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرنے والا۔ یتخلل البقرۃ: جس طرح گائے اپنی زبان سے لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنے چارے کو کھاتی ہے۔

زبان درازی ایک ناپسندیدہ عمل

اپنی بات دوسروں کے سامنے اچھے انداز سے پیش کرنا تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے، یہ شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے، بلا وجہ ضرورت سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا استعمال اور خوب مبالغہ آرائی کرنا یہ درست نہیں ہے، یہ طرز عمل عموماً نام ونمود، ریاکاری اور اپنی بڑائی جتانے کے لئے ہوتا ہے، اپنی زبان کو پھاڑ پھاڑ کر تکلف اور تصنع کے ساتھ بڑی زبان درازی کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے جیسے گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر اپنا چارہ جلدی سے کھاتی ہے، ایسے متکلم کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔

حدیث میں تشبیہ کے طور پر صرف گائے کا ذکر کیا، کیونکہ دوسرے جانور اپنے دانتوں کے ذریعہ کھاتے ہیں، جبکہ گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر چارہ کھاتی ہے، اس تشبیہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح گائے اپنے چارے میں اچھے اور برے میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ جو کچھ اس کے سامنے ہو، اسے وہ جلدی سے کھا لیتی ہے، اسی طرح زبان دراز شخص اپنے مخصوص مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر انداز اور ہر قسم کی خوشامد پر مبنی کلام کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے اور تجربہ یہ ہے کہ ایسا بندہ زبان کی بہت سی بے اعتدالیوں میں مبتلی ہو جاتا ہے، اس لئے اپنی بات دوسروں سے اچھے انداز سے ضرور کی جائے، اور بغیر کسی تکلف کے اگر اس میں فصاحت وبلاغت کا استعمال ہو جائے تو یہ بھی مذموم نہیں، اور نہ ہی اس وعید میں داخل ہے، لیکن اپنی تحریر و بیان اور کلام میں ضرورت سے زیادہ فصاحت وبلاغت سے گریز کیا جائے کہ یہ ناپسندیدہ ہے۔(۱)

(۱) تحفة الاحوذی ۱۵۱/۸ قدیمی، الکوکب الدری ۴۳۳/۳

باب

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: خَمِّرُوا الْآنِيَةَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزوں کے منہ باندھ دو، دروازے بند کرلو اور چراغ بجھا دو، کیونکہ اکثر چوہا بتی کو کھینچ کر (ادھر ادھر) لے جاتا ہے، پھر وہ پورے اہل خانہ کو جلا دیتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خمروا: تم ڈھانپ دو، ان کے اوپر ڈھکن رکھدو۔ انیۃ: إناء کی جمع ہے: برتن۔ أو کئوا: تم باندھ دو، بند کردو۔ أسقیۃ: سقاء کی جمع ہے: مشکیزے۔ أجیفوا: تم بند کردو۔ فویسقۃ: فاسقۃ کی تصغیر ہے، چوہا، اور فسق کے معنی ہوتے ہیں "حد سے تجاوز کرنا" چوہا بھی چونکہ اپنے بل سے نکل کر لوگوں کی طرف آجاتا ہے اور پھر انہیں مختلف طریقوں سے نقصان پہونچاتا ہے، اس لئے اسے بھی فویسقہ کہتے ہیں۔ جرت: کھینچ کر لے جاتا ہے۔ فتیلہ: بتی۔ أحرقت: وہ بتی جلا دیتی ہے۔

رہن سہن سے متعلق چند آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رہن سہن سے متعلق چند امور اور آداب ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا کریں، انہیں ڈھانپے بغیر رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ ایسے برتن میں بہت سی بلائیں اور بیماریاں اتر آتی ہیں۔

۲۔ مشکیزے، گھڑے اور پانی کی بوتلوں کے ڈھکن بند کرکے رکھا کریں کہ اس طرح کرنے سے موذی کیڑوں کے شر سے انسان محفوظ رہتا ہے، کیونکہ اگر یہ برتن ننگے ہوئے تو ان میں کوئی کیڑا جا سکتا ہے اور انسان لاعلمی میں اس پانی کو بسا اوقات پی جاتا ہے، وہ دیکھتا نہیں کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے، اس لئے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا معمول بنانا چاہیے۔

۳۔ اپنے گھر اور آفس کے دروازے رات کے وقت اہتمام سے بند کر لئے جائیں۔

۴۔ رات سوتے وقت اپنے چراغ کو بجھا دیا کریں، کیونکہ بسا اوقات چوہا اس بتی کو کھینچ کر ادھر ادھر لے جاتا ہے، جس سے دوسری چیزوں کو آگ لگ جاتی ہے، ہوتے ہوتے پورا گھر جل جاتا ہے، یہی حکم بجلی کی لائٹوں کا ہے کہ رات کے وقت، انہیں بند کر دیا جائے البتہ ایک یا دو لائٹیں اگر ضرورت ہوں تو انہیں جلانے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۴/۸

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا وَإِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سبزے کی کثرت اور چارے کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے ان کا حصہ دو، اور خشک سالی کے دنوں میں سفر کرو تو ان کی قوت باقی رہنے تک جلدی سفر مکمل کرنے کی کوشش کرو اور جب رات کے آخری حصے میں آرام کے لئے اترو تو راستے پر آرام کرنے سے پرہیز کرو، اس لئے کہ رات کے وقت یہ جانوروں کے راستے اور زہریلے کیڑے مکوڑوں کا ٹھکانہ ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خصب: (خاء کے نیچے زیر اور صاد کے سکون کے ساتھ) سبزے اور چارے کی کثرت وفراوانی۔ حظها: ان کا حصہ۔ سنة: (سین پر زبر کے ساتھ) خشک سالی، قحط۔ نقيها: (نون کے نیچے زیر اور قاف کے سکون کے ساتھ) ان کا گودا یعنی طاقت باقی ہو۔ عرستم: تم رات کے آخری حصے میں آرام کے لئے اترو، پڑاؤ ڈالو۔ بادروا بها: تم اس سواری کے ذریعہ سفر مکمل کرنے کی جلدی جلدی کوشش کرو۔ طرق: (طا اور را پر پیش کے ساتھ) طریق کی جمع ہے: راستے۔ ماوی: ٹھکانہ۔ هوام: (میم پر تشدید کے ساتھ) هامة کی جمع ہے: زہریلے جانور۔

سفر سے متعلق چند آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سفر سے متعلق تین آداب ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ سبزے اور چارے کی کثرت اور فراوانی ہو تو دوران سفر سواری کے جانور کو وقفہ وقفہ سے چارہ کھانے کا موقع دیا جائے کہ اس سے اس میں مزید قوت اور ہوشیاری پیدا ہوگی۔

۲۔ جب خدانخواستہ خشک سالی اور قحط کا زمانہ ہو، راستے میں چارہ وغیرہ کوئی خاص نہ ہو تو پھر جلدی سے اس کے ذریعہ اپنا سفر پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ہڈیوں میں گودا اور طاقت ہو، ایسے میں سفر میں تاخیر کی وجہ سے اس کی ہمت جواب دے گئی تو پھر سفر کی تکمیل مشکل ہو سکتی ہے۔

آجکل عموماً گاڑیوں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس میں پانی، پٹرول، ڈیزل، سی این جی اور جو چیزیں گاڑی سے متعلق ضروری ہوں، ان تمام امور کا بروقت خیال رکھا جائے تاکہ بعد میں دشواری پیش نہ آئے۔

۳۔ رات کے آخری حصے میں اگر کھلی فضا میں کسی جگہ آرام کے لئے ٹھہریں تو ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے کہ جس سے صحیح طریقے سے آرام ہو سکے اور زہریلے جانوروں سے بھی بچا جا سکے، اس کے لئے راستے اور گذرگاہ کا انتخاب نہ کیا جائے کہ ان جگہوں

میں عموماً رات کے وقت حشرات الارض آجاتے ہیں، جو کسی انسان کو تکلیف پہونچا سکتے ہیں۔

ایسے ہی اگر کسی ہوٹل اور سرائے میں قیام کرنا چاہیں تو یہ دیکھ لیں کہ کونسی ہوٹل آرام کے لحاظ سے بہتر ہے، اس کے اخراجات بھی قابل برداشت ہوں اور شرعی لحاظ سے اس میں ٹھہرنے میں کوئی قباحت بھی نہ ہو، جب ان تمام امور کے لحاظ سے تسلی ہو جائے تو پھر اس ہوٹل وغیرہ میں قیام کیا جا سکتا ہے۔(۱)

باب

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُورٍ عَلَيْهِ.

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کے گرد ایسی دیوار (یا جنگلہ) نہ ہو جو گرنے سے مانع ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دن کے اوقات میں مناسب موقع تلاش کر کے وعظ و نصیحت کے ذریعہ ہماری دیکھ بھال اور ذہنی تربیت کیا کرتے تھے (اور ہر وقت وعظ و نصیحت نہیں کرتے تھے) ہم پر اکتاہٹ کے اندیشہ سے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔سطح: چھت۔ لیس بمحجور علیہ: جس کے آس پاس کوئی دیوار، جنگلہ اور رکاوٹ نہ بنائی گئی ہو کہ جس سے انسان گرنے سے بچ سکے۔ یتخولنا بالموعظۃ: مناسب موقع تلاش کر کے وعظ و نصیحت کے ذریعہ آپ علیہ السلام ہماری دیکھ بھال اور ذہنی تربیت کیا کرتے تھے۔ مخافۃ السآمۃ: اکتاہٹ کے خوف اور اندیشہ سے۔

کس قسم کی چھت پر آرام کیا جائے

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس چھت پر سونے سے منع فرمایا کہ جس کے اطراف میں کوئی دیوار، جنگلہ اور رکاوٹ نہ ہو کہ اس سے انسان گر سکتا ہے، یہی حکم ہر اس جگہ اور چارپائی پر سونے کا ہے کہ جہاں سے انسان نیند کی حالت میں غفلت کی وجہ سے گر سکتا ہو، لہذا ایسی جگہ پر نہیں سونا چاہیے۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۱/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۵۳/۸

وعظ ونصیحت میں میانہ روی کا حکم

باب کی دوسری حدیث سے وعظ ونصیحت میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم ثابت ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو سمجھانے اور وعظ ونصیحت کرنے کے لئے مناسب موقع تلاش کیا کرتے تھے کہ جس میں ان میں نشاط تو جہ اور اہتمام ہوتا، ہر وقت وعظ نہ فرماتے تھے کہ اس سے انسانی طبیعت میں اکتاہٹ اور بے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے اس نشست کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

اس وجہ سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص وعظ ونصیحت کرتا ہو، اس کو بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے، کبھی کبھار مناسب موقع دیکھ کر وعظ کرے، ہر وقت نہ کرے کہ اس طرح اس بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اور لوگ اس سے اکتانے لگتے ہیں، یوں اس بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ حکم صرف وعظ ونصیحت سے متعلق ہے، تعلیم وتعلم یعنی پڑھانے اور پڑھنے کے بارے میں نہیں ہے، چنانچہ جو شخص اپنے تمام کام چھوڑ کر پڑھنے کے لئے آیا ہو، اسے روزانہ ترتیب کے مطابق اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے، یہ اس حدیث کے منافی نہیں، اس کی دلیل اصحاب صفہ کا طریقہ کار ہے کہ ان صحابہ کرام نے اپنے آپ کو تعلیم کے لئے ہر فکر سے ماوراء ہو کر وقف کر دیا تھا، ان کے شب و روز تعلیم میں صرف ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ روزانہ علم کی باتیں ان کے سامنے ارشاد فرماتے اور وہ خود بھی نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ روزانہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا سنت سے ثابت ہے، البتہ وعظ ونصیحت میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے کہ یہی مسنون طریقہ ہے، نیز اس سے اس بات کی اہمیت میں مزید اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔(۱)

باب

عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ، سُئِلَتْ عَائِشَةُ وَأُمُّ سَلَمَةَ: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؟: قَالَتَا: مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.

حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ ان دونوں نے جواب دیا: وہ عمل جس پر دوام اختیار کیا جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

پسندیدہ عمل کونسا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کا کوئی بھی کام، جس پر مداومت اور پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے، وہ نبی کریم ﷺ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۱۶۹/۶ کتاب الصفات المنافقین باب الاقتصاد فی الموعظۃ

کے نزدیک سب سے افضل ہے، بنسبت اس کے کہ انسان زیادہ عمل کرے لیکن اس میں دوام نہ ہو، لہذا نیکی کے اعمال پر اعتدال، استقامت اور دوام کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۴/۸، قدیمی کراچی

ابواب الامثال عن رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے مثالوں سے متعلق منقول احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ اللّٰهِ لِعِبَادِهِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے مثال کا ذکر ہے

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ ضَرَبَ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا عَلَى كَنَفَيِ الصِّرَاطِ زُورَانِ، لَهُمَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ عَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ، وَدَاعٍ يَدْعُو عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ وَدَاعٍ يَدْعُو فَوْقَهُ (وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) وَالْأَبْوَابُ الَّتِي عَلَى كَنَفَيِ الصِّرَاطِ حُدُودُ اللّٰهِ، فَلَا يَقَعُ أَحَدٌ فِي حُدُودِ اللّٰهِ حَتَّى يُكْشَفَ السِّتْرُ، وَالَّذِي يَدْعُو مِنْ فَوْقِهِ وَاعِظُ رَبِّهِ.

حضرت نواس بن سمعان کلابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح دی ہے کہ وہ ایک راہ ہے جس کے دونوں جانب دیواریں ہیں، ان کے بہت دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں، اوران پر پردے لٹکے ہوئے ہیں، اور ایک بلانے والا راستہ کے کنارے پہ کھڑے ہوکر اور دوسرا راستہ کے اوپر کھڑے ہوکر بلا رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: واللہ یدعو......... (اللہ تعالیٰ جنت کی طرف بلاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں، اسے سیدھی راہ پر چلا دیتے ہیں) اور وہ دروازے جو راستے کے دونوں جانب ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں (یعنی وہ چیزیں جو انسان پر حرام ہیں) ان میں کوئی آدمی مبتلی نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ پردے کو ہٹا دیا جائے (یعنی صغیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرلے) اور اس راستہ کے اوپر پکارنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ جِبْرِيلَ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيكَائِيلَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اضْرِبْ لَهُ مَثَلًا. فَقَالَ: اسْمَعْ، سَمِعَتْ أُذُنُكَ وَاعْقِلْ، عَقَلَ قَلْبُكَ، إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارًا ثُمَّ بَنَى فِيهَا بَيْتًا ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَائِدَةً ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَدْعُو النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُولَ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ، فَاللّٰهُ هُوَ الْمَلِكُ وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ، وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ، وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ رَسُولٌ، فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الْإِسْلَامَ، وَمَنْ دَخَلَ الْإِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مَا فِيهَا.

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے، اور فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل امین میری سر والی جانب اور میکائیل میری پاؤں والی جانب کھڑے ہیں، اور ان

میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے مثال بیان کرو، تو دوسرے نے کہا: (اے نبی) سنئے، آپ کے کان ہمیشہ سنتے رہیں، اور دیکھئے، آپ کا دل ہمیشہ سمجھتا ہی رہے، بے شک آپ کی اور آپ کی امت کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے، جس نے ایک بڑا گھر بنایا پھر اس میں ایک چھوٹا گھر بنایا اور پھر اس میں (دعوت کے لئے) ایک دسترخوان لگوا دیا، پھر ایک نمائندے کو بھیجا جو لوگوں کو کھانے پر بلائے، (اس نے سب کو بلایا) چنانچہ ان میں سے بعض نے اس کی دعوت کو قبول کیا جب کہ بعض نے قبول نہیں کیا، اس میں "بادشاہ" سے اللہ جل جلالہ، بڑے گھر سے "اسلام" چھوٹے گھر سے "جنت" اور اے محمد "رسول" سے آپ ہی مراد ہیں، لہٰذا جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تو وہ اسلام میں داخل ہو گیا، اور جو اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا، اور جو جنت میں داخل ہو گیا تو اس نے اس میں موجود تمام چیزیں کھا لیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَخَذَ بِيَدِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَتَّى خَرَجَ بِهِ إِلَى بَطْحَاءِ مَكَّةَ فَأَجْلَسَهُ ثُمَّ خَطَّ عَلَيْهِ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: لَا تَبْرَحَنَّ خَطَّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْتَهِي إِلَيْكَ رِجَالٌ فَلَا تُكَلِّمْهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَلِّمُونَكَ. قَالَ: ثُمَّ مَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيْثُ أَرَادَ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِي خَطِّي، إِذْ أَتَانِي رِجَالٌ كَأَنَّهُمُ الزُّطُّ، أَشْعَارُهُمْ وَأَجْسَامُهُمْ لَا أَرَى عَوْرَةً وَلَا أَرَى قِشْرًا وَيَنْتَهُونَ إِلَيَّ لَا يُجَاوِزُونَ الْخَطَّ ثُمَّ يَصْدُرُونَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ لَكِنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ جَاءَنِي وَأَنَا جَالِسٌ فَقَالَ: لَقَدْ أَرَانِي مُنْذُ اللَّيْلَةِ. ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ فِي خَطِّي فَتَوَسَّدَ فَخِذِي فَرَقَدَ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا رَقَدَ نَفَخَ فَبَيْنَا أَنَا قَاعِدٌ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُتَوَسِّدٌ فَخِذِي إِذَا أَنَا بِرِجَالٍ، عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بِيضٌ، اللهُ أَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنَ الْجَمَالِ، فَانْتَهَوْا إِلَيَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوا بَيْنَهُمْ: مَا رَأَيْنَا عَبْدًا قَطُّ أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا النَّبِيُّ: إِنَّ عَيْنَيْهِ تَنَامَانِ، وَقَلْبَهُ يَقْظَانُ، اضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا، مَثَلُ سَيِّدٍ، بَنَى قَصْرًا ثُمَّ جَعَلَ مَأْدُبَةً فَدَعَا النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ فَمَنْ أَجَابَهُ أَكَلَ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرِبَ مِنْ شَرَابِهِ وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ قَالَ: عَذَّبَهُ، ثُمَّ ارْتَفَعُوا، وَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ فَقَالَ: سَمِعْتَ مَا قَالَ هَؤُلَاءِ؟ وَهَلْ تَدْرِي مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: هُمُ الْمَلَائِكَةُ، أَفَتَدْرِي مَا الْمَثَلُ الَّذِي ضَرَبُوهُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: الْمَثَلُ الَّذِي ضَرَبُوهُ، الرَّحْمَنُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، بَنَى الْجَنَّةَ، وَدَعَا إِلَيْهَا عِبَادَهُ، فَمَنْ أَجَابَهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ عَذَّبَهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی جماعت کرائی پھر آپ الگ ہوئے تو عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا، یہاں تک کہ آپ انہیں مکہ کے بطحاء کی طرف لے گئے، پھر وہاں انہیں بٹھا دیا اور ان کے گرد ایک خط کھینچا (یعنی انہیں حصار میں بٹھایا) اور ان سے فرمایا: اپنے اس خط یعنی حصار سے ہرگز نہ نکلنا،

اس دوران تمہارے پاس کچھ لوگ آئیں گے لیکن تم نے ان سے بات نہیں کرنی، وہ بھی تم سے بات نہیں کریں گے۔

راوی کہتے ہیں پھر نبی کریم ﷺ نے جہاں جانے کا ارادہ کیا تھا وہاں تشریف لے گئے، اس دوران کہ میں اس خط یعنی حصار کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس کچھ لوگ آئے گویا کہ وہ اپنے بال اور جسم کے لحاظ سے جٹ ہیں، نہ تو میں انہیں برہنہ دیکھتا اور نہ کپڑوں میں ملبوس، وہ میری طرف آتے لیکن اس خط سے تجاوز نہ کر سکتے، پھر وہ نبی کریم ﷺ کی طرف چلے جاتے، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ ہو گیا (تو پھر وہ نہ آئے) لیکن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، میں بیٹھا ہوا تھا، اور فرمایا: میں پوری رات نہیں سو سکا پھر آپ میرے پاس خط میں داخل ہو گئے اور میری ران کو تکیہ بنایا اور سو گئے، اور رسول اللہ ﷺ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے،

میں اسی حال میں بیٹھا تھا اور رسول اللہ ﷺ میری ران کو تکیہ بنا کر سو رہے تھے کہ اچانک میں (دیکھتا ہوں کہ میں) کچھ لوگوں کے پاس ہوں جن پر سفید لباس ہے، (وہ انتہائی خوبصورت تھے) ان کے حسن و جمال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، وہ سب میرے پاس پہونچ گئے، پھر ان کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی سر والی جانب اور دوسری جماعت پاؤں والی جانب بیٹھ گئی، پھر وہ آپس میں کہنے لگے: ہم نے کبھی بھی ایسا بندہ نہیں دیکھا جسے وہ سب کچھ دیا گیا ہو، جو اس نبی کو عطا کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں بظاہر سوتی ہیں (لیکن) ان کا دل جاگتا ہے، اس کے لئے اس سردار کی مثال بیان کرو جس نے ایک محل تعمیر کرایا، پھر دسترخوان لگوایا، اور لوگوں کو کھانے پینے کے لئے بلایا جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا تو اس نے کھانے کی چیز کو کھایا اور پینے کی چیز کو پیا، اور جس نے قبول نہیں کیا تو اس نے اسے سزا دی یا فرمایا: اسے عذاب دیا، پھر وہ لوگ اٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ جاگ گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے سنا ہے کہ ان لوگوں نے کیا کہا ہے؟ اور تمہیں پتہ ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے، اس مثال کو تم سمجھتے ہو، جو انہوں نے بیان کی؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے جو مثال بیان کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ رحمن نے جنت بنائی اور اس کی طرف اپنے بندوں کو بلایا، تو جس نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس نے کھانے کی چیز کو کھایا، اور پینے کی چیز کو پیا، اور جس نے قبول نہیں کیا تو اس نے اس کو سزا دی یا یوں فرمایا: اس نے اسے عذاب دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ أمثال: مثل (میم اور ثاء پر زبر کے ساتھ): ایک چیز کو حکم کے اعتبار سے دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینا۔ کنفی الصراط: راستہ کی دونوں جانب۔ زوران: زور کا تثنیہ ہے: دو دیواریں، اور ایک دوسری حدیث میں "سوران" ہی تھا، پھر اس سین کو زاء سے بدل دیا، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ مفتحة: کھلے ہوئے۔ مستور: ستر (سین کے نیچے زیر

کے ساتھ) کی جمع ہے: پردے۔ ثم انصرف: پھر آپ الگ ہو گئے، نماز سے فارغ ہو گئے۔ لاتبرحن: تم مسلسل اسی خط کے اندر رہنا۔ سینتھی: پہنچیں گے۔ زط: (زاء پر پیش کے ساتھ) زطی کی جمع ہے: جٹ لوگ، پاکستان اور ہندوستان میں ایک قوم ہے جسے "جٹ" کہا جاتا ہے، جو اپنے بالوں اور جسم میں تہذیب کا لحاظ نہیں کرتے۔ أشعارهم و أجسامهم: ترکیب نحوی کے لحاظ سے ان پر دو قسم کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ یہ منصوب ہوں اس صورت میں ان سے پہلے "فی" حرف جار محذوف ہوگا، اسے نحو کی اصطلاح میں منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں۔ ۲۔ یہ دونوں لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں، اس صورت میں ان کی خبر مثل الزط محذوف ہوگی۔ قشر: (قاف کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) چیز کا ڈھکن، چھلکا، یہاں اس سے لباس مراد ہے۔ ولقد أرانی منذ اللیلۃ: میں پوری رات نہیں سو سکا۔ یصدرون: وہ واپس چلے جاتے، لوٹ جاتے۔ توسد: تکیہ بنایا۔ فخذی: میری ران۔ نفخ: خراٹے مارتے۔ یقظان: بیدار۔ عاقبہ: وہ اس کو سزا دیتے۔

بندوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند مثالیں

مذکورہ احادیث میں بندوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین مثالیں نبی کریم ﷺ نے ذکر فرمائی ہیں، ان تمام مثالوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ انسان کو مختلف طریقوں سے یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت یعنی جنت وجہنم......کو پیدا فرمایا ہے، دنیا میں راہنمائی کے لئے رسولوں کو بھیجا، جو ان کی بات سن کر ایمان قبول کرے گا، قرآن وسنت کے مطابق زندگی گذارے گا، تو وہ کامیاب ہو جائے گا اور جنت میں پہونچ جائے گا، جس نے اعراض کیا، اس رسول کی بات کو قبول نہ کیا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ہو جائے گا۔

حتی یکشف الستر اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہ اور مشتبہ امر کا ارتکاب کرے تو پھر وہ حدود اللہ میں تعدی اور زیادتی کرنے والا شمار ہوگا۔

"واعظ ربہ" اس سے انسان کا دل مراد ہے کہ وہ انسان کو خاموش زبان سے ہر کام سے متعلق بتا دیتا ہے کہ یہ صحیح کام ہے اسے کر لینا چاہیے، یہ غلط ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے فرشتہ کا تصرف مراد ہے جو وہ مومن کے دل میں کرتا ہے کہ یہ کام کر لو یا نہ کرو، اور دوسرا تصرف شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، جو انسان کو غلط اور ناجائز امور میں مبتلی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سمعت اذنک، آپ کے کان سنتے رہیں، وعقل قلبک اور آپ کا دل ہمیشہ سمجھتا رہے، یہ دعائیہ جملے ہیں۔

باب کی تیسری حدیث میں جنات کی تبلیغ کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک خط یعنی حصار میں بٹھا دیا تاکہ جنات سے محفوظ رہیں، آپ علیہ السلام ساری رات انہیں تبلیغ کرتے رہے، پھر جب آپ سو گئے تو فرشتوں کی دو جماعتیں آئیں، ایک سر کی جانب اور دوسری پاؤں کی جانب..........جس کی تفصیل ترجمہ میں موجود ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام انسان بھی فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے، چنانچہ فرشتوں کی ان جماعتوں کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی دیکھا، وہ سفید لباس میں تھے، اور بہت ہی خوبصورت لگ رہے تھے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ النَّبِيِّ ﷺ وَالأَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ

یہ باب نبی کریم ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال کے بیان میں ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ.

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے مکمل کیا اور خوبصورت بنایا (یعنی اس کی آرائش وتزئین کی) مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، چنانچہ لوگ اس میں داخل ہونے لگے، اس کی تعمیر اور خوبصورتی پر تعجب کرتے، اور کہتے کہ کاش اینٹ کے برابر یہ جگہ خالی نہ ہوتی (تو کیا خوب ہوتا)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لبنة: (لام پر زبر اور باء کے نیچے زیر) کچی اینٹ، اور جب اسے آگ پر پکا لیا جائے تو اسے 'آجر' کہا جاتا ہے۔ یتعجبون منها: اس گھر کے حسن وجمال پر تعجب کرتے۔

قصر نبوت کی آخری اینٹ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور سابقہ انبیاء کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک خوبصورت گھر بنایا، اس میں ہر چیز پایہ تکمیل تک پہونچ گئی مگر ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے، اب جب لوگ اس گھر میں داخل ہونا شروع ہوئے تو سب کو وہ گھر بہت ہی اچھا لگا، لیکن جب وہ خالی جگہ دیکھتے تو یہ کہتے کہ کاش اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی تو بہت ہی اچھا ہوتا۔

اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور عمدہ اخلاق کو اس محل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کی بنیادیں مضبوط ہوں، اور اس کی عمارت کو اچھی طرح بنایا گیا ہو مگر ایک اینٹ کے برابر اس گھر میں جگہ خالی چھوڑ دی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کے ذریعہ اس خالی جگہ کو پر کر دیا، تو آپ ﷺ اس محل کی آخری اینٹ ہیں کہ آپ نے عمدہ اخلاق اور نبوت کی تکمیل فرمادی۔

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سلسلہ نبوت کے وہ آخری نبی ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۵۸/۸

قیامت تک نہیں آئے گا، چنانچہ ختم نبوت قطعی اور متواتر دلائل سے ثابت ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، جو آدمی اس کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ.

یہ باب نماز، روزے اور صدقہ کی مثال سے متعلق ہے

عَنِ الْحَارِثِ الْأَشْعَرِيِّ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِئَ بِهَا فَقَالَ عِيسَى: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنَا آمُرُهُمْ. فَقَالَ يَحْيَى: أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ الْمَسْجِدُ وَقَعَدُوا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ: أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ، فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ: أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ. فَفَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ.

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ، اللّٰهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرَاجِعَ وَمَنِ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ. فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ قَالَ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ، فَادْعُوا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللّٰهِ.

حضرت حارث اشعری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۹۳/۴ کتاب الفضائل، باب ذکر کونه صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین، تحفة الاحوذی ۱۶۳/۸، الکوکب الدری ۴۴۵/۴

دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں، یحیی علیہ السلام نے انہیں پہونچانے میں تھوڑی تاخیر سی کی تو حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا، تا کہ آپ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ بھی ان پر عمل پیرا ہوں، لہذا یا تو آپ انہیں حکم دیدیں ورنہ میں حکم دے دیتا ہوں، حضرت یحیی نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ ان باتوں کو پہونچانے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھے دھنسا دیا جائے گا یا مجھے عذاب دیا جائے گا، پھر انہوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا تو پوری مسجد بھر گئی، اور لوگ اونچی جگہوں پر بیٹھ گئے، پھر حضرت یحیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ میں ان پر عمل کروں اور تمہیں حکم دوں کہ تم بھی ان پر عمل کرو،

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے خالص اپنے سونے یا چاندی کے مال سے کوئی غلام خریدا، پھر اس سے کہا: یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا عمل ہے لہذا تو کام کر اور مجھے کما کر دے، چنانچہ وہ کام کرتا اور اس کی کمائی کسی اور کو دے دیتا، تم میں سے کون اس بات پر راضی ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا، لہذا جب تم نماز پڑھو تو کسی اور جانب توجہ نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ دوران نماز اپنے بندے کے چہرے کی طرف اپنا منہ کئے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ کسی اور طرف التفات نہ کرے۔

۳۔ اور میں تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک ایسی جماعت میں ہے جس کے پاس مشک سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے جسے تمام لوگ پسند کرتے ہیں یا راوی نے یوں کہا: اس کی خوشبو سب کو اچھی لگتی ہے، اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی اس خوشبو سے کہیں زیادہ پسند ہے۔

۴۔ اور میں تمہیں صدقہ دینے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جسے دشمن نے قید کرلیا، پھر انہوں نے اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے، اور اسے آگے کیا تا کہ اس کی گردن کو اڑا دیں (یعنی قتل کر دیں)، اس شخص نے کہا: میں تمہیں اپنا قلیل و کثیر یعنی سارا مال بطور فدیہ کے دیتا ہوں، چنانچہ اس شخص نے انہیں فدیہ دے کر اپنے آپ کو بچا لیا۔

۵۔ اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دشمن بڑی تیزی سے اس کے پیچھے لگے ہوں یہاں تک کہ وہ ایک محفوظ قلعہ میں داخل ہو جائے اور اپنی جان ان سے بچالے، اسی طرح کوئی بندہ اللہ کے ذکر کے بغیر، اپنے آپ کو شیطان (کے ابتلاء) سے نہیں بچا سکتا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ جل جلالہ نے مجھے حکم کیا ہے۔ ۱۔ بات سننا۔ ۲۔ اطاعت کرنا۔ ۳۔ جہاد کرنا۔ ۴۔ ہجرت کرنا۔ ۵۔ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔

کیونکہ جو شخص ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے الگ ہو جائے تو اس نے (گویا) اپنی گردن سے اسلام کا پھندا اتار دیا مگر یہ کہ وہ دوبارہ جماعت کی طرف لوٹ آئے (تو اس نے اپنا اسلام بچا لیا) اور جس نے لوگوں کو زمانہ جاہلیت والی برائیوں کی طرف بلایا تو وہ جہنم کے انگاروں میں سے ہے (یعنی وہ اس کا ایندھن ہے) ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر چہ اس نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا: (جی ہاں) اگر چہ اس نے نماز پڑھی ہو اور روزہ رکھا ہو، لہذا تم لوگوں کو اس اللہ کی طرف بلاؤ، جس نے تمہارا نام، اے اللہ کے بندو "مسلمین اور مومنین" رکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ ان یبطئ بھا: کہ وہ ان کلمات کے پہونچانے میں تاخیر کریں۔ ان سبقتنی: اگر آپ مجھ سے سبقت کر گئے۔ شرف: (شین پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) شرفۃ کی جمع ہے: بلند جگہ۔ نصب وجھہ لوجہ عبدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف کیا ہوا ہے یعنی دوران نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت انسان کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ عصابۃ: (عین کے نیچے زیر): جماعت، گروپ۔ صرۃ: (صاد پر پیش اور را پر تشدید اور زبر کے ساتھ): تھیلی، بیگ ج صرر۔ کلھم یعجب: ان میں سے ہر ایک پسند کر رہا تھا۔ أسرہ: اس کو قید کر لیا۔ أوثقوا: انہوں نے باندھ دیا، جکڑ دیا۔ انا افدی منکم: میں تمہیں فدیہ دے کر جان چھڑاتا ہوں۔ بالقلیل والکثیر: قلیل وکثیر مال سے یعنی پورے مال سے۔ سراعا: (سین کے نیچے زیر) تیز رفتار، یہ لفظ ترکیبی لحاظ سے "عدو" سے حال ہے۔ حصن حصین: محفوظ قلعہ۔ احرز نفسہ: اس نے اپنی جان کو بچا لیا، محفوظ کر لیا۔ قید شبر: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) ایک بالشت کے برابر۔ خلع ربقۃ الاسلام: اس نے اسلام کا پھندا اتار دیا۔ الا ان یراجع: مگر یہ کہ وہ دوبارہ جماعت کی طرف لوٹ آئے۔ جثی: (جیم پر پیش) جثوۃ کی جمع ہے: انگارے۔ عباد اللہ: اس سے پہلے یا حرف ندا محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: یا عباد اللہ اے اللہ کے بندو۔

حضرت یحییٰ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ پانچ چیزوں پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں، اس میں ان سے تھوڑی سی تاخیر ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کا بنی اسرائیل کو حکم دو ورنہ میں انہیں حکم دے دیتا ہوں، حضرت یحییٰ نے کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے اس کام میں مجھ سے سبقت کر لی تو مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا یوں فرمایا کہ مجھے عذاب دیا جائے گا پھر حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا، مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی، اور لوگ بلند جگہ پر بیٹھ گئے، پھر وہ پانچ حکم ان کو بتائے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، کیونکہ مشرک کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے اپنے خالص مال سے کوئی غلام خریدا اور اسے کہا کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے جو تم نے کرنا ہے، لہذا کام کرو اور اس کی آمدن

میرے پاس جمع کرا دینا، لیکن وہ غلام کام کر کے اور کما کر اپنے آقا کو دینے کے بجائے کسی اور کو وہ کمائی دیدیتا ہے، تو بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو اس طرح کے غلام کو پسند کرے تو جب تم اپنے غلام کے بارے میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تو پھر اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانا کیسے درست ہو سکتا ہے اور کیسے وہ برداشت کر سکتا ہے جبکہ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔

۲۔ اللہ نے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس انداز سے کہ اس میں تمہاری پوری توجہ ہو، مکمل خشوع وخضوع ہو، کیونکہ نمازی پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

۳۔ اللہ نے تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، روزے دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک گروپ میں ہو اور اس کے پاس مشک کی ایک تھیلی ہو، جس کی خوشبو سب کو اچھی لگ رہی ہو، لیکن روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی اس خوشبو سے بہت زیادہ اچھی ہے اور اللہ کو بہت پسند ہے۔

۴۔ اور میں تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو دشمن نے قید کر کے اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے اور اسے قتل کرنے لگے کہ اس شخص نے فدیہ دے کر اپنی جان ان سے چھڑالی، اسی طرح صدقے سے انسان پر آنے والی آفت، گرفت اور اللہ کا عذاب ہٹ جاتا ہے۔

۵۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا تمہیں حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے دشمن بڑی تیز رفتاری سے لگے ہوں، لیکن اس نے ایک محفوظ قلعے میں پناہ لے کر اپنی جان کو بچالیا، اسی طرح انسان نفس وشیطان کے شرور سے اسی وقت اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہو۔(۱)

نبی کریم ﷺ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں:

۱۔ اپنے بڑوں اور امیر کی بات سنا کرو۔ ۲۔ جائز امور میں اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ ۳۔ ضرورت کے وقت اسلام کی سر بلندی کے لئے اور دشمن کے شر سے بچنے کے لئے جہاد کرنا۔ ۴۔ ہجرت کرنا، اس میں ہجرت کی دونوں قسمیں داخل ہیں۔ ۱۔ نقل مکانی کرنا، ۲۔ گناہوں کو چھوڑنا۔ ۵۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس "جماعۃ" سے صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے پیروکار مراد ہیں کہ ان کے ساتھ جڑے رہیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، جو شخص اس مقدس جماعت سے اپنے آپ کو الگ کرلے تو وہ گویا گمراہی کے راستہ پر چل پڑا ہے،

فقد خلع ربقة الاسلام: اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

☆ اس نے اسلام کا پھندا اور کڑا اتار دیا، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حدود، احکام، اوامر اور ممنوع چیزوں کا لحاظ نہیں کیا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶۳/۸

☆ بعض کے نزدیک اس سے "اللہ کا عہد" مراد ہے کہ اس جماعت کو چھوڑنا گویا اس عہد کو توڑ دینا ہے جو اسلام کی وجہ سے اس کے اور اللہ کے درمیان ہوا تھا۔

الا ان یراجع یعنی اگر دوبارہ وہ اس جماعت کی طرف لوٹ آئے تو پھر اس نے اپنے اسلام کو بچا لیا۔

چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی گمراہ قسم کے لوگ ہیں وہ ضرور کسی نہ کسی جہت سے اس جماعت سے الگ ہوتے ہیں، ان کے نقش قدم پر وہ نہیں ہوتے جس کی وجہ سے وہ شکوک وشبہات یا الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لئے کبھی بھی صحابہ اور امت کے نیک لوگوں کی جماعت سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔

جو شخص جاہلیت کا دعویٰ کرے تو وہ بلانے والا جہنم کی آگ کا انگارہ ہوگا اگرچہ وہ بظاہر نماز روزہ کرتا ہو،

ومن ادعیٰ دعوی الجاھلیۃ اس میں "دعوی جاہلیت" سے کیا مراد ہے؟ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ وہ ان تمام برائیوں اور طریقوں کی طرف لوگوں کو بلائے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔

۲۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ لڑائی کے وقت جب کوئی فریق شکست کھانے لگتا ہے تو وہ اپنے خاندان اور قبیلے کو مدد کے لئے بلاتا ہے کہ آؤ، میری اس مقابل کے خلاف مدد کرو۔

نبی کریم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جو بھی طریقے اور برائیاں تھیں ان تمام سے بچنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ کے بندو! تم لوگوں کو اللہ کے دین اور اس کی اطاعت کی طرف بلاؤ، وہ اللہ کہ جس نے تمہارا "مسلمین اور مؤمنین" نام رکھا، لہذا اسلام اور ایمان کے تقاضے پورے کرو، اور زمانہ جاہلیت کو بھول جاؤ۔(۱)

کیا حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کا زمانہ ایک تھا

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ دونوں آپس میں رشتہ دار تھے، بنی اسرائیل کی طرف ایک وقت میں مختلف قوموں کی طرف مختلف انبیاء کو بھیجا جاتا رہا، چنانچہ اس حدیث میں بھی ان دونوں حضرات کی نبوت کا ذکر ہے، لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حضرت یحییٰ کو یہ پانچ باتیں پہنچانے کا حکم کیسے دیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب کیسے بنایا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مقابلے میں زیادہ ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بلند ہے، لیکن اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی تھی، جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کوئی مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی بلکہ وہ سابقہ شریعت کے مطابق لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے، اس لحاظ سے یہ دونوں نبی اس وقت برابر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو پانچ چیزوں کا حکم دیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۶۵/۸، ۱۶۶، الکوکب الدری ۳/۴۷۴

بھی حضرت یحیٰ سے فرمایا کہ آپ یہ باتیں جلدی سے بنی اسرائیل تک پہنچادیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ الْمُؤْمِنِ الْقَارِئِ لِلْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقَارِئِ

یہ باب اس مؤمن سے متعلق ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور جو تلاوت نہیں کرتا

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، رِيحُهَا مُرٌّ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس مؤمن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے، سنگترے، مالٹے اور نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت عمدہ ہوتا ہے، اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا، کھجور کی سی ہے جس کی خوشبو تو کوئی نہیں ہوتی لیکن اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نازبو کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو بہت اچھی ہوتی ہے لیکن اس کا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا، ایلوے کی مانند ہے جس کی خوشبو کڑوی اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ، لَا تَزَالُ الرِّيَاحُ تُفَيِّئُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيبُهُ بَلَاءٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ، كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزِ، لَا تَهْتَزُّ حَتَّى تُسْتَحْصَدَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کی مثال اس کھیتی کی مانند ہے، جسے ہوائیں مسلسل دائیں بائیں جھکاتی رہتی ہیں، (اسی طرح) مؤمن کو بھی ہمیشہ آزمائش لگی رہتی ہے، اور منافق کی مثال درختِ صنوبر کی طرح ہے جو کہ ہواؤں سے بھی نہیں ہلتا یہاں تک کہ وہ اکھڑ جائے / اسے کاٹ دیا جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي وَوَقَعَ فِي نَفْسِي: أَنَّهَا النَّخْلَةُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هِيَ النَّخْلَةُ. فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَقُولَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَحَدَّثْتُ عُمَرَ بِالَّذِي وَقَعَ فِي نَفْسِي. فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا بھی

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۳۴۶

ہے کہ موسم خزاں میں بھی اس کے پتے نہیں جھڑتے، اور وہ مؤمن کی طرح ہے (زیادہ منافع کے اعتبار سے) مجھے بتاؤ کہ وہ کونسا درخت ہے؟ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے، اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے، اتنے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، میں نے شرم محسوس کی کہ میں بتاؤں (کہ وہ درخت کھجور ہے، کیونکہ میں چھوٹا تھا) عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد عمر کو اس خیال کے بارے میں بتایا جو اس درخت کے بارے میں میرے دل میں آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم نے حضور ﷺ کے سامنے اس درخت کا بتا دیا ہوتا تو یہ میرے لئے ایسا ایسا مال ہونے کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: الاترجة: (ہمزے پر پیش، تا ساکن، را پر پیش اور جیم پر زبر و تشدید کے ساتھ) بالنگا، سنگترہ، نارنگی۔ طعمها: اس کا ذائقہ۔ ریحانة: نازبو، ہر خوشبودار پودا۔ مر: (میم پر پیش اور را پر تشدید) کڑوا، تلخ۔ حنظلة: ایلوا، تفیئه: (تا پر پیش، فا پر زبر اور یا کے نیچے زیر اور تشدید کے ساتھ) ہوائیں اس کھیت کو ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہیں۔ یصیبه بلاء: مؤمن کو ہمیشہ آزمائش پہونچتی رہتی ہے، لگی رہتی ہے۔ ارز: (ہمزے پر زبر اور پیش کے ساتھ) درخت صنوبر۔ لا تهتز: وہ حرکت نہیں کرتا، ہلتا نہیں۔ حتی تستحصد: اس لفظ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا: یہاں تک کہ وہ درخت یکدم خود ہی اکھڑ جائے اور مجہول ہو تو ترجمہ یوں ہوگا: یہاں تک کہ اسے کاٹ دیا جائے، (۱) وقع الناس: صحابہ کرام سوچنے لگے۔ فی شجر البوادی: جنگلات کے درختوں کے بارے میں۔ فاستحییت: میں نے شرم محسوس کی۔ أحب الی: مجھے یہ زیادہ محبوب تھا بنسبت اس کے کہ میرے پاس ایسا اور ایسا مال ہوتا۔

تلاوت کرنے اور نہ کرنے والے مؤمن کی مثال

اس باب کی پہلی حدیث میں اس مؤمن کی مثال جو تلاوت قرآن کرتا ہے، مالٹے سے دی گئی ہے، جس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ بھی بہت عمدہ ہوتا ہے، قرآن کریم پڑھنے والا اسی طرح بہترین ہوتا ہے، اور جو آدمی مؤمن تو ہے لیکن قرآن مجید نہیں پڑھتا، اس کی مثال کھجور جیسی ہے جس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے لیکن خوشبو اس میں کچھ بھی نہیں تو ایمان کی وجہ سے ایسا شخص پسندیدہ تو ہے لیکن قرآن پڑھنے کی خوشبو سے وہ محروم ہے، اور وہ منافق جو قرآن پڑھتا ہے وہ نازبو کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو عمدہ ہے لیکن اس کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے، اور وہ منافق جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال ایلوے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی تلخ ہے، اور خوشبو بھی اس میں نہیں ہوتی۔

اس مثال سے مؤمن کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کو پابندی کے ساتھ روزانہ کیا کرے تاکہ وہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۵۰/۶

اللہ کے ہاں ایک بہترین مؤمن قرار پائے، نارنگی اور مالٹے کی طرح مفید اور خوشبودار انسان بن جائے۔(۱)

مؤمن اور منافق کی مثال

حدیث میں مؤمن کی مثال کھیت سے دی گئی ہے جسے مختلف اطراف سے ہوائیں گھماتی اور پھراتی رہتی ہیں، اس سے اس سبزے کی نشوونما ہوتی ہے، اسی طرح مؤمن کو ہر وقت مختلف مصائب اور آزمائشیں جھنجوڑتی رہتی ہیں، وہ ہمیشہ آسودہ اور خوشحال نہیں ہوتا، کبھی تندرست، کبھی بیمار، کبھی خوش، کبھی پریشان، کبھی معاشی اعتبار سے اچھا اور کبھی تنگدست رہتا ہے، ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا، جب کہ منافق کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے کہ وہ اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے، تیز وتند ہواؤں سے وہ حرکت نہیں کرتا، لیکن اچانک وقت آنے پر اکھڑ جاتا ہے یا اسے کاٹ دیا جاتا ہے، اسی طرح منافق بظاہر خوش باش اور عیش وعشرت میں ہوتا ہے کہ اچانک اس پر موت آجاتی ہے اور یکدم اس کا خاتمہ کر دیتی ہے، آخرت کی نعمتوں میں پھر اس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

نیز اس مثال سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح کھیت اور سبزے کا ہواؤں سے ہلنا اور جھومنا اس کی نشوونما اور بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اسی طرح مؤمن پر جب مشکلات اور مصائب آتے ہیں تو یہ چیز اس کے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے، وہ ان روح فرسا حالات میں اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے مایوس نہیں ہوتا، صبر کرتا ہے اور اللہ سے اجر اور خیر کا امیدوار ہوتا ہے، جب وہ آزمائش اور مصیبت ٹلتی ہے تو وہ اللہ کا شکر کرتا ہے، بہرحال مؤمن خوشی کے موقع پر شکر، آزمائش اور مصیبت کے دنوں میں صبر کرتا ہے، جبکہ منافق مصائب کے آنے سے اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسی مایوسی اور غم میں گھل کر ختم ہو جاتا ہے، ان مصائب سے نہ تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نہ ہی درجے بلند ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مؤمن کی یہ مثال غالب کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے ورنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی مؤمن بھی ہو اور اللہ نے اسے ہر قسم کی مصائب اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا ہو۔(۲)

مؤمن کی مثال درختِ کھجور سے

باب کی تیسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مؤمن کو کھجور کے درخت کے مشابہ قرار دیا ہے، یہ تشبیہ کس اعتبار سے ہے، اس بارے میں شارحین حدیث کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت ہر لحاظ سے فائدے مند ہوتا ہے، اس کا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۷/۸

(۲) فتح الباری ۱۳۲/۱۰ تکملۃ فتح الملہم ۱۵۰/۲ کتاب صفات المنافقین، باب: مثل المؤمن کالزرع۔

تنا، شہتیر اور ستون بنانے کے کام آتا ہے، اس کا پھل ہر وقت، ہر حال اور ہر زمانے میں کھایا جاتا ہے، اسے ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے، اس کا گودا اور میٹھا رس بھی نکالا جاتا ہے، اس کے پتوں سے بہت سی مفید چیزیں چٹائیاں وغیرہ بنتی ہیں، اس کی گٹھلی جانوروں کا چارہ ہے، غرضیکہ اس درخت کی کوئی چیز ضائع نہیں جاتی، اسی طرح مؤمن کی کوئی بھی دعا بے کار نہیں جاتی، جو بھی دعا کرتا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے یا تو وہی چیز یا اس سے بہتر عطا کر دیتے ہیں، یا اس کی برکت سے کوئی آفت اور مصیبت ٹل جاتی ہے، یا اسے آخرت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ بعض کے نزدیک یہ مثال بابرکت ہونے کے اعتبار سے دی گئی ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت بابرکت ہے کہ اس کی کوئی چیز بے کار نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کامل مؤمن ہو تو اس کا ہر عمل خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔

۳۔ کھجور کی جڑیں زمین میں ثابت اور مستحکم ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، یہی وصف مؤمن کا بھی ہے کہ ایمان اس کے قلب وجگر میں راسخ اور مضبوط ہوتا ہے اور اس کے ثمرات یعنی اعمال و اخلاق آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور اللہ جل جلالہ کے پاس پہونچتے رہتے ہیں۔

۴۔ جس طرح کھجور کا درخت ہر وقت، ہر موسم اور ہر حال میں پھل دیتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ فلاں موسم میں تو پھل دے اور فلاں میں نہ دے، اسی طرح مؤمن کے اعمال صالحہ کا کوئی وقت اور موسم متعین نہیں بلکہ ہر وقت، ہر موسم، ہر لحہ اور ہر آن میں اس کے اعمال کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں یہ امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ بسا اوقات کوئی عالم کسی شاگرد سے بطور امتحان کے کوئی چیز پوچھ لے تو یہ مسنون ہے۔

۲۔ وہ پہیلی جو فائدے مند اور علمی بات پر مشتمل ہو، اس سے کسی انسان کی توہین وتحقیر اور اسے محض لاجواب کرنا پیش نظر نہ ہو تو یہ جائز ہے، لیکن اگر پہیلی کسی اچھے معنی پر مشتمل نہ ہو یا اس سے کسی انسان کو محض زچ کرنا مقصود ہو تو ایسی پہیلی کا پوچھنا درست نہیں۔(۲)

بابُ مَثَلِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ

یہ باب پانچ نمازوں کی مثال کے بیان کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ،

---

(۱) فتح الباری ۱/۱۹۳ کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا. تکملة فتح الملهم ۶/۱۵۴ کتاب صفات المنافقین باب: مثل المؤمن مثل النخلة. معارف القرآن ۵/۲۴۶

(۲) تحفة الاحوذی ۸/۱۶۱

هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر چلتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہے گی؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں، کوئی میل باقی نہیں رہے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے تمام (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔درن: (دال اور را پر زبر کے ساتھ) میل کچیل۔ یمحو: مٹا دیتا ہے۔

پانچ نمازوں کی مثال

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ نمازوں کی مثال دی کہ جو شخص پانچوں نمازیں ان کے آداب و شروط اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے تو وہ صغیرہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ شخص ہر طرح کی میل سے صاف ہو جاتا ہے جو دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے۔(۱)

باب

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، معلوم نہیں اس بارش کا اول بہتر ہے یا آخر۔

امت محمدیہ کی مثال بارش سے

اس حدیث میں امت مسلمہ کو بارش کے مشابہ قرار دیا کہ جس طرح باران رحمت ساری کی ساری خیر و برکت اور نفع کا ذریعہ ہوتی ہے، اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خیر بارش کے کس حصے میں ہے، اسی طرح اس امت کے پہلے لوگ اور بعد کے لوگ خیر اور نفع پہونچانے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، گویا لفظ "خیر" اس معنی کے اعتبار سے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔

اس پر سوال یہ ہے کہ امت کا ابتدائی طبقہ صحابہ و تابعین کا بعد کے لوگوں کے ساتھ خیر اور نفع پہونچانے میں برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب علماء کرام نے یہ دیا کہ پہلے دور کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف پایا، آپ کی اتباع

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۶۲

کی، اسلام کو پھیلایا، آپ کی ہر موقع پر مدد ونصرت اور دفاع کیا، دین اسلام کی نشر واشاعت اور اس کے غلبہ کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو امت کے بعد کے لوگوں کو حاصل نہیں، پھر بعد کے لوگوں نے اس شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، اس پر ثابت قدم رہے، دین اسلام کے شعائر اور ارکان کو مستحکم کیا، اسلام کی روشنی کو مشرق و مغرب تک پھیلایا اور اس کے ثمرات اور برکتوں سے لوگوں کو اسلام کے قریب کیا،

اور اگر "خیر" سے اسم تفضیل کے معنی مراد ہوں تو یہ بھی درست ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ "خیر" کے اسباب متعدد ہوتے ہیں، بعض اسباب کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، بعض دیگر اسباب کے لحاظ سے بعد کے لوگ بہتر ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یہ امت نافع اور اچھا ہونے میں یکساں اور برابر ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بعد کے لوگوں کی یہ فضیلت جزوی ہے، ورنہ جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ کلی فضیلت صرف حضرات صحابہ کو حاصل ہے، اس میں باقی امت ان کے برابر نہیں ہو سکتی۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے صرف اس بات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس دین کو پھیلانے اور لوگوں تک پہونچانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے، اس سے بعد کے لوگوں کی صدر اول کے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں۔

اسی طرح قاضی عیاض نے بھی فرمایا کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کونسا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح یہ امت "خیر" پہونچانے میں یکساں اور برابر ہے، اس سے درحقیقت بعد کے لوگوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھیں کیونکہ اللہ کے فیض کا دروازہ کشادہ ہے، اس سے بعد کے لوگوں کے لئے پہلے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا درست نہیں کیونکہ بالاتفاق پہلے لوگ افضل ہیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس امت کو بارش کے ساتھ تشبیہ علم اور ہدایت کے اعتبار سے دی گئی ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں "بارش" کو علم اور ہدایت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے زیر بحث حدیث میں بھی "امت" سے "علماء کاملین" مراد ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہونچاتے ہیں، اس تشریح کے اعتبار سے "خیر" سے "نفع" کے معنی مراد ہوں گے، اور اس صورت میں "افضلیت" میں پوری امت کا یکساں اور برابر ہونا لازم نہیں آتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ امت اپنے کسی دور میں خیر سے خالی نہیں ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امت کو "امت مرحومہ" ارشاد فرمایا ہے، کیونکہ اس امت کا نبی "نبی رحمت" ہے، جبکہ دوسری امتوں کے ہاں "خیر" کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا، اور پھر بعد والوں میں شر آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا، ان میں اپنی منشاء کے مطابق تحریف کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی مسخ کر دیا، جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔ (۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۷ کتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة، تحفة الاحوذی ۸/۱۶۷، شرح الطیبی ۱۱/۳۷۴

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ ابْنِ آدَمَ وَأَجَلِهِ وَأَمَلِهِ

یہ باب انسان، اس کی موت اور اس کی امید کی مثال کے بیان کے بارے میں ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَلْ تَدْرُونَ مَا هَذِهِ وَمَا هَذِهِ؟ وَرَمَى بِحَصَاتَيْنِ. قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: هَذَاكَ الْأَمَلُ وَهَذَاكَ الْأَجَلُ.

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے اور آپ نے دو کنکریاں پھینکیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ امید ہے اور یہ موت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا النَّاسُ كَإِبِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی مثال اس طرح ہے کہ (کسی کے پاس) سو اونٹ ہوں لیکن وہ ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہیں پاتا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا النَّاسُ كَإِبِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً أَوْ قَالَ لَا تَجِدُ فِيهَا إِلَّا رَاحِلَةً.

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی مثال سو (100) اونٹوں کی سی ہے کہ تم ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک اونٹ سواری کے قابل پاؤ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ: قَالَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الذَّبَابُ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهَا، وَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ، وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی سی ہے، جس نے آگ جلائی، تو اس میں کیڑے مکوڑے، پروانے اور تتلیاں گرنے لگیں، چنانچہ میں پاجامہ باندھنے کی جگہوں سے تمہیں (بچانے کے لئے) پکڑ رہا ہوں، اور تم ہو کہ اس میں داخل یعنی گرتے چلے جارہے ہو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِيمَا خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغَارِبِ الشَّمْسِ وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ. فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى عَلَى قِيرَاطٍ. قِيرَاطٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيرَاطَيْنِ، قِيرَاطَيْنِ فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى وَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ

عَطَاءً؟ قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوا: لَا. قَالَ: فَإِنَّهُ فَضْلِي، أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کی عمریں گذشتہ امتوں کے مقابلے میں اتنی ہیں جیسے عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت، اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کئی مزدوروں کو کام پر لگایا اور ان سے کہا کہ: کون میرے لئے دوپہر تک ایک ایک قیراط کے عوض کام کرے گا؟ چنانچہ یہود نے ایک ایک قیراط کے بدلے کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کہ کون میرے لئے ایک ایک قیراط پر دوپہر سے عصر تک کام کرے گا؟ تو نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر اس وقت کام کیا، پھر اب تم لوگ عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط کے عوض کام کرتے ہو، اس پر یہود و نصاریٰ غضبناک ہو گئے، اور کہنے لگے کہ ہم کام زیادہ کرتے ہیں اور معاوضہ ہمیں کم دیا جاتا ہے، وہ شخص (یا اللہ تعالیٰ) ان سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تم لوگوں کے حق میں کسی چیز میں زیادتی کی ہے (کہ میں نے اس مزدوری میں سے کچھ رکھ لیا ہو) وہ کہنے لگے: نہیں، تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں، اسے عطا کر دیتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **حصاتین:** دو کنکریاں۔ **راحلۃ:** قابل سوار اونٹ، اونٹنی۔ **استوقد:** اس نے آگ جلائی، آگ سلگائی۔ **الدواب:** دابۃ کی جمع ہے: کیڑے مکوڑے۔ **فراش:** (فا پر زبر کے ساتھ) پروانے، تتلیاں۔ **یقعن فیھا:** وہ اس میں گرنے لگے۔ **حجز:** (حاء پر پیش اور جیم پر زبر کے ساتھ) حجزۃ کی جمع ہے، ازار اور پاجامہ باندھنے کی جگہ۔ **تقحمون:** تم اس میں داخل ہو رہے ہو گرتے چلے جا رہے ہو۔ **فیما خلا من الامم:** گذشتہ امتیں۔ **أجل:** اس کے دو معنیٰ ہیں: ۱۔ پوری زندگی کی مدت، ۲۔ موت۔ **استعمل:** اس نے کام پر لگایا۔ **عمال:** (عین پر پیش کے ساتھ) عامل کی جمع ہے: مزدور، کام کرنے والے۔ **قیراط:** وزن اور پیمائش کی ایک مقدار جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے اور اب وزن میں گندم کے چار دانے کے مساوی ہے، بعض نے کہا: یہ نصف دانق ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔ **إبل:** اہل عرب جب لفظ ابل بولتے ہیں تو اس سے وہ سو اونٹ مراد لیتے ہیں۔

موت اور امیدوں کی مثال

نبی کریم ﷺ نے دو کنکریاں پھینکیں ایک دور اور دوسری ذرا قریب، پھر پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے؟ پھر آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ دور کی کنکری سے امیدیں مراد ہیں کہ جنہیں حاصل کرنے کے لئے انسان رات دن ایک کرتا ہے، اور دوسری قریب کی کنکری سے موت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی موت اس کی امیدوں سے بہت قریب ہے، پھر بھی انسان موت سے غافل ہے، اس کی تیاری نہیں کر رہا، امیدوں اور خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہے جو اس سے بہت دور ہیں، لہذا امیدوں اور خواہشات کے بجائے انسان کو موت کی تیاری کرنی چاہیے۔

الناس کابل مائۃ کے دو مطلب

شارحین حدیث نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ لوگوں میں قابل، باصلاحیت اور صاحب فضل وتقویٰ بہت کم ہوتے ہیں، ناکارہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، جس طرح سو اونٹوں میں سواری اور کام کے قابل بمشکل ایک اونٹنی ملتی ہے، اسی طرح کام کے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔(۱)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے لوگ کم ہیں، اور ''لوگوں'' سے خیر القرون کے لوگ مراد نہیں کیونکہ ان کی فضیلت کی تو خود حضور اکرم ﷺ نے گواہی دی ہے، بلکہ بعد میں آنے والے لوگ مراد ہیں۔(۲)

۲۔ ایسے لوگ جو زاہد ہوں، دنیا سے بے رغبتی کا انہیں ملکہ حاصل ہو، اور آخرت کے حصول کے لئے اعمال میں مشغول رہتے ہوں، بہت کم ہیں، فضول اور غافل قسم کے لوگ تو بہت ہیں جیسے سو اونٹ بوجھ اٹھانے کے تو قابل ہوتے ہیں لیکن ان میں سواری کے قابل بمشکل کوئی ایک ہی ہوتا ہے۔(۳)

حضور ﷺ آگ جلانے والے کی طرح ہیں

اس باب کی حدیث نمبر ۳ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حرام اور ممنوع اشیاء کو کھول کھول کر بیان فرمادیا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ جلائے، اور پھر وہ پروانوں اور تتلیوں کو اس میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس میں گرتے چلے جاتے ہیں اسی طرح میں تمہیں پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ گناہ نہ کرو، فلاں معصیت کا ارتکاب نہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور ہلاکت سے بچ جاؤ لیکن تم ہو کہ لذت پرستی، نفس وشیطان کے فریب اور گناہوں میں مشغول ہوتے چلے جارہے ہو، یوں تم لوگ گویا دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کررہے ہو۔(۴)

اس امت کی فضیلت وخصوصیت

باب کی آخری حدیث میں اس امت کی ایک فضیلت، شرف اور خصوصیت کو بیان کیا گیا ہے کہ اس امت کے لوگوں

---

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۳۰۷، تحفۃ الاحوذی ۱۷۸/۸

(۲) شرح ابن بطال ۱۰/ ۲۶۰، الکوکب الدری ۲۶۳/۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۷۹/۸

(۴) تحفۃ الاحوذی ۱۷۹/۸

کی عمریں گذشتہ امتوں کے لوگوں کی عمروں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، جیسے دن کے آغاز سے نماز عصر کے وقت کے مقابلے میں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے، اس کے باوجود اس امت کے لئے اجر وثواب زیادہ متعین کیا گیا ہے گویا عمل اور محنت کم ہے لیکن اجر وثواب زیادہ جبکہ پہلی امتوں کا عمل اور محنت کا وقت زیادہ اور اجر وثواب کم متعین کیا گیا ہے، یہ اس امت کی خاص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

اس بات کو حدیث میں یوں سمجھایا گیا کہ تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس شخص کی سی ہے جو کچھ مزدوروں کو کام پر لگائے، اس معاہدے کے ساتھ کہ جو آدمی آدھے دن تک کام کرے گا، اسے ایک ایک قیراط ملے گا، چنانچہ یہود نے ایسا کیا، پھر اس شخص نے کہا کہ آدھے دن سے عصر کے وقت تک ایک ایک قیراط پر کون کام کرے گا؟ نصاری اس پر تیار ہو گئے، دیکھئے ان دونوں کے اوقات عمل زیادہ ہیں، اس کے مقابلے میں ان کی اجرت کم مقرر کی گئی ہے، اور امت محمدیہ کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی عصر سے غروب تک کام کرے اور اسے پہلوں کی مزدوری کے مقابلے میں دوہرا اجر یعنی دو دو قیراط فی آدمی کو ملیں، گویا کم وقت میں زیادہ اجر وثواب انہیں حاصل ہو۔

اس پر یہود ونصاری غضبناک ہو گئے کہ ہماری محنت اور عمل زیادہ ہے، اور اس کے مقابلے میں اجر وثواب بہت قلیل ہے اور امت محمدیہ کا وقت کم ہے اور اجر وثواب اسے زیادہ دیا گیا ہے، اس شخص نے ان سے کہا کہ کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے، کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس پر اس شخص نے کہا کہ یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں زیادہ دوں، اور جسے چاہوں کم دوں، اور تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی باقی یہ کہ میں بعض کو زیادہ کیوں دے رہا ہوں یہ میری اپنی مرضی ہے، اس لئے تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ شرح اس تقدیر پر ہے کہ قال: هل ظلمتكم من حقكم شيئا؟ میں ''قال'' کا قائل یعنی فاعل وہ شخص ہو جس نے کام کے لئے کچھ مزدوروں کو کام پر لگایا ہے، جب کہ اس روایت کے بخاری کے طریق میں اس ''قال'' کا فاعل ''اللہ جل جلالہ'' مذکور ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاری سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے، وہ جواب دیں گے: نہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ امت محمدیہ کو جو میں نے اجر وثواب زیادہ دیا ہے یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں، لہذا تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہود ونصاری کا یہ کلام کہاں ہوگا؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ کلام قیامت کے دن ہوگا جب وہ امت محمدیہ کا اجر وثواب زیادہ دیکھیں گے، نبی کریم ﷺ نے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ امر ضرور واقع ہوگا۔

۲۔ یا اس طرح کی بات اس وقت انہوں نے کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانہ میں اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ اپنے رسولوں کی زبان سے اس امت کی یہ خصوصیت اور فضیلت معلوم ہوئی ہوگی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو بھی اجر وثواب ملتا ہے وہ نہ تو عبادات و اعمال میں رنج اور تھکاوٹ اٹھانے سے ملتا ہے اور نہ ہی کسی استحقاق سے کیونکہ بندہ اپنے مولیٰ کے نزدیک اپنی عبادت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے اجر وثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی عطا فرماتے ہیں تو وہ محض اپنے فضل وکرم سے دیتے ہیں اور اسے اس چیز کا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اسے زیادہ ثواب عطاء فرمادے۔

اس حدیث میں یہود ونصاریٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے انبیاء پر ایمان لایا، ان کی باتوں پر عمل کیا اور اپنی کتابوں میں کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف نہیں کی، کیونکہ جو ایسے نہ ہوں بلکہ انہوں نے کتابوں میں تحریف کردی ہو تو وہ اجر وثواب کے سرے سے مستحق ہی نہیں۔

ایک اہم فائدہ

امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہوجائے، چنانچہ حنفی علماء اس مذہب کی تائید کے لئے اس حدیث سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ نصاریٰ کے کام کا وقت امت محمدیہ کے عمل کے وقت سے زیادہ، اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب یوں کہا جائے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہوجائے، کیونکہ اگر آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے مسلک کے مطابق یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک گنا ہوجائے یعنی مثل اول تک اور جب مثل ثانی شروع ہوجائے تو اس وقت سے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، تو پھر نصاریٰ کا عمل کا وقت امت محمدیہ کے عمل کے وقت سے زیادہ نہیں ہوگا جبکہ حدیث سے اس چیز کو ثابت کرنا مقصود نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ دونوں کے مقابلے میں امت محمدیہ کا وقت عمل کم ہے لیکن اجر وثواب زیادہ ہے، یہ معنی اسی وقت ثابت ہوسکتے ہیں جب یوں کہا جائے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہوجائے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مذہب ہے۔(۱)

هذا وإلى هذا تم المجلد الثاني لـ "معارف ترمذي" بحمد الله تعالى وعونه، مساء الجمعة ۱۲ رجب ۱۴۳۱ھ الموافق ۲۵ يونيو ۲۰۱۰م وأسأل الله سبحانه وتعالى أن يوفقني لإكمال باقي الشرح على ما يحبه ويرضاه، انه سميع قريب مجيب الدعوات، وهو على كل شئ قدير، و بالإجابة جدير، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، ويليه ان شاء الله "المجلد الثالث" و أوله شرح "ابواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ"۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۱/۲۱۴، كتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة

مصادر و مراجع

معارف ترمذی جلد دوم

قرآن مجید		
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	قدیمی کتب خانہ کراچی
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ترمذی	ابوعیسیٰ ترمذی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث	قدیمی کتب خانہ کراچی
شرح معانی الآثار	امام احمد بن طحاوی	ایچ ایم سعید کراچی
المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ الحاکم	بیروت
عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی	دار الکتب العلمیہ بیروت
عارضۃ الاحوذی	ابن العربی مالکی	دار احیاء التراث بیروت
تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمن مبارکپوری	بیروت اور قدیمی کراچی
شرح الطیبی	حسین بن محمد طیبی	ادارۃ القرآن کراچی
مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری	رشیدیہ کوئٹہ، حقانیہ پشاور
العرف الشذی علی جامع الترمذی	مولانا انور شاہ کشمیری	ایچ۔ایم سعید کراچی
بذل المجہود	خلیل احمد سہارنپوری	بیروت
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان	مکتبہ فاروقیہ کراچی
فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی
تکملۃ فتح الملہم	محمد تقی العثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی

درس ترمذی	محمد تقی العثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابن حجر عسقلانی	بیروت
فتح القدیر	علامہ ابن الہمام	رشیدیہ کوئٹہ
المغنی	موفق الدین ابن قدامہ	بیروت
امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دار العلوم کراچی
احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد لدھیانوی	ایچ ایم سعید کراچی
کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ	دار الاشاعت کراچی
فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن	مکتبہ فاروقیہ کراچی
فتاوی حقانیہ	مولانا عبد الحق والعلماء	جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک
فقہی مقالات	محمد تقی العثمانی	میمن پبلشرز کراچی
فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء		دار العاصمۃ، الریاض
جدید آلات کا حکم	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی
انعام الباری	محمد تقی عثمانی	مکتبہ الحراء کراچی
اکمال اکمال المعلم	محمد بن خلفہ الابی	بیروت
القاموس الوحید	وحید الزمان قاسمی	ادارہ اسلامیات لاہور
رد المحتار	ابن عابدین شامی	ایچ ایم سعید کراچی
تقریر بخاری	شیخ الحدیث محمد زکریا	مکتبہ الشیخ کراچی
شرح مسلم	امام نووی	قدیمی کراچی
اتحاف السادۃ	سید محمد	بیروت
مظاہر حق	نواب محمد قطب الدین دہلوی	دار الاشاعت کراچی
مجمع البحرین	مفتی نظام الدین شامزئی	مکتبہ الحبیب کراچی
لامع الدراری	مولانا رشید احمد گنگوہی	امدادیہ مکہ مکرمہ
فیض الباری	مولانا محمد انور شاہ کشمیری	رشیدیہ کوئٹہ

اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	ادارہ تالیفات، ملتان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی
البدایۃ والنھایۃ	اسماعیل بن عمر ابن کثیر	بیروت
فتاوی عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن کراچی
حاشیہ جامع ترمذی	احمد علی سہارنپوری	ایچ ایم سعید کراچی
شرح ابن بطال	علی بن خلف، ابن بطال	مکتبۃ الرشد، ریاض
فتاوی ھندیۃ	شیخ نظام و جماعۃ من الھند	رشیدیہ، کوئٹہ
الشعر والشعراء	ابن قتیبہ	بیروت
معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع		بیروت

قطبی کی بہترین اردو شرح

تیسیر قطبی

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند
اقبال روڈ، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک، راولپنڈی فون: 0333-5375336

اسلامی عبادات

قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوۃ

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند
اقبال روڈ، کمیٹی چوک راولپنڈی فون: 0333-5375336